آیاتِ بیّنات

حصہ اوّل و دوم

شیعہ عقائد کے بطلان میں وہ عظیم الشان اور مشہور کتاب جس کا صحیح جواب آج تک علمائے شیعہ نہ دے سکے اور جس نے ہزارہا انسانوں کے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا جس میں خود شیعہ مذہب کی کتب اور ان کے علماء کے حوالوں سے صحابہؓ کے فضائل اور خلافتِ راشدہ کو ثابت کیا گیا ہے اور مسئلہ نکاح امّ کلثومؓ پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے، انداز بیان نہایت متین اور ناصحانہ اختیار کیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ ہر شخص خصوصاً شیعہ حضرات تعصب سے ہٹ کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں

تالیف

نواب محسن الملک سید محمد مہدی علی خان صاحب

ناشر

دار الاشاعت

مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی

اصلاح و اضافہ شدہ، جدید عکسی ایڈیشن،

باہتمام محمد رضی عثمانی، مدیر دارالاشاعت کراچی ۱

تعداد طبع ایک ہزار، مطبوعہ مشہور پریس کراچی

اشاعت جون ۱۹۷۵ء

ملنے کے پتے

دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی ۱

ادارۃ المعارف ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم ڈاک خانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

ادارۂ اسلامیات ـــــ ۱۹۰ انار کلی لاہور

عرضِ ناشر

زیرِ نظر کتاب آیات بینات جناب نواب محسن الدولہ محسن الملک مولوی سید محمد مہدی علی خاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ معتمد پولیٹیکل و فنانس سرکار عالی ریاست حیدر آباد دکن کی وہ عظیم اور مشہور کتاب ہے جس نے ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ یہ کتاب اہل تشیع کے عقائد کے بطلان میں ایسی متین اور سنجیدہ کتاب ہے جس کا صحیح جواب آج تک علمائے شیعہ نہ دے سکے اور جس نے ہزارہا انسانوں کے شکوک و شبہات کو ختم کر دیا۔ اہل علم خوب جانتے ہیں کہ یہ کتاب اس موضوع پر کس درجہ کی ہوگی کیونکہ اس کے مصنف نواب صاحب موصوف ایک زمانہ تک خود شیعہ مذہب کے بڑے عالم اور مجتہد امام تھے بعد میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت فرمائی۔ اور آپ کے دل میں سُنی مذہب کی حقانیت جاگزیں ہوگئی۔ اور آپ راہ حق میں کنبہ برادری عزیز رشتہ داروں کی پروا کئے بغیر شیعہ مذہب سے تائب ہوئے اور اپنے سُنی ہونے کا اعلان فرما دیا۔

ظاہر ہے کہ جب ایک ایسا عالم تردید شیعیت میں قلم اُٹھائے جو خود پہلے شیعہ عالم رہا ہو تو اس نے اس کتاب میں کس قدر صحیح اور سچی باتیں لکھی ہوں گی۔ لیکن اس کے باوجود اندازِ تحریر عام مناظرانہ نہیں بلکہ نہایت متین اور سنجیدہ اور ناصحانہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہر شخص خصوصاً شیعہ حضرات تعصب سے ہٹ کر اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

ابتداء میں یہ کتاب دو جلدوں میں ۱۳۱۵ھ میں مطبع مصطفائی سے شائع ہوئی تھی۔ اور عرصہ سے یہ کتاب نایاب تھی ۱۹۶۰ء میں دارالاشاعت کراچی کو اس کی جلد اوّل کے دونوں حصے دستیاب ہوئے تھے جو بعینہٖ شائع کر دیئے گئے تھے لیکن اس وقت خاطر خواہ اس کی طباعت کا انتظام نہ ہو سکا تھا۔ اب یہ عظیم کتاب عکسی طباعت کے ذریعہ شائع ہوئی ہے۔

خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی جلد دوم بھی بڑی تلاش و جستجو کے بعد دستیاب ہوگئی ہے جو فدک وغیرہ اہم مباحث پر مشتمل ہے۔

حصہ اوّل و دوم آپ کے پیشِ نظر ہیں جس میں سب سے پہلے صحابہؓ کرام کے فضائل بیان کیے گئے ہیں اور پھر خلافتِ راشدہ کو ثابت کیا گیا ہے۔ نکاحِ اُمِّ کلثوم پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے اور پھر اُن مطاعن اور اعتراضات کے مدلّل جوابات دیئے گئے ہیں جو صحابہؓ کی نسبت شیعہ حضرات کرتے ہیں۔

جلد دوم بحثِ فدک وغیرہ اہم مباحث پر مشتمل علیحدہ شائع کی جا رہی ہے۔

اس اشاعت کی خصوصیّت

اصل کتاب میں جا بجا عربی اور فارسی کی عبارتیں بطورِ حوالہ اور سند کے درج تھیں لیکن اُن کا اُردو ترجمہ نہ تھا جس کی وجہ سے اردو خواں حضرات کو مطالعہ میں دشواری ہوتی تھی، ہم نے ایسی عبارتوں پر نمبر ڈال کر حاشیہ میں اردو ترجمہ درج کر دیا ہے اب انشاء اللہ تعالیٰ یہ کتاب ہر خاص و عام کے لئے مفید ہو گئی ہے ہمیں اُمید ہے کہ اہلِ علم حضرات اِن بیش بہا خزینہ ہائے علم سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں گے۔

وما توفیقی اِلّا باللہ۔

بندہ محمد رضی عثمانی

۲۔ جمادی الاوّل مطابق ۲۱۔ ستمبر ۱۹۶۳ء

فہرست مضامین حصہ اول و دوم

دیباچہ از مصنف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّهٖ وَحَبِیْبِهٖ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَاُمَّتِهٖ اَجْمَعِیْنَ۔

بعد حمد و صلوٰۃ کے جاننا چاہیئے کہ خدائے عزّوجل نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنا محبوب پیغمبر بھیجا اور اپنا خاص کلام اس پر نازل کیا اور چراغ رہنمائی کا اُس کے ہاتھ میں دیا اور اپنی کمال مہربانی سے شرک اور کفر کی تاریکی سے نکال کر ہمارے دلوں کو نورِ ایمان سے روشن کیا، پس ایمان اور اسلام ایک ایسی اس کی نعمت ہے کہ ہم اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتے لیکن شیطان نے بعد ایمان کے اکثر مسلمانوں کو بہکایا اور ان کے دلوں کو باطل عقیدوں سے پھر تاریک کر دیا اور مسلمانوں میں ایسا تفرقہ ڈال دیا کہ بہتر فرقے گمراہ ہوگئے جنکی نسبت ہمارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے خبر دی تھی پس ہم لوگوں کو فقط اسلام کے نام پر خوش ہونا اور صرف توحید اور نبوت کے اقرار پر اپنے آپ کو ناجی سمجھنا نہ چاہیئے بلکہ ہر عقیدے کی تحقیق کرنا اور ہر اعتقادی مسئلے کی تطبیق کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے دینا ضرور ہے اور یہ ممکن نہیں ہے کہ جو شخص اپنے سچے اور صاف دل سے صرف اپنی نجات کی اُمید پر خدا کی کتاب کو دیکھے اور تعصب اور عناد کو دخل نہ دے وہ حق اور باطل میں تمیز نہ کر سکے اور ایسے حق کے طالب کو خدا گمراہی میں پڑا رہنے دے ہاں جو کوئی پہلے ہی سے سچائی کا طالب ہو اور مذہبی تعصب میں گرفتار ہو اور سوائے مجادلے اور مکابرے کے اُسے اور کچھ منظور نہ ہو اور اپنے آبائی دین و مذہب کو تقلیداً سچ جانتا اور اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓی اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ کہتا ہو بیشک اپنی گمراہی میں پڑا رہے گا اور اپنے دل کو باطل عقیدوں سے کبھی پاک صاف نہ کر سکے گا، بعد اس تمہید کے بندۂ گنہگار **مھدی علی ابن سید ضامن علی** غفر اللہ ذنوبہ اپنے بھائیوں کی خدمت میں التماس کرتا ہے کہ منجملہ مذاہب مختلفہ مسلمانوں کے دو مذہب زیادہ مشہور ہیں۔ ایک اہل سنت

وجماعت دوسرا امامیہ دونوں اپنے مذہب کو حق اور دوسرے کے مذہب کو باطل کہتے ہیں اور اپنے آپ کو ناجی اور دوسرے کو ناری سمجھتے ہیں ہزاروں کتابیں تالیف ہو گئیں۔ اور صدہا رسالے تحریر ہوئے مگر یہ جھگڑا اب تک طے نہ ہوا جس کا جو عقیدہ تھا وہ اُس پر قائم رہا۔ بہت کم ایسے ہیں جنہوں نے حق پر نظر کر کے اپنے آبائی دین کو چھوڑا ہو اور دوسرے مذہب کو صرف اپنی نجات کے لئے اختیار کیا ہو لیکن میں اپنے خدائی عزّوجل کا ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ میں اُن چند آدمیوں میں سے ہوں جنہوں نے اپنی نجات کی اُمید پر دونوں مذہب کے اصُول پر انصاف سے غور کیا اور مذہب اہل سنت کو مطابق کلام الٰہی کے پا کر اور مذہب امامیہ کو اس کے مخالف دیکھ کر اپنے آبائی دین کے چھوڑنے میں تمام کنبے قبیلے سے جدا ہونے میں کچھ کسی کا لحاظ و خیال نہیں کیا اور امامیہ مذہب کو جو بقول لئے مصرع

ع برعکس نہند نام زنگی کافور

کے مخالف عقائد ائمہ کرام علیہم السّلام کے ہے چھوڑ کر سچا مذہب اہل سنت وجماعت کا اختیار کیا چونکہ میرے عزیز و اقارب اور بھائی بھتیجے اکثر اپنے قدیم مذہب پر ہیں اور مجھے گمراہ جانتے ہیں۔ اس لئے میں اُن پر اُن دلائل عقلی کو ظاہر کرتا ہوں جنہوں نے میرے دل کو اُن کے مذہب سے متنفر کیا اور اُن شواہد نقلی کو بیان کرتا ہوں جن کے سبب سے میں نے مذہب اہل سُنت وجماعت کو اچھا جان کر اختیار کیا اسی واسطے میں یہ رسالہ اہل سنت وجماعت کے مذہب کی خوبیوں میں لکھتا ہوں خدا کرے کہ میرے اور بھائی اس کو نظر انصاف سے دیکھیں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمین

تمہید

یہ سب پر ظاہر ہے کہ دونوں مذہب کا اصل اختلافی مسئلہ معاملہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ہے اہل سنت ان کو اچھا جانتے ہیں اور شیعہ اُن کو بُرا سمجھتے ہیں بلکہ جس طرح پر اہل سنت اُن تمام اُمت سے مرتبہ میں اعلیٰ و افضل اور ایمان اور اسلام میں سب سے بہتر اور کامل جانتے ہیں اسی طرح پر شیعہ اُن کو سب سے زیادہ تر بُرا اور خراب حتیٰ کہ کافر اور مرتد کہتے ہیں پس درحقیقت یہی ایک مسئلہ ایسا ہے جس پر دونوں مذہب کی حقیقت اور بطلان کا مدار ہے یعنی اگر موافق اصول مذہب اہل سنت کے صحابہ کا ایمان اور اسلام میں کامل ہونا اور مرتے دم تک اُن کا اس پر ثابت قدم رہنا ثابت ہوگیا تو بلاشبہ سنیوں کا مذہب حق اور شیعوں کا مذہب باطل اور اگر برخلاف اُس کے اُن کا کافر اور مُرتد ہونا (نعوذ باللہ من ذالک) معلوم ہوا تو شیعوں کا مذہب سچا اور سُنیوں کا مذہب جھوٹا ہے اس واسطے ہم اوّل صحابہ کے فضائل بیان کرتے ہیں۔ پھر خلافت راشدہ کو ثابت کریں گے پھر جواب مطاعن کا جو صحابہ کی نسبت امامیہ کرتے ہیں دیں گے۔

دلائل عقلی صحابہؓ کی فضیلت میں

پہلی دلیل:۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ جب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے عرب میں مبعوث کیا اور مکہ معظمہ میں اوّل اوّل حضرت کو اظہار نبوت کا حکم دیا تو اس وقت میں سب لوگ کافر اور مشرک تھے اور آپ کے عزیز و اقارب اور رشتہ دار اور بھائی بند اس خبر کو سنتے ہی آپ کے دشمن ہو گئے تھے اور آپ کی تکذیب کرتے تھے کوئی مجنون کہتا تھا کوئی دیوانہ بتلاتا تھا (ونعوذ باللہ من ذالک) اور چھ برس تک باوجود دعوت اور اظہار معجزات کے صرف چند آدمی جو چالیس سے کم تھے مسلمان ہوئے مگر چھ برس کے بعد کسی قدر جماعت مسلمانوں کی ہو گئی اور دعوت عام اسلام کی علانیہ ہونے لگی اور ارکان دین کو حضرت نے علی رؤس الاشہاد ظاہر کرنا شروع کیا تب اہل مکہ نے یہاں تک تکلیف اور ایذا دینی شروع کی کہ آخر کار مکہ چھوڑنا اور مدینہ کو ہجرت کرنا پڑا اور بعد آہستہ آہستہ دین اسلام کی ترقی شروع ہوئی اور پھر اس قدر جلد اسلام پھیلا کہ چند سال کے عرصے میں سینکڑوں سے ہزاروں کی اور ہزاروں سے لاکھوں کی نوبت آگئی اور جماعت کی جماعت اور فوج کی فوج خدا کے دین میں داخل ہو گئی پس غور کرنے کا مقام ہے کہ جن لوگوں نے ابتدائے دعوت میں اسلام قبول کیا اور سب سے پہلے پیغمبر صاحب کے کہنے کو سچ جانا اور اوّل ہی اوّل آپ کی نبوت کو تصدیق کیا اور بلا توقف بلا تامل کلمۂ شہادت پڑھا اور بغیر صلاح اور مشورے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کے اپنے قدیمی دین کو چھوڑ دیا اور اپنے بھائی بندوں سے علیحدہ ہو کر اوّل ہی اوّل آپ کا دامن رحمت پکڑا اور اپنے دوست آشناؤں سے مخالفت کر کے غاشیہ اطاعت نبوی اپنے دوش پر رکھا تو ایسے لوگوں کے اسلام کا جو ایسے نازک وقت میں اپنے باپ دادا کے دین کو چھوڑ کر نئے دین میں آئے کوئی نہایت قوی سبب ہوگا اور نیز یہ بات سب جانتے ہیں کہ اپنے قدیمی دین کا چھوڑنا اور نیا دین اختیار کرنا نہایت ہی مشکل ہوتا ہے اور اپنے عیش و آرام کا ترک کرنا اور مصیبت اور ایذائیں پڑنا اور تکلیفیں اٹھانا بلا کسی خاص سبب کے کسی کو گوارا نہیں ہوتا پس اگر ہم ان اسباب کو سوچیں جن سے اول اول صحابہؓ نے ایمان قبول کیا تو صرف دو سبب معلوم ہوتے ہیں یا دین کی خواہش اور نجات کی امید۔ یا دنیا کی

طمع اور مال و دولت کا لالچ اگر پہلے سبب کو ہم تسلیم کریں اور اس امر کو مانیں کہ صحابہ نے اپنی نجات کی اُمید پر دین اسلام قبول کیا تھا اور صرف خدا کی رضامندی کے لئے اپنے گھر بار کو چھوڑا تھا تو ہمارے وہم میں بھی یہ بات نہیں آتی کہ پھر ایسے لوگ کسی وقت میں اس دین سے پھر گئے ہوں اور کبھی انہوں نے اس محبت کو جو اُن کو ایمان اور اسلام کے ساتھ تھی دل سے نکال دیا ہو بلکہ ہم یقین کر سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے صرف خدا کی رضا حاصل کرنے کے لئے اسلام کو مصیبت اور تکلیف کے وقت میں اختیار کیا ہوگا اور برسوں اس کے پیچھے رنج اور دکھ اٹھائے ہونگے وہ کبھی اس دین سے نہ پھرے ہوں گے بلکہ مرتے دم تک اس پر ویسے ہی ثابت قدم رہے ہوں گے اور اگر ہم دوسرے سبب پر نظر کریں کہ وہ لوگ دنیا کی طمع اور مال و دولت کے لالچ سے مسلمان ہوئے ہوں تو ایسی بات ہے کہ جس کی نسبت ہم فرضی خیال بھی نہیں کر سکتے اور نہ کوئی شخص جس کو ذرا ایمان اور عقل اور شرم کا پاس ہوگا اس امر کو خیال کر سکتا ہے اس لئے کہ ابتدائے اسلام میں جو کچھ دنیا کی طمع تھی وہ ظاہر جو کچھ مال اور دولت کی حرص تھی وہ معلوم۔ پس ثابت ہوا کہ صحابہ کا ایمان لانا اور مسلمان ہونا صرف نجات آخرت کی اُمید پر تھا اور جب اس اُمید پر ایمان لانا اُن کا ثابت ہُوا تو پھر اُس سے پھرنا اُن کا غیر ممکن تھا۔

دوسری دلیل:۔ جب ہم خلفائے راشدین اور مہاجرین و انصار کی حالت پر نظر کرتے ہیں اور ان کے چال چلن پر خیال کرتے ہیں تو اس سے ہم کو یقین کامل ہوتا ہے کہ وہ قدم بقدم اپنے پیغمبر کے چلتے تھے اور حرص و ہوا کو کسی کام میں دخل نہ دیتے تھے اور شب و روز خدا اور اس کے رسول کی رضا کے طالب رہا کرتے تھے ان کے دشمن بھی اس سے انکار نہیں کر سکتے کہ انہوں نے حضرت کی رفاقت کا حق نہایت خوبی سے ادا کیا اور اپنی جانوں اور مالوں کو نہایت خوشی سے حضرت پر فدا کیا کون سی مصیبت رہ گئی کہ جو کفار نے اُن کو نہیں دی کون سی تکلیف باقی رہ گئی کہ مشرکین نے اُن کو نہیں پہنچائی جب کفار نے پیغمبر خدا کو ستانا اور ایذا دینا شروع کیا اس وقت اصحاب نبی نے کیسی حمایت اور رفاقت کی اور دعوت اسلام میں کیسی سعی بلیغ فرمائی جب عرب عامۃً اور قریش خاصۃً حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا دہی پر مستعد ہوئے اس وقت ؎ یاران مے خود را سپر مے ساختہ از مشرب عشق چہ بادہ! کہ نہ خود ندو چہ مستیہا کہ نہ کردند و ہر گاہ کہ آنجناب بہجرت و جہاد مامور شد اصحاب مے

در مقابلہ کفار چہ رنجہا کہ نہ کشیدند و چہ غمہا کہ نہ چشیدند۔ پس اگر خدا اور رسول کی محبت ان لوگوں کو نہ تھی تو کیوں اپنی جانوں اور مالوں کو تلف کرتے تھے اور کیوں سختیاں اور مصیبتیں اپنے اوپر اٹھاتے تھے سوچنا چاہیئے کہ مہاجرین کو کس کے عشق نے گھروں سے نکالا اور انصار کو کس کی محبت نے دیوانہ کیا آخر۔ شعر

رنگین کہ کرد پنجہ مژگانم ایں چنیں لعل گہر کہ ریخت بدامانم ایں چنیں

میں حضرات شیعہ سے پوچھتا ہوں کہ صحابہ کبار اور مہاجرین و انصار مصیبت اور رنج کے وقت میں حضرت کے شریک ہوئے یا نہیں اور مال اور جان اور عزت اور آبرو کو آپ پر نثار کیا یا نہیں حضرت کے پیچھے انہوں نے اپنے عزیزوں اور قریبوں کو چھوڑا یا نہیں اسلام کے پھیلانے میں انہوں نے تکلیف اور ایذا پائی یا نہیں پس ایسی بدیہیات سے انکار کیجئے یا اقرار چونکہ انکار ہی نہیں کر سکتے اس لئے لازم آیا کہ اقرار کریں اور اگر ان کی محنتوں اور کوششوں کا انکار کریں تو پھر ذرا انصاف بھی کریں کہ جس کے پیچھے انہوں نے یہ تکلیفیں گوارا کی ہوں گی اس کی نگاہ میں کیا کچھ بھی قدر و منزلت ان کی نہ ہو گی اور جس کی خاطر انہوں نے اپنے گھر بار کو چھوڑا ہو گا اس کے دل میں کیا کچھ بھی محبت ان کی نہ ہو گی۔ اے یارو تم کو حضرت علی مرتضیٰ ہی کی قسم ہے کہ اگر مصیبت کے وقت میں کوئی تمہارا شریک ہو اور دکھ درد کی حالت میں کوئی تمہارا ساتھ دے اور اپنے بھائی بندوں کو چھوڑ کر تمہارے ہمراہ ہو وے اور اپنی جان و مال کو تمہارے پیچھے ضائع کرے تو تمہاری نگاہ میں اس کی کچھ عزت اور تمہارے دل میں اس کی کچھ محبت ہو گی یا نہیں اگر ہو وے تو وہی مہاجرین و انصار کی نسبت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سمجھو اور انصاف کرو کہ جس وقت لوگ چاروں طرف سے یا ساحر یا مجنون کہہ کر آپ کا دل دکھاتے ہوں گے اس وقت جو لوگ یا رسول اللہ اور یا حبیب اللہ کہہ کر آپ کو پکارتے ہوں گے اور جب کہ خویش و اقارب آپ کے آپ کو ستاتے اور تکلیفیں دیتے ہوں گے اس وقت جو لوگ اپنا سینہ سپر کر دیتے اور حضرت کو بچاتے ہوں گے ان کی اس اعانت کی کیا کیا کچھ قدر و منزلت آپ کے نزدیک ہوتی ہو گی اے یارو اگر انصاف کی آنکھ بند نہ کرو تو صحابہ کرام کے مرتبوں کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ کون شخص اس دنیا میں ایسا ہے کہ اب ان کے مرتبے پر پہنچے اور ان کا سا درجہ پا سکے کہاں ہیں اب رسول خدا کہ وہ دعوت کریں اور ان کے کنبے قبیلے کے لوگ ان کو جھٹلا دیں اور ہم میں سے کوئی سامنے آ کر

صدقت یارسول اللہ کہہ کر آپ کے دل کو خوش کرے کہاں ہے وُہ وقت کہ پیغمبر خدا ہجرت کریں اور غار میں جاکر چھپیں اور کوئی ہم میں سے اسوقت ساتھ ہووے اور یارِ غار کہلاوے کہاں ہے وہ زمانہ کہ فقراء مہاجرین کو لے کر حضرت مدینے میں پہنچیں اور مدینے والے اپنے اوپر مصیبت گوارا کرکے اُن کو اپنے گھروں میں ٹھہرادیں اور انصار کہلاویں کیا اب پھر وُہ وقت مل سکتے ہیں کہ پیغمبر خدا بدر کی لڑائی پر جاویں اور ہم لوگ حضرت کے ساتھ ہوں اور ہماری مدد کے لئے خدا ملائکہ کو بھیجے اور لقد رضی اللہ عنہم کہہ کر اپنی رضامندی ظاہر فرماوے اے بھائیو وہ زمانہ گذر گیا وہ وقت باقی نہیں رہا جن کو یہ نعمت ملنے والی تھی ان کو مل گئی جن کو یہ دولت حاصل ہونیوالی تھی اُن کو حاصل ہوچکی جو لوگ مہاجرین میں داخل ہونے والے تھے وہ مہاجرین میں شامل ہوگئے اور جو انصار میں داخل ہونے والے تھے وہ انصار میں شامل ہوچکے اب ہزار جان و مال کو کوئی نثار کرے مگر وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ کی فضیلت پا نہیں سکتا تمام جہان کی دولت کوئی لٹاوے مگر اصحاب بدر یا یاران بیعت الرضوان میں داخل نہیں ہوسکتا ان دولتوں کو لینے والے لے گئے ان نعمتوں کو لوٹنے والے لوٹ لے گئے۔ شعر

حریفاں بادہا خوردند و رفتند تہی خم خانہا کردند و رفتند

اے یارو جن لوگوں نے بلاواسطہ پیغمبر خدا سے تعلیم پائی اور جن شخصوں نے خود صاحب شریعت سے ہدایت حاصل کی کیونکر تمہارے دل میں اُن کی محبت اور تمہاری نظر میں ان کی قدر و منزلت نہیں ہے کیا تمہاری عقل اس کو قبول کرتی ہے کہ ان ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں جو رسول پیغمبر صاحب کی صحبت اور رفاقت میں رہے کسی کے دل پر ایمان کا کُل اثر نہ ہوا و اُن بے شمار آدمیوں میں جو نمازوں اور جہادوں میں حضرت کے شریک رہے کوئی اسلام پر ثابت قدم نہ رہا باوجودیکہ حضر اور سفر میں آپ کے ہمراہ رہے شب و روز اپنے کانوں سے وعظ و نصیحت سنتے رہے اپنی آنکھوں سے جبرئیل کا آنا وحی کا لانا دیکھتے رہے لیکن اپنے نفاق اور کفر سے (والعیاذ باللہ منہ) باز نہ آئے گو کہ حضرت نے طرح طرح کے معجزے انکو دکھلائے انواع انواع کی دعائیں اُن کے حق میں فرمائیں لیکن نہ کسی معجزے کا اُن پر اثر ہوا نہ کوئی دعا ان کے حق میں مقبول ہوئی بھلا انصاف کرو کہ کوئی مسلمان ایسا عقیدہ رکھے گا اور اپنے پیغمبر کی شان کو داغ لگائے گا اور اُس کے تمام شاگردوں اور کل مریدوں کو کافر و مرتد

کہے گا ذرا تو سوچو کہ اگر کسی عالم کے تمام شاگرد جاہل رہیں اور کسی امیر کے مصاحب سب کے سب بدچلن ہوں اور کسی ولی کے مرید کلہم اجمعین فاسق فاجر ہوں تو کیا اس سے بدظنی اس عالم اور اس امیر اور اُس ولی کی نسبت لوگوں کو نہ ہو گی بیشک ضرور ہو گی بس اسی طرح پر تمام صحابہ کے کفر اور ارتداد پر اعتقاد رکھنا در پردہ حضرت کی نبوت میں داغ لگاتا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک)

تیسری دلیل :- اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں مبعوث ہوئے کہ لوگ توحید سے منکر ہو گئے تھے دین ابراہیمی میں تحریفیں کرنے لگے تھے جانوروں کی طرح آپس میں لڑتے اور وحشیوں کے مانند باہم جھگڑتے تھے علم اور حکمت سے بے بہرہ ہو گئے تھے اخلاق حسنہ کو چھوڑ کر جاہلانہ رسموں کے پابند ہو گئے تھے چنانچہ اللہ جل شانہٗ نے توحید کے بتلانے شرک کے چھڑانے عبادت کے طریقے سکھلانے دین ابراہیمی کے جاری کرنے اخلاق حسنہ کی تعلیم دینے کے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت اور رسالت کا مرتبہ دیا اور تمام بنی آدم کی ہدایت کا بار آپ کے اوپر رکھا اور چونکہ بعد حضرت خدا کو دوسرا نبی بھیجنا منظور نہ تھا اور سلسلہ نبوت کا آپ کی ذات پر ختم کرنا تھا اس لئے جو فضائل اور کمالات اور معجزات جدا جدا اور انبیاء علیہم السلام کو دیئے گئے اور طریقے ہدایت اور تعلیم کے علیحدہ علیحدہ اور پیغمبروں کو سکھلائے گئے تھے وہ سب حضرت کو سکھلائے گئے بلکہ اس نظر سے کہ کوئی فرقہ کوئی گروہ آپ کے فیضان نبوت سے محروم نہ رہے اور آپ کی ہدایت اور تعلیم مثل بعض اور نبیوں کے بے اثر نہ ہو جائے اور کسی کو کوئی عذر ایمان اور اسلام لانے پر باقی نہ رہے اور کسی کو موقع آپ کی نبوت کے انکار کرنے کا نہ رہے وہ معجزات حضرت کو دیئے گئے جو کسی نبی کو نہیں دیئے گئے اور اُن اُن باتوں کی اجازت آپ کو دی گئی کہ اور کسی پیغمبر کو نہیں دی گئی اسی واسطے آپ کی ہدایت کا اثر جلد کامل ہوا اور کچھ ایک ہی ذریعے سے نہیں بلکہ مختلف ذریعوں سے لوگوں نے ایمان قبول کیا جو لوگ فصحا اور بلغا مشہور تھے وہ قرآن مجید کی فصاحت دیکھ کر قائل ہو گئے اور جو لوگ علم اور حکمت کا دعوےٰ کرتے تھے وہ آپ کی تعلیم حکیمانہ دیکھ کر معتقد ہو گئے جو لوگ معجزے کے طالب تھے وہ معجزات دیکھ کر ایمان لائے جو لوگ شجاعت اور مردانگی میں مشہور تھے وہ میدان جنگ میں مقابلہ کی تاب نہ لا سکے آخر مغلوب ہو کر مطیع بن گئے۔ اور جو

اللہ جل شانہٗ کی آپ کی نبوت سے تھی کہ دینِ اسلام تمام دنیا میں پھیل جائے اور باطل پر غالب ہو جائے وہ حاصل ہو گئی لیکن یہ فائدہ جو بعثت نبوی سے ہوا صرف اہل سنت کے اصول کے مطابق ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول مذہب شیعہ کے ہرگز ثابت نہیں ہوتا اس لئے کہ جو لوگ حضرت کے سامنے ایمان لائے جب اُن کی نسبت یہ اعتقاد کیا جائے کہ وہ ایمان اور اسلام میں کامل تھے اوروں سے حضرت کی نبوت کے معتقد تھے اور مرتے دم تک اس پر ثابت قدم رہے تو یہ امر البتہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ حضرت کی ہدایت سے جو غرض تھی وہ حاصل ہو گئی مگر جب ان لوگوں کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ وہ ظاہر میں مسلمان تھے اور باطن میں (عیاذاً باللہ) کافر یا حضرت کی وفات کے بعد ہی مرتد ہو گئے تو کس کے منہ سے یہ بات نکل سکتی ہے کہ حضرت کی ہدایت سے کچھ فائدہ ہوا حقیقت یہ ہے کہ جو اعتقاد شیعوں کا بنسبت صحابہ کے ہے اُس سے الزام آپ کی نبوت پر آتا ہے اور سننے والے کو مذہب اسلام پر شبہ ہوتا ہے اس لئے کہ جب کوئی اس امر پر یقین کرے کہ جو لوگ حضرت پر ایمان لائے اُن کے دلوں پر کچھ اثر ایمان اور اسلام کا نہ تھا اور وہ صرف ظاہر میں مسلمان اور (عیاذاً باللہ) باطن میں کافر تھے یا حضرت کے انتقال کرتے ہی وہ اس سے پھر گئے وہ حضرت کی نبوت کی تصدیق کر نہیں سکتا اور کہہ سکتا ہے کہ اگر حضرت سچے نبی ہوتے تو کچھ نہ کچھ انکی ہدایت میں تاثیر ہوتی اور کوئی نہ کوئی دل سے اُن پر ایمان لایا ہوتا اور منجملہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں کے جو اُن پر ایمان لائے۔ سو دو سو آدمی تو ایمان پر ثابت قدم رہتے اگر صحابۂ کرام تمہارے عقائد باطلہ کے موافق اسلام اور ایمان میں کامل نہ تھے تو پھر وہ لوگ کون سے ہیں جن پر حضرت کی نبوت سے فائدہ ہوا اگر اصحاب رسول سوائے معدودے چند کے بقول تمہارے سب کے سب (عیاذاً باللہ) منافق اور مرتد تھے تو دین اسلام کو کس نے قبول کیا اور پیغمبر صاحب کی تعلیم اور تلقین سے کس کو نفع پہنچا کن لوگوں نے حضرت کے کہنے سے شرک چھوڑ کر توحید پر اعتقاد کیا کن شخصوں نے عبادت کے طریقوں کو سیکھا کس گروہ نے دینِ محمدی کو جاری کیا کس فرقے نے ایمان کو پھیلایا اے یارو تم کو تو اس کا نام لینا اور پیغمبر صاحب کی نبوت کا اقرار ظاہری بھی کرنا نہ چاہیے اگر پیغمبر صاحب پر ایمان لانیوالوں میں سو دو سو ہزار دو ہزار کو تم کافر کہتے یا اُن لوگوں کو جو بعد غلبہ اسلام کے مسلمان ہوئے تم منافق جانتے تو صبر آتا مگر افسوس تو اسی بات پر آتا ہے کہ تم انہیں لوگوں پر اعتراض کرتے ہو

جو سب سے پہلے ایمان لائے اور انہیں کو منافق بتلاتے ہو جنہوں نے خدا کے دین کو رواج کیا اور اُن ہزاروں لاکھوں آدمیوں میں سے جو حضرت پر ایمان لائے تھے سوائے چار پانچ شخصوں کے کسی کو اچھا نہیں کہتے ہو بھلا کیونکر ایسے عقیدت پر تعجب نہ آوے اور کیونکر تمہاری اس گمراہی پر افسوس نہ ہووے۔

چوتھی دلیل:۔ ہم لوگ کیا شیعہ اور کیا سُنّی پیغمبر صاحب کی زیارت کو افضل ترین سعادت اور بہترین قربات سے سمجھتے ہیں۔ اور چونکہ اب زمانہ آپ کی حیات کا نہیں ہے اس لئے آپ کی قبر مبارک کے دیکھ لینے کو اور آپ کے روضۂ انور کی خاک آنکھوں میں لگانے کو غنیمت جانتے ہیں اور اسی کو بہترین سعادت سمجھتے ہیں اور اگر کوئی شخص خواب میں آپ کی زیارت سے مشرف ہوجاتا ہے تو وہ بڑے بزرگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اور حقیقت میں جب تک کوئی شخص نہایت ہی نیک اور مخلص اور پرہیزگار نہیں ہوتا وہ خواب میں بھی سعادت زیارت سے مشرف نہیں ہوسکتا پس نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ہم ان لوگوں کی بزرگی اور فضیلت کا کچھ بھی اعتقاد نہ کریں جو برسوں حضرت کی زیارت کرتے رہے اور رات دن آپ کی صحبت میں حاضر رہے اور ہر لحظہ اور ہر ساعت آپکے دیدار سے مشرف ہوئے اور ہمیشہ آپ سے ہم کلام رہے اور نہ صرف زیارت اور صحبت کی سعادت پائی بلکہ حضرت کے غم اور خوشی میں شریک رہے اور آپ کی یاری اور مددگاری اعلائے کلمۃ اللہ میں کرتے رہے۔

ابیات

از وطنہا مہاجرت کردند	برالم ہا مصابرت کردند،
در سفر ہم رکاب او بودند	در حضر ہم خطاب او بودند
ہمہ آثار وحے دیدہ ازو	ہمہ اسرار دین شنیدہ ازاو
بانبی در شدائد و اہوال	بذل ارواح کردہ اموال
پایۂ دین بلند از ایشان شد	کار شرع ارجمند از ایشان شد
رضی اللہ عنہم از سوی حق	بہر ایشان بشارت مطلق،

غرض کہ صرف زیارت اور صحبت ہی حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء کی ایسی فضیلت ہے کہ کوئی بزرگی اس کو نہیں پاتی نہ کہ جب اُس کے ساتھ اور فضائل ذاتی بھی ہم میں موجود ہوں تو پھر ان کے مراتب اور مدارج کی کیا انتہا ہے۔

پانچویں دلیل:۔ اس امر کو سب مسلمان تسلیم کرتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ اسلام کی ابتدائی اور ترقی کے مقام ہیں اور انہیں دو جگہوں کو سب دنیا سے بڑھ کر عزت ہے۔ ایک خدا کا گھر اور رسول کا مولد ہے دوسرا حضرت کا شہر اور آپ کا مدفن ہے مکہ معظمہ میں بنیاد اسلام کی قائم ہوئی اور مدینہ منورہ میں اس کی ترقی ہوئی اور ان دونوں جگہوں کی بزرگی، ایسی ہے کہ کبھی کوئی مذہب باطل اُن میں پھر جاری نہ ہوگا اور دجال ملعون کا بھی گذر اُن میں نہ ہوگا پس ہم کو غور کرنا چاہیئے کہ ان دونوں شہروں کے رہنے والے اب تک صحابہؓ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہیں جو کچھ اُن کا اعتقاد ہو اسی کو اصل ایمان سمجھنا چاہیئے۔ پس خدا کے فضل سے ان دونوں شہروں کے رہنے والے بلکہ تمام عرب کے باشندوں کا جو اعتقاد صحابہ کی نسبت ہے وہ ظاہر ہے اگر ہم موافق شیعوں کے یہ کہیں کہ وہ سب کے سب گمراہ ہیں اور باطل اعتقاد پر اب تک قائم ہیں تو اس سے اصل مذہب اسلام پر بڑا الزام آتا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم نے جہاں اپنے نبی کو پیدا کیا اور جہاں اپنے پیغمبر کا مدفن بنایا اور جن جگہوں کو عرش و کرسی کے برابر رتبہ دیا اور جہاں سے اسلام اور ایمان جاری کیا انہیں جگہوں کے رہنے والوں کو خدا نے ابتک باطل اعتقاد پر قائم رکھا اور ان لاکھوں کروڑوں آدمیوں کو جو تیرہ سو برس کے عرصے میں وہاں پیدا ہوئے اور وہاں رہے گمراہ رکھا اور گمراہی پر اُن کا خاتمہ کیا اور ایک مومن کا گذر بھی وہاں نہ ہونے دیا اور اب تک خدائے عزوجل کو وہی اصرار ہے کہ انہیں بداعتقادوں سے مکہ اور مدینہ بھرا ہوا ہے اور وہی گمراہی اور ضلالت اب تک تمام عرب میں پھیلی ہوئی ہے اور باوجود گذر جانے اس قدر عرصہ دراز کے اب بھی کوئی مومن پاک بغیر تقیہ کے وہاں جانے نہیں پاتا اور اپنے ایمان اور اعتقاد کو بخوف اپنی عزت اور جان کے ظاہر نہیں کرسکتا قیامت تو قریب آگئی اس دنیا کے ختم ہونے کے دن نزدیک ہوگئے لیکن خدا اُن ظالموں اور بداعتقادوں سے اپنے گھر اور اپنے رسول کے گھر کو پاک نہیں کرتا اور مومنین سے اُن شہروں کو آباد نہیں فرماتا اور گمراہوں کو ایسی پاک جگہوں سے نہیں نکالتا اگرچہ جس قدر زیادہ نبوت کا دور ہوتا گیا اور اسلام میں ضعف آتا گیا مذہب شیعوں کا ترقی پاتا گیا اور ان کے عقائد باطلہ کو رواج ہوتا گیا اور اکثر شہروں اور ملکوں میں اُن کی حکومت بھی ہوگئی اور بادشاہت اور سلطنت بھی نصیب ہوئی لیکن باایں ہمہ مکہ اور مدینہ اور عرب میں جو دین پیغمبر خدا کے وقت میں تھا، وہی جاری ہے اور ما۔ بہ سوال مقبول کے سامنے تھا وہی اب بھی ہے:۔ شعر

ہست محفل بران قرار کہ بود　　ہست مطرب بران ترانہ ہنوز

ہم حیران ہیں کہ جب مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اس تیرہ سو برس کے عرصے میں ایک مسلمان پاک اعتقاد نہ ہوا اور ایسی پاک جگہ میں کسی مومن پاک کا گذر نہ ہوا تو پھر کونسا مقام ہوگا جہاں کے رہنے والے مومن اور مسلمان ہوں گے اور خدا کے گھر اور رسول کے گھر کو چھوڑ کر کس کے گھر میں ایمان والے رہتے ہوں گے لے بجائیو بغیر اس کے کہ یہ امر قبول کیا جائے کہ اصل دین اور مذہب وہی ہے جو مکے اور مدینے کے رہنے والوں کا ہے کوئی دوسرا علاج نہیں ہے۔

شواہد نقلی صحابہؓ کی فضیلت میں

ہم صحابہؓ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے فضائل کے ثبوت میں تین قسم کی نقلی شہادتیں بیان کرتے ہیں۔ اولؔ وہ شہادتیں جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں۔ دومؔ وہ شہادتیں جو قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ سومؔ وہ شہادتیں جو ائمہ کرام علیہم السلام سے کتب امامیہ میں منقول ہیں۔

توریت و انجیل کی شہادتیں صحابہؓ کی فضیلت میں

اتنی بات تو امامیہ مذہب والے بھی جانتے ہیں کہ جس طرح اللہ جل شانہ نے کتب سماوی میں ذکر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بطور پیشین گوئی کے کیا ہے اور اس سے انکار اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ خدا نے خود فرمایا ہے[1] کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْـَٔهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (معنی) محمد رسول اللہ کا ہے اور جو لوگ ساتھ اُن کے ہیں، سخت ہیں اوپر کفار کے رحم دل ہیں درمیان اپنے دیکھتا ہے تو اُن کو رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے چاہتے ہیں فضل خدا کا اور رضامندی اس کی نشانی اُن کی اُن کے چہرے پر ہے۔ اثر سے سجدے کے یہ ہے صفت اُن کی بیچ توریت کے اور صفت اُن کی بیچ انجیل کے جیسے کھیتی

---

[1] ... ... کوع۴ سورۂ فتح

نکالے اکھوا اپنا پس قوی کرے اس کو پس موٹے ہو جاویں پس کھڑے ہو جائیں اوپر نالیوں اپنی کے خوش لگتی ہے کھیتی کرنے والے کو تاکہ غصے میں لاوے اللہ بسبب ان مسلمانوں کے کافروں کو) اب ہم ان مثالوں کو جو توریت و انجیل میں مذکور ہیں اور جن کی خبر خدائے جل شانہ نے اس آیت میں دی ہے بیان کرتے ہیں۔

پہلی شہادت توریت کی

توریت کی کتاب استثنا کے تیرھویں باب کے چھٹے درس میں لکھا ہے کہ اگر تیرا بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست کوئی تجھے بھلا دے اور کہے کہ آو غیر معبودوں کی بندگی کریں تو اس کے موافق نہ ہونا اور اس کی بات نہ سننا اور اس پر رحم کی نگاہ نہ رکھنا اور اس کی رعایت نہ کرنا اور اسے پوشیدہ نہ رکھنا بلکہ اس کو ضرور قتل کر ڈالنا اس کے قتل پر پہلے تیرا ہاتھ پڑے۔ پس غور کرنا چاہیے کہ جو کچھ حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا صحابہ کرامؓ نے اس کو کر دکھایا اور جیسی کچھ شدت اور سختی کافروں پر چاہیے اس کا ظہور صرف پیغمبر صاحب کے یاروں کے ہاتھ سے ہوا اسی واسطے خدا نے ان کی شان اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ فرمایا اگرچہ صحابہ کرامؓ کی شدت اور صلابت کا جو دین میں تھی امامیہ انکار نہیں کر سکتے مگر ہم ان کے اطمینان کے لیے حضرات شیخین کے حالات کو جو بڑے دشمن شیعوں کے ہیں اور مخفی تفتیش کر کے ان میں مشہور ہیں بیان کرتے ہیں اور زیادہ تو نہیں کہہ سکتے اتنا عرض کرتے ہیں کہ اپنی ہی کتابوں کی روایتوں کو سنیں اور پھر اس کو توریت کے مضمون سے اور قرآن شریف کی آیت سے ملا دیں اور خود ہی انصاف کریں اور اگر حیا و شرم مانع نہ ہووے تو تعصب اور عناد کو چھوڑ کر ان کی فضیلت کا اقرار کریں اور اپنے باطل عقیدوں کو چھوڑ کر جماعت میں داخل ہو جاویں۔

پہلی روایت کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے باپ کے قتل کا قصد کیا

امام اعظم شیعوں کے حضرت شیخ علی تذکرۃ الفقہا کی چھٹی فصل میں لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اُحد کے دن اپنے باپ کے قتل کرنے ارادہ کیا مگر حضرت صلی اللہ

---

[1] ولان ابا بکر اراد قتل ابیہ یوم احد فنہاہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم من ذلک وقال و لیلی قتلہ غیرک۔

علیہ وآلہ وسلم نے منع کر دیا اور فرمایا کہ تو جانے دے اور کوئی یہ کام کر لے گا۔ پس اے بھائیو خدا کے واسطے ذرا اپنے امام اعظم کی تصدیق کو دیکھو کہ وہ صدیقیت صدیق اکبر کی کیسی تصدیق کرتے ہیں اور جو کچھ توریت میں کفار پر شدت کرنے کا ذکر ہے اس کو شان میں حضرت ابوبکر صدیق کی کیسا تسلیم کرتے ہیں کیوں یارو اشداء علی الکفار کا مصداق کیا سوائے اس کے کوئی دوسرا ہوگا جو اپنے باپ کے قتل پر آمادہ ہو اور توریت کے اس مضمون کا کہ (غیر معبودوں کی بندگی پر پھسلانے والے کو اگرچہ بھائی یا بیٹا یا جورو یا دوست ہو تو قتل کر ڈالنا اور پہلے اپنا ہاتھ اس کے قتل پر اٹھانا) اطلاق کسی اور پر ہوگا تعجب ہے شیعوں سے اور ان کے امام اعظم سے کہ ایسی روایت کو تصدیق بھی کریں اور صدیق اکبرؓ کی مستعدی کو باپ کے قتل پر قبول بھی کریں اور پھر ان کی صدیقیت سے انکار فرمادیں۔

دوسری روایت کہ حضرت عمر فاروقؓ نے رشتہ داروں کے قتل کا مشورہ دیا

تفسیر مجمع البیان اور منہج الصادقین اور خلاصۃ تفسیر جرجانی میں امامیہ مذہب کے مفسرین نے لکھا ہے کہ جب بدر کی لڑائی فتح ہوئی اور بہت سے لوگ مکے کے قید ہوئے جن میں اکثر مہاجرین کے عزیز اور قریب تھے اور حضرت نے ان کے معاملے میں صحابہ سے مشورہ کیا تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ (جو کوئی جس کا رشتہ دار ہے وہ اسکے حوالے کیا جائے تاکہ وہ اپنے ہاتھ سے اپنے کافر رشتہ دار کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے رشتے اور قرابت کا خیال نہ کرے اس لئے عقیل علی کو اور نوفل مجھے اور فلاں فلاں کے حوالے کیا جائے واسطے قتل کے) اے شیعیان پاک ذرا اس روایت کو اپنی تفسیروں میں دیکھو اور انصاف کرو کہ اشداء علی الکفار کا مضمون حضرت عمرؓ پر صادق ہے یا نہیں اور اگر اس پر بھی نہ سمجھو تو خدا تم سے سمجھے۔

دوسری شہادت انجیل کی

متی کی انجیل کے باب ۱۳ کے درس ۳۱ و ۳۲ میں لکھا ہے کہ (آسمان کی بادشاہت رائی کے دانے کے مانند ہے جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا اور وہ سب بیجوں سے چھوٹا ہے پر جب اگتا ہے سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا درخت ہوتا ہے کہ

ہوا کے پرندے اس کی ڈالیوں پر بسیرا کرتے ہیں اس پیشین گوئی کو اس آیت سے ملانا چاہئے جو ابھی مذکور ہوئی ہے کہ مَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ :- یعنی خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ پیغمبروں کے یاروں کی مثال انجیل میں اس طرح لکھی ہے جس طرح ایک چھوٹا سا دانہ کہ اس میں اول تنی نکلتی ہے پھر وہ بڑھتا جاتا ہے یہاں تک کہ بڑا درخت ہوتا ہے اور دیکھنے والے کو تعجب آتا ہے۔ پس اس آیت کے مضمون کی اس عبارت سے انجیل کی جو ہم نے اوپر بیان کی کیسی تصدیق ہوتی ہے اور اس سے شہادت انجیل صحابہ کی فضیلت بخوبی ثابت ہوتی ہے اور درحقیقت یہ مثال بالکل صحابہ کے حال کے مطابق ہے اس لئے کہ وہ اول تھوڑے تھے پھر آہستہ آہستہ بڑھ گئے اور ایک بڑا لشکر ان کا ہو گیا جس کی جماعت اور کثرت کو دیکھ کر کفار تعجب کرتے تھے اور ان کی قوت کو دیکھ دیکھ کر جلے مرتے تھے پس جو کوئی ان کی بزرگی کا قائل اور ان کی فضیلت کا معتقد نہ ہو درحقیقت قرآن اور انجیل اور تمام کتب سماوی کا منکر ہے اے صاحبو اگر صحابہ رسول کے ایمان اور اسلام کے تم قائل نہیں ہو تو مہربانی کر کے ذرا ارشاد فرماؤ کہ وَالَّذِينَ مَعَهُ سے کیا مراد ہے یعنی وہ کون لوگ حضرت کے ساتھ تھے جنکی صفت اللہ جل شانہ اس آیت میں فرماتا ہے اور اَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ کا مصداق، بتلاؤ کہ وہ کون حضرات تھے جو کفار پر سختیاں کرتے تھے اگر صحابہ کیا رسوائے چار چھ کے سب کے سب منافق اور کافر تھے (نعوذ باللہ من ذلک) تو وہ کون لوگ تھے جن کے سبب سے اسلام ایک دانے سے بڑا درخت ہو گیا اور وہ کتنے شخص تھے جن کو کفار دیکھ کر غیظ میں آتے تھے کیا کسی کے قیاس میں آسکتا ہے کہ چار چھ شخصوں کو دیکھ کر کافر جلتے ہوں اور معدودے چند کے ایمان لانے پر تعجب کرتے ہوں اگر ہزاروں آدمی مسلمان نہیں ہو گئے تھے اور وہ سب کے سب ایمان میں کامل نہ تھے تو اللہ جل شانہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوَى عَلَى سُوقِهِ کیوں فرماتا اور اگر ہزاروں شخص اسلام نہیں لائے تھے تو کن کو دیکھ کر کفار کو غصہ آتا پس جب تک کوئی صحابہ کی فضیلت اور ان کی کثرت کو، تصدیق نہ کرے وہ ان آیتوں کو بھی تصدیق نہیں کر سکتا۔ اے یارو خدا کی قسم سچ جاننا اور یقین کر کے ماننا کہ ہم کو نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ جو لوگ ایسی آیتوں کو تصدیق کرتے ہیں اور یہ مثال انجیل میں مذکور ہے اس کو پیغمبر خدا کی نبوت کی نسبت پیشین گوئی پر محمول

کرتے ہیں اور پھر صحابۂ کبار کی فضیلت اور کثرت سے انکار کرتے ہیں اور ایسی آیتوں اور پیشین گوئیوں کو صرف چار پانچ شخصوں پر ختم کرتے ہیں اور صحابہ سے عداوت رکھ کر لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ کی تہدید سے ذرا بھی نہیں ڈرتے۔

قرآن مجید کی شہادتیں صحابہؓ کی فضیلت میں

پہلی آیت:- كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ۔ (یعنی) تم بہترین امت ہو جن لئے گئے ہو آدمیوں کے لیے حکم کرتے ہو نیک باتوں کا اور روکتے ہو بری باتوں سے اور ایمان رکھتے ہو خدا پر اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو بہتر ہوتا ان کے حق میں بعضے ان میں سے مومن ہیں اور اکثر فاسق اس آیت میں جل شانہ صحابہ کی فضیلتوں کو اور ان کی بزرگیوں کو خود ان سے بیان فرماتا ہے اور ان سے مخاطب ہو کر ارشاد کرتا ہے کہ تم بہترین امت سے ہو اور تم کو میں نے اور مخلوق سے منتخب کر لیا ہے ہدایت کرو چنانچہ تم جس کام کے لئے مقرر ہوئے وہ کرتے ہو اور جو خدمت تمہارے سپرد ہوئی اس کو ادا کر رہے ہو تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہ لوگوں کو نیک کام سکھلاتے ہو اور بری باتوں سے بچاتے ہو۔ جو شخص ذرا غور اور انصاف سے دیکھے تو یہی ایک آیت عقائد شیعیان عبد اللہ بن سبا کے بطلان پر کافی ہے کہ خداوند کریم جبکہ اصحاب رسول کی نسبت فرماوے کہ وہ بہترین امت سے ہیں اور واسطے ہدایت بنی آدم کے پیدا کئے گئے ہیں اور ان کے اعمال حسنہ کی تصدیق کرے کہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور باوجود اس کے حضرات شیعہ ان کو بدترین امت سے جانیں اور ان کی بزرگی اور فضیلت سے انکار کریں ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ ایسی صریح آیتوں اور ایسی صاف شہادتوں پر بھی وہ اپنے عقیدوں کے فساد پر خیال نہیں کرتے اور ذرا بھی قرآن مجید کی لفظوں کو نہیں دیکھتے اگر صحابہ کبار بہترین امت سے نہیں تھے تو خدا کا یہ خطاب کہ كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ یعنی بہترین امت سے ہو کس سے ہے اور اگر ان کے اعمال نیک نہ تھے تو اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد کہ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

سہ پارہ چہارم رکوع ۱۲۔ سورہ آل عمران ۱۲

تم نیک کام اور ان کو بتلاتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو کس کی طرف سے
اگر وہ سچے دل سے ایمان نہیں لاتے تھے تو خدا کی اس تصدیق کے کہ تُؤْمِنُونَ بِاللّٰہِ تم
خدا پر سچے دل سے ایمان رکھتے ہو کیا معنی ہیں۔ آیتیں تو ایسی صاف ہیں کہ ان میں کوئی،
تاویل اور کوئی بناوٹ ہو ہی نہیں سکتی سیدھی سیدھی لفظوں میں اللہ جل شانہٗ صحابہ
کے ایمان اور اعمال کو بیان کر رہا ہے اور کمال عنایت سے انہیں سے مخاطب ہو کر
خود ان کی تعریفیں کر رہا ہے لیکن ہم کو سخت حیرت ہے کہ شیعیان پاک کے نزدیک
اس آیت کے الفاظ کیا مہمل ہیں جن کے کچھ معنی نہ ہوں یا یہ کوئی لغز اور پہیلی ہے جو اس
کا مطلب ان کی سمجھ میں نہ آئے یا کوئی دقیق معما ہے کہ وہ ان سے حل نہ ہو سکے یا ان کے
عقیدے میں یہ الفاظ قرآن کے نہیں ہیں اور جامع قرآن نے اپنی اور اپنے بھائیوں کی
بندگی ظاہر کرنے کے لئے بڑھا دیئے ہیں کہ اس پر ایمان نہ ہو آخر ان باتوں میں سے اگر،
کوئی بات نہیں ہے تو یہ کیا بات ہے کہ اس کا اقرار کرتے جاتے ہیں یہ آیتیں خدا کی
کتاب کی ہیں اس کو تصدیق کرتے جاتے ہیں کہ صحابہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور
پھر صحابہ کی فضیلت پر اعتقاد رکھنے کا کیا ذکر ان کے ایمان اور اسلام کی بھی تصدیق
نہیں کرتے اور جن کو خداوند کریم خَيْرَ اُمَّةٍ فرماوے (شر امت) سمجھتے ہیں اور جن کی
نسبت خدا تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ کہے ان کے حق میں (یامرون بالمنکر
وینہون عن المعروف) کا اعتقاد رکھتے ہیں اگرچہ یہ آیات بینات قرآن مجید کی ایسی صریح
اور صاف ہیں کہ تفسیر دیکھنے کی حاجت نہیں ہے لیکن ہم حضرات شیعہ کے اطمینان
خاطر کیلئے انھیں کی معتبر تفسیر دیکی سند لاتے ہیں اے بھائیو سنو تفسیر مجمع البیان طبرسی میں جو
کہ تمہاری تفسیروں میں سے بہترین تفاسیر ہے اور ۱۲۷۵ھ ہجری میں بمقام تہران دارالسلطنت
ایران چھپی ہے، اس کے صفحہ ۳۰۰ میں لکھا ہے کہ[1] پہلے خداوند تعالیٰ نے امر و نہی کا ذکر
کیا پیچھے اس کے ان لوگوں کا بیان کیا جو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں اور
ان کے واسطے ان لوگوں کی تعریف کی تاکہ اور لوگ ان کی پیروی کریں اور اس واسطے انہیں
سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم بہترین امت سے ہو، اور اس واسطے کہ کسی کو شبہہ نہ رہے کہ

[1] لما تقدم ذکر الامر والنہی عقبہ تعالیٰ بذکر من تصدی للقیام بذلک ومدحہم ترغیبا فی الاقتداء بہم فقال کنتم خیر امۃ
اخرجت للناس قیل فیہ اقوال احدہا ان معناہ انتم خیر امۃ ۱۲ مجمع البیان۔

یہ خطاب كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ کا کس سے ہے اسی تفسیر میں فرمایا ہے کہ[1] (بعضوں نے لکھا ہے کہ مراد
اس سے خاص مہاجرین ہیں اور بعضوں نے لکھا ہے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہے لیکن
اور امت بھی شامل ہیں)۔ اے یارو اس تفسیر کو دیکھو اور اپنے مفسر کی تصدیق پر غور کرو کہ
وہ خود اقرار کرتا ہے خدا نے ان آیتوں میں صحابہ کا ذکر اس لئے کیا کہ اور لوگ ان کی پیروی
کریں تو کیا پیروی اسی کا نام ہے جو تم کرتے ہو اگر بیزاری تمہاری اصطلاح میں یعنی پیروی
ہے تو بے شک تم کلام کی تصدیق کرتے ہو ورنہ صریح تکذیب۔ اس مقام پر جاہلوں کو
کنتم کی لفظ پر ایک شبہہ پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا نے صحابہ سے فرمایا ہے کہ (تم بہترین امت سے
تھے) اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اخیر تک ویسے ہی رہے ہوں شاید بعدہ بدترین امت
سے ہو گئے ہوں لیکن انہیں کے علامہ طبرسی نے اس کا جواب دے دیا چنانچہ اپنی تفسیر
میں علامہ موصوف لکھتے ہیں کہ[2] کنتم خیر امۃ اللہ جل شانہ نے واسطے تاکید کے فرمایا کہ
ضرور ایسا ہی ہوگا اور اس کے وقوع میں کچھ شک نہ ہوگا اور صحابہ جیسے بہتر ہیں ویسے ہی
رہیں گے اور اس کی مثال یہ ہے کہ خدا اپنی نسبت فرمایا ہے کہ وکان اللہ غفورا رحیما تو کیا
اس کے معنی یہ ہیں کہ خدا بخشنے والا مہربان اور اب نہیں ہے یا آئندہ نہ رہے گا۔ غرض کہ
جب ان آیتوں اور تفسیروں سے صحابہ کی فضیلت ثابت ہو گئی اور کوئی موقع ان کی
بزرگی کے انکار کا نہ رہا بعض نے فرمایا ہے کہ بجائے کنتم خیر امۃ کے (خیر ائمۃ) تھا اور
یہ خطاب خدا نے اماموں سے کیا تھا کہ (کنتم خیر ائمۃ) یعنی تم سب اماموں سے بہتر ہو
مگر جامعان قرآن نے بجائے (ائمۃ) کے لفظ امۃ کا بنا دیا اگرچہ اور علمائے شیعہ کو کسی
قدر حیا نے منع کیا اور انہوں نے اس جواب کو پسند نہیں کیا مگر جاننے والے جانتے ہیں
کہ اثر اس کا اب تک باقی ہے چنانچہ جناب میر صاحب قبلہ بھی اپنے حدیقۂ سلطانیہ
کے باب سوم میں اس کا ذکر کرتے ہیں اور اپنے پدر بزرگوار کی صوارم کا حوالہ دے کر
یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ[3] (تغییر ونقصان در قرآن منحصر در چہار چیز ست یکے تبدیل لفظی

---

[1] واختلف فی المعنی بالخطاب فقیل ہم المہاجرون خاصۃ وقیل ہو خطاب للصحابۃ ولکنہ یعم سائر الامۃ ۱۲ مجمع البیان

[2] ودلیلہا ان کان مزیدۃ ودخولہا کخروجہا الا انہا تاکید الوقوع الامر لا محالۃ لانہ بمنزلۃ ما قد کان فی الحقیقۃ بمنزلۃ قولہ تعالیٰ واذکروا اذ انتم قلیل وفی موضع آخر واذکروا اذ کنتم قلیلا فکثرکم ونظیرہ قولہ تعالیٰ وکان اللہ غفورا رحیما لان مغفرتہ المستانفۃ کالماضیۃ فی تحقیق الوقوع ۱۲ مجمع البیان

[3] ترجمہ:۔ قرآن میں تغیر و کمی کا انحصار چار چیزوں میں ہے (باقیہ آگے)

بلفظ آخر مثلاً اینکہ گفتہ شود بجائی کنتم خیر امۃ خیر ائمۃ بودہ لیکن بعضے از اعدی اہل بیت آنرا تبدیل نمودہ اند) اور پھر آخر میں خود ہی فرما دیا ہے کہ (درجہ اول بعید ست)، ہمارے نزدیک بجائے اس کے کہ خیر امۃ کی تصدیق کر کے صحابہ کے خیر امت ہونے سے انکار کریں شیعیان پاک کے حق میں یہی بہتر ہے کہ بجائے خیر امۃ کے خیر ائمۃ کا اقرار کریں اور تحریف قرآنی کے عذر سے اپنے آپ کو صریح منکر آیات بینات کا نہ بنا دیں افسوس کہ جناب میر نصاب قبلہ اور ان کے والد ماجد انتقال فرما گئے ورنہ میں اس حدیقہ سلطانیہ اور صوارم کو لئے ہوئے خدمت میں حضرات کی حاضر ہوتا اور پوچھتا کہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ صحیح ہے یا کنتم خیر ائمۃ اگر فرماتے کہ کنتم خیر ائمۃ صحیح ہے تو خیر امۃ تحریف جامعین قرآن کی ہے تو بندہ عرض کرتا کہ اسوقت اور ائمہ کرام سوائے علی مرتضیٰ کے کون تھا اور کس نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کیا تھا جن سے خدا یہ خطاب کرتا ہے اور جن کی یہ فضیلتیں بیان کرتا ہے اور اگر فرماتے کہ نہیں خَیْرَ اُمَّۃٍ صحیح ہے تو کمترین التماس کرتا کہ پھر اس گروہ سے جس کو خدا خیر امۃ فرماتا ہے اور جس کی آپ بھی تصدیق کرتے ہیں بیزاری کفر ہے یا نہیں اور ان کے آگے انہیں کی کتاب کھول کر اسکے صفحہ ۱۰۶ کی یہ عبارت نکال کر پوچھتا کہ حضرات اس کا کیا مطلب ہے وھو ہذہ (و از انجملہ ؎ آنست انچہ از حضرت صادق علیہ السلام ماثور ست کہ مود آں ہذا القرآن فیہ منار الہدیٰ ومصابیح الدجیٰ یعنی دریں قرآن انوار ہدایت و چراغہای دور کنندہ تاریکی ضلالت و غوایت روشن است) اور قسم دے کر پوچھتا کہ تم کو اپنے اجتہاد ہی کی قسم ہے کہ بس قرآن کو امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں انوار ہدایت اور چراغ روشن ہیں اس میں صحابہ کی نسبت کیا لکھا ہوا ہے اگر کنتم خیر امۃ اخرجت للناس لکھا ہے تو پھر آپ کیوں انکار کرتے ہیں اور کیوں روشنی چھوڑ کر تاریکی میں پڑتے ہیں اور پھر اسی کتاب کی یہ عبارت نکال کر (از انجملہ ؎ حضرت امام باقر علیہ السلام منقولست کہ در ہنگامیکہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۲۴) ہے ایک لفظی کے ساتھ جیسے کنتم خیر امۃ (تم بہترین امت تھے) کے بجائے خیر ائمۃ (بہترین ائمہ) تھا لیکن بعض دشمنان اہل بیت نے اسے بدل دیا۔ ترجمہ ؎ اس کے منجملہ حضرت صادق کی زبانی یہ منقول ہے کہ اس قرآن میں انوار ہدایت اور گمراہی و تاریکی کو دور کرنے والے چراغ موجود ہیں۔ ترجمہ ؎ امام باقر سے منقول ہے جن ہنگاموں تم پر فتنہ و فساد روشن ہوا اور شب کی تاریکیاں محیط ہوں تو قرآن کیطرف رجوع کرو کیونکہ یہ شفیع ہے اور اس کی شفاعت مقبول و منظور ہے۔

فتنہا بر شما ملتبس شود مانند پارہای شب تار پس رجوع آرید بقرآن کہ شفاعت کنندہ و مقبول
الشفاعت ست ہر کسی کہ آنرا پیش نہد اللہ اور وا براہ جنت می برد) اور یہ کہا کہ قبلہ و کعبہ
سنیے آج کل کوئی فتنہ اس سے بڑھ کر نہیں ہے کہ ہم صحابہ کو بہترین امت سے جانتے ہیں
اور آپ بدترین امت سے اور نہ آپ ہماری مانتے ہیں نہ ہم آپ کی اب آپ آیئے امام باقر
علیہ السلام کے قول پر عمل کیجئے اور قرآن سے رجوع کیجئے اگر اس میں کنتم خیر امۃ صحابہ کی
نسبت لکھا ہو تو ہم کو اپنے مذہب میں کیجئے اور تاریکی سے نکالیے معلوم نہیں کہ اگر حضرات
موصوف زندہ ہوتے تو کیا جواب دیتے اور خبر نہیں کہ اب ان کے جانشین کیا جواب
دیں گے۔

دوسری آیت:۔ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقَاتَلُوا
لَأُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأُدْخِلَنَّهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ
وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ[1] ۔ اس آیت میں اللہ جلشانہ مہاجرین کی تعریف کرتا ہے اور ان کو
جنتی ہونے کی بشارت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے میرے پیچھے اپنے وطن
اور گھر اور کنبے قبیلے کو چھوڑا اور جن پر میرے اوپر ایمان لانے سے تکلیفیں پہنچیں اور جن کو
میری راہ میں ایذائیں دی گئیں تو میں بھی اپنے ایسے سچے ایمان لانے والوں اور پکے
مسلمانوں سے بڑی مہربانی سے پیش آؤں گا اور ان کی محنتوں اور جانفشانیوں کا ان کو
اچھا بدلا دوں گا ان کی بھول چوک کو نہ دیکھوں گا بلکہ ان کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل
دوں گا اور بے پوچھے بتلائے ان کو ایسی جنتوں میں جگہ دونگا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں
جہاں ان کو نہ کچھ غم رہے گا نہ رنج نہ کوئی فکر ان کو رہے گی نہ کھٹکا اور یہ ثواب ان کو اپنی
طرف سے دونگا اور اپنے فضل اور بزرگی پر خیال کرنا چاہیے کہ کس محبت اور پیار سے
خدائے عزوجل انکا ذکر کرتا ہے اور ان کے مدارج اور مراتب کا کس خوبی سے اظہار
فرماتا ہے اور ان کے قطعی جنتی ہونے کا اقرار کرتا ہے اور ان کے گناہوں اور سیئات
سے درگزر کرنے کا اور نیکیوں سے بدل دینے کا وعدہ کرتا ہے اور ان کے اعمال کی جزا
میں جو کچھ دیگا وہ تو ایک طرف اپنی طرف سے براہ تفضلات ثواب دینے کا بیان کس مہربانی
سے فرماتا ہے پس اب ان آیتوں کے دیکھنے والوں سے ہم عرض کرتے ہیں کہ جن مہاجرین

[1] پارہ ۴ رکوع ۲۰ سورۂ آل عمران ۱۲۔

کی نسبت خدا نے یہ وعدے کیے ہیں اور جن کے بہشتی ہونے کا ذکر فرمایا ہے وہ کون تھے کیا وہ لوگ مہاجرین نہ تھے جن کا نام ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ ہے اور کیا گھر بار چھوڑنے والوں میں وہ اشخاص لاکفرن عنہم سیئاتہم کے وعدے سے خارج کر دیئے گئے ہیں اے بھائیوں اس آیت کو پڑھ کر اب تم مہاجرین کے گناہوں کے ڈھونڈنے میں اوقات ضائع نہ کرو اور ان کی برائیوں کی تلاش میں اپنی عمر نہ گنواؤ اگر دو چار عیب انکے تم نے ڈھونڈ بھی لئے تو جب تک تم مہاجرین میں ہونے سے انکا انکار نہ کرو گے اور جب تک تم ان کی ہجرت کا اقرار کرتے رہو گے تمہاری عیب جوئی اور نکتہ چینی کچھ کام نہ آویگی اور اس سے انکے یقینی جنتی اور قطعی بہشتی ہونے میں کچھ ضرر نہ ہوگا اس لئے کہ وہ خود فرما چکا ہے کہ لاکفرن عنہم سیئاتہم کہ میں ان کے گناہوں سے درگزر کروں گا اور ضرور ضرور ان کو جنت میں داخل کروں گا۔ اس لئے کہ وہ میرے پیچھے گھروں سے نکالے گئے میری بدولت رنجوں اور مصیبتوں میں گرفتار ہوئے اپنے دوستوں کو چھوڑ کر میرے دوست کے ساتھ ہوئے اپنے محبوبوں سے جدا ہو کر میرے محبوب کے شریک ہوئے پس ان کا ہجرت ہی کرنا ایک ایسا عمل ہے کہ ہزار اعمال اور لاکھ عبادت اور کروڑ نیکیوں سے بہتر ہے۔

تیسری آیت: ۔ وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا[1] ۔ اس آیت میں اللہ جل شانہٗ مہاجرین اور انصار کی نسبت اپنی رضامندی ظاہر فرماتا ہے اور ان کو اور ان کی پیروی کرنے والوں کو جنت کی خوشخبری پہنچاتا ہے ہمارے نزدیک اگر کوئی شخص اس آیت پر ذرا بھی غور کرے اور اس کے مطلب کو سوچے تو وہ ہرگز صحابہ کبار اور مہاجرین اور انصار کی نسبت سوائے فضیلت اور بزرگی کے دوسرا اعتقاد نہ رکھے اس لئے کہ جب ان کی شان میں خدائے جلشانہ فرماوے کہ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہ میں ان سے راضی اور وہ مجھ سے راضی اور ان کے حق میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد کرے کہ اعد لہم جنات کہ تیار کر رکھی گئی ہیں ان کے لئے جنتیں اور اور آراستہ کر دی گئیں ہیں ان کے واسطے بہشتیں تو پھر کون ہے کہ ان کی فضیلت کا قائل نہ ہو پس شیعیان پاک کو صرف اس قدر غور کرنا چاہیئے کہ مہاجرین اور انصار میں صحابہ

---

[1] پارہ ۱۱ رکوع ۱۲۔ سورۂ توبہ ۱۲

کبار جن سے وہ عداوت رکھتے ہیں داخل ہیں یا نہیں اگر ہیں تو پھر ان کے جنتی ہونے میں کیا شک ہے اور اگر نہیں تو یہ خطاب خدا کا کس سے ہے اے بھائیو ذرا سوچو کہ قرآن مجید پر ایمان اسی کا نام ہے کہ جن کے حق میں اللہ اپنی رضامندی ظاہر کرے ان سے تم ناراض ہو اور جن کے جنتی ہونے کی خدا خبر دے ان کو تم مسلمان بھی نہ سمجھو اور اگر اس آیت پر بھی کوئی ایمان نہ لاوے اور یہ شبہہ کرے کہ اس میں خلفائے ثلثہ کے نام تو ذکر ہی نہیں ہیں اس لئے ان کی فضیلت کا انکار مستلزم انکار آیت نہیں تو اس کے شبہہ دور کرنے کے لئے ہم امام باقر علیہ السلام کی شہادت پیش کرتے ہیں اور جس طرح پر انہوں نے خلفائے ثلثہ کو داخل حکم اس آیت کے بیان کیا ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں اس کو ذرا اول سے سنو اور اپنے ہی مذہب کی کتاب سے اس کی سند لو (وھو ہذہ) صاحب[1] الفصول نے امام باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ (ایک روز حضرت امام باقر علیہ السلام کا گزر ایک جماعت پر ہوا جو کہ خلفائے ثلثہ کی عیب جوئی کر رہے تھے آپ نے پوچھا کہ مجھے بتلاؤ کہ تم ان مہاجرین میں سے ہو کہ جو خدا کے لئے گھر سے نکالے گئے اور خدا کے لئے انکا مال لوٹا گیا اور جنہوں نے خدا اور رسول کی مدد کی انہوں نے کہا کہ نہیں ہم ان میں سے نہیں ہیں تب آپ نے پوچھا کہ پھر کیا تم ان لوگوں میں سے ہو کہ جنہوں نے دار ہجرت میں اور دار ایمان میں گھر بنایا تھا اور مہاجرین کو آرام دیا تھا انہوں نے کہا کہ نہیں تب آپ نے کہا کہ خود تم بیزار ہوئے اور نہیں چاہتے کہ دونوں فریق میں سے ہو اور میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ تم ان میں سے بھی نہیں ہو جن کی نسبت خداوند تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ بعد ان مہاجرین اور انصار کے آویں گے وہ ایسے مومن ہونگے کہ یہ دعا کیا کریں گے کہ الٰہی ہماری اور ہمارے اگلے بھائیوں کی جو ہم سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں مغفرت کر اور ہمارے دلوں میں مسلمانوں کی طرف سے کینہ مت رکھ بے شک تو نرمی کرنے والا مہربان ہے) اے بھائیو تم اپنے آپ کو امامیہ کہتے ہو اور ائمہ

---

[1] انہ قال لجماعۃ خاضوا فی ابی بکر وعمر وعثمان ألا تخبرونی انتم من المہاجرین الذین اخرجوا من دیارہم واموالہم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا وینصرون اللہ ورسولہ قالوا لا قال فانتم من الذین تبوؤا الدار والایمان من قبلہم یحبون من ہاجر الیہم قالوا لا قال اما انتم فقد برئتم ان تکونوا احد ہذین الفریقین وانا اشہد انکم لستم من الذین قال اللہ تعالیٰ والذین جاؤا من بعدہم یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا انک رؤف رحیم ۱۲۔

کرام کے اقوال کو کم از آیات نہیں سمجھتے مگر نہیں معلوم کہ ان اقوال کو جو صحابہؓ کے فضائل بیان کرنے میں جھوٹا جانتے ہو غرض کہ اس حدیث سے امام باقر علیہ السلام کی ثابت ہوا کہ ان کے نزدیک خلفائے ثلثہ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں اور جو وعدے جنت وغیرہ کے خدا نے مہاجرین اور انصار سے کئے ان میں وہ شریک ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوا کہ جو لوگ ان کی عیب جوئی کرتے تھے ان سے حضرت امام موصوف بیزار تھے اور ان کو اسلام اور ایمان سے خارج سمجھتے تھے پس سوائے تقیہ کو ڈھال بنائے رہیں گے افسوس ہے کہ جب خدا صاف صاف مہاجرین اور انصار کی تعریف کرے اور ائمہ علیہم السلام خلفائے ثلثہ کی صاف فضیلت بیان کریں اور پھر بھی حضرات شیعہ قائل نہ ہوں اب معلوم نہیں کہ مہاجرین اور انصار کی فضیلت کے لئے کیسی دلیل چاہتے ہیں حضرات شیعہ بعض مرتبہ یہ شبہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ جلشانہ نے ان مہاجرین اور انصار کی تعریف کی ہے جنہوں نے خاص خدا کے لئے ہجرت اور نصرت کی تھی نہ کہ ان کی جنہوں نے دنیا کی طمع سے ہجرت اور نصرت کی تھی اس شبہہ کو ہم تین طرح سے رد کرتے ہیں۔ اوّل یہ کہ جب مہاجرین نے ہجرت کی اور انصار نے نصرت اس وقت دنیا اور دولت کہاں تھی جس کی طمع ہوتی ہو جب مہاجرین نے مکے سے ہجرت کی تب کیا مدینے میں کسی خزانے کے نکلنے کی خبر ان کو ملی تھی جس کے لوٹنے کے لئے گئے ہوں یا جب انصار نے مہاجرین کی خاطر کی اور ان کو اپنے گھر ٹھہرایا تو کیا مہاجرین کچھ بہت سامال اپنے ہمراہ لے کر گئے تھے جس کے چھین لینے اور لوٹ لینے کی نیت سے انہوں نے ان کی مدد کی ہو اگر مہاجرین کے لئے ہجرت اور انصار نے اللہ کے واسطے نصرت نہیں کی تو پھر ان کی ہجرت اور نصرت کا کیا سبب تھا۔
دوسرے اگر تمام مہاجرین اور انصار نے ہجرت اور نصرت دنیا کی طمع پر کی تھی تو خدا کا مہاجرین اور انصار کی تعریف کرنا (معاذ اللہ) فضول اور مہمل ہوا جاتا ہے اس لئے کہ جب کسی نے خدا کے لئے ہجرت اور نصرت نہیں کی تو خدا کس کی شان میں والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار فرماتا ہے اور جب سب کے سب منافق تھے تو کن کی نسبت لقد رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ارشاد کرتا ہے اور اگر بعضوں کی ہجرت اور نصرت خدا کے لئے اور بعضوں کی دنیا کے لئے تھی ان کا نشان دینا شروع کرو گے تو سوائے تین چار کے اور کوئی نہ نکلے گا اور تین چار کی ہجرت اور نصرت کے ثبوت سے کچھ فائدہ حاصل نہ ہوگا تیسرے

اللہ جل شانہ نے خود اپنی کتاب پاک میں اس شبہے کو دور کر دیا اور اپنے مہاجرین اور انصار کی طرف سے جواب دیدیا چنانچہ اور دو آیتوں میں اللہ جل شانہ نے اس امر کو تصدیق کر دیا کہ مہاجرین اور انصار نے جو کچھ کیا وہ میرے ہی واسطے کیا ہے چنانچہ ہم دو آیتوں کو ایک مہاجرین کی نسبت دوسری انصار کی نسبت بیان کرتے ہیں۔

پہلی آیت اللہ جل شانہ مہاجرین کی نسبت فرماتا ہے کہ اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ کہ جو لوگ نکالے گئے اپنے گھروں سے اُن سے کوئی قصور نہیں ہوا تھا سوائے اس کے کہ وہ اللہ کو اپنا پروردگار کہتے تھے اور گھر کو چھوڑ کر مسلمان ہو گئے پس اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مہاجرین کی ہجرت کا باعث سوائے اس کے دوسرا نہ تھا کہ کفار ان کے اسلام لانے سے خفا ہو گئے تھے اور ان کے خدا کو رب کہنے سے ناراض ہو گئے تھے کہ اس قصور میں انہوں نے ایذا دینی شروع کی اور بہ مجبوری ان کو گھر بار چھوڑنا پڑا اب اس آیت کو بھی سن کر اگر حضرات شیعہ یہ کہیں کہ مہاجرین نے بطمع دنیا کے ہجرت کی تو ان کو زیبا ہے ہمارے تو منہ سے ایسی بات نکل بھی نہیں سکتی۔

دوسری آیت اللہ جل شانہ انصار کی شان میں فرماتا ہے۔ وَالَّذِیْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِیْمَانَ مِنْ قَبْلِهِمْ یُحِبُّوْنَ مَنْ هَاجَرَ اِلَیْهِمْ وَلَا یَجِدُوْنَ فِیْ صُدُوْرِهِمْ حَاجَةً مِّمَّآ اُوْتُوْا وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کہ جو لوگ مہاجرین سے پہلے مدینے میں رہتے تھے وہ چاہتے ہیں ان لوگوں کو جو ہجرت کر کے آویں انکے پاس اور جو کچھ مہاجرین کو دیا جاتا ہے اس کا کچھ خیال نہیں کرتے اور اس سے رنجیدہ نہیں ہوتے اگرچہ وہ خود بھی محتاج ہیں اور اپنی جانوں سے زیادہ مہاجرین کو چاہتے ہیں اور کچھ بھی حرص و طمع نہیں رکھتے اور جو ایسے ہیں وہ فلاح پاویں گے پس دیکھنا چاہئے کہ خدا انصار کی نصرت کی کیسی تعریف کرتا ہے اور اس امر کی کہ ان کی نصرت صرف واسطے خدا کے ہے کیسی تصدیق فرماتا ہے پس اب ہم حیران ہیں کہ جب اللہ جل شانہ مہاجرین کی ہجرت کو صرف اپنے واسطے فرماوے اور انصار کی نصرت کو فقط اپنے لئے تصدیق کرے اور پھر شیعوں کے منہ سے یہ بات نکلے کہ ان کی ہجرت اور نصرت دنیا کے واسطے تھی اے یارو ذرا تو سوچو کہ تم خدا کے کلام کی تصدیق کرتے ہو یا تکذیب الخ

لہ پارہ ۷۔ رکوع ۱۶۔ سورہ حج ۱۲۔ لہ پارہ ۲۸۔ رکوع ۱۔ سورہ حشر ۱۲۔

حکم کو مانتے ہو یا اس سے مقابلہ کرتے ہو خدا تو فرماوے کہ مہاجرین اور انصار اچھے تھے تم کہو کہ نہیں وہ بُرے ۔ وہ کہے کہ میں ان سے راضی وہ مجھ سے راضی تم کہو کہ نہیں بالکل غلط خدا ان سے راضی نہ وہ خدا سے راضی اللہ فرماوے کہ انہوں نے ہجرت میرے لئے اور نصرت میرے واسطے کی اور تم کہو کہ نہیں وہ دنیا کی طمع سے نکلے حرص دولت کے پیچھے پیغمبر کی نصرت میں شریک ہوئے آخر ذرا تو غور کرو کہ کیا کہتے ہو اور کیا کرتے ہو اے بھائیو، ایک آیت ہو دو آیت ہوں اس کی تاویل ہو سکتی ہے اس کے معنی بن سکتے ہیں جب سارا قرآن مجید، مہاجرین اور انصار کے ذکر سے بھرا ہوا ہے تو کہاں کہاں تاویل کرو گے کس کس آیت کی تحریف معنوی فرماؤ گے۔ مع۔ تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم،

حقیقت یہ ہے کہ مذہب تو عبد اللہ بن سبا کا اختیار کر لیا مگر بات بن نہیں پڑتی نہ قرآن مجید سے انکار ہو سکتا ہے نہ اس کی تصدیق کی جاتی ہے۔ شعر

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

چوتھی آیت: لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۙ وَّمَغَانِمَ كَثِيْرَةً يَّاْخُذُوْنَهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ ۚ وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَهْدِيَكُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝ وَّاُخْرٰى لَمْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهَا قَدْ اَحَاطَ اللّٰهُ بِهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرًا ۝ سبب نزول اس آیت کا یہ ہے کہ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ عمرہ ادا کریں پس اعراب اور بادیہ نشینوں کی اس سفر میں ہمراہی کے لئے دعوت فرمائی اس لئے کہ اندیشہ تھا کہ کفار مکے میں لڑائی کریں اور اندر مکے کے نہ جانے دیں لیکن اکثر اعراب نے حضرت کی دعوت کو نہ سنا اور اس سفر میں آپ کے ہمراہ نہ ہوئے وہی خالص مخلص کہ جو سراپا ایمان سے بھرے ہوئے تھے حضور ہی میں چلے جب کہ مکے کے نزدیک پہنچے قریش مانع ہوئے تب حضرت نے خراش کو اہل مکہ کے پاس بھیجا ان لوگ اس کے قتل کے درپے ہوئے وہ لوٹ آیا تب حضرت نے عثمانؓ کو بھیجا کفار نے حضرت عثمانؓ کو قید کر لیا اور ان کے قتل کی خبر مشہور ہوئی تب حضرت نے اپنے لوگوں کو جو آپ کے ساتھ تھے جمع کیا جن کی تعداد باختلاف روایات چار سو سے لے کر ہزار تین سو تک تھی اور حضرت نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر ان سب سے بیعت

سورہ پارہ ۲۶ ۔ رکوع ۹ سورہ فتح ۱۲ ۔

لی کر قریش سے لڑیں اور کسی طرح پر منہ نہ پھیریں چنانچہ ان سب نے خوشی سے
بیعت کی اور سوائے قید بن قیس منافق کے کسی نے تخلف اس بیعت سے نہیں کیا چو
اس سفر میں منافقوں کا نفاق اور مخلصوں کا اخلاص ظاہر ہوا اور بیعت میں صحابہ کی
اور ایمان کا حال کھل گیا اس لئے اس بیعت کا نام بیعت الرضوان ہوا اور انہیں بیعت
کرنے والوں کی شان میں خدا نے فرمایا کہ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ
الشَّجَرَةِ کہ خدا راضی ہوا ان ایمان والوں سے کہ جنہوں نے درخت کے نیچے تجھ سے بیعت
کی فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں کا اخلاص اس سے ظاہر ہو گیا اگر وہ منافق ہوتے
تو اس سفر میں ساتھ نہ آتے اور کبھی ایسے وقت پر بیعت نہ کرتے فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ
ان کے دلوں کو طمانیت اور تسکین دے دی تاکہ بلا خوف و خطر لڑائی پر مستعد ہونے
مرنے اور مارنے پر تیرے ہاتھ پر بیعت کی وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا اور ان کی شکستگی دور کر
کے لئے ان کو بہت ہی جلد بہت سی غنیمتیں دیں اور آئندہ بڑے بڑے فتوحات ا
غنائم کا مثل روم اور پارس کے وعدہ کیا پس ان آیتوں سے ان سب اصحاب
جنہوں نے حضرت کے ساتھ درخت کے نیچے بیعت کی بزرگی ثابت ہوتی ہے اور ان
اخلاص اور ایمان میں کامل ہونا ظاہر ہوتا ہے کوئی لفظ کوئی حرف بھی خدا نے ان آ
میں ایسا ذکر نہ کیا جس سے کوئی موقع کوئی محل انکار کا ہو بلکہ اپنی رضامندی کا اظ
اس طور سے کیا کہ جس کا کبھی زوال نہ ہوا اور ان فتوحات کا وعدہ کیا جن کا ظہور انہیں
صحابہ کے ہاتھ سے ہوا اب ہم شیعیان علی سے پوچھتے ہیں کہ اول یہ فرما دیں کہ یہ آیت
قرآن مجید کی ہے یا نہیں اگر ہے تو یہ انہیں لوگوں کی شان میں ہے جنہوں نے پیغمبر خدا
بیعت درخت کے نیچے کی تھی یا نہیں اگر انہیں کی شان میں ہے تو ان میں حضرت ابو
صدیق اور حضرت عمر وغیرہ صحابہ کرام داخل تھے یا نہیں اگر تھے تو جو کچھ خدا ان بیعت
کرنے والوں کے حق میں فرماتا ہے کہ لقد رضی اللہ کہ میں ان سے راضی ہوا تو اس رضا
وہ لوگ بھی آ گئے یا نہیں اگر نہیں آئے تو ان کے مستثنیٰ ہونے پر کیا دلیل ہے اور اگر
بھی آ گئے تو جن سے خدا راضی ہوا اور جن کی شان میں خود لقد رضی اللہ فرما دے ان سے
ناراض ہونا اور ان کو برا جاننا انکار آیات قرآنی سے ہے یا نہیں اگر یہ کہو کہ وہ منافق

ف: [illegible] روایت موافق روایت شیعوں کے ہے جسکا ثبوت آئندہ ہم نے کیا ہے اور ترجمہ کشف الغمہ سے ای [illegible]

تو اس کا رد بھی خدا نے خود کر دیا کہ فرمایا ہے فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ کہ ہم نے ان کے دلوں کا امتحان کر لیا اور سمجھ لیا کہ یہ بڑے پکے مسلمان اور سچے ایمان والے ہیں اسی لئے میں نے نازل کی ان پر تسلی اور دی ان کو فتح اور اگر وہ لوگ منافق ہوتے تو کیوں خدا ان کے ایمان پر شہادت دیتا اور کیوں ان کو فتح اور غلبہ عنایت کرتا۔ ان آیتوں کو دیکھ کر اگر کسی شیعہ کو یہ خطرہ پیدا ہو کہ جب ایسی آیت صریح صحابہ کی فضیلت میں خدا کی کتاب میں موجود ہے تو پھر کیا سبب ہے کہ ہمارے مذہب کے علما نے صحابہ کی فضیلت سے انکار کیا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہوگا ورنہ کیا سب عالم سب مولوی، سب فاضل سب مجتہد ہمارے مذہب کے ناداں تھے کہ ایسی آیت سے ایسا صریح انکار کیا اور باوجود اس کے بھی صحابہ کو برا جانا اس لئے ہم انہیں کے مذہب کی معتبر تفسیروں سے اپنے دعوے کو ثابت کرتے ہیں اور یہ امر کہ ان کے عالم اور مولوی نادان تھے یا دانا ایمان والے تھے یا بے ایمان منصف تھے یا متعصب انہیں کی عقل پر چھوڑتے ہیں ان کی تفسیروں کو دیکھ کر جو کچھ وہ انصاف سے مناسب جانیں ویسا سمجھیں اے بھائیو دیکھو کہ تمہارے یہاں کے مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کیا لکھا ہے (کاشانی) اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ؎ آنحضرت فرمودند بدوزخ نرود یک کس ازاں مومناں کہ در زیر شجرہ بیعت الرضوان نام نہادہ اند بجہت آنکہ حق تعالیٰ در حق ایشاں فرمودہ کہ لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ الخ اگر اس روایت پر اطمینان نہ ہو اور حضرات شیعہ اپنے متکلمین اور متعصبین کے جواب سننے کا اشتیاق ہو تو اس کو بھی سنیں کہ ان کے علمانے اس آیت کو دو طرح پر رد کیا ہے بعضوں ؎ نے یہ فرمایا ہے کہ اس آیت سے یہ لازم نہیں آتا کہ خدا ان کے سب کاموں سے راضی ہوا ہو اور آئندہ بھی راضی رہے

؎ ترجمہ: حضور نے فرمایا ہے جن مسلمانوں نے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی دوزخ میں نہیں جائے گا اس بیعت کا نام بیعت رضوان اس لئے رکھا ہے کہ اللہ نے ان بیعت والوں کی شان میں فرمایا ہے ان مسلمانوں سے راضی ہوا جنہوں نے آپ سے درخت کے نیچے بیعت کی ہے ؎ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ مدلول آیت عند التحقیق رضا رحق تعالیٰ است ازاں فعل خاص کہ بیعت ست و کسے را ایں نیست کہ بعضے از افعال حسنہ مرضیہ از ایشاں واقع است سخن درین است کہ بعضے افعال قبیحہ از ایشاں صادر شدہ کہ مخالف آں عہد و بیعت ست چنانچہ در امر خلافت ۱۲۔

اور بعض کا یہ قول ہے کہ بعد اس بیعت کے صحابۂ کبار نے وہ کام کئے جو مخالف اس بیعت کے تھے یعنی لڑائیوں میں بھاگ گئے خلافت خلیفہ برحق کی غصب کر گئے پس وہ اس آیت کے وعدے سے خارج ہو گئے پس بہ نسبت امر اوّل کے ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کی نسبت یہ گمان کرنا کہ وہ صحابہ کے اور کاموں سے راضی نہ تھا صرف ایک فعل خاص بیعت سے راضی ہوا اس لئے لقد رضی اللہ عن المؤمنین فرمایا ایسی تہمت ہے کہ کوئی مسلمان اپنے دل میں اس کا خیال بھی نہیں کر سکتا کیا یہ ممکن ہے کہ اگر خدائے عزوجل ان بیعت کرنے والوں سے ہر طرح پر راضی نہ ہوتا تو وہ لقد رضی اللہ عن المؤمنین صرف ان کے دل خوش کرنے کی براہ تدلیس فرماتا اور جن باتوں سے ان کی ناراض تھا ان کو تقیۃً ظاہر نہ کرتا اور یہ امر بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ حضرات شیعہ کو کس طرح معلوم ہوا کہ صحابہ کے اور کاموں سے خدا ناراض تھا آخر کیونکر ان کو اس کی ناراضمندی کا حال معلوم ہوا نہایت تعجب کا مقام ہے کہ خدا ان کے اس فعل کو جس سے راضی ہو اور لقد رضی اللہ کہہ کر ظاہر کرے اور ان کے ان افعالوں کو جن سے ناراض ہو سوائے شیعیان عبد اللہ بن سبا کے کسی پر نہ فرمادے شاید شیعیان پاک یہ جواب دیں کہ اس کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور امام صاحب سے اس کی تصدیق نہ کر لیں اس کو قبول نہیں کر سکتے لیکن افسوس تو یہی ہے کہ نہ امام صاحب کا کچھ نشان ملتا ہے نہ اس قرآن کا کچھ پتہ چلتا ہے ہزار برس تو گزر اور ہنوز معلوم نہیں کہ ابھی اور کتنے دن امام کے ظہور میں باقی ہیں۔ شعر

صد شب ہجر گزشت و مرا پیدا نیست ۔۔۔ طرفہ عمری کہ بصد سال تدیدم یک بار

اور بہ نسبت امر دوم کے کہ صحابۂ کبار اس آیت کے وعدے سے بسبب نکث بیعت کے خارج ہیں اس کا جواب ہم اس طرح دیتے ہیں کہ اس اعتراض سے بھی اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بیعت رضوان کے وقت تک صحابۂ کبار اور مہاجرین انصار سچے مسلمان اور پکے مومن

لہ صاحب تکذیب المکابد نے بجواب کید نو دوم تحفہ اثنا عشریہ کے لکھا ہے کہ اما بودن ابو بکر عمر وامثال در رضوان پس فائدہ بحال شان نمیرساند زیر اکہ حق سبحانہ و تعالی میفرماید ان الذین یبایعونک الخ ایں کلام معجز دلالت می کند بر ایں کہ بعضے اہل بیعت رضوان نکث بیعت خواہند کرد چنانچہ از ابو بکر و عمر و دیگران مشہور و رسم بیا فتن انکہ بیعت با یں شرط بودہ است کہ فرار و ہزیمت نہ کنند و در حرب ثابت بمانند یا کشتہ شوند بعد ازیں بیعت سال جنگ خیبر پیش آمد ابو بکر و عمر فرار کردند و ہزیمت خوردند ۱۲

تھے نہ منافق تھے نہ کافر اور ان کی بیعت صادق تھی نہ منافقانہ چنانچہ یہ فقرہ صاحب تقلیب المکائید کا کہ (این کلام معجز نظام دلالت می کند بر اینکہ بعضے از اہل بیعت رضوان، نکث بیعت خواہند کرد) دلیل اس پر ہے کہ جب بیعت کی تھی اسوقت تک نہ منافق تھے نہ کافر بلکہ لقد رضی اللہ عن المومنین میں داخل تھے اور شہید ثالث نور اللہ شوستری کا یہ کلمہ کہ (مدلول آیہ عند التحقیق رضاء حق تعالیٰ ست ازاں فعل خاص کہ بیعت ست وکسی منکر ایں، نیست کہ بعضے از افعال حسنہ مرضیہ از ایشاں واقع است) شاہد اس پر ہے کہ انکا بیعت کرنا فعل حسنہ تھا پس اسی سے یہ اعتقاد کہ صحابہ کبار اول ہی سے منافق تھے باطل ہوا اور جب تک یہ آیت جس میں خدا نے اپنی رضامندی ظاہر کی نازل ہوئی انکا مسلمان اور باایمان ہونا ثابت ہوا اب ذرا آگے چلئے اور بعد اس بیعت کے ان کے حال پر نظر کیجئے کیا کام ان سے ایسے ہوئے جن سے ان کا نکث بیعت کرنا ثابت ہوا اور وہ کام کس وقت ہوئے پیغمبر صاحب کے جیتے جی یا ان کی وفات کے بعد چنانچہ اس کی نسبت شہید ثالث اور صاحب تقلیب المکائد نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعد اس بیعت کے پیغمبر صاحب کے سامنے ان سے نکث بیعت ہوا یعنی وہ جنگ خیبر پر ثابت قدم نہ رہے بلکہ بھاگ گئے اس کی نسبت ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ قلعۂ خیبر حضرت صدیقؓ اکبر یا حضرت عمرؓ کے ہاتھ سے فتح نہیں ہوا لیکن فتح نہ ہونا مستلزم فرار نہیں ہے بھاگنا جنگ خیبر سے حضرات شیعہ نے کہاں سے ثابت کیا اور بالفرض اگر وہ جنگ خیبر سے بھاگے اور انہوں نے نکث بیعت کیا تو جسطرح پر ہم نے ان کی بیعت کو خدا کے کلام سے ثابت کیا اور خدا کی رضامندی کا لقد رضی اللہ عن المومنین کی آیت پیش کرکے ثبوت دیا اسی طرح پر حضرات شیعہ کے ذمے ہے کہ مقابلے اس آیت کے ان کا بھاگنا جنگ خیبر سے اور نکث بیعت کرنا اور خدا کا ان سے ناراض ہونا کسی آیت سے ثابت کر دیں (وادلیس فلیس) اور ہم خوب یقین کرتے ہیں کہ اگر صحابہ کبار سے کوئی فعل بعد اس بیعت کے موجب نارضامندی خدا کا ہوتا تو ضرور وہ اس سے بھی خبر دیتا اور جس طرح پر ان کی بیعت سے راضی ہو کر لقد رضی اللہ

لہ یہ معجزہ نما کلام اس امر کا ثبوت ہے کہ بیعت رضوان کرنے والوں میں سے بعض لوگ بیعت ترک کر دیں گے

لہ اہل تحقیق کے نزدیک آیت کا مدلول خوشنودی پروردگار ہے اور وہ اس فعل سے مخصوص ہے جس کا بیعت ہے ہر شخص اس کا اقرار کرتا ہے کہ صحابہ کے افعال حسنہ در اصل مرضی الہی تھے۔

فرما دیا اسی طرح پر ان کے فرار اور نکث بیعت سے ناراض ہو کر لقد غضب اللہ علیہم ارشاد کرتا اس لئے کہ لڑائی سے بھاگنا اور بیعت کا توڑنا آخر پیغمبر صاحب کے سامنے ہوا اس وقت تک سلسلہ وحی جاری تھا جبرائیل کا آنا بند نہ ہوا تھا پھر کیا سبب ہے کہ خدا ان کے اچھے کاموں کو ظاہر کرے اور برے کاموں کی خبر تک نہ دے ان کے افعال حسنہ کی تو شہرت دے دے اور ان کے افعال بد کی پردہ پوشی کرے پس یا تو خدا ان سے ڈرتا تھا کہ ان کی برائیاں بیان نہ کر سکتا تھا یا درحقیقت ان سے کوئی برائی نہ ہوئی تھی جس کو ظاہر کرتا اگر کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اس کو عفو کر دیتا تھا اور ان کے اور نیک کاموں پر خیال کر کے اس کو براہ ستاری چھپا دیتا تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ بعد وفات پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کبار نے ایسے کام کئے کہ جن سے خدا ناراض ہوا مثل خلافت غصب کرنے وغیرہ کے اس کی نسبت ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر ان سے بعد وفات پیغمبر خدا کے کوئی کام ایسا ہونے والا تھا کہ جس سے خدا ناراض ہوتا تو ضرور اس کی خبر دیتا اور کبھی ان کے حق میں لقد رضی اللہ نہ فرماتا اور جب کہ خدا نے اس آیت میں یہ فرما دیا کہ فعلم ما فی قلوبہم کہ میں ان کے دلوں کی بات جانتا ہوں اور فرمایا فانزل السکینۃ علیہم کہ میں نے نازل کی ان پر تسلی تو کیونکر قیاس میں آسکتا ہے کہ ایسے لوگ کبھی جادۂ حق سے منحرف ہوئے ہوں، لیکن ہم حضرات شیعہ سے عرض کرتے ہیں کہ وہ کیوں سوال وجواب میں اپنے اوقات ضائع کرتے ہیں اور کیوں علامہ کاشانی کی تفسیر کی ان لفظوں کو نہیں دیکھتے کہ (آنحضرت[1] فرمود بدوزخ نرود یک کس از ان مومنان کہ در زیر شجرہ بیعت کردند) اس مفسر نے کچھ قضیہ جھگڑا باقی نہیں رکھا عام بشارت جنت کی ان لوگوں کے حق میں جو اس بیعت میں شریک تھے پیغمبر صاحب کی زبان سے تصدیق کر دی لیکن اگر اس ایک روایت پر اطمینان نہیں ہوتا تو اس کی تائید میں دوسری روایت سنیں کہ ترجمہ کشف الغمہ میں لکھا ہے کہ[2] (از جابر بن عبداللہ انصاری روایت ست کہ ما دران روز ہزار و چہار صد کس بودیم دران روز من از حضرت،

---

[1] آنحضور نے فرمایا جن مسلمانوں نے بیعت رضوان زیر شجرہ کی ہے ان میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہیں جائیگا

[2] جابر بن عبداللہ انصاریؓ کا بیان ہے کہ بیعت رضوان کے دن ہم چار سو افراد حاضر تھے چنانچہ میں خود رسول اکرم کی زبانی لوگوں کو فرماتے سنا تم لوگ روئے زمین کے بہترین اشخاص ہو ہم سب نے اسی دن بیعت کی اہل بیعت میں انہوں نے بیعت نہیں توڑی البتہ قید بن قیس منافق نے بیعت توڑ دی۔

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم شنیدم کہ آنحضرت خطاب بحاضران نمود و فرمود کہ شما بہترین
اہل روی زمینید و ماہمہ دراں روز بیعت کردیم و کسی از اہل بیعت نکث نہ نمود مگر قید
بن قیس کہ آں منافق بیعت خود را شکست) اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوئے
اوّل یہ ثابت ہوا کہ بیعت کے وقت چودہ سو صحابی موجود تھے جن کے ایمان اور اسلام
کی خبر خدا دیتا ہے کہ فعلم ما فی قلوبہم ۔ اور ان کی شان میں فرماتا ہے لقد رضی اللہ عن المومنین
دوسرے حضرت پیغمبر خدا نے ان کی نسبت فرمایا کہ تم بہترین اہل زمین سے ہو تیسرے ثابت
ہوا کہ سوائے ایک منافق کے اور کسی نے بیعت کو نہیں توڑا پس اے شیعیان پاک اب
تم انصاف سے ان روایتوں کو دیکھو اور اپنے شہید ثالث اور صاحب تقلیب المکاید کے
ایمان اور انصاف پر خیال کرو کہ وہ محبت اہل بیعت کے پردے میں کیسی خدا کی آیتوں
کی تکذیب کرتے ہیں اور کس طرح ایسے صریح نصوص سے انکار فرماتے ہیں ۔ لیکن اگر ہم
صحابہ کی برائیوں کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی کچھ فائدہ شہید ثالث کی تقریر کا نظر نہیں آتا اس
لئے کہ جو علامہ کاشانی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ (آنحضرت فرمود بدوزخ نرود یک کس
ازاں مومناں کہ در زیر شجرہ بیعت کردند) اس کا کیا جواب ہے بغیر اس کے کہ یہ کہا جائے
کہ حضرت نے تقیہ سے کہہ دیا ہوگا ۔ اس مقام پر یہ امر بھی لائق لکھنے کے ہے اگر کوئی شبہہ
کرے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس بیعت میں شریک نہ تھے اس لئے وہ بیعت
الرضوان سے خارج ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ پیغمبر خدا کو حضرت عثمانؓ سے ایسی محبت
تھی کہ باوجود نہ موجود ہونے انکے وقت بیعت کے ان کو شریک کر لیا اور کیسا شریک کیا کہ
جس سے انکو اپنا ہاتھ بنا دیا چنانچہ اس مقام پر جو کچھ مولانا و بالفضل اولانا مولوی علی
بخش خاں صاحب نے اپنے ایک رسالے میں لکھا ہے اسی کو ہم بجنسہٖ نقل کرتے ہیں
(ہو ہذہ) اور واسطے حصول شرف بیعت الرضوان کے رسول اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے
عثمان غنیؓ کی طرف سے بھی اپنے دونوں ہاتھ سے وہ معاملہ فرمایا کہ دست حق پرست اپنے
کو عثمان کا ہاتھ قرار دیا روضہ کلینی میں حدیث وارد ہے کہ بیعت لی پیغمبر خدا نے مسلمانوں

۱ فلما انطلق عثمان لقی ابان بن سعید فتاخر عن السرج فحمل عثمان بین یدیہ ودخل عثمان فاعلمہم وکانت المناوشۃ فجلس سہیل بن عمرو عند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم وجلس عثمان فی عسکر المشرکین وبایع رسول اللہ المسلمین وضرب صلعم باحدی یدیہ علی الاخری لعثمان قد طاف بالبیت وسعے بین الصفا والمروۃ واحل فقال رسول اللہ لم یفعل

سے اور ایک ہاتھ کو اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا واسطے عثمانؓ کے کہ وہ لشکر میں مشرکوں کے تھے؛ اس حدیث سے علاوہ قطعیت مغفرت و رضوان الٰہی کے ایک لطیفہ عمدہ یہ ہاتھ آیا کہ دست نبی دست عثمان قرار پایا اور دست نبی وہ ہے کہ مجازاً دست خدا ہے ید اللہ فوق ایدیہم اب دیکھئے عثمان غنیؓ کو (ید اللہ یا ید النبی) کا خطاب منصف مزاج عنایت کرتے ہیں یا اس لقب کو پھر بھی مخصوص واسطے علی مرتضیٰ کے کہے جاتے ہیں انتہی بلفظہ (واللہ درہ وعلی اللہ اجرہ) اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے یاروں کی یاری پر نہایت ہی بھروسہ تھا اور ان کے استقلال پر یقین کامل تھا اس لئے کہ جب لوگوں نے کہا کہ خوشا حال عثمانؓ کا کہ ان کو خانہ کعبہ کا طواف نصیب ہوا تو حضرت نے فرمایا یہ ممکن نہیں ہے کہ عثمان بغیر ہمارے طواف کرے آخر ویسا ہی ہوا کہ بغیر حضرت کے عثمان نے طواف نہ کیا چنانچہ اسی حدیث کے مضمون کو تم حیدری کے مولف نے بھی نظم کیا ہے کما قال نظم

طلب کرد پس اشرف انبیاء ز اصحاب عثمانؓ صاحب حیا
بادہم ہماں گفت خیر البشر کراں پیشتر گفتہ بد با عمرؓ
بپوسید عثمان زمین در زمان بمقصد رواں شد چو تیر از کمان
چو او رفت از اصحاب روز دگر بگفتند چندی بہ خیر البشر
خوشا حال عثمان با احترام کہ شد قسمتش حج بیت الحرام
رسول خدا چوں شنید ایں سخن بیاسخ چنیں گفت با انجمن
بہ عثمانؓ نداریم ما ایں گمان کہ تنہا کند طوف آن آستاں

اور بعد اس کے یہی مولف لکھتا ہے کہ جب حضرت عثمان مکے میں پہنچے اور ابو سفیان سے کہا کہ پیغمبر خدا طواف کے لئے آنا چاہتے ہیں اس نے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے مگر تمہارا دل چاہے تو طواف کر لو تب حضرت عثمانؓ نے انکار کیا اور اس پر ابو سفیان نے ان کو قید کر لیا کما قال

نظم

چو بشنید شں آنکہ بدل مہر خون بہ عثمان چنیں گفت آں سرنگوں
کہ گر میل داری تو طوف حرم بکن ہانعت نیست کس زین حشم

بقیہ حاشیہ صفحہ [illegible] لیس لنا با عثمان قال رسول اللہ اطعب بالبیت ... ما کنت لاطوف بالبیت ورسول اللہ لم یطف بہ [illegible]
[illegible] الحدیث ۱۲

ولیکن محالست آن بی گزاف　　که آید محمد برای طواف
چو بشنید عثمانؓ از و ایں سخن　　چنیں داد پاسخ بآں اہرمن
کہ طوفِ حرم بے رسول خدا　　نباشد بہ پیرِ دانش روا
ازیں گفتہ سفیان برآشفت بیش　　بکمہ خاندا از سوئی اوردی خویش
بفرمود پس باد گر مشرکاں　　کہ عثمانؓ وآن دہ کس از پیرواں
نیابند رفتن بہ نزد رسول　　اگر شاد باشند ازیں گر ملول
چو عثمانؓ از و ایں حکایت شنید　　علاجی بجز صبر کردن ندید
منفید نمودندش اعدائے دین　　بیان شمائش کنم بعد ازیں

غرض کہ ہم حضرات شیعہ سے التماس کرتے ہیں وہ ذرا انصاف فرماویں کہ ان کے مفسرین اور محدثین اور مورخین صحابہ کی نسبت کیا لکھتے ہیں اور ان کے استقلال اور صبر اور ایمان اور اسلام کو کیسا تسلیم کرتے اور پھر باایں ہمہ ان سے عداوت رکھتے ہیں اور ایسے لوگوں کو جن کے ایمان اور اسلام پر پیغمبر صاحب کو اطمینان ہووے اور جن کی لغزش کرنے کا شبہہ تک حضرت کے دل پر نہ گذرے اور جو باوجود مصیبتوں اور محنتوں کے سرِ مو اطاعت نبوی سے باہر نہ ہوں اور جن کے استقلال اور صبر کی خدا تعریف کرے منافق اور مرتد کہتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ حضرات شیعہ کس طرح ایسے سچے مسلمانوں اور پکے ایمان والوں کو منافق کہتے ہیں۔ اور کیونکہ ایسی صریح آیات اور سچی روایات سے انکار کرتے ہیں اس لئے کہ جب کوئی شخص ان آیتوں اور حدیثوں اور روایتوں کو دیکھے تو بھلا ممکن ہے کہ وہ صحابہ کرام کے فضائل میں شبہہ کر سکے یا ان کی نسبت نفاق اور ارتداد کا خطرہ بھی اس کے دل میں گذر سکے غور کرنے کا مقام ہے کہ خدا نے ان کے حالات بیان کرنے میں فقط کنایے اور اشارے پر قناعت نہ فرمائی بلکہ صاف صاف تصریح کر دی اور ٹھیک ٹھیک پتہ اور نشان انکا بتلا دیا۔ اور ایسی صریح آیتوں کو نازل کر کے منکرین کے شبہات کو دور کر دیا اگر پیغمبر صاحب کے اور پر ایمان لانیوالوں کی فقط خدا تعریف اجمالی کرتا تو منکرین کو تاویل اور شبہے کا موقع تھا مگر عجب صاف کہہ دیا کہ میں ان مسلمانوں سے راضی ہوں جنہوں نے پیغمبر صلعم کے ہاتھ پر بیعت کی

اما حاشیہ صفحہ ۳۵۸ ملاحظہ سید اکمل حملۂ حیدری صفحہ ۳۰۷ سطر ۲ مطبع سلطانی مطبوعہ ۱۲۶۱ھ بمبئی ۱۲ منہ ۲؎ جلد اوّل حملۂ حیدری صفحہ ۳۰۷ سطر ۲ مطبع سلطانی مطبوعہ ۱۲۶۱ھ بمبئی ۱۲ منہ۔

اور جگہ بھی بیعت کرنے کی بتلا دی کہ درخت کے نیچے اور یہ بھی کہہ دیا کہ یہ لوگ پیغمبر کے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتے بلکہ میرے ہاتھ پر تو اب کون شخص ہے کہ ایسی بیعت کرنیوالوں کے ایمان اخلاق پر شبہہ کر سکے ہاں یہ شبہہ ہو سکتا تھا کہ شاید بیعت کرنیوالے وہی معدودے چند ہوں جو موافق اعتقاد شیعوں کے مرتد نہیں ہوئے لیکن جب کہ علماء شیعہ نے اس امر کو تسلیم کر لیا کہ صحابۂ کبار[1] چودہ سو اس بیعت میں شریک تھے اور یہ بھی قبول فرما لیا کہ انہیں کی شان میں اس آیت کو خدا نے نازل کیا اور اس کا بھی اقرار کیا کہ سوائے ایک منافق کے اور کسی نے بیعت نہیں توڑا تو ہم کو نہایت ہی تعجب آتا ہے کہ کیونکر ایسی بیعت کرنے والوں کے حق میں ایسا اعتقاد رکھتے ہیں لیکن یہ خیال کر کے کہ حضرات شیعہ کو نہ خدا کے کلام پر یقین ہے نہ پیغمبر صاحب کی حدیثوں پر نہ اماموں کے قول پر تو کچھ تعجب نہیں ہوتا اگر ان میں سے کسی پر عمل ہوتا تو کبھی ایسا عقیدہ نہ رکھتے اے بھائیوں تمہارے حق میں ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ جل شانہ تم کو ایک ذرہ بھر ایمان عطا کر دے تاکہ تم لوگ اپنے عقیدوں کی برائیوں پر خود ہی اقرار کرنے لگو اور جو ہم تم کو سمجھاتے ہیں وہ تم خود ہی سمجھنے لگو اے یار و ذرا ایسے عقیدوں پر غور کرو اور سوچو کہ ان میں کچھ بھی اثر ایمان اور اسلام کا ہے اگر ہے تو دکھاؤ۔ شعر۔

نالۂ حزنیت کو آہ آتشینت کو
لاف عشق بازی چند عشق را نشانہا ست

پانچویں آیت: ۔ لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ[1]

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ جب لڑائی بدر کی فتح ہوئی اور مشرکین قید میں آئے تب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کو کیا کرنا چاہیے حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان کی گردنیں مار دینا چاہیے بلکہ جو جس کا رشتہ دار ہو وہی اپنے ہاتھ سے اس کو قتل کرے اور خدا کی محبت کے سامنے دوسرے کی محبت کا خیال نہ کرے لیکن حضرت نے موافق مشورے ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور صحابہ کے فدیہ لے کر چھوڑ دیا[2] پر یہ آیت نازل ہوئی اور اس روایت کو علماء اور مفسرین امامیہ بھی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ تفسیر خلاصۃ المنہج کاشانی میں لکھا ہے کہ بدر کی لڑائی

---

[1] پارہ ۱۰۔ رکوع ۹۔ سورۂ انفال ۱۲۔ [2] روز بدر ہفتاد تن اسیر شدند و از جملہ ایشاں عباس و عقیل بودند حضرت دربارۂ ایشاں با اصحاب مشاورت کرد ابوبکر کہ از مہاجرین بود گفت یا رسول اللہ اکثر اصحاب عزاین قوم اقارب و عشائر تو اند اگر بعد طاقت و استطاعت فدا می بدہ باشند کہ بعد ازیں بدولت اسلام ہم رسد الخ ۱۲۔

میں ستر آدمی قید ہوئے۔ منجملہ ان کے عباس اور عقیل بھی تھے حضرت نے اُن کے باب میں اپنے یاروں سے مشورہ لیا ابوبکرؓ نے کہ وہ بھی مہاجرین میں سے تھے کہا یا رسول اللہ یہ سب چھوٹے بڑے آپ کی قوم اور قبیلے کے ہیں اگر ہر ایک بقدر طاقت اور استطاعت اپنی کے کچھ فدیہ دے تو امید ہے کہ ایک دن دولت اسلام پر پہنچیں اور مجمع البیان طبرسی میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا نے بدر کے دن قیدیوں کے باب میں اپنے یاروں سے کہا کہ اگر تم چاہو ان کو مار ڈالو اور چاہو چھوڑ دو تب حضرت عمرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ انہوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو نکالا اس لئے ان کی گردنیں مارنا چاہیے عقیل کو علی کے سپرد فرمائیے کہ وہ انکو ماریں اور فلاں شخص میرے سپرد کیجیے کہ میں اس کو قتل کر دوں اور یہ سب سرداران کفار ہیں اور حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم اور رشتے کے لوگ ہیں فدیہ لے کر چھوڑ دینا چاہیے چنانچہ اسی طرح پر حضرت نے کیا تب یہ آیت نازل ہوئی اور پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا آسمان سے تو سوائے عمر اور سعد بن معاذ کے کوئی نجات نہ پاتا ان روایتوں سے باقرار علمائے امامیہ چند فائدے حاصل ہوئے۔ اوّل ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کا مہاجرین اور اہل بدر میں سے ہونا، دوسرے پیغمبر خدا کا ان سے مشورہ کرنا تیسرے حضرت عمرؓ کا کافروں پر سخت ہونا اور خدا کی راہ میں قرابت اور برادری کا کچھ خیال نہ کرنا اور جو کچھ ان فائدوں سے فائدے حاصل ہوتے ہیں ان کو ہم بیان کرتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کو مہاجرین میں سے ہونا ثابت ہوا تو جو فضیلتیں اللہ جل شانہ نے مہاجرین کی بیان کی ہیں اور جن کو اوپر ہم نقل کر چکے ہیں وہ سب انکے حق میں ثابت ہوئیں۔ دوسرے جو بعض علما امامیہ نے انکار کیا ہے کہ اصحاب ثلثہ مہاجرین میں سے نہ تھے وہ قول باطل ہوا چنانچہ تقلیب المکاید کے مولف نے مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس اللہ سرہ کے تحفہ کے باب مکاید شیعیان کے کید نود و نہم کے جواب میں صاف لکھا ہے کہ[1] اصحاب ثلثہ از مہاجرین اولین نبودند تیسرے امامیہ کا یہ گمان کہ معاذ اللہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ ابتدا ہی سے منافق تھے اور کبھی دل سے ایمان نہ لائے تھے اور ان کی نیت نیک نہ تھی فاسد ٹھہرا جیسا کہ جناب میر صاحب قبلہ حدیقہ سلطانیہ کے باب سوم میں لکھتے ہیں کہ[2] سیرت شیخین دلالت بر خبث سریرت آنہا دارد کہ در وقت

---

[1] فقال رسول اللہ وما یدریک یا عمر لعل اللہ اطلع علی اہل بدر فغفرلہم فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم ابداً قد بالعزیمۃ ۱۲۔

[2] ترجمہ: پہلے اصحاب مہاجرین اولین میں نہ تھے ترجمہ: شیخین کی سیرت انکے اس خبث باطن سے ظاہر ہے (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

گمان از حضرت نبوی درخواست اظہار دعوت نمودہ در رفع اضرار آنحضرت بر می آمدند و در
وقت اعلان از نصرت دست می کشیدند فاعتبروا یا اولی الابصار۔ انتہی بلفظہ اگر میر نصاحب
قبلہ زندہ ہوتے تو میں پوچھتا کہ حضرت اگر شیخین کی نیت نیک نہ ہوتی اور وہ وقت اعلان
کے نصرت سے ہاتھ کھینچتے ہوتے تو بدر کی لڑائی میں کیوں آپ کے جد امجد کا ثانی اور
مہاجرین اور اہل شوریٰ میں ہونا ان کا قبول کرتے اتنی مسلمانو شیعوں کے ایمان اور عقل
حیا پر غور کرو کہ وہ شیخین کی نسبت جو کہ تمام جہان سے اچھی عاشق پیغمبر کے تھے اور تمام
اپنا حضرت پر فدا کر چکے تھے اور جو شب روز اظہار دعوت کے لئے اصرار کیا کرتے تھے
گمان کرتے ہیں کہ ان کی نیت اس اصرار سے یہ تھی کہ پیغمبر خدا اظہار دعوت کریں اور لوگ ان
ستاویں اور ہلاک کر ڈالیں افسوس ایسے عقیدے پر خیر بہرحال میر نصاحب قبلہ جو چاہیں
فرماویں اور ان کے پدر بزرگوار جو دل میں آوے ارشاد کریں لیکن اس امر کو کہ شیخین مہاجر
اور اصحاب بدر میں سے تھے جھٹلا نہیں سکتے اور ہمارا مطلب اتنی ہی بات سے حاصل
ہوا جاتا ہے اس لئے کہ جب وہ مہاجرین میں سے تھے تو ان فضیلتوں کے مستحق ہیں
خدا نے جا بجا قرآن مجید میں ہجرت کرنے والوں کی بیان کی ہیں اور جب کہ وہ اہل بدر سے
تو وہ اس مغفرت کے وعدے میں شریک ہیں جو اللہ جلشانہ نے اہل بدر سے کیا ہے کہ
ان کو مرفوع القلم کر دیا ہے چنانچہ اس امر کو علمائے امامیہ بھی قبول کرتے ہیں علامہ کاشی
خلاصۃ المنہج میں تفسیر کریمہ مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّکُوْنَ لَہٗ اَسْرٰی کی باین الفاظ کرتے ہیں کہ
(اگر نہ حکمی و فرمانی می بود از خدائے تعالیٰ کہ پیش گرفتہ شدہ اثبات آں در لوح محفوظ کہ بجز
تصریح عقوبت نفرماید یا اصحاب بدر را عذاب نکند) اور اسی طرح پر تفسیر مجمع البیان طبرسی
لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے (لعل اللہ اطلع علی اہل بدر فغفر لہم فقال اعملوا
ما شئتم فقد غفرت لکم) کہ خدا نے اہل بدر کی شان میں فرما دیا ہے کہ جو چاہو سو کرو میں تم کو
بخش چکا ہوں اور تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھا ہے کہ (خدائے تعالیٰ بدریان را وعدہ مغفرت داد
وایشاں را بخطاب مستطاب اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم نوازش فرمودہ) پس جب پیغمبر

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۱ کہ چھپانے کے وقت میں رسول اکرمؐ سے تبلیغ اسلام کی خواہش کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی
رسالت کی دشمن میں تھے کہ آپ اسلام کا اعلان فرمائیں۔ اور یہ لوگ آپ کی امداد سے ہاتھ اٹھالیں۔ ۔ لے اگر ایسا حکم کہ جو لوح
ہوتا جو لوح محفوظ میں ہے کہ بغیر ممانعت ... دیا ہے تو اصحاب بدر کو سزا دیتا ۔ کہ اللہ نے اہل بدر سے مغفرت
کر کے ان سے خطاب فرمایا ہے تم جو چاہو کرو ہم نے تمہاری مغفرت کر دی ہے۔

کی زبان مبارک سے تمام اہل بدر کا قطعی جنتی ہونا اور خدا کا ان کی نسبت اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم کہنا ثابت ہوا تو پھر اب صحابہ کبار علی الخصوص اصحاب ثلثہ کے قطعی جنتی ہونے میں کون سا شبہ رہا اے یارو ہم اب تک نہیں سمجھے کہ حضرات شیعہ کے مذہب کا مدار کس پر ہے اگر خدا کے کلام پر ہے تو وہ صحابہ کی فضیلتوں سے بھرا ہوا ہے اگر پیغمبر خدا کی حدیثوں پر ہے تو ان میں بھی انہیں کے صفات کا تذکرہ ہے اگر ائمہ کرام علیہ السلام کی روایتوں پر ہے تو ان میں بھی انکی خوبیوں کا بیان ہے اگر اپنی ہی تفسیروں اور کتابوں پر ہے تو ان سے بھی انکے فضائل کا ثبوت ہوتا ہے پس اب اور کیسی سند حضرات چاہتے ہیں جو صحابہ کے فضائل پر ہم پیش کریں اور کیسی دلیل چاہتے ہیں جو ان کی بزرگیوں کے ثبوت میں بیان کریں اصل یہ ہے کہ اگر ایمان اور انصاف ہو تو خدا کے کلام اور رسول کی احادیث اور ائمہ کے اقوال کو مانیں جب ایمان اور انصاف ہی نہیں ہے اور پیروی عبداللہ بن سبا کی کمبخت منظور ہے تو پھر کیونکر اپنے پیر و مرشد کے سکھائے ہوئے عقیدہ کو چھوڑیں افسوس ہزار افسوس کہ یادہ سو برس گذر گئے اور اس ملعون کی ہڈیاں خاکستر تک ہو گئیں مگر وہ جو کچھ وہ اپنے شیعوں کو سکھا گیا اس کو وہ نہیں بھولتے اور جس راہ پر وہ اپنے یاروں کو چلا گیا اس سے نہیں ہٹتے ہزار ہزار کوئی سمجھا دے لاکھ آیتیں اور حدیثیں دکھلا دے مگر اپنے پیر و مرشد کے قول کے روبرو ایک پر بھی نظر نہیں کرتے کلام اللہ کی تاویل کر دیں حدیثوں کو بنا ڈالیں اماموں کے قولوں کو رد کر دیں مگر اپنے جد امجد کی بات کو نہیں بھولتے جس عقیدے کو خیال کیجئے اس میں اسی ملعون کی تعلیم کا اب تک اثر ہے جس مسئلے پر غور کیجئے اب تک اسی کمبخت کے قول پر عمل ہے ولنعم ما قیل شعر۔

بلب زور دل آہی کر داشتم دارم نشستی سرراہی کر داشتم دارم

چوتھی آیت: وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ[1]۔ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا اور جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے مغفرت اور رزق باکرامت ہے۔
اس آیت پر ایمان لانے والے مہاجرین اور انصار کے ایمان اور اسلام پر کچھ شبہہ نہیں کر سکتے اور ان کی مغفرت اور جنتی ہونے میں کچھ شک نہیں لا سکتے ہیں اس لئے کہ حبیب اللہ جل شانہ خود تصدیق فرماتا ہے جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھر بار کو چھوڑا اور جنہوں نے پیغمبر صاحب کو اور ہجرت کرنے والوں کو اپنے گھروں میں جگہ دی اور ان کی مدد کی وہ سچے مسلمان اور پکے ایمان

[1] پارہ ۱۰ رکوع ۱۰۔ سورۂ انفال ۱۲۔

لانے والے ہیں اور مغفرت اور رزق کریم ان کے حصہ میں ہے پس خدا کی ایسی شہادت کو سن کر کون ایسا شخص ہوگا کہ مہاجرین اور انصار کے ایمان میں شبہ کرے اور ان کی مغفرت میں کلام کرے شیعیان عبد اللہ بن سبا کو ذرا سوچنا چاہیئے کہ جب اللہ جل شانہ مہاجرین اور انصار کے ایمان کی تصدیق کرتا ہے اور ان کے حق میں شہادت اولٰئک ہم المومنون حقا کی دیتا ہے اور ان کی شان میں لہم مغفرۃ ورزق کریم۔ فرماتا ہے پھر کیونکر انکے دل میں ایسے پاک لوگوں کی طرف شبہ ہوتا ہے اور کس طرح ان کی زبان سے ایسے شخصوں کی نسبت کفر و نفاق کا کلمہ نکلتا ہے کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم اگر کسی کو شک ہو کہ یہ آیت اُن مہاجرین اور انصار کی شان میں نہیں ہے جن کی نسبت حضرات شیعہ نیک اعتقاد نہیں رکھتے اسلئے ہم تفسیر مجمع البیان سے جو معتبر تفاسیر امامیہ سے ہے تفسیر اس آیت کی لکھتے ہیں جس کو شک ہو وہ صفحہ ۲۵۴ تفسیر مذکور مطبوعہ تہران ۱۲۷۵ھ ہجری کو دیکھ لے مفسر[1] موصوف لکھتا ہے کہ خدا نے پھر آیتوں میں مہاجرین اور انصار کا ذکر کیا اور ان کی ثنا اور صفت بیان کی پس خدا کے اس قول کا کہ والذین امنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ یہ مطلب ہے کہ تصدیق کی انہوں نے خدا کی اور اس کے رسول کی اور ہجرت کی اپنے گھروں اور وطن سے یعنی مکے سے مدینے کو اور جہاد کیا انہوں نے خدا کے دین کی ترقی کے لئے اور والذین اووا ونصروا کے یہ معنی ہیں کہ جگہ دی مہاجرین کو اپنے گھروں میں اور مدد کی پیغمبر کی اور اولٰئک ہم المومنون حقا کا یہ مطلب کہ وہی لوگ سچے مسلمان ہیں اسلئے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ہجرت کر کے اور مدد دے کر ثابت کر دیا اس تفسیر کو دیکھ کر اگر حضرات شیعہ بمقابلے ان [illegible] آیتوں اور ایسی [illegible] بشارتوں کے ایک دو آیت بھی قرآن سے نکال کر ہم کو دکھلاتے اور جس طرح پر ہم نے ان کے فضائل اور درجات کو کلام اللہ سے ثابت کیا وہ قرآن ہی کی سند سے ان کی ایک بھی برائی کا ثبوت پہنچاتے تو ہم ان کو کسی قدر معذور بھی جانتے لیکن افسوس تو ہم کو اس بات کا ہے کہ ہم تو مہاجرین اور انصار کے فضائل میں قرآن کی آیتوں کو پیش کرتے ہیں رسول کی احادیث کو بیان کرتے ہیں اماموں کے قولوں کو انہیں کی کتابوں

---

[1] ثم عاد سبحانہ الی ذکر المہاجرین والانصار ومدحہم والثناء علیہم فقال والذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ ای صدقوا اللہ ورسولہ وہاجروا من دیارہم واوطانہم یعنی من مکۃ الی المدینۃ وجاہدوا مع ذلک فی اعلاء دین اللہ والذین آووا ونصروا ای ضموہم الیہم ونصروا النبی اولئک ہم المومنون حقا ای اولئک الذین حققوا ایمانہم بالہجرۃ والنصرۃ ۱۲ مجمع البیان

نے نکال کر دکھاتے ہیں اور وہ ان سب کو چھوڑ کر چند مفتری کذابوں کی جھوٹی باتوں کو پیش کرتے ہیں اور ان لوگوں کے قولوں پر عمل کرتے ہیں جن کو اماموں نے نکال دیا اور جن پر اپنی زبان سے لعنت کی اور جن کو جھوٹا اور فریبی خطاب دیا جس کا ثبوت ہم آئندہ ذکر یں گے انشاء اللہ تعالیٰ پس انصاف کرنے والے انصاف کر سکتے ہیں کہ خدا کے کلام پر ہم ایمان رکھتے ہیں یا حضرات شیعہ اور قرآن کی آیات کی ہم تصدیق کرتے ہیں یا شیعیان عبد اللہ بن سبا کے یار واگر فرض کیا جائے کہ جو ہمارا اعتقاد بہ نسبت صحابہ کے ہے وہ معاذ اللہ باطل ہوے اور جو عقیدہ شیعوں کا بہ نسبت ان کے ہے وہی صحیح ہووے اور قیامت کے دن اللہ جل شانہ عدالت کی کرسی پر بیٹھ کر ہمارے اعتقاد باطل پر ہم سے جواب چاہے تو ہم اسی کی کتاب کو اس کے سامنے کر دیں گے اور نہایت ہی ادب سے عرض کریں گے کہ الٰہ العالمین تو عادل ہے اور موافق مذہب شیعوں کے تیرا عدل اصول ایمان میں سے ہے تو اب تو ہی انصاف کر کہ یہ کتاب تیری ہے جس کو تو نے ہماری ہدایت کے واسطے اپنے پیغمبر کی معرفت نازل کیا اور اس کا نام کتاب مبین رکھا اور اس کی عبارت اور مضمون میں اغلاق اور تعقید کو دخل نہ دیا ہر چیز کو صاف صاف بیان کر دیا اور خود اس کا حافظ بن کر اس کو تحریف سے محفوظ رکھا پس خداوندا ہم نے تیری ہی کتاب کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ لیا اور جو کچھ اس میں کہہ دیا اور فرما دیا اسی پر ہم نے یقین کیا مہاجرین اور انصار کی اس قدر بزرگیاں اور فضیلتیں تو نے بیان کیں کہ ہم ان کی نسبت نیک اعتقاد رکھنے پر مجبور ہو گئے اور تیری ہی شہادت سے ان کے حق میں فرمایا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِہِمْ وَاَنْفُسِہِمْ اَعْظَمُ دَرَجَۃً عِنْدَ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ کسی مقام پر تو نے ان کی نسبت ارشاد کیا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَہَاجَرُوْا وَجَاہَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا کسی جگہ ان کی شان میں تو نے فرمایا لَہُمْ مَّغْفِرَۃٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ کسی مقام پر ان کی صفت میں تو نے کہا لَا یُخْزِیْہِمُ اللّٰہُ غرضکہ خدایا جب ہم نے تیری کتاب کو کھولا تو کوئی ورق اور کوئی صفحہ اس کا مہاجرین اور انصار کے ذکر سے خالی نہ پایا کسی آیت سے ان کی برائی کا ثبوت کیا ان کی فضیلت پر شبہ تک نہ ہوا جب تیری کتاب سے ان کی نسبت شہادت چاہی تو یہی معلوم ہوا کہ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ جب قرآن سے ان کے واسطے فال کھولی تو یہی نکلا کہ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَآئِزُوْنَ پس جب تو نے باہیں بے نیازی ان کی صفات اور فضائل سے اپنی کتاب کو بھر دیا اور ان کی شان میں بار بار

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ فرمایا اور ہم کو ان کے اقتدا اور پیروی کی تاکید کی اور ان سے محبت رکھنے کی تحریص اور عداوت اور کینہ رکھنے پر تہدید فرمائی تو ہم اگر ان سے محبت نہ رکھتے اور ان کو اچھا نہ جانتے اور ان کی اقتدا نہ کرتے تو کیا کرتے الٰہ العالمین تو نے ہم کو ان لوگوں میں تو پیدا نہیں کیا تھا جن کی نسبت تو نے فرمایا الذین اخرجوا من دیارہم واموالہم یبتغون فضلا من اللہ ورضوانا اس گروہ میں تو نے ہم کو شامل ہی نہ کیا تھا جس کی صفت میں تو نے ارشاد کیا ہے والذین تبوؤا الدار والایمان من قبلہم یحبون من ہاجر الیہم ہم کو تو ان سب کے پیچھے مخلوق کیا اور ہم لوگوں کی نسبت پہلے ہی سے تو نے یہ لکھ دیا کہ وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تو کیونکر ہم ان پیشواؤں سے محبت نہ رکھتے اور کس طرح ان سے کینہ اور عداوت رکھتے یہ کتاب تیری موجود ہے جس کی نسبت تو نے فرما دیا تھا کہ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ اور اسی وعدے پر ہم اس کو برابر غیر محرف سمجھتے رہے اور اس پر ایمان رکھتے آئے اگر یہ آیتیں جو مہاجرین اور انصار کی نسبت ہم نے بیان کیں تیری کتاب میں موجود ہیں تو پھر خدایا ہمارا کیا قصور اور کیا گناہ ہے جن کو تو نے اچھا کہا ہم نے اچھا جانا جن کی تو نے تعریفیں کیں ان سے ہم نے محبت رکھی ہاں اگر ان لفظوں کے تو نے اور کچھ معنی رکھے ہوں اور اس عبارت کا مطلب اور کچھ ہو تو ہم نہیں جانتے موافق تیرے ارشاد کے تیری کتاب کو کھلی اور روشن کتاب سمجھتے تھے اور اس کو معما اور پہیلیوں کا مجموعہ نہ جانتے تھے غرض کہ ہم نہیں جانتے کہ جب ہم یہ جواب دیں گے تو خداوند عادل کس جرم میں ہم کو سزا دیگا اور کس طرح ہم کو اپنی کتاب کا تصدیق کرنے والا نہ سمجھے گا ہم کو تو یقین ہے کہ ضرور ایسے عقیدے سے خدا ہماری نجات کریگا اور ہم کو ان کے مغفرت اور رزق کریم میں سے حصہ عطا کریگا۔ اے یارو ہمارا جواب تو سن لیا اب کچھ اپنی جوابدہی کی فکر کرو کہ اگر تمہارا عقیدہ جو بہ نسبت صحابہ کے ہے باطل ٹھہرا اور قیامت کے دن خدا نے تم سے مواخذہ کیا تو تم کیا جواب دو گے ہمارے نزدیک تو سوائے اس کے دوسرا جواب نہیں ہو سکتا کہ خداوند ہم نے تیری کتاب کو اس لئے پس پشت ڈال دیا تھا کہ اس میں اصحاب رسول نے تحریف کر دی تھی اور اس کو کم و بیش کر دیا تھا جیسا تو نے نازل کیا تھا ویسا نہ رکھا تھا اور اصلی مصحف امام صاحب کے پاس تھا وہاں اپنا گذر بھی نہ ہو سکتا تھا کچھ نشان اور پتہ بھی امام صاحب کا نہ ملتا تھا پس ہم کیونکر مصحف عثمانی پر عمل کرتے اور

محرف قرآن کی تصدیق کرتے ہم تو اس کو کبھی دیکھتے بھی نہ تھے حفظ یاد کرنے کا ذکر کیا ہے کبھی اس کو پڑھتے بھی نہ تھے بلکہ ہمیشہ امام صاحب کے خروج کی دعا کرتے تھے اور ان کے ساتھ جو اصلی قرآن تھا اس کے دیکھنے پر جان دیتے تھے مگر خداوندا ہمارا کیا قصور ہے اس لئے کہ تو نے ایسا ان کو چھپایا کہ کہیں ان کا سایہ بھی نہ دکھلائی دیا ہزاروں عرضیاں بھیجیں ایک کا بھی امام نے جواب نہ دیا صدہا درخواستیں خضر و الیاس کے ذریعہ سے براہ دریا ارسال کیں کسی پہ کچھ حکم نہ آیا بڑے بڑے مجتہدوں سے پوچھا انہوں نے یہی فرمایا کہ ابھی انتظار میں رہو اور خروج اور ظہور کی دعا کیا کرو ہنوز وقت نہیں آیا لیکن ہم نے بہت انتظار کیا مگر ہمارے جیتے جی ظہور کس کا خروج کیسا کچھ خبر تک امام کی نہ آئی شعر

شام تک تو آمد جانان کا کھینچا انتظار　　وہ نہ آیا وعدۂ پنہاں بسا بر ہو گیا

بلکہ امام کی غیبت سے تا تک ہم نے ہجرت کی لیکن دیکھنا کس کا ملنا کیسا صورت تو امام کی نظر ہی نہ پڑی پس بغیر امام کے ہم کیا کرتے اور کیوں کر راہ حق پر چلتے ہاں امام کے دیکھنے والوں نے جو کچھ ہم سے کہہ دیا اس پر ہم ایمان لے آئے اور اسی کو حق جانتے رہے اور کبھی اس سے نہیں پھرے پس اگر خدا یہ جواب سن کر فرماوے کہ اے کمبختو جب کہ میں اپنے کلام کا حافظ تھا کہ نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تو کس کی مجال تھی کہ وہ تحریف کرتا اور کون تھا اس کو بدل دیتا کس نے تم سے کہا کہ میری کتاب میں تحریف ہوئی تھی تب تم شاید یہی جواب دو گے ہم نے زرارہ سے سنا تھا ہم سے شیطان الطاق نے کہہ دیا تھا تب اس وقت اگر خدا یہ فرماوے کہ اے بدبختو میں سچا تھا یا زرارہ میرا رسول صادق تھا یا شیطان الطاق تو معلوم نہیں کہ کیا جواب دو گے ہمارے نزدیک تو سوائے اقرار جرم کے اور کچھ جواب نہ دے سکو گے اور اس وقت سوائے اسکے فاعترفوا بذنوبهم فسحقا لاصحاب السعیرہ اور کچھ حکم نہ ہو گا۔

ساتویں آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۞ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ[1] جو آئیں اب

[1] پارہ ۱۰ رکوع ۱۳ سورۂ توبہ

تک ہم نے لکھیں ان سے عام مہاجرین اور انصار کی فضیلتیں ثابت ہوئیں اب ہم اس
آیت کو لکھ کر خاص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت ثابت کرتے ہیں بیجا
چاہیے کہ جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے طائف اور حنین سے مراجعت فرمائی اور کچھ
دن مدینے میں قیام فرما کر قصد جہاد روم کا کیا تو بعض لوگوں پر نہایت گراں گزرا اس لئے
کہ گرمی کے دن تھے سفر دور دراز تھا خرموں کے پکنے کی فصل تھی اور روم کا خوف بھی
غالب تھا تب اللہ جل شانہ نے واسطے ترغیب جہاد کے ان آیتوں کو نازل کیا اور کسی
طرح سے لوگوں کو سمجھایا چنانچہ اول آیت میں فرماتا ہے کہ یا ایہا الذین امنوا ما لکم اذا قیل
لکم انفروا فی سبیل اللہ اثاقلتم الی الارض الخ اے مومنین تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب تم سے جہاد
کے لئے کہا جاوے تب تم اپنے گھروں سے نکلنا نہیں چاہتے کیا تم دنیا کی زندگی کو بمقابلہ
آخرت کے اچھا سمجھ کر اس پر راضی ہو حالانکہ دنیا کا فائدہ آخرت میں بہت ہی تھوڑا ہے
اس آیت میں اللہ جل شانہ نے دنیا کی حقارت بیان کر کے جہاد پر ترغیب دی بعدہ دوسری آیت
الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ویستبدل قوما غیرکم ولا تضروہ شیئا واللہ علی کل شیء قدیر میں فرمایا کہ اگر
تم سستی کرو گے اور جہاد پر مستعد نہ ہو گے تو خدا تم کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا اور
تمہارے بدلے اور غیر قوم کو پیدا کریگا اور تمہارے مدد نہ کرنے سے خدا یا اسکے رسول کا کچھ نقصان
نہیں ہے اس لئے کہ خدا کو کچھ پروا نہیں ہے اور رسول کا وہ خود حافظ ہے چنانچہ اپنی بے
نیازی اور اپنے رسول کی بے پروائی کو ان لفظوں سے بیان کیا الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ اگر
لوگ پیغمبر کی مدد نہ کرو گے تو اس کو تمہاری مدد کی حاجت نہیں ہے اس لئے کہ خدا اس کا
مددگار ہے اور اپنی مددگاری کو اللہ جلشانہ اس طرح سے ثابت کرتا ہے کہ اذ اخرجہ الذین کفروا ثانی اث
نین اذ ہما فی الغار کہ جب کفار نے پیغمبر کو مکے سے نکالا اسوقت کس نے اسکی مدد کی اور اس
وقت کونسا لشکر اور گروہ اسکا مددگار ہوا اور سوائے ایک یار کے دوسرا کون اس کے ساتھ
غار میں گیا اور جب کفار حد غار پر آپہنچے اور درمیان پیغمبر کے اور ان کے کچھ فاصلہ نہ رہا اور
اس کا یار غار بھی گھبرا گیا اور یہ خیال کر کے کہ ایسا نہ ہو کہ کفار غار میں چھپے ہونے سے آگاہ
ہو جائیں اور مبادا پیغمبر پر کچھ صدمہ پہنچا دیں وہ غم کرنے لگا اس اضطراب اضطرار کے

لہ یہ خطاب انہیں بعض سے ہے جو کہ جہاد پر جانے سے تساہل کرتے تھے نہ کل مہاجرین و انصار سے اور خطاب کل
اور بعض مراد ہونا کلام عرب میں جاری ہے اور حضرت علی اور بنی ہاشم بھی اس خطاب میں شامل ہو جائیں گے

...بھی کہ بڑے بڑے شجاع اور جوانمرد گھبرا جاتے ہیں میرے پیغمبر کو کچھ اندیشہ نہ ہوا اور اپنے ... لاتحزن ان اللہ معنا کہہ کر مطمئن کیا اور میں نے اپنے پیغمبر کے کہنے سے اس یار پر تسلی نازل ... اسکا خوف اور اضطراب جو پیغمبر پر صدمہ پہنچنے کے خیال سے تھا جاتا رہا فانزل اللہ سکینۃ ... اور بعد گزر جانے اس مصیبت کے وقت کے جب بدر کی لڑائی ہوئی تب میں نے ایسے ... سے مدد کی کہ جس کو تم دیکھ نہیں سکتے تھے وایدہ بجنود لم تروہا آخرکار کفار کی بات کو پست ... اپنی بات کو بلند کیا وجعل کلمۃ الذین کفروا السفلیٰ وکلمۃ اللہ ہی العلیا تمام مفسرین کیا شیعہ ... سنی اس پر متفق ہیں کہ اذ اخرجہ الذین کفروا میں جس زمانے کا ذکر ہے اس سے ہجرت کا ... مراد ہے اور اذ یقول لصاحبہ میں جو لفظ صاحب کا مذکور ہے اس سے حضرت ابوبکر صدیق ... ہیں اور اس کے بھی سب قائل ہیں کہ ہجرت کا وقت بڑا نازک اور نہایت مصیبت اور نہایت ... کا تھا جو اس وقت صدق دل سے شریک ہوا اس کا رتبہ بھی سب سے بڑا ہے اور اس ... کسی کو انکار نہیں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق اس وقت سے کہ جب سے پیغمبر صاحب اپنے ... برآمد ہوئے اور جب تک غار میں رہے اور جب تک مدینے میں پہنچے برابر ہمراہ رہے ... ہم ہمارے اور شیعوں کے یہ اختلاف ہے کہ ہم حضرت ابوبکر کی رفاقت کو ان کے ... اور نیک نیتی پر محمول کر کے ان کو افضل مہاجرین جانتے ہیں اور حضرات شیعہ ان کی ... بدنیتی پر (نعوذ باللہ من ذالک) محمول کر کے ان کو منافقین میں سے سمجھتے ہیں اس لئے ... آیت سے حضرت صدیق اکبر کے فضائل ثابت کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کے شبہات ... کے ان کو رد کرتے ہیں۔

...صدیق اکبر کے فضائل کا جو اس آیت سے ثابت ہوتے ہیں

اس آیت سے بہت سی فضیلتیں حضرت ابوبکر صدیق کی ثابت ہوتی ہیں اوّل یہ کہ ... خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل پر کفار مکہ نے اتفاق کیا اور اللہ جلشانہ نے انکے ... سے آگاہ فرمایا اور اجازت ہجرت کی دی تب پیغمبر خدا نے بحکم الٰہی حضرت ابوبکر صدیق ... ہمراہ لیا پس اگر خدائے جلشانہ کے نزدیک ابوبکر صدیق ایمان میں سچے اور اسلام میں ... تے تو ہرگز وہ ایسے وقت میں ان کو ساتھ لینے کی اجازت نہ دیتا اور خود پیغمبر صاحب ... کی محبت اور عشق پر یقین کامل نہ ہوتا تو کبھی ابوبکر صدیق کو اس سفر میں اپنے ہمراہ

لیتے (دوسرے) اگر ابوبکر صدیقؓ اپنی جان و مال کو حضرت پر نثار کرنے سے راضی نہ ہوتے تو وہ ایسی مصیبت کے وقت میں خود شریک نہ ہوتے اور اپنے آپ کو معرض ہلاکت میں نہ ڈالتے بلکہ حیلہ حوالہ کر کے اپنے آپ کو ایسی مصیبت کے وقت میں شریک ہونے سے بچا لیتے (تیسرے) گھر میں سے نکلنے کے وقت سے مدینے منورہ میں پہنچنے تک جو باتیں صدیق اکبرؓ نے کیں اور جس طرح پر پیغمبر خدا کی حفاظت کی اور جس طور پر حق رفاقت کا ادا کیا ان سب باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کو پیغمبر خدا کے ساتھ عشق کا مرتبہ تھا اور پیغمبر صاحب کے بچانے کیلئے اپنی جان اور آبرو کا کچھ خیال نہ تھا (چوتھے) جتنے اور اصحاب پیغمبر خداؐ کے تھے انہیں سے کوئی اس رتبے کا نہ تھا کہ جسکو پیغمبر خدا اپنے ہمراہ لیتے اور جسکو اپنا یار غار بناتے سوائے ابوبکر صدیقؓ کے کہ انہی کو ایسے وقت میں اپنا رفیق بنایا اس سے ابوبکر صدیق کی افضلیت اور اصحابوں پر ثابت ہوتی ہے (پانچویں) اللہ جل شانہ کو یہ خدمت صدیق اکبر کی ایسی پسند آئی کہ ان کی صدیقیت اور رفاقت کو اور لوگوں کی تحریض اور ترغیب کے واسطے اس آیت میں بیان کیا تاکہ اس کو سن کر لوگوں کو غیرت آئے اور پیغمبر صاحب کی رفاقت پر مستعد ہو جاویں پس اگر ابوبکر صدیقؓ کی صدیقیت خدا کے نزدیک مقبول نہ ہوتی اور انکی خدمت اور رفاقت اعلیٰ درجے کی نہ ہوتی تو ان کی مثال کیوں دیجاتی اور انکی یاری اور مددگاری اوروں کے دل بڑھانے کے لئے کس لئے بیان کی جاتی (چھٹے) اللہ جل شانہ نے ثانی اثنین کا لفظ فرما کر ظاہر کیا کہ بعد پیغمبر خدا کے دوسرا شخص اداے مناصب دینی کے واسطے ابوبکرؓ ہے (ساتویں) اللہ جل شانہ نے صاحبہ کا لفظ ابوبکر صدیقؓ کی نسبت فرما کر ان کی صحابیت کو ثابت کیا کہ یہ رتبہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا اس لئے ابوبکر صدیق کی صحابیت کا انکار در حقیقت نص قرآنی کا انکار ہے (آٹھویں) اس آیت میں الفاظ لاتحزن ان اللہ معنا سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیقؓ کو تسلی دی اور خدا کی حفاظت اور نصرت میں ان کو اپنا ساتھی فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جس طرح پر حافظ اور ناصر اپنے پیغمبر کا تھا اسی طرح پر اپنے پیغمبر یار غار کا حامی اور مددگار تھا اور جب کہ اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ اللہ جل شانہ نے فرمایا کہ ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ہم محسنون کہ خدا انہیں لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو متقی اور نیک ہوتے ہیں (نویں) اللہ جل شانہ نے اپنی تسلی ابوبکر صدیقؓ پر نازل نہیں کرتا مگر انہیں لوگوں پر جو کہ ایمان میں پکے اور اسلام میں مضبوط ہوتے ہیں اور جن پر خدا اپنا فضل کرتا ہے اور تسلی نازل کرنے کا

ثبوت فانزل السکینۃ علیہ سے ہوتا ہے۔ دسویں ان آیتوں پر غور کرنے سے بڑی فضیلت صدیق اکبرؓ کی ثابت ہوتی ہے اس لئے کہ یہ آیتیں صرف واسطے ترغیب او تہدید ان لوگوں کے نازل ہوئی ہیں جو کہ جہاد پر جانے سے سستی کرتے تھے اور ان آیتوں میں خدا نے ان سستی کرنے والوں کو سمجھایا اور ڈرایا اور اپنی بے نیازی کو ظاہر کیا چنانچہ اول دنیا کی حقارت کر کے انکو سمجھایا پھر انکو عذاب نازل کرنے سے اور انکے بدلے دوسری قوم کو پیدا کرنے سے ڈرایا آخر کار اپنی بے نیازی اور اپنے رسول کی بے پرواہی کو بیان فرمایا اور پھر اس بے نیازی اور بے پرواہی کے بیان میں صدیق اکبرؓ کی تمثیل دی اور انکی رفاقت اور محبت کا تذکرہ کیا پس اسی سے ابوبکر صدیقؓ کی صدیقیت اور ان کی صاحبیت کے مرتبہ کو قیاس کرنا چاہیئے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے نزدیک انکی نصرت و یاری کی کیسی کچھ وقعت تھی کہ منجملہ اور امور ترغیب و تہدید کے ان کی نصرت اور رفاقت کو بھی بیان کیا غرض کہ فضائل ابوبکر صدیق کے جو ان آیتوں سے ثابت ہوتے ہیں اور چونکہ شبہات ان کے ایسے پوچ اور ہلکے ہیں کہ ان کی تردید کرنا ایسا ہے جیسا کہ روز روشن میں آفتاب کے طلوع سے انکار کرنے والے کے مقابلے میں دلائل اور براہین بیان کرنا لیکن مجبوری موافق قول خاتم المحدثین کے (چون بناء[1] کلام بر اصول گردہی نہادہ است ناچار زمام اختیار بدست آنہا دادہ ہر جا کہ کشیدہ بروند می روند و بہر رنگ کہ رنگین کنند می شود) مگر منصف مزاجوں سے امید ہے کہ ان اعتراضوں کو ذرا انصاف سے دیکھیں اور علما و مجتہدین امامیہ کے تعصب اور عناد پر خیال کریں کہ عداوت نے ان کے دلوں پر کیسا پردہ اور دشمنی نے ان کی عقلوں پر کیسا حجاب ڈال دیا ہے کہ ایسی نص صریح سے انکار کرتے ہیں اور افضل الصحابہ کی فضیلت سے انکار کے لئے کیسی پوچ تاویلیں بیان کرتے ہیں (و ہا انا اشرع فی بیان سفوانہم)

بیان شیعیان عبداللہ بن سبا کے اعتراض کا اس آیت پر

ہم اعتراضوں کو اسی ترتیب سے بیان کرتے ہیں جس ترتیب سے ہم نے فضیلتیں بیان کی ہیں تاکہ دیکھنے والوں کو ہر فضیلت کے مقابلے میں اعتراضات اور شبہات شیعوں کے معلوم ہو جائیں۔

---

[1] چونکہ کلام کی بنیاد ایک گروہ کے اصول پر رکھی گئی ہے۔ اسی لئے زمام اختیار ان کے ہاتھ ہے کہ جدھر چاہیں کھینچیں اور جس رنگ میں چاہیں رنگ دیں۔

پہلا اعتراض پہلی فضیلت پر

جو کہ ہم نے پہلی فضیلت میں بیان کیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے حکم سے پیغمبر خدا نے صدیق اکبرؓ کو اپنے ہمراہ لیا اسکو امامیہ اس طرح پر رد کرتے ہیں کہ خدا نے پیغمبر خدا کو ابوبکر کے ہمراہ لینے کی اجازت دی نہ پیغمبر صاحب نے اپنی خوشی سے انکو اپنے ساتھ لیا بلکہ بلا مرضی اور بغیر اجازت حضرت کے ابوبکر ہمراہ ہو گئے چنانچہ اس باب میں جو کچھ شیعہ علماء نے لکھا ہے اس کو ہم بیان کرتے ہیں بڑے مجتہد صاحب یعنی شیعوں کے قبلہ و کعبہ ذوالفقار میں لکھتے ہیں کہ[1] (احتجاج بایں آیت موقوف است کہ بہ ثبوت رسید کہ ہجرت ابوبکر با جازت حضرت نبوی واقع شدہ و شیعہ ایں را قبول ندارند) اور قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں اور اپنے اور رسالوں میں بھی یہی لکھا ہے کما ذکرہ فی منتہی الکلام کہ (قاضی نور اللہ شوستری در مجالس المؤمنین و بعضے از رسائل دیگر ذکر می کنند) کہ ابوبکر از منافقین بود و بر خلاف امر اقدس نبوی در اثنا راہ ایستادہ حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بعد زجر شدید اورا ہمراہ گرفت تا کفار را دلالت نہ کند) اور ایک رسالے میں جو منسوب بہ حسینہ ہے ایک بڑے میر صاحب اس طرح پر لکھتے ہیں[2] (کہ چوں پارۂ لابرفت دید کہ شخصے در برابر آنحضرت می آید حضرت توقف نمودہ چوں نزدیک رسید بشناخت کہ ابوبکر است فرمود کہ اے ابوبکر نہ من امر خدا بشما رساندم و گفتم کہ از خانہ خود بابروں میائید تو چرا مخالفت امر الٰہی کردی گفت یا رسول اللہ دل از بہر تو خائف بود و بیراساں بودم نخواستم کہ در خانہ قرار گیرم پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم متحیر ماند بواسطہ آنکہ حکم الٰہی نہ بود کہ کسے در ہمراہی خود برد در ساعت حضرت جبرئیل باز رسید و گفت یا رسول اللہ بخدا سوگند کہ اگر ایں را می گزاری و ہمراہ نہ گیر کفار را گرفت از عقب تو بیاید و ترا بقتل رساند پیغمبر صلے اللہ

---

[1] یہ آخری تثبیت ہے جسکا ثبوت ہے کہ رسول اللہ کی اجازت سے ابوبکر نے ہجرت کی لیکن شیعہ اسے قبول نہیں کرتے نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین اور دیگر رسائل میں لکھا ہے کہ ابوبکر منافقین میں سے تھے۔ رسول اللہ کے احکام کے خلاف راستہ میں کھڑے ہو گئے رسول اللہ نے سخت تہدید کے بعد ان کو اپنے ساتھ لیا تاکہ انکا معاملہ پرشش نہ ہو۔

[2] جب تھوڑا سا راستہ طے کیا تو رسول اللہ نے محسوس کیا کہ کوئی پیچھے برابر آ رہا ہے اور جب آنے والا قریب آگیا تو آپ نے شناخت فرمایا کہ وہ ابوبکر ہیں جن سے آپ نے فرمایا۔ اے ابوبکر میں نے حکم خدا تم کو نہیں پہنچا دیا تھا اور یہ نہیں کہا تھا کہ تم اپنے گھر سے باہر نہ آنا بتاؤ تم نے احکام الٰہی کی مخالفت کیوں کی ابوبکر نے جواب دیا کہا اے رسول اللہ میں آپ کیلئے خوفزدہ اور پریشان تھا میں نے گھر میں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا یہ سنکر رسول اللہ متحیر ہو گئے اسلئے کہ یہ حکم الٰہی نہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ کسی کو لے جائیں اسیوقت جبریل نازل ہوکر کہا اے رسول اللہ قسم بخدا اگر انکو اب چھوڑ دیں اور ساتھ نہ لے جائیں تو یہ عنقریب کفار کے ساتھ ملکر آپ کو قتل کر دیں گے اس لیے رسول اللہ بضرورت انکو اپنے ساتھ لے کر غار میں چلے گئے۔

علیہ وسلم آں وقت بالضرورت اور باخود برد ودرغار داخل شد) غرض کہ اس اعتراض سے ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق بہ قصد گرفتار کرانے پیغمبر صاحب کے گھر سے نکلے اور راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور باوجودیکہ حضرت نے گھر میں سے نکلنے کو منع کر دیا تھا وہ عدول حکمی کر کے بارادہ ایذا رسانی پیغمبر صاحب کے بندراہ ہوئے آخر کار پیغمبر صاحب مجبور ہوئے اور بصلاح جبرائیل علیہ السلام کے انکو اپنے ساتھ لے لیا اگر ہمراہ نہ لیتے تو ضرور ابوبکر کفار کو لے آتے اور پیغمبر کو گرفتار کراتے اگرچہ اہل انصاف غور کر سکتے ہیں توجہ تو بہ ایسے بدیہی امر میں غور کی کیا حاجت ہے ویسے ہی سمجھ سکتے ہیں کہ یہ اعتراض بالکل پوچ اور واہی ہے اور اس کی رکاکت اسکے الفاظ و معنی سے ظاہر ہے لیکن ہم چند باتیں اس اعتراض کے بطلان پر لکھتے ہیں اور سخافت اس دعوے کی ابوبکر صدیق بقصد گرفتاری و ایذا پیغمبر صاحب کے نکلے میں ثابت کرتے ہیں۔ (۱) اول سوچنا ہے کہ ابوبکر صدیق اسوقت پیغمبر صاحب کے دوست تھے یا دشمن اگر دوست تھے قصد گرفتاری اور نیت ایذا دہی کے کیا معنی اگر دشمن تھے تو جس طرح پر ابوجہل وغیرہ اور دشمن حضرت کے حضرت کے قتل کی نیت سے آپ کے گھر پر گئے تھے اسی طرح پر ابوبکر ان کے ساتھ کیوں نہ گئے ان سے علیحدہ کیوں ہوئے (دوسرے) ابوبکر کو حال ہجرت کا اور وقت دولت سرا سے برآمد ہونیکا اور غار میں تشریف لے جانیکا پیغمبر صاحب نے بتلایا تھا تو حضرت کو ابوبکر کا ہمراہ لے جانا منظور تھا یا نہیں اگر منظور نہ تھا تو راز فاش کرنے سے کیا حاصل تھا اور ایسی پوشیدہ بات کو دشمن پر ظاہر کرنے سے سوائے اندیشہ ضرر کے کیا فائدہ تھا اور اگر ساتھ لے جانا منظور تھا تو پھر اعتراض بھی باطل ہوا۔ (تیسرے) اگر فرض بھی کیا جائے کہ ابوبکر صدیق بہ نیت قتل پیغمبر خدا کے راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور اپنی بدنیتی میں ایسے مضبوط تھے کہ حضرت جبرائیل ان کی نیت سے خوف کر کے فوراً ہی سدرہ سے اترے اور پیغمبر صاحب سے کہنے لگے کہ (اگر ایں رامی گزاری دہمراہ نگیری کفار را از عقب تو گرفتہ بیا بید و ترا بقتل رسانند) لیکن یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ اس وقت ابوبکر تنہا تھے یا اور کوئی کافر بھی ان کے ساتھ تھا اور ہتھیار بند تھے یا خالی ہاتھ اگر یہ کہا جاوے کہ اور کافر بھی موجود تھے تو کوئی شیعہ بھی اس کا قائل نہیں اور اگر کوئی اور کافر ہمراہ ابوبکر کے نہ تھا تو تعجب آتا ہے کہ ابوبکر باوجود جاننے شجاعت اور قوت پیغمبر صاحب کے تنہا حضرت کی گرفتاری اور قتل کو بغیر ہتھیار کے چل دیئے اور دو چار رفیقوں کو بھی اپنے ہمراہ نہ لیا اور اگر یہ کہا جاوے کہ وہ فقط خبر لینے کے لئے کھڑے ہو گئے تھے چنانچہ جبرئیل علیہ السلام

کے اس ارشاد سے کہ اکفار را عقب تو گرفت بیاید ثابت ہوتا ہے تو یہ امر معلوم نہیں ہوتا کہ کفار اس جگہ سے جہاں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کو ملے ایسے نزدیک تھے کہ آواز پہنچ سکتی تھی یا اتنے دور تھے کہ ان کے بلانے کیلئے جانا پڑا اگر نزدیک تھے تو تعجب ہے کہ ابوبکر نے ان کو آواز دے کر کیوں نہ بلا لیا اور چپ چاپ کیوں کھڑے رہے اور اگر دور تھے تو معلوم نہیں کہ کیوں پیغمبر خدا کو دیکھتے ہی ابوجہل وغیرہ سے خبر کرنے کو نہ دوڑے کس امر کے انتظار میں کھڑے رہے اور تعجب تو اس امر پر ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے یہ صلاح تو پیغمبر صاحب کو دی کہ اس دشمن کو اپنے ساتھ لے لو اور یہ مشورہ نہ دیا کہ ذرا ٹھہرو جب یہ تمہارے دشمن کو خبر کرنے اور بلانے کو جاوے تب چل دینا اور جب تک وہ لوٹے تب تک جائے مقصود پر پہنچ جانا خدا جانے جبرئیل کو معاذ اللہ کیا ہو گیا تھا کہ ایسے اضطرار کے وقت میں پیغمبر صاحب کو اپنے دشمن کے ہمراہ لینے کی صلاح تو دی اور جو حکمت اس سے بچنے کی تھی وہ نہ بتلائی (یہ جو تھے) تعجب ہے کہ ابوبکر کو پیغمبر صاحب کا گرفتار کرانا ہی منظور تھا تو وہ پیغمبر صاحب کے ساتھ کیوں چل دیئے اور کیوں غار میں جا کر حضرت کے ساتھ چپ چاپ بیٹھ رہے اور کس لئے کوئی تدبیر گرفتار کرانے کی نہ کی اہل انصاف غور کریں کہ جس طرح پر ابوجہل یا اور کوئی کافر قریشی حضرت کو دیکھ لیتا تو وہ کیا کرتا اور حضرت اس سے کیا کرتے اگر کسی کے ذہن میں یہ بات آوے کہ وہ حضرت کو چھوڑ دیتا یا حضرت اس کو اپنے ہمراہ لیتے تو ہم ابوبکر کی نسبت بھی شیعوں کے خیال کو درست کر سکتے ہیں ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ شیعوں کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا ہے کہ اتنا نہیں سمجھتے کہ ہجرت کا وقت وہ تھا کہ تمام کفار مکے کے پیغمبر صاحب کے قتل کے درپے تھے اور در دولت پر مجمع کر کے اپنے ارادے کے پورا ہونے کے لئے پہنچ گئے تھے اور کسی کو خبر تک نہ تھی کہ پیغمبر صاحب اس گھر سے نکل گئے ہیں بلکہ سب جانتے تھے کہ اپنی جگہ پر آرام کر رہے ہیں اس وقت میں جو رفیق حضرت کا ہوا اس کی نسبت دشمنی کا گمان کرتے ہیں اگر وہ رفیق بحکم اور بہ مرضی پیغمبر کی رفاقت کیلئے آمادہ نہ ہوتا تو وہ اس گروہ میں شامل ہوتا جو در دولت پر واسطے قتل کے گیا تھا یا بلا اطلاع بلا خبر راہ روک کر کھڑا ہو جاتا جو کچھ اب تک ہم نے لکھا یہ بہ تسلیم روایات شیعہ کے لکھا اور اس سے بھی صدیق اکبر کی صدیقیت کو ثابت کیا لیکن اب ہم اپنے دعوے کو عقلی دلائل سے قطع نظر کر کے نقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور خود حضرات امامیہ کی معتبر کتابوں سے ان کے اعتراض کو رد کرتے ہیں اور یا جی

آپ کی اور پھر ضمنی رسالت پناہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ساتھ ہونا ثابت کرتے ہیں مفسر کاشانی جو علمائے اعلام شیعہ سے ہیں تفسیر خلاصۃ المنہج میں تحریر فرماتے ہیں کہ (امیر المومنین رضی اللہ عنہ را بر جای خود خوابانید و خود از خانہ ابوبکر برفاقت او در ہماں شب بیروں آمدہ بایں غار متوجہ شدند) پس حضرات امامیہ اس مفسر کی تفسیر کے لفظوں کو کہ (خود علیہ السلام از خانہ ابوبکر برفاقت او در ہماں شب بیروں آمد) ملا نور اللہ شوستری کے اس مضمون سے کہ (ابوبکر از منافقین بود و بر خلاف امر مقدس نبوی در اثنائے راہ ایستاد و حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد زجر شدید او را ہمراہ گرفت) ملادیں اور خود ہی تصفیہ کریں کہ ان میں کون سچا ہے اگر ایک روایت پر حضرات امامیہ کی خاطر جمع نہ ہو اور اس کو قبول نہ کریں تو دوسری روایت سنیں اور کسی عالم اور مجتہد کی بھی نہ سنیں بلکہ خاص امام کی وہ یہ ہے تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام میں سورہ بقر میں لکھا ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ اللہ جل شانہ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ قریش خصوصاً ابوجہل نے آپ کے قتل کی تدبیر مصمم کی ہے اس لئے آپ کو چاہئے کہ علی کو اپنی جگہ پر چھوڑ دیجئے کہ وہ مثل اسماعیل کے جانثار کرے گا اور ابوبکر کو اپنا رفیق کیجئے کہ اگر وہ موانست کرے اور اپنے عہد پر قائم رہے تو جنت میں بلکہ اعلیٰ علیین میں آپ

ـلہ امیر المومنین کو اپنے بستر پر سلا کر خود ابوبکر کے ہمراہ اسی شب غار کی جانب روانہ ہوئے۔ ـتہ ترجمہ۔ خود اپنے گھر سے نکل کے ابوبکر کے ساتھ اسی شب روانہ ہوئے۔ ـتہ ابوبکر منافق تھے جو رسول اللہ کے حکم کے خلاف دوران سفر میں کھڑے ہو گئے اور رسول اللہ نے سخت تہدید کے بعد ان کو ہمراہ لیا۔ ـتہ اگر ہم اصل عبارت اس تفسیر کی دیکھیں تو کبھی کسی کو یقین نہ ہوے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں جو مخالف روایات شیعہ کے ہے ایسی روایت لکھی ہو گی اسلئے بجنسہ اس کی عبارت کو منتہی الکلام سے نقل کرتے ہیں ان اللہ تعالیٰ اوحی الیہ یا محمد ان العلی الاعلیٰ یقرأ علیک السلام ویقول لک ان ابا جہل والملأ من قریش قد دبروا علیک قتلک ... الی ان قال وامرک ان تستصحب ابابکر فانہ ان انسک وساعدک ووازرک وثبت علی تعاہدک وتعاقدک کان فی الجنۃ من رفقائک وفی غرفاتہا من خلصائک الی ان قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لابی بکر ارضیت ان تکون معی یا ابابکر تطلب کما اطلب وتعرف بانک انت الذی تحملنی علی ما ادعیہ فتحمل عنی انواع العذاب قال ابوبکر یا رسول اللہ اما انا لو عشت عمر الدنیا اعذب فی جمیعہا اشد عذاب لا ینزل علی موت مریح ولا فرج وکان ذلک فی محبتک لکان ذلک احب الی من ان اتنعم فیہا وانا مالک لجمیع ممالیک ملوکہا فی مخالفتک وہل انا ومالی وولدی الا فداءک فقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لاجرم ان اطلع اللہ علی قلبک ووجد ما فیہ موافقا لما جرے علی لسانک جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد وبمنزلۃ الروح من البدن کعلی الذی ہو منی کذلک وعلی فوق ذلک لزیادۃ فضائلہ وشرف خصالہ یا ابابکر ان من عاہد اللہ ثم لم ینکث ولم یغیر ... انما اخترنا التفصیل ... الرفیق الاعلیٰ ... ۔

کا رفیق ہوگا تب پیغمبر خدا نے حضرت علی سے یہ حال کہا حضرت علی اپنے مارے جانے پر راضی ہوئے بعدہ حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوبکر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اے ابوبکر تو راضی ہے کہ اس سفر میں میرے ہمراہ ہو اور کفار قریش جس طرح پر مجھے قتل کے لئے تلاش کریں اسی طرح تیرے قتل کے بھی درپے ہوں اور یہ بھی مشہور ہووے کہ تو نے مجھے اس کام پر آمادہ کیا اور میری رفاقت کے سبب سے تجھ پر طرح طرح کے عذاب پہنچیں ابوبکر نے عرض کی کہ یارسول اللہ میں تو وہ شخص ہوں کہ اگر تیری محبت میں سخت ترین بلاؤں میں گرفتار رہوں اور قیامت تک ان میں پڑا رہوں تو بھی میرے نزدیک اس سے بہتر ہے کہ تجھ کو چھوڑ کر دنیا کی سلطنت قبول کروں میری جان میرا مال میرے اہل وعیال لڑکے بالے سب آپ پر قربان ہیں آپ کو چھوڑ کر کہاں رہوں گا۔ شعر:

کف پا بہر زمینے کہ رسد تو ناز نین را بلب خیال بوسم ہمہ عمر آں زمیں را

یہ سن کر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تیری زبان موافق تیرے دل کے ہے تو بالیقین خدائے تعالیٰ تجھ کو بمنزلہ میرے سمع وبصر کے کرے گا اور تجھ کو میرے ساتھ وہ نسبت ہوگی جو کہ سر کو جسم سے اور روح کو بدن سے ہے۔ الخ اس روایت کو دیکھ کر ہم نہیں جانتے کہ پھر کیونکر شیعوں کی زبان سے یہ بات نکلے گی کہ بلا اجازت پیغمبر خدا کے ابوبکر صدیق ہمراہ ہو کر کھڑے ہو گئے تھے اس لئے کہ خود امام حسن عسکری علیہ السلام تصدیق کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے بحکم وحی الٰہی ابوبکر کو اپنے ساتھ لیا تھا اور جو کچھ ابوبکر نے پیغمبر خدا سے کہا اور جو کچھ حضرت نے ان کی نسبت فرمایا اس پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ابوبکر صدیق پیغمبر خدا کو بھی ان پر کیسی شفقت تھی کہ ان کو اپنی سمع وبصر اور جان اور دل سے تشبیہ دیتے تھے جاننا چاہیئے کہ اس حدیث کو جب تفسیر امام حسن عسکری علیہ السلام سے نکال کر مولوی حیدر علی صاحب نے جواب میں سبحان علی خاں کے لکھا تھا تو خاں صاحب کے ہوش وحواس جاتے رہے اور مضطر ہو گئے اور حقیقت میں ہوش وحواس جانیکا مقام تھا اس لئے کہ جب امام کے قول سے حضرت ابوبکر صدیق کا بوحی الٰہی حضرت کے ساتھ ہجرت کرنا اور پیغمبر خدا کا ابوبکر صدیق کو سمع وبصر سے تشبیہ دینا ثابت ہوا تو پھر بطلان عقائد امامیہ میں کون سا شبہہ باقی رہا اور منشی سبحان علی خان صاحب نے اس روایت کو دیکھ کر جو خط مولوی نورالدین صاحب شہید ثالث کے نورالعین کے نام لکھا ہے اور رسالۃ المکاتبت نے روزنۃ الثعالیب والغرابیب مطبوعہ

۱۲۶۶ھ سنہ ہجری کے صفحہ ۱۸۹ سطر ۹ میں بلفظہ نقل ہے قابل ملاحظہ کے ہے ہم بھی شائقین
کے دیکھنے کے لئے اس عبارت کو بلفظہ نقل کرتے ہیں (وہو ہذہ) لکن اشکال ہمین است کہ
ناصبان احادیث طریقہ امامیہ را التقاط کردہ بالفعل پنج جزو تخمیناً از کتاب ابرام بصارت العین
باینام وارد فرستادہ و دران حدیثے مبسوط از تفسیر منسوب بہ حضرت امام عسکری علیہ السلام بقصہ
ہجرت در مدح ابوبکر نقل کردہ پس اگر تالیفش و تالیف بندہ بدست کسی از متمذہبین بمذہبی
غیر اسلام افتد یا حستیاد و استغاء یعنی معاذ اللہ شعار ضاد و تساقطا کنند بر عالم جلیت قدرہ زمان
ظہور صاحب الامر والزمان زود برساند تا این اختلاف از میان برخیزد۔ غرضکہ غشی صاحب ہزار
واحسرتاہ اور واویلا مچاویں اور ہر چند امام صاحب الامر کے ظہور کی دعا کریں مگر امام حسن عسکری
علیہ السلام کی تکذیب نہیں کر سکتے اور جو فضائل ابوبکر صدیقؓ کے امام کے قول سے ثابت ہوئے
ان کو باطل نہیں کر سکتے۔ اے بھائیو ذرا سوچو کہ جب امام صاحب یہ فرماویں کہ بوحی آلہی ابوبکر
کو پیغمبر خدا نے اپنے ہمراہ لیا اور پھر ملا نور اللہ شوستری وغیرہ معاندین یہ کہیں کہ ابوبکرؓ راہ روک کر
کھڑے ہو گئے تو اب ہم امام کے قول کی تصدیق کریں یا ملا نور اللہ شوستری کی بات سنیں حقیقت
تو یہ ہے کہ ملا نور اللہ شوستری نے ظاہر میں تو دعویٰ محبت ائمہ کا کیا لیکن باطن میں ان کو جھوٹا
بنایا اور تشیع کے پردے میں ایمان اور اسلام کو داغ لگایا۔ شعر

دامن فشاں گذشت و دلا بہانہ ساخت ۔ خاکم بباد داد و صبا را بہانہ ساخت

اس تفسیر کی روایت سے بھی اگر سیری نہ ہووے اور فارسی اور پڑھنے والے کو اس
تفسیر کا ملنا دشوار ہو تو ایسی کتاب کی روایت سنیں جو ہر جگہ مل سکتی ہے اور جس کا مؤلف غالی
شیعی مشہور ہے اسی کو دیکھ کر ذرا غیرت پکڑیں اور تعجب کریں کہ پیغمبرؐ کے غار یار کی صدیقیت
باوجود ایسے تعصب و عناد کے انہیں کے مجتہدین و علما کے اقرار سے ثابت ہوتی ہے اور ان کے
بغض کی بیماری کی دوا انہیں کے نسخوں سے نکل آئی ہے اس پر بھی اگر دوا نہ کریں اور
ہلاک ہونا چاہیں تو اختیار ہے اب اس روایت کو سننا چاہیے جو حملہ حیدریہ میں مذکور ہے۔

لہ مگر مشکل یہ ہے کہ ناصبیوں نے طریقہ امامیہ کی احادیث بغیر آگاہی اکٹھا کر ان میں سے پانچ جزو کی ایک کتاب موسوم
ابرام بصارت العین مرتب کر کے ہمیں روانہ کی ہے جنہیں مبسوط احادیث میں جو حضرت امام حسن عسکری سے منسوب کی ہیں کہ
انہیں ہجرت ابوبکر کی تعریف ہے اگر انکی یا بندہ کی کوئی کتاب کسی غیر مسلم کے ہاتھ پڑ جائے تو حیرت وافسوس ہے یعنی احکام باہم
متعارضہ ہو کر ساقط ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ امام ظاہر کو جلد پیدا کرے تا کہ یہ باہمی اختلاف رفع ہو جائے ۱۲

نظم

چنیں گفت راوی کہ سالار دیں ‏ — ‏ چو سالم بحفظِ جہاں آفریں

زنزدیک آن قوم پر مکر رفت ‏ — ‏ بسوی سرای ابوبکر رفت

پے ہجرت او نیز آمادہ بود ! ‏ — ‏ کہ سابق رسولش خبر دادہ بود

نبی آمد بر در خانہ اش چوں رسید ‏ — ‏ بگوشش ندای سفر در کشید

چو بوبکر زاں حال آگاہ شد ‏ — ‏ زخانہ بروں رفت و ہمراہ شد

گرفتن پس راہ یثرب بہ پیش ‏ — ‏ نبی کند نعلین از پای خویش

بسر پنجہ آں راہ رفتن گرفت ‏ — ‏ پے خود ز دشمن نہفتن گرفت

چو رفتند چندی ز داماں دشت ‏ — ‏ قدوم فلک سای مجروح گشت

ابوبکر اش بدوشش گرفت ‏ — ‏ وا زیں حدیث ست جای شگفت

کہ در کس چناں قوت آید پدید ‏ — ‏ کہ بار نبوت تواند کشید

برفتند چندی ز داماں دشت ‏ — ‏ چو گردید پیدا نشان سحر

بجستند جائیکہ باشد پناہ ‏ — ‏ ز چشم کسان دور یکسو ز راہ

بدیدند غاری دراں تیرہ شب ‏ — ‏ کہ خواندی عرب غار ثورش لقب

گرفتند در جوف آن غار جائے ‏ — ‏ ولی پیش بنہاد بوبکر پائے

بہر جا کہ سوراخ یا رخنہ دید ‏ — ‏ قبا را ابد رید و آں را بچید

بدینگونہ تا شد تمام آن قبا ‏ — ‏ یکی رخنہ نگرفتہ ماند از قضا

بر آں رخنہ گویند آن یار غار ‏ — ‏ کف پای خود را نمود استوار

نیامد جز او ایں شگرف از کسی ‏ — ‏ کہ دور از خرد می نماید بسے

بغار اندروں در شب تیرہ فام ‏ — ‏ چناں دید سو را خہا را تمام

دراں تیرہ شب یک بیک چوں شمرد ‏ — ‏ یکی کامد افزوں بروپا فشرد

نیامد چنیں کاری از غیر او ‏ — ‏ بہ نسیاں چو پرداخت از رفت و روب

درآمد رسول خدا ہم بغار ‏ — ‏ نشستند یکجا بہم ہر دو یار

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم خود حضرت ابوبکر صدیق رض

له حملہ حیدری جلد اول مطبوعہ مطبع نعمانی ۱۲۶۷ھ صفحہ ۲۷ از سطر ۱۶ تا سطر ۲ صفحہ ۲۰ ۱۲ منہ

کے گھر گئے اور ان کو ہمراہ لیا اور جو کچھ ابوبکر صدیق نے خدمتیں کیں یعنی پیغمبر خدا کو دوش پہ چڑھانا اور غار میں اوّل جانا اور اس کو صاف کرنا اور قبا کو چاک کر کے سوراخوں کو بند کرنا اور باقی ماندہ سوراخ کو اپنے کف پا سے مسدود کرنا وہ عشق و محبت پر دلالت کرتی ہیں نہ کہ نفاق و عداوت پر اگر یہ خدمتیں جو حضرت ابوبکر صدیق نے شب ہجرت میں کیں نفاق کی نشانیاں ہیں تو معلوم نہیں کہ محبت اور عشق کی علامتیں کیا ہیں۔ یہ بات بھی لائق لکھنے کے ہے کہ جو بعض شیعوں نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ پیغمبر خدا نے سب صحابہ کو منع کیا تھا کہ اپنے گھروں سے نہ نکلنا اور ابوبکر نے خلاف حکم پیغمبر کے کیا وہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ خود مورخین ان کے اقرار کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا نے سب اصحاب کو اوّل سے روانہ کر دیا تھا اور صرف دو شخصوں کو رکھ لیا تھا، یعنی حضرت علیؓ کو کہ ان کو اپنی جگہ پر سلایا اور ابوبکر صدیقؓ کو کہ ان کو اپنے ساتھ لیا پس کونسا اصحاب میں سے باقی رہ گیا تھا جس کو پیغمبر خدا نے شب ہجرت میں باہر نکلنے سے منع کیا ہو اور جن کی نسبت یہ ارشاد کیا ہو (نہ من امر خدا بہ شمار ساندم کہ از خانۂ خود بابر وں می آید تو چرا مخالفت امر الٰہی کر دی) اور یہ امر کہ سب اصحاب پہلے سے ہجرت کر گئے تھے اور صرف حضرت علی اور ابوبکر صدیق رہ گئے تھے باقرار مورخین شیعہ ثابت ہے چنانچہ حملہ حیدری میں لکھا ہے۔

نظم:-

حبیب خدا چوں بدید آں ستم،	چنیں داد فرمان ز لطف و کرم
کہ اصحاب ہجرت بہ یثرب کنند	نہاں یک یک از چشم اعدا روند
نہادند یاراں بغربان قدم،	برفتند پنہاں بہ دنبال ہم
بدینگونہ رفتند یاراں تمام	علیؓ ماند بوبکر و خیر الانام

غرضیکہ کہ باقرار علمائے شیعہ ثابت ہوا کہ پیغمبر خدا نے باجازت اور بحکم الٰہی ابوبکر کو ہمراہ لیا اور ابوبکر نے حق رفاقت اچھی طرح پر ادا کیا۔

دوسرا اعتراض دوسری فضیلت پر

دوسری فضیلت میں ہم نے بیان کیا ہے کہ اگر ابوبکر صدیق پیغمبر خدا پر عاشق نہ ہوتے اور اپنی جان و مال کو حضرت پر نثار کرنے کو راضی نہ ہوتے تو ایسی مصیبت کے سفر میں کبھی

لہ حملہ حیدری جلد اوّل مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۱ھ ہجری صفحہ ۳۴ سطر ۲۔ منہ ۱۲۔

شریک نہ ہوتے اس پر علمائے شیعہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ابوبکر کی نیت ہجرت میں اچھی نہ تھی چنانچہ مجتہد صاحب ذوالفقار میں لکھتے ہیں کہ (ہم چنیں بہ اتفاق فریقین شرط ترتب ثواب بر ہجرت صحت نیت ست الی قولہ پس مادمیکہ مارا علم بہ صحت نیت ابی بکر بہ ثبوت نرسد دخول او در مدلول ایں آیۃ متیقن نمی شود وتا متیقن نہ شود احتجاج بایں آیۃ بر علو مرتبت او نمی تواند شد) اور قاضی صاحب احقاق الحق میں فرماتے ہیں (وقد ظہر من جزعہ وبکائہ مایکون من مثلہ فساد الحال فی الاختفاء الی قولہ فافضلیۃ فی الغار یفتضح بہا لا ابی بکر لولا المکابرۃ واللداد) یعنی ابوبکر صدیق کی جزع اور بکا سے ثابت ہوا کہ انکا حال اچھا نہ تھا اور نیت ان کی درست نہ تھی اس اعتراض کا جواب خود امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر سے اوپر مذکور ہو چکا کہ جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا کہ (ارضیت ان تکون معی یا ابابکر تطلب کما اطلب الی قولہ قال ابوبکر یارسول اللہ انا لو عشت عمر الدنیا اعذاب جمیعا اشد عذاب الخ) اے ابوبکر تو میرے ساتھ چلنے اس شرط پر راضی ہے کہ تو معذب اور تکلیف میں گرفتار ہووے تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ آپ کی رفاقت میں اگر قیامت تک مجھے عذاب ہووے تو منظور ہے لیکن دامن چھوڑنا منظور نہیں ہے پس اس جواب سے کیا ثابت ہوتا ہے نیک نیت ہونا ابوبکر کا یا بد نیت ہونا اور چونکہ نیت کا حال افعال اور اعمال سے ظاہر ہوتا ہے اور حرکات جوارح سے دل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے پس جو کام ابوبکر صدیق نے شب ہجرت کو کئے وہ انکی نیک نیتی پر شاہد ہیں یا ان کی بدنیتی پر۔

تیسرا اعتراض تیسری فضیلت پر

تیسری فضیلت میں ہم نے بیان کیا ہے کہ گھر سے نکلنے کے وقت سے مدینے میں پہنچنے تک جو باتیں صدیق اکبر نے کیں وہ اُن کے عشق اور محبت پر ساتھ رسول خدا کے دلالت کرتی ہیں حضرات شیعہ اس سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کی حرکتیں ان کی نفاق اور عداوت پر دلالت کرتی ہیں اس لئے ہم ان کی ان خدمتوں کو جو شب ہجرت میں انہوں نے کیں بیان کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو جاوے کہ جو کام ابوبکر صدیق نے کئے وہ سوائے عاشق صادق کے

لہ ذوالفقار مطبوعہ لدھیانہ ۱۳۱۱ہجری صفحہ ۵ سطر ۳ منہ ۱۲۔ لہ اسی طرح فریقین کا اتفاق ہے کہ شرط ترتب ثواب ہجرت کے لئے صحت نیت لازمی ہے (تا ختم کلام) پس جب تک ابوبکر کی صحت نیت کا ہمیں علم نہ ہو نہ ہو جائے اسوقت تک وہ اس آیت کے تحت یقیناً نہیں آتے اور ان کی فضیلت کا یقین نہیں ہوتا۔

کسی دوسرے سے ہو نہیں سکتے (اوّل) جب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق چلے تو ... راہ میں ادھر اُدھر نظر کرتے جاتے تھے حضرت نے پوچھا اے ابوبکر یہ کیا تیرا حال ہے تب ابوبکر صدیق نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میرا مطلب صرف آپ کی حفاظت ہے چنانچہ صاحب منتہی الکلام ریاض النضرۃ سے اس کا خلاصہ ان لفظوں سے لکھتے ہیں۔ کہ چوں صدیق ہمراہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم بارشاد شریف متوجہ غار شد گاہی پیش می رفت و گاہی در عقب و زمانے بجانب راست توجہ می کرد وساعتی بطرف چپ قطع راہ می نمود حضرت پرسید گفت کہ اے ابوبکر گاہی ترا چنیں ندیدہ بودم چہ افتاد کہ در رفتن راہ اختلاف می کنی عرض کرد کہ مقصود من نگاہ بانی حضرت از شر دشمنان است مبادا کہ ازیں جہات در رسند و حضرت ... را از راہ تا غار بر دوش برد (دوسری) جب پیغمبر خدا کے پائے مبارک کے کسل پر ابوبکر صدیق کو اطلاع ہوئی تو بغیر اسکے کہ حضرت نے کچھ کہا ہو ابوبکر صدیق نے حضرت کو اپنے دوش پر چڑھا لیا اور غار تک پہنچایا پس زہے نصیب ابوبکر صدیق کے کہ جن کے دوش پر شاہ نبوت نے قدم رکھا چنانچہ اس امر کو ہم اوپر حملہ حیدری سے ثابت کر آئے ہیں (تیسری) جب غار کے کنارے پر پہنچے تب اول ابوبکر صدیق غار میں گئے اور اس کو صاف کیا اور سوراخوں کو بند کیا تب پیغمبر خدا کو بلایا اور اپنے زانوں پر سولایا اس کو بھی اوپر ثابت کر آئے ہیں اور قاضی نور اللہ شوستری بھی ابوبکر صدیق کے اوّل غار میں جانے کو تصدیق کرتے ہیں (چوتھی) ابوبکر صدیق کے اس پاؤں میں جو بند کرنے کے لئے سوراخ پر رکھا تھا سانپ نے کاٹا اور حضرت نے ان کو تسلی دی۔ (پانچویں) جب تک غار میں رہے تب تک ابوبکر صدیق کے گھر سے ان کا لڑکا کھانا پہنچاتا رہا اور پیغمبر صاحب کو کھلاتا رہا۔ (چھٹی) دو اونٹنیاں پیغمبر خدا نے ابوبکر صدیق کے بیٹے سے منگائیں اور اس نے حاضر کر دیں ایک پر آپ سوار ہوئے اور اپنے ساتھ ابوبکر کو سوار کیا اور دوسرے پر

ل جب رسول کریم کے ارشاد کے موافق ابوبکر صدیق غار کی جانب متوجہ ہوئے تو کبھی آگے چلتے اور کبھی پیچھے تھوڑی دیر دائیں جانب چلتے اور پھر راستہ کاٹ کر بائیں ہو جاتے حضرت نے پوچھا اے ابوبکر میں نے تمہاری یہ حالت کبھی نہیں دیکھی تمہیں کیا ہو گیا ہے جو متفرق راہ چل رہے ہو؟ انہوں نے جواب دیا دشمنوں کے شر سے آپ کی نگہبانی میرا مقصود ہے خدانخواستہ ایسا نہ ہو کر ادھر ادھر سے نکل آئیں اس کے بعد وہ رسول اللہ کو یہاں سے غار تک اپنے کندھوں پر اٹھا کر لے گئے ۔ کی قال ان ترہ تعالیٰ ثانی اثنین بیان حال رسول صلے اللہ علیہ وسلم باعتبار دخولہ فی الغار ثانیا و دخول ابوبکر اولا کما نقل فی السیر ۱۲ - احقاق الحق۔

عامر جو کہ شبان بیت الحرام تھا اور شتربان سوار ہوا چنانچہ ان سب باتوں کو جس طرح پر صاحب حملہ حیدریہ نے بیان کیا ہے اس کو ہم لکھتے ہیں[۱]۔

ثبوت میں امر چہارم کے

چو شد کار پرداختہ آن چنان — رسیدند کفار با پے بران
در اندم کف پای آن یار غار — کہ بر روی سوراخ بود استوار
رسیدش ز دندان مارے گزند — وزان درد افغان او شد بلند
پیمبر باو گفت آہستہ باش — رسیدند اعدا مکن راز فاش
مخور غم مگردان صدا را بلند — کہ از زخم افعے نیابے گزند

ثبوت میں امر پنجم کے

بغار اندران تا سہ روز و سہ شب — بسر برد آن شہ بفرمان رب
شدی پور بو بکر ہنگام شام — بہ بردی دران غار آب و طعام
نمودی از حال اصحاب شہر — حبیب خدای جہاں را خبر

ثبوت میں امر ششم کے

نبی گفت پس پور بو بکر را — کہ ای[۱] چون پدر اہل صدق و صفا
دو جمازہ باید کنون راہ دار — کہ ما را رساند بہ یثرب دیار
برفت از بر شہ پور بو بکر زود — بدنبال کاری کہ فرمودہ بود
ہم از اہل دین بد یکی جملہ دار — برو کرد راز نبی آشکار
بگفتش فلاں روز وقت سحر — دو جمازہ بہر پیمبر ببر
از و جملہ دار این سخن چون شنود — دو جمازہ در دم مہیا نمود

---

[۱] حضرات شیعہ کو اس مصرعہ پر غور کرنا چاہیئے کہ پیغمبر خدا نے ابو بکر صدیق کی صداقت اور صفائی کو کس صفائی سے بیان فرمایا ہے ۱۲ منہ۔ [۱] چوتھی اور پانچویں اور چھٹی فضیلت کے اشعار ہم اور فضیلتوں کے ضمن میں بیان کریں گے ۱۲ منہ۔ [۲] حملہ حیدری جلد اول صفحہ ۸۴ سطر ۵۔

تہی شد ازان قوم آن کوہ و دشت　　رسولِ خدا عازم راہ گشت
بصبح چہارم بر آمد زغار　　دو جمازہ آوردہ بُدہ جملہ دار
ہمراہ او گشت عامر سوار

پس نہایت تعجب کی بات ہے کہ باوجودیکہ مورخین شیعوں کے ان خدمتوں کا اقرار کرتے ہیں اور پھر بھی ابوبکر صدیق کی صدیقیت کا اقرار نہیں کرتے ہیں۔

ساتواں اعتراض ساتویں فضیلت پر

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ لصاحبہ کی لفظ سے صاحبیت ابوبکر صدیق رضؓ کی ثابت ہوتی ہے اور یہ رتبہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا خدا نے کسی کی صحابیت کو تخصیص کر کے بیان فرمایا ہو اس پر علمائے شیعہ چند طرح سے اعتراض کرتے ہیں (اول) اس طرح پر کہ لفظ صاحب سے مراد ہمراہی کی ہے اس سے کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ اللہ جل شانہ نے اپنے کلام میں کافر کو مومن کا صاحب بیان کیا ہے چنانچہ فرماتا ہے فقال لہ صاحبہ وھو یحاورہ اکفرت بالذی خلقک من تراب اور دوسری جگہ فرماتا ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے رفیقوں سے جو قید میں تھے اور کافر تھے فرمایا یا صاحبی السجن پس اس صاحب کے لفظ سے فضیلت بیک طرف اسلام کا ثبوت بھی نہیں ہو سکتا اور صحابیت اصطلاحی کے لئے ایمان کا ہونا ضرور ہے کہ وہ ابوبکر صدیق کو حاصل ہی نہ تھا پس وہ فضیلت جو اس لفظ سے ظاہر ہوتی ہے نسبت ان کے ثابت نہیں ہو سکتی چنانچہ آیت اول کا جواب یہ ہے کہ بے شک آیۃ فقال لہ صاحبہ وھو یحاورہ میں اللہ جلشانہ نے کافر کو صاحب مومن کا فرمایا مگر اسی وقت اس کی اہانت بھی بیان کر دی اور اس کا کفر ظاہر کر دیا اور کہہ دیا کہ اکفرت بالذی خلقک من تراب اور یہاں جو صدیق اکبر کو صاحب بیان کیا تو اس کے ساتھ ہی وہ کلمہ جو محبت اور تسلی پر دلالت کرتا بیان کر دیا کہ پیغمبر کی طرف سے فرمایا کہ لا تحزن ان اللہ معنا کہ نہ غمگین ہو خدا ہمارے ساتھ ہے پس دونوں میں کیا مناسبت ہے اور دوسری آیت کا یہ جواب ہے کہ صاحبی السجن میں صاحب کا لفظ مضاف سجن کی طرف ہے نہ حضرت یوسف کی طرف اور اس آیۃ میں لفظ صاحب کا مضاف نبی کی طرف رہا ایمان لانا ابوبکر صدیق رضؓ کا وہ بروایت معتبرہ امامیہ کے ثابت ہے، چنانچہ مجالس المومنین میں قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے کہ خالد بن سعید انہ سابقین اولین

حاشیہ صفحہ [illegible] ملاحظہ فرمائیے

بودہ اسلام او را مقدم بر اسلام ابوبکر بودہ بلکہ ابوبکر بہ برکت خواب کہ او دیدہ مسلمان شدہ بود بالجملہ سبب اسلام خالد آن بود کہ در خواب دید کہ بر کنار آتشی افروختہ ایستادہ است و پدر او می خواہد کہ او را در آتش اندازد کہ ناگاہ رسالت پناہ گریبان او گرفتہ بجانب خود کشید و با او گفت کہ بجانب من بیا تا با تش نیفتی خالد ازیں خواب ہولناک بیدار شد قسم یاد کرد کہ ایں خواب من صحیح ست و آنگاہ و جہ خدمت حضرت رسالت گردید در راہ ابوبکر با او ملاقات نمود و از حال او پرسید خالد صورت واقعہ را با او بیان نمود ابوبکر نیز با او موافقت کرد و بخدمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آمدند بشرف اسلام فائز گردیدند) اس روایت کے دیکھنے والے انصاف کر سکتے ہیں کہ جو شخص اسلام کی سچائی پر بالہام غیبی یقین لایا ہو اور جس کو خدا نے رویاء صادقہ کے ذریعہ سے ایمان پر راغب کیا ہو اس کی نسبت کس کی زبان سے نکل سکتا ہے کہ وہ ایمان سے بہرہ تھا برائے خدا کوئی قاضی نور اللہ شوستری کے اس فقرے کو کہ (ابوبکر بہ برکت خوابی کہ او دید بود مسلمان شدہ بود) مجتہد صاحب کے اس فقرے سے کہ (خلیفہ اوّل از اوّل امر از ایمان بہرہ نداشت باتفاق من علماء الامامیہ) مطابق کرے اور انصاف سے نہ گزرے کہ ان لوگوں کی دشمنی اور عداوت نے کیسا اندھا کر دیا ہے کہ ایسے کے ایمان سے انکار کرتے ہیں جس کو خدا نے بذریعہ رویاء صادقہ کے حقیقت اسلام پہ آگاہ کر دیا ہو اگر کوئی کہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اسلام کا اقرار کیا ہے اور مجتہد صاحب نے ایمان سے انکار فرمایا اس کا جواب ہم چند طرح سے دیتے ہیں۔ (اوّل یہ کہ ہم کو یہ امر ثابت کرنا ہے کہ ابوبکر صدیق نے پیغمبر صاحب کی نبوت کو دل سے سچ جانا اور حضرت کی دعوت کو دل سے قبول کیا اس کا

بقیہ حاشیہ صـ۶۳ لـہ خالد بن سعید سابقین الاولین میں سے ہیں اور ابوبکر سے پہلے اسلام لائے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خالد کے خواب دیکھنے کی برکت کی وجہ سے ابوبکر داخل اسلام ہوئے خالد بن سعید کے اسلام لانے کا یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے خواب میں خود کو آتش سوزاں کے کنارے کھڑا دیکھا اور ان کے والد ان کو اس آگ میں ڈال دینا چاہتے تھے کہ رسول اللہ نے اچانک ان کا گریبان پکڑ کر اپنی جانب کھینچ لیا اور فرمایا میری طرف آجاؤ تاکہ آگ میں نہ گر پڑو خالد اس خوف ناک خواب سے بیدار ہوئے اور قسم کھا کر میرا خواب سچا ہے چنانچہ رسول اللہ کے پاس جانے لگے۔ بر سر راہ ابوبکر نے مل کر حالات پوچھے خالد نے ماجرائے خواب بیان کیا اس پر ابوبکر بھی ان کے ساتھ ہو لیے اور پھر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دونوں اسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے لـہ خالد بن سعید کے خواب کی برکت سے ابوبکر مسلمان ہوئے تھے لـہ علمائے شیعہ کا اتفاق ہے کہ خلیفہ اوّل پہلے حکم پر ہی اسلام نہیں لائے۔

نام مجتہد صاحب اسلام رکھیں یا ایمان سو بفضلہ تعالیٰ قاضی نور اللہ شوستری کے اقرار سے ثابت ہو گیا اور اگر مجتہد صاحب نے ایمان اور اسلام کی لفظوں میں اس نظر سے فرق کیا ہو کہ ایمان سے مراد تصدیق بالجنان ہے اور اسلام سے فقط اقرار باللسان اور ایمان سے ابوبکر صدیقؓ کے اس لئے انکار کیا کہ ان کو پیغمبر صاحب کی نبوت پر تصدیق قلبی کا مرتبہ نہ تھا تو ان کے تکذیب کے لئے انہیں کے شہید ثالث کا اقرار کافی ہے یعنی (ابوبکر بہ برکت خوابی کہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود) (دوم) ہم نے مانا کہ ایمان اور اسلام میں فرق ہے اور اس روایت سے شہید ثالث کی اسلام ابوبکر کا ثابت ہوتا ہے نہ ایمان لیکن ہم ابوبکر صدیق کا ایمان بھی امیر المومنین علی مرتضیٰ کے اقرار سے ثابت کرتے ہیں اور مجتہد صاحب کے تار و پود کو درہم برہم کئے دیتے ہیں مومنین کو چاہیئے کہ اس کو ذرا اوّل سے سنیں اور اپنے بزرگوں کی بیخبری پر افسوس کریں کہ علامہ حلی نے شرح تجرید میں لکھا ہے کہ (قال علیہ السلام یوماً علی المنبر انا الصدیق الاکبر انا الفاروق الاعظم اسلمت قبل ان اسلم ابوبکر و آمنت قبل ان آمن) کہ حضرت علی علیہ السلام نے ایک دن منبر پر یہ فرمایا میں ہوں صدیق اکبر میں ہوں فاروق اعظم اسلام لایا قبل اسلام ابوبکر کے اور ایمان لایا قبل ایمان لانے ابوبکر کے پس علامہ حلی نے حضرت علی کی زبان سے اسلام بھی ابوبکر کا اور ایمان بھی انکا ثابت کر دیا اگر تو نور اللہ شوستری کے قول سے مجتہد صاحب کا قول باطل نہ ہوا تھا تو اب علی مرتضیٰ کے قول سے انکا یہ قول کہ[1] (خلیفہ اوّل از ایمان بہرہ نداشت) باطل ہو گیا والحمد للہ علی ذالک، بلکہ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اسلام اور ایمان کو ابوبکر کے ایسی وقعت اور عزت اور شہرت تھی کہ حضرت علی نے فخریہ بیان کیا کہ میں ان سے بھی پہلے ایمان اور اسلام لایا اگر موافق قول شیعوں کے ابوبکر صدیقؓ ایمان اور اسلام میں کامل نہ ہوتے یا معاذ اللہ منافق ہوتے یا طمع دنیا سے ایمان لائے ہوتے تو حضرت علی ان سے پیشتر ایمان لانے پر افتخار کیوں کرتے (سوم) اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیقؓ کے اسلام اور ایمان کی نسبت جو علمائے امامیہ کا قول ہے کہ وہ صرف ظاہر میں اسلام لائے تھے اور کاہنوں کے کہنے سے بہ طمع خلافت مسلمان ہو گئے تھے وہ بالکل غلط ہے لیکن قاضی صاحب کی شہادت سے جس میں انہوں نے ابوبکرؓ صدیق کو سابقین اولین میں بیان کیا ان کے اگلے پچھلے چھوٹے ہو گئے اور یہ کوئی خیال

---

[1] خلیفہ اوّل کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔

نہ کرے کہ قاضی صاحب کے اس فقرے نے فقط اپنے علماء اور مجتہدین کے قولوں کو باطل کیا بلکہ اپنے حضرت صاحب الامر کے قول کو بھی رد کر دیا یعنی شیعوں کے امام مہدی صاحب کا بھی یہی قول ہے کہ ابوبکر صدیقؓ دنیا کی طمع سے ایمان لائے تھے اور یہودیوں سے پیغمبر صاحب کی پادشاہت اور غلبے کا حال سنا کرتے تھے پس موافق ان کے کہنے کے ظاہر میں کلمہ گو ہو گئے تھے چنانچہ اس کو ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار سے رسالہ رجعتیہ میں بروایت شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی کے لکھا ہے کہ (اسلام ابوبکر طوعا بود امابرای طمع دنیا زیرا کہ ایشاں باکفرۂ یہود مخلوط بودند (الی قولہ) چون حضرت دعوی رسالت فرمود ایشاں از روی گفتۂ یہود بظاہر کلمتین گفتند و در باطن کافر بودند) الغرض ان روایتوں سے اسلام اور ایمان ابوبکر صدیقؓ کا بخوبی ثابت ہوا اور جب ایمان اور اسلام انکا بخوبی ثابت ہوا تو لصاحبہ کے لفظ سے بھی بہ نص قرآنی ثابت ہوا کہ وہ پیغمبر کے صاحب تھے اور پیغمبر صاحب کے اصحابوں کے جو فضائل اور درجات ہیں اور جن کو علمائے امامیہ بھی تسلیم کرتے ہیں ان کے مصداق بھی ٹھہرے پس باوجود اس کے جو کوئی صحابیت سے انکار کرے اور ان کے فضائل کو نہ مانے وہ منکر نص قرآنی ہے۔

آٹھواں اعتراض آٹھویں فضیلت پر

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ لا تحزن ان اللہ معنا سے ثابت ہوتا ہے کہ جب ابوبکر صدیق نے کفار کو در غار پر آپہنچا ہوا دیکھا تو وہ بخیال اسکے حضرت کو صدمہ نہ پہنچے اندوہ گین ہوئے تب حضرت نے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا کہ کچھ غم کر خدا ہمارے ساتھ ہے اور معنا جس میں ضمیر جمع متکلم کی ہے اس لئے فرمایا کہ اس معیت میں خدا کی ابوبکر بھی شریک ہو وریں پس پیغمبر صاحب نے ابوبکر کو بھی اس معیت میں اپنے ساتھ شامل کر لیا اس پر چند طرح سے امامیہ اعتراض کرتے ہیں (اول) اس طرح پر کہتے ہیں کہ حزن ابوبکر کا طاعت تھا یا معصیت اگر

ۓ ابوبکر طوعا اسلام لائے تھے یعنی دنیا کی لالچ شامل تھا کیونکہ وہ کافروں و یہودیوں سے ملے ہوتے تھے (تا ختم کلام) جب رسول اللہ نے اعلان رسالت فرمایا تو انہوں نے یہودیوں کے کہنے کے موافق ظاہری طور پر دو کلمہ کہدیئے اور یہ باطنی طور پر کافر تھے ۲۔ یہ روایت بھی منجملہ ان روایتوں کے ہے جنسے اکثر کتابیں شیعوں کی بھری ہوئی ہیں اور جنکی بے ہودگی اور کذب پر منصف آگاہ ہے ہم آئندہ جہاں حضرات شیخین کے ایمان لانیکا تفصیلی حال لکھیں گے انشاء اللہ تعالیٰ ان روایات کی پوری تفصیل کرینگے جسکو دیکھ کر خوش کریں گے ۱۲ منہ عفی عنہ۔

طاعت تھا تو پیغمبر خدا کا طاعت سے منع کرنا ثابت ہوتا ہے اور اگر معصیت تھا تو عصیان ابوبکر ثابت ہوا دوسرے ابوبکر کو خدا اور اس کے رسول کے قول پر یقین نہ تھا اور باآنکہ اپنی آنکھوں سے غار میں بہت سی نشانیاں حفاظت کی دیکھیں مثل کبوتروں اور عنکبوت وغیرہ کے مگر تب بھی ان کو یقین حفاظت نہ ہوا اور خوف کے مارے زور زور سے رونا شروع کیا اور ہر چند پیغمبر نے جھکارا اور بزجر و توبیخ باز رکھنا چاہا مگر وہ رونے اور چلانے سے باز نہ رہے تیسرے ابوبکر کا رونے اور چلانے سے یہ مقصد تھا کہ کفار آواز سن لیں اور پیغمبر صاحب کو گرفتار کر لیں اور اسی واسطے حضرت ان کو سمجھاتے اور رونے سے باز رکھتے تھے لیکن وہ باز نہ رہتے تھے اور اپنی بدنیتی اور فساد باطنی کو رونے کے پیرائے میں ظاہر کرنا چاہتے تھے بلکہ بعض دانشمندوں نے اس قدر اور بڑھا دیا ہے کہ جب ابوبکر کا رونے سے کام نہ نکلا اور کافروں نے انکی آواز نہ سنی تب انہوں نے اپنا پاؤں غار سے باہر کر دیا کہ کفار دیکھ لیں اور غار کے اندر گھس آویں کہ اسی وقت خدا کے حکم سے سانپ نے ان کے پاؤں میں کاٹا اور بمجبوری انہوں نے اپنا پاؤں اندر کھینچ لیا اور چونکہ جب ابوبکر کا مطلب پاؤں کے باہر کرنے سے بھی حاصل نہ ہوا یعنی کافروں نے آکر حضرت کو غار میں سے نہ پکڑا تب اور طرح سے پیغمبر خدا کو تکلیف دینا شروع کیا یعنی حضرت علی کی یاد کرنے لگے اور ان کی تنہائی پر اپنا رنج ظاہر کرنے لگے تب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ لاتحزن کہ اے ابوبکر اپنا رنج علی کی تنہائی پر ظاہر نہ کر ان اللہ معنا خدا ہمارے اور علی کے ساتھ ہے (پانچویں) ان اللہ معنا سے دو معنی مراد لیتے ہیں ایک یہ کہ خدا ہمارے اور علی کے ساتھ ہے دوسرے یہ کہ ابوبکرؓ سے پیغمبر خدا نے کہا خدا ہمارے ساتھ ہے یعنی ہماری نیکی پر اور تمہاری بدی پر مطلع ہے ہم کو نیکی کا صلہ اور تمکو بدی کا بدلہ دیگا ان تقریروں کو سن کر ہر شخص محو حیرت ہو گا اور زانوے تحیر سے سر نہ اٹھائیگا اور تعجب کریگا کہ یہ اعتراض ہے یا مجنونوں کی بڑ ہے جواب ہے یا دیوانگی جھک ہے بلکہ جو لوگ عقل و دانش رکھتے ہیں انکو تو یقین ہی اس پر نہ ہوگا کہ یہ تقریریں کسی عالم یا مجتہد کی زبان سے نکلی ہوں گی مگر جب کسی کو شک ہو وہ احقاق الحق اور مجالس المومنین وغیرہ کو کھول کر دیکھے کہ انھیں تقریروں کو شہید ثالث نے کس آب و تاب سے لکھا ہے اور ملا حضرت مشہدی نے ان تقریروں پر کیسا فخر کیا ہے اور صاحب تقلیب المکائد نے بجواب تقریر خاتم المحدثین کے اسی پر کیسا کچھ ناز کیا ہے بلکہ مولانا صاحب پر بڑا طعنہ کیا ہے کہ انہوں نے قاضی نور اللہ شوستری کی تقریروں کو بعینہ نقل نہیں کیا اور ان

لفظوں سے اپنا غصہ ظاہر کیا ہے کہ نعوذ ناصبی را می بایست کہ ایں عبارت جناب قاضی را نقل می کرد وبرآں آنچہ می توانست وارد می کرد تراشیدن تقریرے از طرف خود ونسبت دادن بہ طرف شیعیان وبعد ازاں بجواب آں مشغول شدن از اعظم مکائد ایں ناصبی ست) اب ہم ان تقریروں کا خلاصہ تو لکھ چکے اصل عبارت کو بھی لکھتے ہیں اور نہایت ہی ادب سے خدمت میں حضرات شیعہ کے عرض کرتے ہیں کہ وہ ذرا انصاف فرماویں کہ یہ تقریریں ایسی ہیں کہ ان پر کوئی ناز کرے یا ایسی ہیں کہ ان سے شرماوے ہمارے نزدیک اگر کسی دانشمند یا صاحب حیا و شرم کی طرف ایسی تقریروں کو کوئی منسوب کرے تو ضرور وہ اس نسبت کو اپنا عار و ننگ سمجھے گا اور ایسی پوچ اور بے ہودہ باتوں کے انتساب سے شرماویگا معلوم نہیں کہ قاضی صاحب اور ملا صاحب نے ان تقریروں میں کون سے مضامین حکیمانہ درج کئے ہیں اور کیسے جواہر بیش بہا ان میں رکھے ہیں جن پر ان کو اور ان کے مقلدین کو اس قدر ناز و افتخار ہے ہم تو ان میں ایک بات بھی ایسی نہیں پاتے جو بے ہودگی سے خالی ہو اور ایک لفظ بھی ایسا نہیں دیکھتے جو سخافت اور رکاکت سے محفوظ ہو شعر

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست
زپائی تا بسرش ہر کجا کہ می نگرم

ہمارے نزدیک تو شاہ صاحب قدس اللہ سرہ نے بڑا احسان قاضی صاحب اور ملا صاحب پر کیا تھا کہ ان کی تقریروں کو بلفظہ نقل کیا اور فضیحت اور رسوائی سے انکو بچایا لیکن چونکہ حضرات امامیہ کو ان کی تشہیر ہی منظور ہے اس لئے ہم نے بمجبوری انکو نقل کر دیا اگرچہ ہم کو ایسی بے ہودہ تقریروں کے جواب میں لکھنا اوقات کو ضائع کرنا ہے مگر تنبیہا للسفہا کچھ لکھتے ہیں بہ نسبت پہلے اعتراض کے کہ حزن ابوبکر کا طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو پیغمبر

لے ناصبی دسنی کو چاہئے تھا کہ قاضی کی پوری عبارت نقل کرتے اور پھر اس پر اپنے اعتراضات کر سکتے تھے نہ اپنی جانب سے ایک بات گھڑ لینا اور اسکو شیعوں کی جانب منسوب کرنا اور پھر خود ہی اس کا جواب دینا اس سنی کا سب سے بڑا مکر و فریب ہے ۱۲ منہ وجوابہ کیف یتوہم حصول منقبۃ فی حضور الغار وقد ظہر فی الغار خطاؤہ وذلک لو حصل دخل فی العز والحریۃ المکان المصون بحیث یامن اللہ تعالیٰ علی نبیہ مع ما یظہر من الآیات من تعشیش الطائر ونسج العنکبوت علی انہ لم تکن السلامۃ ولا صدق بالآیۃ واظہر الحزن والمنی فیہ حتی غلبہ بکاءہ وتزلزل قلبہ واشتد حزنہ ونہی النبی فی تلک الحال الی مقاساتہ وترجع الی ملازمتہ ونہاہ عن الخوف وزجرہ ونہی النبی لا یتوجہ فی الحقیقۃ الا الی الزجر عن القبیح ولا سبیل الی صرفہ الی المجاز تعبیر دلیل لا سیما وقد ظہر من جزعہ وبکاءہ ما یکون منشؤ فساداً لحال فی الاختفاء فہو انما نہی من استدامۃ وقوع منہ ولا سکن نفسہ الی ما وعد اللہ تعالیٰ نبیہ وصدقہ فیما اخبر بہ من نجاتہ لم یحزن حیث ان یکون استدامۃ انزعاج قلبہ فی الموضع الذی یقتضی سکونہ فافضلیۃ فی الغار لغیرہا الا ابی بکر ولا المکابرۃ واللہ فی ہذا التمیز

صاحب نے کیوں منع کیا اور معصیت تھا تو ابو بکر کا گنہگار ہونا خدا کی کتاب سے ثابت ہوا جواب الزامی یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے جو خطاب حضرت موسیٰ سے کیا ہے کہ لا تخف انک انت الاعلیٰ اور حضرت لوط سے فرمایا ہے کہ لا تحزن انا منجوک واھلک اور پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ لا یحزنک قولھم اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ اور لوط کو خوف تھا اور پیغمبر خدا کو کافروں کی باتوں سے رنج ہوتا تھا خدا نے ان کے اطمینان اور تسلی کے لئے لا تخف ولا تحزن فرمایا پس ہم شیعیان پاک سے پوچھتے ہیں کہ ان پیغمبروں کا خوف طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو خدا کا طاعت سے منع کرنا ثابت ہوتا ہے اگر معصیت تھا تو انبیاء معصومین کا گنہگار ہونا ثابت ہوتا ہے پس جو کچھ وہ اس کا جواب دیں گے وہی ہماری طرف سے سمجھیں اس کے جواب میں قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں بہ ضمن حکایات مفیدہ شیخ مفید کے بجواب تقریر ابوالحسن خیاط (میں معتزلہ کے لکھا ہے کہ انبیاء کی عصمت بدلیل عقلی ثابت ہے اسلئے جو نہی ان کی نسبت ہے اس سے ظاہری معنی مراد نہیں ہو سکتے اور ابو بکر کی عصمت ثابت نہیں اس لئے جو نہی ان کی شان میں ہے اس کے ظاہری معنی مراد ہیں و بندہ عبارتہ[1] مضمون آں آیات نہی ست لیکن انبیاء را از ارتکاب قبیحی کہ فاعل آں مستحق ذم میشود بواسطہ دلیل عقلی کہ بر عصمت انبیاء و اجتناب ایشاں از گناہاں قایم گشت موجب عدول از ظاہر شدہ از ظواہر آں آیات عدول می کنم و ہر گاہ اتفاق حاصل باشد در آنکہ ابو بکر معصوم نہ بود واجب ست کہ اجرائی نہی کہ در شان آں واقع شدہ بر ظاہر آں کہ قبح حال ابو بکر ست بماند) بجواب اس کے ہم یہ کہتے ہیں کہ خوف کو معصیت میں شمار کرنا ہی غلط[2] اور انبیاء نے جو خوف کیا اور خدا نے انکو اس سے مطمئن کیا اس نہی کو بلا ضرورت ظاہر سے عدول کرنا ہی لغو ہے بلکہ خوف کو معصیت قرار دے کر عمداً انبیاء پر تہمت کرنا ہے اور جو فرقہ انبیاء کی عصمت کا قائل نہیں ہے اس کو تقویت دینا ہے حالانکہ خوف منجملہ ان امور بشریت کے ہے جن سے کسی بشر کو خواہ وہ نبی ہو خواہ امام ہو خواہ ولی ہو چارہ نہیں اور اس پر خدا کی طرف سے کبھی مواخذہ نہیں ہے چنانچہ حضرت موسیٰ اور ہارون کو حکم ہوا کہ فرعون

---

[1] آیات مستدرکہ کے مضمون کا مقصد ممانعت ہے اور انبیاء کا کوئی امر قبیح کرنا موجب عدول ظاہر کیونکہ امر قبیح کا فاعل مستحق بلامت ہوتا ہے انبیاء کے معصوم ہونے اور گناہوں سے اجتناب کرنے کے لئے دلیل عقلی موجود ہے کہ وہ معصوم تھے اسلئے میں بھی ان آیات کے ظاہر سے عدول انحراف کرتا ہوں اور متفق علیہ ہے کہ ابو بکر معصوم نہ تھے اور ممانعت کے جو احکام جاری ہوئے وہ ابو بکر کے حالات کی وضاحت کے لئے ہیں اور اپنی جگہ باقی ہیں۔

کو جاکر سمجھاؤ اور اس کو دعوت ایمان کی کرو تو انہوں نے خوف کیا اور یوں کہا کہ ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی کہ خداوند ہم کو خوف ہوتا ہے کہ کہیں ہم پر وہ زیادتی نہ کرے تب اللہ نے مطمئن کیا اور فرمایا کہ لاتخافا اننی معکما کہ کچھ خوف نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں پس ذرا غور کرنے کا مقام ہے کہ جب حضرت موسیٰ اور ہارون باوجود نبوت کے خوف کریں اور خدا کی طرف سے اس خوف پر ان کو عتاب نہ ہووے اور ان کی نبوت میں فرق نہ آوے تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو بالاتفاق نہ نبی تھے نہ معصوم خوف کیا تو کیا گناہ کیا بلکہ جس طرح پر خدا نے حضرت موسیٰ اور ہارون کو اننی معکما کہہ کر مطمئن کردیا اسی طرح پیغمبر خدا نے ان اللہ معنا فرما کر ابوبکر کو مطمئن کردیا ہم کو شہید ثالث کی سمجھ پر نہایت تعجب آتا ہے کہ ابوبکر صدیقؓ کے محزون اور مغموم اور خائف ہونے سے خوف کو بھی گناہوں میں داخل کردیا اور ایک ابوبکر کے ذمے گناہ ثابت کرنے کے لئے تمام پیغمبروں کی نسبت معاصی کا الزام لگایا اور بلا ضرورت الفاظ خوف کو ان کے حقیقی ظاہری معنی سے عدول کیا لیکن جب کہ جابجا قرآن میں الفاظ خوف کے انبیاء کی نسبت وارد ہیں اور مفسرین نے اسکے ظاہری معنی مراد لیئے ہیں اور کسی نے خوف کو معصیت اور گناہ اور نقص میں شمار نہیں کیا ہے تو ایک شہید ثالث کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا چنانچہ آیۃ فاوجس منہم خیفۃ کی تفسیر میں علامہ طبرسی نے جو محققین شیعہ سے ہیں لکھا ہے کہ فلما امتنعوا عن الاکل خاف منہم وظن انہم یریدون سوءا فقالوا ای قالت الملائکۃ لاتخف یا ابراہیم کہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم کے ساتھ کھانا نہ کھایا تو وہ ڈرے اور گمان کیا کہ کہیں یہ لوگ کچھ بدی سے پیش نہ آویں تب ملائکہ نے کہا کہ اے ابراہیم کچھ خوف نہ کرو اور ہم سے نہ ڈرو ہم آدمی نہیں ہیں پس خوف دور کرنے کے لئے جو کلمات تشفی اور تسلی کے بہ لفظ لاتخف یا لاتحزن کلام الٰہی یا احادیث نبوی میں مذکور ہیں ان کو از قبیل اس نہی کے تصور کرنا جو ارتکاب معاصی کے منع کے لئے مستعمل ہیں بڑی غلطی ہے ورنہ اگر یہ امر تسلیم کرلیا جاوے کہ جہاں لفظ لا کا جو حرف نہی کا ہے استعمال کیا جاوے وہاں مراد نہی عن المعصیت ہو یا جہاں کسی شئے کی نہی بیان ہو اس سے اسکا وقوع ہونا بھی ضروری سمجھا جاوے تو ہزاروں اعتراض ائمہ کرام پر ایسے وارد ہوں گے کہ سوائے ان کی عصمت کے دوسرا جواب حضرات امامیہ سے بن نہ پڑے گا مثلاً علل الشرائع میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی علیہ السلام سے فرماتے ہیں کہ یا علی لاتتکلم عند الجماع ولا تنظر الی فرج امرأتک ولا تجامع امرأتک بشہوۃ امرأۃ غیرک کہ اے علی نہ کلام کر وقت جماع کے اور نہ دیکھ اپنی عورت کی شرمگاہ کو اور نہ صحبت

کہ اپنی بی بی سے اور کسی عورت کی شہوت پر پس اگر کوئی پوچھے کہ حضرت علیؓ یہ کام کرتے تھے یا نہ کرنے تھے اگر نہ کرتے تھے تو وہ قاعدہ باطل ہوا جاتا ہے کہ نہی شے وقوعِ شے پر دال ہے اور اگر کرتے تھے تو وہ فعل طاعت تھا یا معصیت اگر طاعت تھا تو پیغمبر خدا نے کیوں منع کیا اگر معصیت تھا تو امام معصوم کا گنہگار ہونا ثابت ہوا اگر کوئی یہ جواب دے کہ امام معصوم ہوتے ہیں اس لئے اس نہی کو اگرچہ نہی عن المعصیت ہے (ظاہر آن عدول می کنم) تو ہم بھی مجبوری یہ کہنے لگیں گے کہ ابوبکر صدیق بھی محفوظ تھے اس لئے ہم بھی نہی لا تحزن ان اللہ معنا کو از ظاہر آں عدول می کنم اے یارو ایسی صریح اور صاف بات کو عناد اور عداوت سے کیوں معما اور پہیلی بنائے دیتے ہو اور سیدھی سچی بات کو کس لئے مشکل کئے دیتے ہو ذرا انصاف کرو کہ اگر کوئی دوست کسی دوست پر صدمہ پہنچنے سے رنج کرے اور وہ دوست اس کو مطمئن کرے اور کہے کہ کچھ خوف نہ کر اللہ ہمارا مددگار ہے تو یہ کہنا از روئے تشفی اور تسلی کے ہے یا از قسم زجر و توبیخ کے اگر تشفی اور تسلی کے قسم سے ہو تو لا تحزن ان اللہ معنا کو بھی اس قسم سے سمجھو خدا کی آیتوں کی تحریف لفظی نہ کرو اور یہ خیال نہ کرو کہ نہی کے حرف کا استعمال واسطے منع اور زجر و توبیخ کے ہوتا ہے بلکہ واسطے ترحم اور شفقت کے بھی ہوتا ہے چنانچہ اگر قرآن مجید کے لفظوں پر کوئی غور کرے تو اس کو خود معلوم ہو جائے گا کہ اکثر جگہ خدا نے پیار اور محبت میں بھی حرف نہی کا استعمال کیا ہے چنانچہ خدا پیغمبر سے فرماتا ہے کہ فلا تذہب نفسک علیہم حسرات کہ لوگوں کے پیچھے تیری جان نہ جاتی رہے تو ان کے لئے اپنی جان نہ دے تو کیا ان کلمات کو بھی قاضی صاحب زجر و توبیخ کے کلمے سمجھیں گے اور تحریک لسان اور ذہاب نفس کو معصیت اور ذم تصور کر کے بلحاظ عصمت حضرت کے ظاہر سے عدول کریں گے اور اگر ان کلمات کو رحمت اور شفقت پر محمول کریں گے تو اپنے دعوی کی سفاہت کے قائل ہوں گے۔ (اعتراض دوسرا) کہ ابوبکرؓ کو خدا اور رسول پر کچھ یقین نہ تھا اس لئے باوجود دیکھنے بہت سی نشانیوں حفاظت کے وہ رونے اور ہائے ہائے مچانے لگے اسکا جواب یہ ہے کہ ہائے ہائے کرنا اور زور زور سے چلانا ابوبکر صدیق کا کسی طرح پر ثابت نہیں ہے اس لئے کہ قرآن مجید سے تو حزن کرنا ثابت ہوتا ہے اور حزن کے معنی نوحہ اور فریاد کے نہیں ہیں اگر کوئی خاص لغت کی کتاب حضرات امامیہ کی ایسی ہو کہ جو الفاظ صحابہ کبار کی شان میں ہوں ان کے کچھ معنی ہی علیحدہ الگ سے لکھتے ہوں تو ہم نہیں جانتے ورنہ حزن کے معنی غم کے ہیں نہ ہائے ہائے پکارنے اور

زور سے چلانے کے جس کو نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں لکھا ہے کہ ولحقتي غلبة البكاء و تزايد قلقه وانزعاجه، علاوہ اسکے خود مفسرین امامیہ کی تفسیر پر خیال کرنا چاہیئے کہ انہوں نے حزن کے کیا معنی لکھے ہیں پس مفسر کاشانی نے خلاصۃ المنہج میں اس کا ترجمہ کیا ہے کہ (چوں گفت پیغمبر یار خود را اندوہ مخور) اور علامہ طبرسی نے فرمایا ہے (لا تحزن اے لا تخف) پس ہم کو کمر حیرت ہے کہ قاضی صاحب نے حزن کے معنی نوحہ و فریاد کے کہاں سے نکالے اور یہ امر کہ خوف مقتضائے بشریت ہے اور انبیاء اور ائمہ کو بھی ہوا ہے اور معصیت نہیں ہے ہم اوپر ثابت کر آئے ہیں اور اب پھر ثابت کرتے ہیں کہ حضرت موسٰی نے خود اللہ جل شانہ سے کہا کہ اخاف ان یقتلون کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں فرعون اور اس کے لشکر مجھے قتل نہ کر ڈالیں تب خدا نے فرمایا لا تخف انک من الآمنین کہ ہرگز اسکا خوف نہ کر تو امن و امان میں رہے گا بلکہ علمائے امامیہ نے حضرت موسٰی کے خائف ہونے کا ایسے موقع پر اقرار کیا ہے کہ نہ اس سے انکار کر سکتے ہیں، چنانچہ جو دلیل حضرت علیؓ کی حضرت موسٰی سے افضل ہونے پر بیان کی ہے اس میں یہی تقریر کی ہے کہ حضرت موسٰی جب مصر سے مدین کو جاتے تھے تب وہ خائف اور ہراساں تھے فخرج منها خائفا يترقب اور حضرت علیؓ ہجرت کی رات کو بے خوف پیغمبر کے بستر پر بفراغ خاطر سوتے تھے اگر کچھ بھی خوف ہوتا تو ہرگز ان کو نیند نہ آتی اور اگر اس پر بھی حضرات شیعہ کی خاطر جمع نہ ہو اور ابوبکر صدیق پر خوف و ترس کے الزام لگانے سے باز نہ آویں تو ہم ان کے اقرار سے خود پیغمبر خدا کا خائف ہونا ثابت کرتے ہیں چنانچہ صاحب تقلیب

سلہ واضح ہو کہ حضرت موسٰی نے ایک ہی مرتبہ خوف نہیں کیا بلکہ چند مرتبہ چنانچہ اول حضرت موسٰی نے غیب سے آواز انا اللہ کی سنی تب خوف زدہ ہو گئے کہ خدا نے فرمایا لا تخف انی لا یخاف لدی المرسلون بعدہ جب ساحران فرعون سے مقابلہ ہوا اور جادو گروں نے اپنی رسیوں کو سانپ کی شکل پر دکھلایا تب بھی حضرت موسٰی ڈر گئے کہ خدا اسکی خبر دیتا ہے کہ فاوجس فی نفسہ خیفۃ آخر خدا نے خوف دور کرنے کے لئے کہا کہ لا تخف انک انت الاعلی حالانکہ خدا نے حضرت موسٰی سے وعدہ کر لیا تھا کہ انتما ومن اتبعکما الغالبون کہ تم اور تمہارے متابعین غالب ہوں گے اور جب حضرت موسٰی نے فرعون اور اسکے لشکر سے خوف قتل کا کر کے خدا سے کہا تھا کہ اخاف ان یقتلون کہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ قتل نہ کر دیں تب بھی خدا نے لا تخف کہہ کر مطمئن کر دیا تھا تو با وجود ایسے وعدہ ہائے الٰہی کے حضرت موسٰی کے خوف اور اندیشے کا کوئی محل نہ تھا بس اگر فقط خوف عدم رضا و عدۂ الٰہی پر ہو وے تو بدرجہ اعلیٰ صدیق اکبر سے بڑھ کر حضرت موسٰی پر ہو سکتا ہے اور جسقدر شیعیان علی صدیق اکبر پر طعنہ کرتے ہیں اس سے زیادہ منکرین نبوت پیغمبروں پر طعنہ کر سکتے ہیں و نعوذ باللہ من ذالک ۱۲ منہ۔

المکائد کید ہشتاد و ہفتم کے جواب میں فرماتے ہیں کہ[1] (اگر خوف قتل و قتال نہ بود پیغمبر خدا چرا مخفی بیرون رفت و حال آنکہ سبب ہجرت فرمودن رسول خدا محض خوف قتل بود) بار خدایا سمجھ میں نہیں آتا کہ علمائے شیعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حزن و خوف کو کس طرح ان کے عدم یقین پر محمول کرتے ہیں جبکہ انبیاء و مرسلین کے حزن و خوف کا اقرار خود کرتے ہیں اور خاص سید الانبیاء کی ہجرت کا سبب محض خوف و قتل کہتے ہیں ہمارے عقیدے کے موافق ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت موسیٰ سے افضل نہ تھے کہ خائف نہ ہوتے پیغمبر خدا سے زیادہ اطمینان ان کو نہ تھا کہ قتل و قتال سے نہ ڈرتے پر عقیدہ تو حضرت شیعہ کا ہے کہ حضرت موسیٰ کو خائف بتلادیں پیغمبر خدا کی نسبت قتل و قتال کے خوف سے نسبت دینے کو عیب نہ جانیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت خوف کا خیال بھی نہ کریں اور ان کے تقیے کو ہتک آبرو کے خوف کا سبب سمجھیں جیسا کہ تقلیب المکائد کا مؤلف لکھتا ہے[2] (تقیہ بجہت خوف ہلاکت جان خود نہ بود بلکہ بجہت خوف ہتک عرض و ناموس بودہ الی قولہ کہ دانستی کہ خوف حضرت امیر المومنین نہ از ہلاکت جان خود نہ بود بلکہ خوف و ہتک عرض و ناموس) غرضکہ ان سب روایتوں کے دیکھنے سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ الزام خوف کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کسی طرح عائد نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کو قتل و قتال کا خوف تھا تو ایسا خوف باقرار علمائے شیعہ انبیاء کو بھی ہوا ہے اور اگر یہ کہا جاوے کہ ان کو قتل و قتال کا خوف نہ تھا بلکہ ہتک آبرو کا تو اس کا خوف حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کو بھی ہوا ہے جو باعتقاد شیعہ سب نبیوں سے افضل اور سب پیغمبروں سے بہتر تھے الحاصل قرآن مجید کی آیتیں اور آئمہ کی حدیثیں اور علمائے امامیہ کے اقوال اس پر شاہد ہیں کہ حضرت ابراہیم سے پیغمبر جو خدا کے خلیل تھے اور حضرت موسیٰ سے نبی جو خدا سے باتیں کیا کرتے تھے اور حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے رسول جو خدا کے خاص محبوب تھے اور حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ سے امام جو پیغمبر کے وصی اور خدا کے شیر تھے اور سب پیغمبروں سے افضل اور بہتر تھے قتل و قتال کے خوف اور عزت اور آبرو کے خوف اور ڈر سے محفوظ نہیں رہے تو، اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی خوف و ترس سے نہ بچے ہوں تو کیا عجیب ہے لیکن ہم کو نہایت تعجب آتا

---

[1] اگر خونریزی کا خوف نہ ہوتا تو پیغمبر خدا ہرگز خفیہ طور پر باہر نہ جاتے اور حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ کا ہجرت کرنا صرف خوف و قتل کے باعث ہوا [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی ہلاکت جان کے خوف سے تقیہ نہیں کیا بلکہ اس لئے تقیہ کیا تاکہ رسول کی عزت و ناموس محفوظ رہے و تا آخر کلام جیسا کہ تمہیں معلوم ہے کہ امیر المومنین کو اپنی جان کے ہلاک ہونے کا خوف نہ تھا بلکہ عزت و ناموس کا ڈر تھا۔

ہے علمائے شیعہ سے کہ انہوں نے ابوبکر صدیقؓ کے ایک شب کے خوف پر اسقدر زبان درازی
کی اور اُن کے خوف کو ان کے کفر و نفاق کا نتیجہ سمجھا باوجود کہ اُنکا عقیدہ ہے کہ تمام ائمہ کرام
اول سے آخر تک پیدائش کے زمانے سے موت کے وقت تک ہر ساعت و ہر لحظہ خوف میں رہے
اور امام اول سے لیکر امام آخر الزمان تک سب کے سب تقیہ کرتے رہے ایک بھی ائمہ اثنا عشریہ
ایسا نہیں ہوا کہ جسکی عمر خوف و ترس میں نہ گذری ہو اور ایک لحظہ بھی خوف سے مہلت پائی ہو۔
آخر تقیہ جسکی بنا سر بسر خوف پر ہے ایمان کا جزو اعظم قرار دیا گیا اور ورد التقیۃ دینی و دین آبائی ا
امامت کا کلمہ مقرر کیا گیا پس جبکہ ائمہ کرام باوجودیکہ موت و حیات اُن کے اختیار میں کہ جب
تک چاہیں زندہ رہیں ملائکہ ان کے حکم میں کہ جو چاہیں وہ کریں نگاہ میں اُن کی وہ تاثیر کہ
اگر پہاڑ کی طرف دیکھیں تو وہ بھی پھٹ جاوے بازو میں اُن کے وہ قوت کہ اگر ایک ہاتھ
اٹھاویں اسی ہزار جن قتل ہو جاویں علم کا وہ حال کہ جو کچھ ہوا اور ہوگا سب سے آگاہ اور جو
کچھ گذرا اور گذریگا سب سے واقف اعجاز کی یہ کیفیت کہ عصا ہاتھ سے گرا دیں اژدہا ہو جاوے
کفار اور منافقین کی طرف اشارہ کریں ایک دم میں سب کو نگل جاوے اور پھر باوجود ایسی قدرت
اور طاقت اور اعجاز کے تمام عمر خوف اور ترس میں رہیں اور اپنی امامت کا دعویٰ تک نکریں
جان و آبرو کے ڈر سے کسی سے سچ بات نہ کہیں اگر کسی اخص خواص سے کوئی راز کی بات کہنے
کو ہوں تو دروازے بند کر لیں ڈرتے ڈرتے اپنے شاگردوں کو علوم دینی کی تعلیم دیں اور اگر
ایک ناصبی سامنے آجاوے تو انکار کر جاویں اپنے خاص احباب پر لعنت اور تبرا کرنے لگیں
حضرات شیعہ اُن کے خوف و ترس پر کچھ بھی طعنہ نہ کریں اور انکی امامت اور فضیلت پر اس سے
کوئی شبہ نہ لاویں بلکہ اس خوف کو بہترین عبادت سمجھیں اور تقیہ کو ائمہ کرام کا دین سمجھیں
اور ابوبکر صدیقؓ کے ایک شب کے خوف پر اسقدر زبان درازی کریں اور اُن کے خوف و ترس کو
اُنکے کفر و نفاق کی دلیل سمجھیں باوجودیکہ نہ ابوبکر صدیقؓ کے اختیار میں موت و زندگی تھی نہ
ملائکہ اُن کے تابع فرمان تھے نہ علم ماکان و ما یکون ان کو حاصل تھا نہ اسی ہزار جن کے قتل کرنے
کی ان کو طاقت تھی معلوم نہیں کہ حضرات شیعہ نے ائمہ کرام کے خوف میں اور ابوبکر صدیقؓ کے خوف
میں مابہ الامتیاز کیا قرار دیا ہے کہ وہی خوف ائمہ کرام کے حق میں فضیلت ہو اور ابوبکر صدیقؓ
کے حق میں نقص و عیب۔ مصرع

ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ÷ لیکن اگر ہم شیعوں کے عقیدے

کہ موافق خوف کو انبیاء اور ائمہ کی نسبت بسبب معصوم ہونے کے اُن کے ظاہر سے ٹال دیں اور ان آیات کی نسبت جن سے خوف انکا ثابت ہوتا ہے (از ظواہر آن عدول میکنم) ہمیں تو بھی کچھ حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ علاوہ انبیاء کے خدا کے کلام سے مومنین کا بھی خائف ہونا ثابت ہوتا ہے چنانچہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ[1] کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا ہمارا پروردگار ہے اور پھر مضبوط رہتے ہیں اُن پر ملائکہ یہ کہتے ہوئے نازل ہوتے ہیں کہ لاتخافوا ولاتحزنوا کہ کچھ خوف نہ کرو اور کچھ حزن نہ کرو پس اس سے اُن مومنین کا جو اپنے ایمان پر نہایت مضبوط ہوتے ہیں خائف اور محزون ہونا ثابت ہوا اور پھر ایک دوسری جگہ پر اللہ شانہٗ مومنین سے فرماتا ہے کہ ولا تحزنوا وانتم الاعلون کہ کچھ غم نہ کرو تمہیں کو غلبہ ہوگا پس معلوم نہیں ان آیتوں میں جو مومنین کی نسبت لفظ لاتحزنوا کا ہے یہ بھی زجر و توبیخ کے واسطے ہے یا تسلی اور تشفی کے لئے پس یہ تو ظاہر ہے کہ قاضی صاحب بھی اسکا اقرار نہ کرینگے کہ یہاں بھی زجر و توبیخ کیلئے ہے بلکہ یہی فرماوینگے کہ تسلی اور تشفی کیلئے تو پھر ہم نہیں سمجھتے کہ ابوبکر صدیقؓ کی شان میں جو لفظ لاتحزن کا ہے اس کو کس طرح زجر و توبیخ کے لئے بیان کرتے ہیں تعجب کی بات ہے کہ ایک ہی کلمہ لاتحزن ہزار جگہ واسطے تسلی اور تشفی کے استعمال کیا جاوے اور ایک جگہ واسطے زجر و توبیخ کے ہاں اگر کوئی قرینہ عتاب و خفگی کا پایا جاتا تو ہم تسلیم کرتے کہ ابوبکر صدیق کی نسبت کلمہ لاتحزن واسطے زجر و توبیخ کے ہے سو وہ بھی نہیں اس لئے کہ جیسے مومنین کی نسبت خدا نے فرمایا لاتحزنوا اور آگے بیان کیا ابشروا بالجنۃ کہ کچھ غم کرو تمہارے واسطے بہشت موجود ہے یا اسطرح کہ لاتحزنوا وانتم الاعلون کہ کچھ غم نہ کرو تمہیں غلبہ ہوگا اسی طرح ابوبکر صدیق سے بھی پیغمبر نے فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا کہ غم نہ کر خدا ہمارا تمہارے ساتھ ہے پس بظاہر دونوں میں کچھ فرق پایا نہیں جاتا اس لئے اگر ان آیتوں میں لاتحزنوا واسطے تسلی اور تشفی کے ہے۔ تو اس آیت میں بھی تسلی کیلئے ہے اور اگر وہاں واسطے زجر و توبیخ کے ہے تو یہاں بھی لیکن باوجود اتحاد الفاظ اور تطابق قراین کے لاتحزنوا کو ان آیتوں میں تسلی پر اور یہاں عتاب پر محمول کرنا موجب ہزار حیرت اور باعث صد ہزار تعجب ہے لیکن ہم حضرت شیعہ کو معذور سمجھتے ہیں کہ اگر الفاظ قرآنی سے اُن کے حقیقی معنی مراد لیں تو صدیق اکبرؓ کی صدیقیت کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور اگر اقرار کریں تو مذہب ہاتھ سے جاتا ہے پس بجز اس کے

---

[1] پارہ ۲۴ رکوع ۱۸ سورۃ حٰم السجدہ ۱۲

کہ قرآن کی ہدایت معنوی کریں اور کلام اللہ کی لفظوں کے نئے نئے معنی بنا دیں اور کچھ چارہ نہیں ہے۔ شعر

دست بیچارہ چوں بجاں نہ رسد — چارہ جز پیرہن دریدن نیست

اگر اس پر بھی حضرات شیعہ کے دلوں میں کچھ خطرہ رہ جائے اور کوئی دانشمند یہ کہنے لگے کہ ہم نے مانا کہ خوف گناہ نہیں اور لاتحزن تسلی کا کلمہ ہے لیکن اتنا تو بھی ثابت ہوا کہ ابوبکر صدیق کو کامل یقین پیغمبر صاحب کے وعدے پر اور خدا کی حفاظت پر نہ تھا ورنہ کس طرح اُن کو خوف نہ ہوتا اس کا یہ جواب ہے کہ خود حضرات شیعہ کا اقرار ہے کہ پیغمبر خدا بار بار ابوبکر صدیق پر خفا ہوتے تھے کہ چپ رہو راز فاش نہ کرو اور وہ نہ مانتے تھے پس شیعوں کی طرح ہر ایک ملحد کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر صاحب کو بھی اپنے خدا کے وعدے پر اور حفاظت پر یقین نہ تھا ورنہ جو بات افشائے راز کی کرتے تھے اُس سے پیغمبر نہ گھبراتے اور بار بار ابوبکر پر راز کے فاش کرنے پر خفا نہ ہوتے پس جو اس ملحد کو حضرت شیعہ جواب دیں وہی ہماری طرف سے قبول فرماویں۔ لیکن اگر کوئی ذرا بھی غور کرے تو موافق اصول اور عقاید شیعوں کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت حزن و خوف کا اطلاق ہو ہی نہیں سکتا اس لئے کہ اگر وہ اقرار کریں کہ ابوبکر صدیقؓ حقیقت میں مخالف تھے تو ہم پوچھتے ہیں کہ اُن کو اپنی جان کا اندیشہ اور اپنے اوپر تکلیف پہنچنے کا ڈر تھا یا پیغمبر صاحب کے ایذا و مصیبت کا خوف۔ اگر اُن کو اپنی جان کا خوف تھا تو یہ قول باطل ہوا جاتا ہے کہ وہ دشمنوں سے ملے ہوئے تھے اور راز فاش کرنا چاہتے تھے اس لئے کہ اگر وہ کافروں سے ملے ہوئے ہوتے تو پھر اُن سے ان کو کیا ڈر ہوتا اور اگر کافروں سے ملے ہوئے نہیں تھے بلکہ ان کو کافروں کی طرف سے خیال اپنے اوپر ایذا پہنچنے کا تھا تو اس سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں ایک یہ کہ کفار بسبب ایمان اور رفاقت پیغمبر کے ابوبکر صدیقؓ سے ایسی دشمنی رکھتے تھے کہ اُن کے قتل کے درپے تھے

ل گوہر مراد میں جس کا مؤلف بڑا عالم شیعوں کا ہے لکھا ہے کہ پانچ کافروں نے پیغمبر صاحب سے اگر کہا کہ تا وقت ظہر ترا مہلت دادیم اگر برگشتی از سخن خود والا تو را بکشیم پس آنحضرت بمنزل خود آمدہ در بست و بغایت اندوہناک نشست جبرئیل نازل شدہ آمد و گفت فاصدع بما تؤمر و اعرض عن المشرکین آنحضرت گفت کہ اے جبرئیل چگونہ باک نداریم با تہدید کہ مستہزئین با من کردند جبرئیل گفت انا کفیناک المستہزئین حضرت صلی اللہ علیہ وسلم گفت الآن نزد من بودند جبرئیل گفت من نیز الآن کفایت ایشان کردم پس ثابت کرد و چہ کہ حضرات شیعہ انصاف فرماویں کہ پیغمبر صاحب کا جان کے خوف سے دروازہ بند کر کے بیٹھ رہنا اور اندوہناک ہونا اور جبرئیل کے اطمینان دینے پر مطمئن ہونا ثابت ہوتا ہے پس باوجود تصدیق ایسی روایتوں کے نہایت تعجب ہے کہ پھر صدیق اکبرؓ کے خوف پر طعن کرتا ہے ۱۲

تو اس سے وہی بات ثابت ہوئی جس کا ہم دعویٰ کرتے ہیں دوسرے یہ کہ کبھی ابوبکر صدیقؓ کا ارادہ راز فاش کرنیکا نہ تھا اس لئے کہ جن لوگوں سے خود اُن کو خوف تھا اور جنکے ڈر سے غار میں چھپے ہوئے تھے انہیں پہ اپنا راز ظاہر کرتے اور اپنے آپ کو معرضِ ہلاکت میں ڈالتے اور اگر یہ کہا جائے کہ ابوبکر صدیقؓ کو خوف پیغمبر صاحب پر صدمہ پہنچنے کے خیال سے تھا تو یہ خوف ہزار اطمینان سے بہتر ہے اور ایسے عیب پر ہزار ہنر قربان ہیں اور ایسے خوف کو حضرات شیعہ گناہ کیا اگر کفر بھی سمجھیں مگر ہم ثواب کیا ہزار ایمان سے بہتر سمجھیں گے اور سمجھتے ہیں اور اسی خوف سے حضرت صدیق اکبرؓ کی صدیقیت کا اعتقاد کریں گے اور کرتے ہیں اسلئے کہ اگرچہ ابوبکر صدیقؓ کو پیغمبر صاحب کی جان اور سلامتی پر یقین کامل تھا مگر جب انہوں نے دیکھا کہ شاہ ہر دو سرا بادشاہ دین و دنیا ایک غار میں چھپا ہوا ہے اور جس کا مقام عرش و کرسی ہے وہ ایک تنگ جگہ میں قیام فرما ہے تو یہی حالت پیغمبرؐ کی ابوبکرؓ کے دل کو پارہ پارہ کرتی تھی اور اس کو بیچین کر رہی تھی۔ چنانچہ ابوبکر صدیقؓ کا اول خود غار میں جانا اور اس کو صاف کرنا اور سب سوراخوں کو اپنی قبا چاک کرکے بند کرنا اور پھر پیغمبر صاحب کو بلانا اور اپنے زانوں پر سلانا اس پر شاہد ہے اور پھر ایسی خطرناک حالت میں جب انہوں نے کفار کو در غار پر دیکھا تو بخیال ایذائے پیغمبرؐ کے جو کچھ صدمہ اُن کے دل پر ہوا ہوگا اس کو وہی جانتے ہیں یا وہ عاشق جانے جسکا معشوق اس کے سامنے کسی تکلیف و ایذا میں مبتلا ہوا ہو اور دشمن اس کے اس پر حملہ آور ہوئے ہوں اس وقت کوئی اس عاشق مسکین کی کیفیت دیکھے کہ اس کو اضطرار ہوتا ہے یا وہ اطمینان سے بیٹھا رہتا ہے ہاں جس کو عشق و محبت سے خبر ہی نہ ہو وہ عاشق صادق کے خوف و اضطرار پر طعن نہ کرے تو کیا کرے لے بھائیو اول ذرا پیغمبر صاحب کے ساتھ محبت پیدا کرو تب جو پیغمبر صاحب کے جانثار تھے ان پر الزام لگاؤ مگر جب تم کو محبت ہی نہیں ہے تو تم اسکی حقیقت کیا جانو **قطعہ**

تو نازنین جہانے و ناز پروردہ — ترا ز سوز درون نیاز ما چہ خبر

چوں دل بہ مہر نگارے نہ بستۂ امے — ترا ز حالت عشاق بینوا چہ خبر

اے شیعیان پاک ذرا مہربانی کرکے اپنے شہید ثالث کی موشگافیوں پر غور کرو کہ ابوبکر صدیقؓ کے حزن و غم کی نسبت کیا کچھ زبان درازی فرمائی اور (قد ظہر من جزعہ و بکائہ ما یکون من مثلہ فساد الحال) کہہ کر اُن کی شان گستاخی مگر وہ تحریریں اُن کی خاک میں مل گئیں اور سب تقریریں اُن کی ہباءً منثورا ہو گئیں آخر انھیں باتوں پر خیال کرکے اصلی خوف اور حزن سے انکار فرمایا اور اُن

کو تصنع اور بناوٹ پر محمول کیا اہل انصاف سے اُمید ہے کہ ذرا دل لگا کر اسکو بھی سنیں اور جو کچھ سحر بیانی اور جادو زبانی اس بیان میں حضرات امامیہ نے کی ہے اس پر احسنت اور آفرین کہیں اور اس کا کچھ خیال نہ کریں کہ ایک دعویٰ کو چھوڑ کر دوسرا دعویٰ کیوں کرتے ہیں اور ایک امر کا اقرار کر کے اس سے منکر کیوں ہو جاتے ہیں اس لئے کہ یہ امر اسی خاص بحث کیلئے مخصوص نہیں ہے بلکہ ہر کلیہ اور جزئیہ میں اس شان کا ظہور ہے ابھی کیا ہے جب مباحث امامت و خلافت کے آویں گے تب دیکھنا کہ یہ حضرات کیسا رنگ بدلتے ہیں اور کیسے نئے نئے گل بوٹوں سے تقریروں کو زینت دیتے ہیں۔ شعر

شاہد دلربای من میکند از برای من ۔ نقش و نگار و رنگ و بو تازہ بتازہ نو بنو

جب حضرات امامیہ نے دیکھا کہ حزن اور خوف کے اثبات سے محبت صدیق اکبرؓ کی ساتھ پیغمبر صاحب کے ثابت ہوتی ہے تب اس دعویٰ کو چھوڑ کر یہ دعویٰ کیا کہ ابوبکرؓ کو کچھ خوف نہ تھا بلکہ واسطے فاش کرنے راز کے جزع فزع کرتے تھے جیسا کہ رسالہ حسنیہ میں لکھا ہے کہ (و ایضاً انما اشتہر من لدغ و فریاد برای آن بود کہ مشرکان را اطلاع گرداند و آنہا بدانند کہ در یں غار ست) اور ملا خضر شہیدی نے لکھا ہے کہ (و ایضاً انما اشتہر من لدغ الحیۃ ایاہ انما کان یتمدد رجلہ یرید اظہار لعرہ) کہ جب ابوبکرؓ کا کام رونے اور پیٹنے سے بھی نہ نکلا تب پاؤں بڑھا دیا کہ اسی کو دیکھ کر کفار اندر غار کے چلے آویں تب خدا نے سانپ کو حکم دیا کہ اسنے پاؤں میں اُن کے کاٹا تب مجبوری پیغمبر صاحب کا راز فاش ہونے سے بچا اُسکے جواب میں ہماری زبان سے تو کوئی بات بھی نہیں نکل سکتی اور ایسی بجاحمانہ تقریر کی تردید ہم سے ہو ہی نہیں سکتی اگر از شرق تا غرب اور از جن تا انس جمع ہوں تب بھی کسی سے یہ عقدہ حل نہ ہوگا فی الحقیقت جو صاحب تقلیب المکائد نے اپنے بزرگوں کی تقریر نقل نہ کرنے پر مولانا صاحب قدس اللہ سرہ پر غصہ کیا ہے وہ نہایت بجا

لہ صاحب تقلیب المکائد نے خاتم المحدثین رحمۃ اللہ علیہ پر یہ طعن کیا ہے کہ اپنی طرف سے تقریر بنا کر اپنے طور پر جواب دیا اُنکی عبادت ہے اس کا حال شہید ثالث کی عبارت دیکھنے والوں پر کھل جائیگا لیکن ہم دعویٰ کر کے کہتے ہیں کہ اپنی طرف سے تقریر بنانا اور اسکا جواب دینا بلکہ اس جواب نا معقول کو صاحب الامر کی طرف منسوب کرنا امامیہ کے محدثین و مجتہدین کا شیوہ ہے چنانچہ اسی آیہ غار کی نسبت ملا باقر مجلسی نے رسالہ رجعیہ کی حدیث ششم میں جو کچھ لکھا ہے وہ ہمارے دعویٰ پر شاہد ہے و ہو ہذہ حدیث ششم شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی از اکابر محدثین رضوان اللہ علیہم اجمعین از سعد بن عبد اللہ قمی روایت کردہ اند کہ او گفت کہ من مبتلا شدم بمباحثہ بدترین نواصب بعد از مناظرات بسیار گفت وای بر تو و اصحاب تو شما

بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ

تھا اگر وہ ان تقریروں کو نقل کر دیتے اور بلفظہٖ ان عبارتوں کو لکھ دیتے تو حقیقت میں مذہب امامیہ کی پھر کسی کو کیا کلام رہتا اور پھر ابوبکرؓ صدیق کی فضیلت کو کوئی کس طرح ثابت کرتا ہے یارو انصاف کرو اور حضرات امامیہ کے مجتہدین کے غزارت علم پر لحاظ فرماؤ کہ جو بات ہے وہ حکیمانہ جو قول ہے وہ محققانہ:

نواں اعتراض نویں فضیلت پر

اوپر ہم نے بیان کیا ہے کہ جب ابوبکر صدیقؓ محزون اور غمگین ہوئے اور انکو کسی قدر اضطراب ہوا تب اللہ جل شانہ نے اپنی تسلی ان پر نازل کی جس کا بیان خدا نے ان لفظوں سے فرمایا کہ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ اس پر حضرات امامیہ چند طرح سے اعتراض کرتے ہیں (اول) یہ کہ علیہ کی

(بقیہ حاشیہ) مہاجران وانصار دا طعن میکنید وانکار محبت پیغمبر نسبت بایشان می نمائید اینکہ ابوبکر بسبب بزود مسلمان شدن از ہمہ صحابہ بہتر بود واز بسکہ پیغمبر او دوست میداشت در شب غار او را با خود برد چونکہ میدانست کہ او بعد آنحضرت خلیفہ خواہد بود کہ مبادا او تلف شود حضرت امیر المومنین علی ابن ابی طالب را بر جائے خود خوابانید برائے آنکہ میدانست کہ اگر کشتہ شود ضرری بامور مسلمانان نمی رسد الی قولہ کہ از جواب او ساکت شدم و دیگر برگشتم وطومارے نوشتم وایں چہل و دو مسئلہ را نیز درج کردم کہ بخدمت حضرت امام حسن عسکری صلوات اللہ علیہ بفرستم باحمد بن اسحاق کہ وکیل آنحضرت بود در قم حوالہ او را طلب کردم گفتند متوجہ سر من رای ست من از عقب او روان شدم وباو رسیدم الی قولہ کہ بعد از آن حضرت صاحب الامر با عجاز فرمودہ کہ ای سعد خصم تو میگفت کہ حضرت رسول ابوبکرؓ را برای شفقت بغار برد چونکہ میدانست کہ او خلیفہ است مبادا کشتہ شود چرا در جواب نگفتی کہ شما روایت کردہ اید کہ پیغمبر فرمود کہ خلافت بعد از من سی سال خواہد بود وایں سی سال را بعمر چہار خلیفہ قسمت کردہ اید پس بگمان فاسد شما ایں چہار خلیفہ برحق اند پس اگر ایں معنی باعث بردن غار بود مناسب کہ ہمہ را با خود بغار برد۔ فقط اب کوئی شخص ان مجلسی کے مقلدین سے پوچھے کہ شیخ صدوق صاحب کی بناوٹ ہے یا ملا باقر مجلسی صاحب کی تہمت اس لئے کہ کسی اہل سنت نے اب تک یہ دعویٰ نہیں کیا کہ پیغمبر صاحب ابوبکر کو انکے مارے جانے کے خیال سے غار میں لیگئے اور حضرت علی کو چھوڑ گئے اور اگر یہ کہا جائے کہ مراد نواصب سے خارجی دشمن اہل سنت ہیں شاید انہوں نے یہ اعتراض کیا ہو تو وہ بھی بعید از قیاس ہے اسلئے کہ حضرت علی کو خلیفہ برحق نہیں جانتے تو یہ فرمانا امام صاحب الامر کا کہ تم چاروں خلیفوں کو برحق سمجھے ہو بے موقع اور غلط ہوا جاتا ہے اور امام صاحب کا باوجود ہونے عالم ماکان اور مایکون کے خوارج کے عقیدے سے بیخبر ہونا ثابت ہوتا ہے پس کوئی صاحب تقلید ان لائق کی اولاد اور احفاد اور مریدین سے پوچھے کہ بناوٹ سے کہتے ہیں جو ان کے شیخ صدوق مجلسی نے کی یا اسے کہتے ہیں جو خاتم المحدثین نے کی افسوس ان بیخبروں کے ۹ کہ اپنے گھر کے شوستری اور منتری کے افترا سے تو بیخبر ہیں اوروں پر طعنہ کرتے ہیں ۱۲ منہ عفا عنہ۔

ضمیر راجع طرف پیغمبر خدا کے ہے نہ ابوبکر صدیقؓ کے اسلئے اسکے یہ معنی ہیں کہ نازل کی تسلی اپنی خدا نے
پیغمبر کے جواب اس کا یہ ہے کہ حزن اور خوف تو ابوبکر صدیق کو تھا نہ کہ پیغمبر خدا کو پس اگر علیہ کی ضمیر راجع طرف
پیغمبر خدا کے ہو تو آیت کے یہ معنی ہونگے کہ جب ابوبکر صدیق کو خوف اور اضطراب ہوا تو پیغمبر نے انسے کہا کہ غم نہ کرو اللہ
ہمارے ساتھ ہے پس خدا نے اپنی تسلی پیغمبر پر نازل کی اس عبارت بے جوڑ اور بے ربط کو دیکھ کر کون شخص ہے جو نہ ہنسے گا اور کس
پر تعجب ہوگا کہ خوف اور اضطراب تو ابوبکر کو ہو اور پیغمبر خدا انکی تشفی کریں اور خدا کی تسلی
پیغمبر صاحب پر نازل ہو اگر حضرات امامیہ یہ فرماویں کہ پیغمبر خدا کو بھی خوف تھا اس لئے خدا
نے ان پر تسلی نازل کی اسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ حضرات امامیہ جب ابوبکر صدیق پر خوف
کے سبب سے طعنہ جبن و نامردی کا کرتے ہیں تو پھر اب اسی خوف کو کس منہ سے حضرت کی طرف
منسوب کرتے ہیں اور اگر ہم حضرت کا خائف ہونا تسلیم بھی کرلیں اور واسطے ازالہ خوف حضرت کے
تسلی کا نزول حضرت پر قبول کریں تو عبارت آیت کی لائق اصلاح معلوم ہوتی ہے یعنی بجائے
ان لفظوں کے جو خدا نے فرمائے کہ اذ یقول لصاحبہ لاتحزن ان اللہ معنا فانزل اللہ سکینتہ علیہ
اس طرح پر الفاظ آیت کے ہونے چاہئے تھے کہ (فانزل اللہ سکینتہ علیہ فقال لصاحبہ لاتحزن
کہ پہلے خدا نے اپنی تسلی حضرت پر نازل کی اور جب حضرت کو اطمینان کامل ہوگیا۔ تب
حضرت نے ابوبکر سے کہا کہ کچھ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے ورنہ آیت کے لفظوں سے تو یہ
معنی جو حضرات شیعہ کہتے ہیں نہیں بنتے اس لئے کہ پہلے الفاظ سے صاف یہ معنی ظاہر
ہیں کہ پیغمبر خدا نے ابوبکر کو محزون دیکھ کر فرمایا کہ لاتحزن ان اللہ معنا کہ کیوں محزون ہوتے
ہو خدا ہمارے ساتھ ہے پس حضرت کے اس کہنے سے خدا نے اپنی تسلی ابوبکر پر نازل کی اور
ان کا حزن و غم جاتا رہا پس اے یارو سوچو کہ آیت کے معنی اس طرح پر بنتے ہیں جو ہم کہتے
ہیں یا اس طرح پر جو تم کہتے ہو (دوسرا اعتراض) کہ اللہ جل شانہٗ کو ابوبکر صدیق پر تسلی
کرنا منظور ہوتا تو ضرور پیغمبر خدا کا ذکر کرکے ابوبکر کا ذکر کرتا اسلئے کہ خدا نے بغیر شرکت رسول
کے کبھی کسی پر تسلی نازل نہیں کی چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے اس تقریر کو در ضمن حکایت
مفید و شیخ مفید کے نہایت ہی آب و تاب سے لکھا ہے اور اس تقریر کو عسیر الجواب سمجھ کر یہ
فرمایا کہ (چوں ایں سخن را گوش ناصبان شنید باعث حیرت ایشان گردیدہ در حیلہ خلاصی از
جان ایشان بلب رسید) اور صاحب تقلیب المکائد نے اسکو اپنی کتاب میں بلفظ نقل کر

لہ جب یہ باتیں سنیوں کے کان میں پڑیں تو انکی حیرانی بڑھ گئی اور اس سے نجات پانے کیلئے ان کی جان لبوں پر آگئی۔ ۱۲ منہ

اس پر بڑا ہی ناز کیا ہے۔ چنانچہ ہم اس عبارت کو بلفظہ لکھتے ہیں اور اہلِ انصاف سے التماس کرتے ہیں کہ ذرا غور کریں کہ قاضی صاحب نے اپنی صدفِ طبیعت سے کیسے جھوٹے موتی نکال کر اپنے معتقدین کے نذر کیے ہیں اور وہ بھی ان کو گوہرِ گراں بہا سمجھ کر دُرّۃ التاج بنائے ہوئے ہیں کوئی آنکھ کھول کر نہیں دیکھتا کہ ان کے موتی جھوٹے ہیں یا سچے وہو ہٰذہ (آنچہ کاشف صحت بیان مذکور تواند بود آنست کہ متقدمان مشائخ بار رضوان اللہ علیہم افادہ فرمودہ اند کہ خدائے تعالیٰ ہرگز در ہیچ جائے کہ یکی از اہل ایمان با حضرت پیغمبر بودہ اند انزال سکینہ نمودہ الا آنکہ نزول آں را شامل جمیع ایشان داشتہ چنانچہ در بعضے آیات فرمودہ ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین ودر آیہ دیگر گفتہ فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ وعلی المومنین وچوں با آنحضرت غیر از ابوبکر در غار نبود لاجرم خدائے تعالیٰ آں حضرت را در نزول سکینہ منفرد ساخت وآں را بآں مخصوص گردانید وابوبکر را باو شرکت نداد وگفت فانزل اللہ سکینتہ علیہ وایدہ بجنود لم تروہا پس اگر ابوبکر مومن می بود بایستی کہ خدائے تعالیٰ دریں آیہ او را جاری مجری مومناں مے نمود ودر عموم سکینہ داخل می فرمود الی قولہ بنا بر آں نزول سکینہ مخصوص او شدہ باشد وابوبکر بواسطہ عدم ایمان از فضیلت سکینہ محروم ملخصہ باشد وایضاً نص قرآنی ابا دارد ازاں کہ در آیۂ غار سکینہ بر غیر رسول باشد) خلاصہ اس ساری تقریر کا یہ ہے کہ خدا نے جہاں تسلی مومنین پر نازل نہیں کی تو کیونکر ممکن ہے کہ غار میں پیغمبر صاحب کو چھوڑ کر فقط ابوبکر پر تسلی نازل کی ہو پس اس آیت سے ابوبکر کا عدم ایمان ثابت ہوا اس

لہ ہمارے بیان کی صحت کیلئے یہ اظہار کیا جا سکتا ہے کہ قدیم مشائخ نے ان آیات کیلئے فرمایا ہے۔ کہ رسول اللہ کے ساتھ جب کوئی مسلمان ہوا تو اللہ نے آپ پر سکینت نازل نہیں کیا۔ ورنہ یہ سب لوگ خطوط وحی میں شامل ہو جاتے۔ البتہ بعض آیات میں کہا ہے کہ جنگ حنین میں جب کفار کی کثرت سے تم تعجب میں تھے تو تم پر زمین تنگ کر دی گئی تم الٹے پاؤں لوٹ گئے پھر اس کے بعد اللہ نے رسول اکرم اور مومنین پر تسلی نازل کی۔ اور دوسری آیت میں کہا ہے کہ اللہ نے رسول اکرم اور مومنین پر تسلی نازل کی اور چونکہ رسول اللہ کے ساتھ غار میں ابوبکر ہی تھے اس لئے اللہ نے رسول اکرم پر انفرادی طور سے سکینہ نازل فرمایا اور آپ کو خاص طور پر تسلی دی ابوبکر کو اس سکینہ وسکون دہانی میں شریک نہیں کیا اور کہا اللہ نے آپ پر تسلی نازل کی اور آپ کی غیر مرئی لشکر کے ذریعہ مدد کی پس اگر ابوبکر مومن ہوتے تو اللہ ان کو دوسرے مسلمان کا قائم مقام بنا کر نزول سکینہ میں عمومیت دیتا۔ خلاصہ یہ کہ رسول اللہ کو خاص طور پہ تسلی دی گئی اور ابوبکر مومن نہ ہونے کی وجہ سے فضیلت سکینہ وتسلی سے محروم رہے اور غیر رسول پر غار میں آیت کا نازل ہونا احکام قرآنی کے بھی خلاف ہے۔

لئے کہ اگر وہ باایمان ہوتے تو بشمول پیغمبر کے ضرور خدا اُن پر بھی تسلی نازل کرتا لیکن یہ وہی قاضی صاحب اور اُن کے مشائخ کا کہنا کہ یہ امر خلاف نص قرآنی کے ہے کہ تسلی فقط مومنین پر خدا نازل نہیں کرتا محض غلط ہے کسی آیت سے صراحۃً کیا کنایۃً بھی تو یہ بات نہیں پائی جاتی کہ تسلی سوائے پیغمبر کے دوسرے پر تنہا نازل نہیں ہوتی اور اگر دو چار جگہ مومنین پر بشمول نبی و رسول کے تسلی نازل کرنے کا ذکر آیا ہے تو اس سے انکار نزول تسلی سے بلا شمول رسول کے مومنین پر لازم نہیں آتا پس اگر فرض کیا جائے کہ کسی جگہ قرآن مجید میں ذکر نزول سکینۃ کا فقط مومنین پر نہ ہوتا تب بھی یہ اعتراض درست نہ تھا نہ کہ خدا کے فضل سے نزول سکینۃ کا فقط مومنین پر بلا شمول رسول کے ہونا قرآن مجید میں مذکور ہے مگر حضرات امامیہ میں سلفاً عن خلف کوئی حافظ قرآن تو ہوا ہی نہیں اور شاید قاضی صاحب نے اور اُن کے مشائخ کرام نے از اول تا آخر قرآن مجید کو تمام عمر میں ایک مرتبہ دیکھا تک نہیں ورنہ اس زور شور سے انکار نہ کرتے اور اس شدومد کے ساتھ یہ نہ فرماتے کہ (خدائے تعالیٰ ہرگز در ہیچ جائے کہ یکی از اہل ایمان بے حضرت بودہ اند انزال سکینہ نہ نمودہ) چنانچہ اب ہم حضرات امامیہ کو نشان دیتے ہیں کہ نزول سکینۃ تنہا مومنین پر بلا شمول پیغمبر صاحب کے سورہ انا فتحنا میں دو مقام پر مذکور ہے اگر شک ہو تو قرآن مجید میں سے اس سورے کو نکال کر دیکھ لیں کہ اللہ جل شانہٗ پہلے رکوع میں فرماتا ہے هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ لِيَزْدَادُوا إِيمَانًا مَعَ إِيمَانِهِمْ اور پھر تیسرے رکوع میں ارشاد کرتا ہے کہ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ پس اے مومنین ذرا غور سے ان آیتوں کو پڑھو اور دس بیس قرآنوں کو ملاؤ کہ کسی میں یہ تو نہیں لکھا ہے کہ (ہو الذی نزل السکینۃ فی قلوب رسولہ و قلوب المؤمنین یا فانزل السکینۃ علی رسولہ و علیہم) اگر عرب سے عجم تک ہند سے ایران تک کسی قرآن میں علیٰ رسولہ کا لفظ ہو تو تم سچے تمہارے مجلسی سچے اور اگر کسی میں یہ لفظ نہ ہو اور ایران اور کوفے کے قرآنوں میں بھی فانزل السکینۃ علیہم لکھا ہو تو پھر تم ہی انصاف کرو کہ تم اور تمہارے قاضی اور ان کے مقتدمین و مشائخ جھوٹے ہیں یا سچے اے یارو افسوس کرنے کی بات ہے کہ صدہا برس گذر گئے کہ یہ مباحثہ ہو رہا ہے اور آج تک کسی نے سورۃ الفتح کو نکال کر بھی نہ دیکھا اور فانزل السکینۃ علیہم پر خیال نہ کیا اور اب تک انہیں قاضی صاحب کے جھوٹے قول پر ناز ہے اور اُن کی فضیلت و قابلیت پر افتخار ہے اور سب سے زیادہ افسوس اس پر ہے کہ حضرت امامیہ جن میں سے دو چار ہی ایسے شخص نکلیں گے جن کو قرآن کی سورتوں کے نام بھی یاد ہوں اور وہ ایک ہی ایسے

سے رسول اللہ کے ساتھ غار میں کوئی مسلمان ہو تو اس مقام پر اللہ نے سکینہ نازل نہیں فرمائی۔

ہوں گے جن کو انا انزلناہ اور قل ہو اللہ کے سوائے کلام اللہ کے دو چار رکوع حفظ ہوں ورنہ خدا
کے فضل سے سب کے سب قرآن شریف سے بےخبر کلام اللہ سے ناواقف اور با این ناواقفیت یہ شوخی
کہ اہلسنت وجماعت کے مقابلے میں قرآن شریف کی سند پیش کرتے ہیں جن کی زبان پر ایک ایک
لفظ قرآن مجید کا اور جن کے دل میں ایک ایک حرف کلام اللہ لکھا ہوا ہے پس یہ غلطی قاضی صاحب
اور اُن کے مشائخ کبار سے قرآن مجید کی ناواقفیت سے ہوئی ہے اس لئے ہم ان کو معذور سمجھتے
ہیں اور اُن کی غلطی سے درگذر کرتے ہیں (تیسرا اعتراض) کہ اگر ضمیر علیہ کی فانزل اللہ سکینتہ علیہ
میں راجع طرف ابوبکرؓ کے ہو تو تخلل فی الضمائر لازم آتا ہے اس لئے کہ پہلے جتنی ضمیریں اخرجہ اور
لصاحبہ وغیرہ میں ہیں وہ سب رسول کی طرف راجع ہیں اور پھر آگے جو ضمیر وایدہ میں ہے وہ بھی
راجع طرف پیغمبر کے تو کیونکر ممکن ہے کہ ضمیر علیہ کے بیچ میں راجع طرف ابوبکرؓ کے ہو جواب اس
کا یہ ہے کہ اول تو ضمیر کا عود چاہیے کہ اقرب مذکورات کی طرف ہو سو اس مقام پر ابوبکر ہیں اس
لئے کہ انہیں کی طرف لصاحبہ کا اشارہ ہے دوسرے تخلل ضمیر جب ہو کہ وایدہ عطف ہو فانزل
اللہ پر حالانکہ وایدہ عطف ہے فقد نصرہ اللہ پر پس تخلل ضمائر بھی واقع نہ ہوا تیسرے تخلل
فی الضمائر قرآن مجید میں اکثر جگہ ہے جیسا کہ اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ
میں ہے پس جو اعتراض نزول سکینتہ کا ابوبکرؓ پر تھا رد ہوا اور بفضلہ تعالیٰ نازل ہونا تسلی کا ابوبکر
صدیقؓ پر ثابت ہوا اور جو کچھ قاضی صاحب اور ملا صاحب اور اُن کے مشائخ اور متقدمین نے لکھا
پڑھا تھا وہ سب باطل ہوا اور اسکی بیہودگی اور سفاہت کا حال بھی سب پر کھل گیا اور نہ فقط
ہم اہلسنت ان اعتراضات کو بیہودہ سمجھتے ہیں بلکہ بعض حضرات امامیہ بھی کبھی کبھی شرما کے اقرار اس کے
سفاہت کا کرنے لگتے ہیں جیسا کہ صاحب مجمع البیان طبرسی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے (وقد
ذکرت الشیعة فی تخصیص النبی فی ہذہ الآیة بالسکینة کلاما رأینا الاضراب عن ذکرہ احری لئلا
ینسبنا ناسب الی شئ) کہ شیعوں نے اس آیت میں تسلی کو پیغمبر صاحب کیساتھ مخصوص ہونے پر
ایسی باتیں لکھی ہیں کہ ہم ان کا لکھنا ہی نامناسب سمجھتے ہیں تاکہ کوئی کہنے والا ہم کو بھی کچھ کہنے
نہ لگے پس علامہ کی ان لفظوں سے صاف ظاہر ہے کہ وہ باتیں جو شیعہ ذکر کرتے ہیں ایسی
پوچ اور بیہودہ ہیں کہ اُن کو بیان کرنے سے اُسے شرم آتی ہے غرض کہ اب اچھی طرح پر معلوم
ہوگیا کہ ان آیتوں سے وہ فضائل حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ثابت ہوتے ہیں جو اوپر ہم نے بیان کئے
ہیں اور جو اعتراضات شیعوں کے ہیں وہ بالکل پوچ اور بیہودہ ہیں اور سیاق آیت بھی اسی کو

شامل ہے اس لئے کہ اگر ان آیتوں میں ابوبکرؓ صدیق کے ذکر کرنے سے اُنکی رفاقت اور نصرت کا بیان منظور نہ ہوتا تو یہ کوئی موقع اُن کے اظہار کا نہ تھا کہ یہ بات خود حضرات امامیہ جانتے ہیں اور دل میں سمجھتے ہیں مگر صرف اپنے مذہب کے تعصب کے سبب سے ایسی صریح اور صاف آیت سے انکار کرتے ہیں اور باوجود کھل جانے امرِ حق کے فضیلت افضل الصحابہ کا اقرار نہیں فرماتے ہیں اور اپنے آپ کو ایسی آیات کے انکار سے مستحق جہنم بناتے ہیں (نعوذ باللہ من شرور انفسہم و من سیئات اعمالہم)

ائمہ کرام کی شہادت میں صحابہؓ کی فضیلت پر

پہلی حدیث: شیعوں کی کتابوں میں بروایت ائمہ کرام علیہم السلام منقول ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا (اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم) کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کے ہیں اُن میں سے جس کسی کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے اور نیز حضرت نے فرمایا ہے کہ (دعوالی اصحابی) کہ میرے اصحاب کو میرے لئے چھوڑ دو یعنی میرے حقوق صحبت کی اُن کے حق میں رعایت کرو اور اُن کی عیب جوئی نہ کرو ان دونوں حدیثوں میں سے پچھلی حدیث کی صحت لفظاً و معناً علماء امامیہ کے نزدیک مسلم ہے اور صاحب استقصار الافحام نے بھی اُس کو قبول کیا ہے لیکن پہلی حدیث کی نسبت کچھ کلام ہے اس لئے ہم پچھلی حدیث کی نسبت صرف یہی کہتے ہیں کہ جب اس کی صحت پر اقرار ہے تو کیا وجہ ہے کہ اس پر عمل نہیں کرتے اور جو پیغمبر صاحب نے اپنے اصحاب کے حق میں فرمایا اُس کو نہیں مانتے کیوں حقوق صحبت پیغمبر کی اُن کے حق میں رعایت نہیں کرتے اور کس لئے اُنکی عیب جوئی سے باز نہیں آتے اور کس واسطے باوجود سفارش پیغمبر صاحب کے ان کی دشمنی ترک نہیں کرتے اور پہلی حدیث (اصحابی کالنجوم) کی نسبت ہم اقوال ائمہ کرام کو امامیہ کی کتابوں سے نقل کر کے اس کی صحت ثابت کرتے ہیں اور علمائے امامیہ نے جو تاویلات اور تحریفات لفظی و معنوی کئے ہیں اُن کو ظاہر کر کے اس کا بطلان ثابت کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ عیون اخبار میں جو معتمدین کتب امامیہ سے لکھا ہے کہ (حدثنا الحاکم ابو علی الحسن بن احمد البیہقی قال حدثنا محمد بن یحییٰ الصولی قال حدثنا محمد بن موسیٰ بن نصر الرازی قال حدثنی ابی قال سئل الرضا علیہ السلام عن قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم و عن قولہ دعوالی اصحابی فقال ہذا صحیح) کہ ایک شخص نے امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ چھوڑو میرے واسطے میرے یاروں کو امام موصوف نے جواب دیا کہ یہ صحیح ہے اس روایت سے ثابت ہوا کہ حدیث اصحابی کالنجوم جن لفظوں سے کتب اہل سنت میں

منقول ہے انہیں لفظوں سے کتب امامیہ میں مذکور ہے اور امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی زبان سے اس کی صحت پر علمائے امامیہ کو اقرار ہے اور نہ صرف اسی ایک روایت سے اس کا ثبوت ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی روایتیں مؤیداس کی کتب امامیہ میں موجود ہیں کہ بعد ملاحظہ ان کے کسی شیعی کی یہ مجال نہیں کہ اس حدیث کی صحت سے انکار کر سکے یا اس کو موضوع کہہ سکے یا اس کو خبر احاد کہہ کر اپنا پیچھا چھڑا لے اس لئے کہ شیخ صدوق نے معانی الاخبار میں اور علامہ طبرسی نے احتجاج میں اور ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اور ملا حیدر آملی اثنا عشری نے جامع الاسرار میں اس حدیث کے مضمون کی صحت پر اقرار کیا ہے پس تعجب ہے علمائے متقدمین امامیہ پر کہ جب تک علمائے اہلسنت نے اس حدیث کو خود ان کی کتابوں سے نکال کر نہ دکھلا دیا اور اسکی صحت کو امام کے قول سے ثابت نہ کر دیا تب تک انہوں نے اس حدیث کی صحت پر کیا شور وغل مچایا اور اس کی موضوعیت اور بطلان کے اثبات میں دفتر کے دفتر سیاہ کئے یہاں تک کہ قاضی نور اللہ شوشتری نے کس شد ومد سے احقاق الحق میں فرمایا ہے کہ (اما ما رواہ من حدیث اصحابی کالنجوم ففیہ من آثار الوضع والبطلان ما لا یخفی) کہ اس حدیث کی موضوعیت کا دعویٰ اس شد ومد کے ساتھ کرتے ہیں وہ خود ہماری حدیث کی کتابوں میں منقول ہے اور جس کے بطلان کا الزام اہل سنت پر لگاتے ہیں وہ بروایت ائمہ کرام ہمارے اصول کے موافق ثابت ہے ہاں اتنا فرق ہے کہ سنی بیچاروں کے راوی ضعفا اور مجاہیل ہیں اور خود مابدولت کے یہاں راوی کرام ہیں پس اگر سنیوں کے طور پر روایت کی ہوئی حدیث کو غلط کہہ دیا یا خود سنیوں نے اپنے طور پر راویان احادیث کو ضعیف تصور کیا تو کچھ حرج نہیں اگر قاضی صاحب نے یا اور کسی صاحب نے اس حدیث کو موضوع بتلایا اور باوجود تصدیق امام موسیٰ رضا علیہ السلام کے اس کو جھٹلایا تو اُس نے اپنا دین ہی غارت کیا اور امام کی تکذیب کر کے اپنے آپ کو دائرہ ایمان سے خارج کیا اب ہم ان تحریفات کو بیان کرتے ہیں جو علمائے امامیہ نے اس حدیث کی نسبت کی ہیں عیون اخبار میں جو حدیث ہم نے اصحابی کالنجوم نقل کی ہے اس میں بعد ان الفاظ کے یہ عبارت بڑھائی ہے[1] (یرید من لم یغیر بعدہ ولم یبدل) کہ مراد ان اصحاب سے جو حدیث میں مذکور ہیں وہ ہیں جنہوں نے کچھ تغیر وتبدیل نہیں کی پوچھنے والے نے امام سے پوچھا کہ یا حضرت ہم کیونکر جانیں گے

---

[1] یرید من لم یغیر بعدہ ولم یبدل قیل وکیف نعلم انہم قد غیروا وبدلوا قال لما یروونہ من انہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لیذادن رجال من اصحابی یوم القیامۃ عن حوضی کما تذاد غرائب الابل عن الماء فاقول یا رب اصحابی اصحابی فیقال لک انک لا تدری ما احدثوا بعدک فیؤخذ بہم ذات الشمال فاقول بعدا لہم وسحقا افتری ہذا لمن لم یغیر ولم یبدل ۱ منہ ۱۲۔

کہ اصحاب نے کچھ تغیر و تبدیل کی ہے تب انہوں نے جواب دیا کہ خود پیغمبر صاحب کی حدیث موجود ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ کچھ لوگ میرے اصحاب سے قیامت کے دن حوض سے علیحدہ کر لئے جائیں گے تب میں کہوں گا کہ خدایا یہ میرے اصحاب ہیں تب اللہ جل شانہٗ فرماویگا کہ تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے پیچھے کیا کیا اور وہ دوزخ کی طرف کھینچ لئے جاویں گے تب میں کہوں گا کہ دور ہو دفع ہو اُن الفاظ کے بڑھانے سے غرض یہ ہے کہ بعض اصحاب بسبب ارتداد کے حدیث کے مصداق سے خارج ہوئے اور خود حضرات امامیہ کا اقرار ہے کہ اصحاب مقبولین حدیث حوض کے مصداق سے مستثنیٰ ہیں جیسا کہ صاحب استقصاء الافحام نے بجواب منتہی الکلام کے مسلک ثانی کے ایک مقام پر اس کا اقرار کیا ہے وہذہ عبارتہ (کہ ہرگز حدیث حوض برآنہا منطبق نمی تواند شد) اور اس امر کو کہ خلفاء راشدین اور انصار و مہاجرین اصحاب مقبولین تھے ہم اسی حدیث کی بحث میں فصل ارتداد صحابہ میں ثابت کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ ولو فرضنا کہ بعض اصحاب مقبولین مغیرین و مبدلین ہیں ہوں لیکن تاہم اکثر اصحاب کی نسبت اس حدیث کا مضمون صادق آتا ہے اس لئے کہ افصح الفصحا ابلغ البلغا علیہ التحیۃ والثنا نے ایسا لفظ تشبیہ میں صحابہ کے بیان فرمایا ہے کہ جسطرح پر وہ فضیلت پر دال ہے اسی طرح پر کثرت پر یعنی لفظ نجوم پس حضرت کا یہ فرمانا کہ میرے اصحاب مثل ستاروں کی مثال کو معدودے چند کے حق میں وارد نہیں سمجھ سکتا وسلمنا کہ بہت ہی تھوڑے بلکہ دو تین ہی اصحاب پر جو ارتداد سے بچ گئے یہ حدیث منطبق ہوئے تب بھی یہ عقیدہ امامیہ کا کہ اقتدا صرف اہل بیت کی واجب ہے اور دوسرے کی ناجائز باطل ہوتا ہے اور اقتدا جو کہ مخصوص اہل بیت کے دے ہے اُس میں دو چار کا شریک ہونا ثابت ہوتا ہے (لم یقل به[۱] احد منہم) غرضکہ جب حضرات امامیہ نے سوچا کہ یہ عبارت بھی بیکار ہوئی اور اس نے بھی دار و گیر اہل سنت سے نہ بچایا تب اس کو چھوڑ اور دوسرے طور پر تاویل کو کام فرمایا اور یہ دعویٰ کیا کہ مراد اصحاب سے اہل بیت ہیں جیسا کہ صاحب استقصاء الافحام نے بجواب منتہی الکلام کے فرمایا ہے (مراد از اصحاب در حدیث اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم اہل بیت علیہم السلام اند) لیکن ہم اس دعویٰ کو چند دلیلوں سے باطل کرتے ہیں۔

دلیل اوّل

اصحاب کے لفظ سے اہل بیت مراد لینا داد تحریف دینا ہے اسلئے کہ عرفاً اصحاب کا اطلاق یار دوستوں پر اور اہل بیت کا گھر والوں پر ہوتا ہے شرعاً اصحاب سے مراد پیغمبر پر ایمان لانیوالے

---

[۱] ان میں سے کوئی اس کا قائل نہیں ہے ۱۲

اور رفقا لئے جاتے ہیں اور اہل بیت سے گھر والے اور بنی فاطمہ سمجھے جاتے ہیں بلکہ احادیث نبوی اور اقوال ائمہ اطہار سے یہ ظاہر ہے کہ دونوں لفظوں کے مصداق دو فریق علیحدہ علیحدہ ہیں جہاں یاران پیغمبر کی شان میں کوئی حدیث یا قول ہے وہاں لفظ اصحاب کا آیا ہے اور جہاں خاندان نبوی اور ائمہ اطہار کا ذکر ہے وہاں لفظ اہل بیت اور عترت کا چنانچہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے، کہ (انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی) یا مثل اہلبیتی کسفینۃ نوح) یا امام زین العابدین نے اپنی دعا میں جو صحیفہ کاملہ میں مذکور ہے فرمایا ہے کہ (اللھم واصحاب محمد خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ الخ) اگر لفظ اصحاب یاران پیغمبر کے لئے مخصوص نہ ہوتا اور اس کا استعمال اہل بیت اور عترت کی نسبت بھی ہوتا تو کیوں ان احادیث میں الفاظ اہل بیت اور عترت کی تخصیص کی جاتی اور کس لئے پیغمبر خدا حدیث انی تارک فیکم الثقلین میں بجائے کتاب اللہ وعترتی کے کتاب اللہ واصحابی نہ فرماتے اور حدیث مثل اہلبیتی کسفینۃ نوح میں مثل اصحابی کسفینۃ نوح ارشاد نہ کرتے اور کس واسطے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت فاطمہ کے گھر جاتے تو (السلام علیکم اہل البیت) فرماتے اور سلام علیکم یا اصحابی نہ کہتے غرضکہ احادیث نبوی اور اقوال ائمہ اطہار سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب اور اہلبیت کے لفظ کو اوسی میں دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے اور دونوں کے مصداق دو فریق ہو گئے اصحاب کا اطلاق یاروں دوستوں پر اور اہلبیت کا استعمال گھر والوں پر ہوتا رہا اور اب تک خواص اور عوام دونوں فریق کے ویسا ہی استعمال کرتے ہیں پس نہایت تعجب کی بات ہے کہ صدہا احادیث اور ہزارہا اقوال میں تو اصحاب کا لفظ یاران پیغمبر پر اور اہل بیت کا لفظ گھر والوں پر استعمال کیا جائے اور کسی حدیث کے قول میں تو اصحاب کے لفظ سے اہل بیت اور اہل بیت کے لفظ سے اصحاب مراد نہ لے اور صرف ایک حدیث اصحابی کالنجوم میں خلاف بتا دید اعیان اور مخالف محاورے عادت کے اصحاب کے معنی اہل بیت کے لئے جائیں اور پھر بھی ایسے معنی بنانے والے اپنے آپ کو مصداق یحرفون الکلم عن مواضعہ کا نہ سمجھیں۔ اے حضرت ذرا تو انصاف کرو کہ اگر کوئی سنی بیچارہ اپنی زبان سے نکالے کہ اہلبیت میں ازواج مطہرات بھی داخل ہیں اور مثل اہلبیتی کسفینۃ نوح کے مصداق میں وہ بھی شامل ہیں اور آیہ تطہیر میں جو لفظ اہل بیت مذکور ہے اس سے پیغمبر کی ازواج مطہرات مراد ہیں بلکہ مراد لینا بیکطرف وہ بھی شامل ہیں تو دیکھو کہ تمہارے ملا کیسا شور و غل مچاتے ہیں قیامت برپا کرتے ہیں آسمان زمین کو ملاتے ہیں نوحہ و فریاد کی آواز عرش تک پہنچاتے ہیں کہنے والے کو خارجی اور ناصبی اور دشمن اہل بیت کا بتلاتے ہیں

اور باآنکہ اہل بیت سے ازواج مراد لینا ٹھیک محاورے کے موافق ہے اُس پر تحریف کا الزام لگاتے ہیں اور خود جب اصحاب سے مراد اہل بیت اور یار اور رفیق کے لفظ کو بھائی اور آل و اولاد کی نسبت استعمال کرتے ہیں تو کچھ بھی نہیں شرماتے شرمانا کیسا ایسی سمجھ پر ناز کرتے ہیں ایسے جوابوں پر سر افتخار بلند کرتے ہیں پس ایسی سمجھ کا کیا علاج اور ایسے جواب کا کیا جواب ؎ شعر

ایں سبزہ وایں چشمہ وایں لالہ وایں گل   آں شرح ندارد کہ بگفتار در آید

پس ہر شخص جو ذرا بھی انصاف اور سمجھ کو دخل دے یقین کریگا کہ اگر پیغمبر صاحب اس حدیث کو اہل بیت کی شان میں فرماتے تو صاف لفظ اہل بیت کا ارشاد کرتے اور بجائے اصحابی کالنجوم کے اہل بیتی کالنجوم فرماتے ہاں شاید حضرات شیعہ یہ جواب دیں کہ پیغمبر صاحب نے معاذ اللہ تقیے کو دخل دیا اور اصحاب کے خوش کرنے کو لفظ اصحابی فرمایا اور جب گھر میں آئے اور اہل بیت نے شکایت کی تب آپ نے اُن سے یہ فرما دیا ہو کہ مراد اصحاب سے تم ہو۔

دُوسری دَلیل

اگرہم لفظ اصحاب سے اہل بیت کے معنی مراد لینے پر کچھ داروگیر امامیہ کی نہ کریں اور اُن کی اس تحریف معنوی کو تسلیم بھی کرلیں تب بھی موافق اُن کے عقیدے کے یہ حدیث شان میں اہل بیت کے صادق نہیں آتی اس لئے کہ اہل بیت کا اطلاق دوازدہ امام پر ہوتا ہے اور اصحاب کا اطلاق صرف انہیں لوگوں پر جو حضرت کی صحبت میں رہے اور سوائے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے اور نو امام پیغمبر صاحب کے پیچھے پیدا ہوئے پس یہ ظاہر ہے کہ نو اماموں پر لفظ اصحاب کا صادق نہ ہوگا تو حدیث اصحابی کالنجوم میں سے سوائے حضرت علی اور حسنین علیہم السلام کے اور سب ائمہ کرام خارج ہوجائیں گے اور وہ نجوم کی تشبیہ سے مستثنیٰ کردیے جائیں گے اور اُن کی اقتدا باعث ہدایت نہ سمجھی جائے گی (نعوذ باللہ من ذالک) کون مسلمان ہے کہ ایسی بات زبان پر لائے گا اور ائمہ کرام کی نسبت ایسا خیال کریگا پس ثابت ہوا کہ مراد اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں ورنہ پیغمبر صاحب ضرور لفظ اہلبیت کا فرماتے اور بجائے اصحابی کالنجوم کے اہل بیتی کالنجوم ارشاد کرتے تاکہ کوئی امام اُس کے مصداق سے خارج نہ ہوتا ہاں ممکن ہے کہ حضرات شیعہ یہ جواب دیں کہ

---

۱ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ تعریف صحابی بنا بر اظہر اقوال آنست کہ ملاقات نمودہ باشد با پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم در حالتیکہ ایمان بدو آوردہ باشد ۱۲

امام جو پیغمبر صاحب کے روبرو پیدا نہیں ہوئے اگرچہ باعتبار عالم اجسام لفظ اصحاب کے مصداق سے خارج ہیں مگر بلحاظ عالم ارواح کے اصحاب میں داخل ہیں ۔

تیسری دلیل

جو عبارت (من لم یغیر بعدہ) کی اس حدیث کے آگے زیادہ لکھی ہے اس نے اس تاویل کا دروازہ بند کر دیا اور لفظ اصحاب سے اہل بیت کے معنی لینے کو منع کر دیا اسلئے کہ حضرات نے تو یہ خیال کیا کہ اگر اور کچھ الفاظ اس حدیث کے آگے نہ بڑھائے جاویں گے اور فقط بذا صحیح کہہ کر یہ حدیث ختم کر دی جاوے گی تو سنیوں کی دار و گیر سے نجات نہ ملے گی اور حدیث اصحابی کالنجوم کی صحت سنکر وہ جان آفت میں ڈال دیں گے اس لئے یہ الفاظ امام صاحب کی طرف سے بڑھا دیئے کہ مراد اصحاب سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کچھ تغیر و تبدیل دین میں نہیں کی اور جو مرتد نہیں ہوئے اور جو دوزخ کی طرف نہ کھینچے جائیں گے اور جن سے پیغمبر خدا بیزاری اپنی ظاہر نہ کریں گے پس ان الفاظ سے ہمارا نقصان تو کچھ نہ ہوا اس لئے کہ ہم بھی ایسے تغیر و تبدیل کرنے والوں کو اور مرتد ہو جانے والوں کو اس حدیث کے مصداق سے خارج سمجھتے ہیں اور خلفائے راشدین اور انصار و مہاجرین کو گو ہزار طرح پر امامیہ مرتدین میں شامل کرنا چاہیں وہ شامل نہیں ہو سکتے کہ اسکا بیان تفصیلی بحث ارتداد صحابہ میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ لیکن ان الفاظ سے ہم کو بہت ہی فائدہ ہوا اور حضرات امامیہ کی تاویل و تحریف کا حال اس سے کھل گیا اسلئے کہ اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو خیر کسی نہ کسی طرح پر وہ اپنا دل خوش کر سکتے تھے اور اصحاب سے مراد اہل بیت لے سکتے تھے لیکن ان لفظوں نے مجبور کر دیا کہ وہ کسی طور سے اصحاب سے اہل بیت مراد نہیں لے سکتے اس لئے کہ اگر حدیث اصحابی کالنجوم میں مراد اصحاب سے اہل بیت ہوں تو جو الفاظ (من لم یغیر بعدہ) کے آگے بیان کئے گئے ہیں وہ بھی ان کی شان میں وارد ہوں گے تو معاذ اللہ معنی اس کے مطابق قول شیعوں کے یہ ہوں گے کہ وہی اہل بیت مثل ستاروں کے ہیں جنہوں نے دین میں تغیر و تبدیل نہیں کی (و نقل کفر کفر نباشد) جو مرتد نہیں پس کس منہ سے اس حدیث کو شان میں اہل بیت کی کہیں گے اور کس طرح اہل بیت نبوی پر تہمت تغیر و ارتداد کی لگا دیں گے غرض ان الفاظ نے امامیہ کی تحریف کو ثابت کر دیا اور ان کی تاویل کا دروازہ بند کر دیا۔ سبحان اللہ کیا قدرت خدا کی ہے کہ جن الفاظ سے ہم پر الزام دیا چاہتے تھے ان سے خود ہی ملزم ہو گئے اور جو عبارت

ہمارے قائل کرنے کیلئے بڑھائی تھی اُس سے خود قائل ہو گئے ؎ شعر

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد — خمیر مایۂ دوکان شیشہ گر سنگ است

جب علمائے امامیہ نے دیکھا کہ یہ دعویٰ بھی ثابت نہیں ہوتا اور اس حدیث میں اصحاب کے لفظ سے اہل بیت کے معنی نہیں بنتے تب مجبور ہو کر حدیث اصحابی کالنجوم کی صحت سے انکار کیا اور اس کے عدم صحت کا دعویٰ کر کے اپنا پیچھا چھوڑانا چاہا مگر ہزار شکر اس پر ہے کہ الفاظ حدیث سے انکار نہیں کیا اور اُس عبارت کو جو اُوپر ہم نے نقل کی ہے نہیں جھٹلایا بلکہ صرف تاویل اور تحریف معنوی کا کام فرمایا ہے اور فقط شبہات اور احتمالات سے اُس کی صحت سے انکار کیا ہے چنانچہ صاحب استقصار الافحام نے جواب میں منتہی الکلام کے لکھا ہے کہ اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ دو حدیثوں کی نسبت سائل نے سوال کیا ایک حدیث اصحابی کالنجوم کی نسبت دوسری حدیث دعوالی اصحابی کی نسبت اور امام موسیٰ رضا علیہ السلام نے ہذا صحیح اسکے جواب میں فرمایا پس یہ جواب صرف حدیث آخیر کی نسبت ہے نہ حدیث اول کی نسبت کما قال[1] (از ملاحظہ ایں حدیث شریف ظاہر ست کہ آنچہ مخاطب در ترجمہ آن گفتہ کہ امام رضا علیہ السلام حکم بصحت ایں ہر دو حدیث نمودہ غیر صحیح ست زیرا کہ ہرگز تصریح بصحت ہر دو حدیث درین روایت صراحتہ کہ مدلول کلام وست مذکور نیست بلکہ لفظ ہذا صحیح مذکور ست و جائز ست کہ آن متعلق بہر دو حدیث نباشد اخیر ست بیان فرمودہ) اس جواب باصواب میں تین خطائیں ہیں (اول) خود مجیب اس جواب کو یقینیاً بیان نہیں فرماتا اور جائز ست اور محتمل ست بجائے واجب است یقین ست کے استعمال کرتا ہے اور احتمال اور شک سے اس حدیث کے جس کی صحت میں بقول امام کچھ شک نہیں تکذیب فرماتا ہے۔ (دوسرے) یہ احتمال بھی فقط احتمال ہی احتمال ہے اسلئے کہ جب سائل نے دو حدیثوں کی نسبت استفسار کیا اور امام نے ہذا صحیح کہہ کر جواب دیا تو یقیناً یہ امر ثابت ہوا کہ حضرت امام نے سائل کے قول کی تصدیق کی اور اس کا قول دو حدیثوں کی نسبت تھا اس سے دونوں کی صحت ثابت ہوئی رہا یہ احتمال کہ اگر امام دونوں حدیثوں کی صحت تسلیم کرتے تو ہذان صحیحان فرماتے یہ قابل لحاظ کے نہیں

---

[1] اس حدیث کے ملاحظہ سے ظاہر ہے جو مخاطب نے اپنے ترجمہ میں لکھا ہے کہ امام موسیٰ رضا نے ان دونوں احادیث کی صحت کا حکم دیا ہے یہ ترجمہ و مطلب غلط ہے۔ کیونکہ مدلول کلام سے ان دونوں احادیث کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ آپ کا ہذا صحیح کہنا تحریر ہے اور یہی ممکن ہے کہ یہ لفظ دونوں احادیث کے لئے ہو بلکہ یہی ممکن ہے کہ اگرچہ سائل نے دونوں احادیث کے بارے میں سوال کیا مگر آپ نے اخیر سے متعلق ہذا صحیح فرمایا۔ ۱۲

ہے اس لئے کہ مقصود سائل کا واحد تھا یعنی قول نسبت مدح صاحبہ کے تو حرف اشارہ واحد کا مقصود واحد کی نسبت استعمال کرنا خلاف محاورہ نہیں ہے (تیسرے) سائل نے دو حدیثوں کی نسبت استفسار کیا اور امام نے فقط ہذا صحیح فرمایا اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ یہ جواب دوسری ہی حدیث کی نسبت ہے تو پہلی حدیث کا جواب کیا ہے کیا یہ کسی کے خیال میں آتا ہے کہ سائل دو حدیثوں کی نسبت سوال کرے اور امام ایک ہی کی نسبت جواب دیں اور دوسری کی نسبت لا و نعم کچھ بھی نہ فرمادیں اور اس کی صحت اور عدم صحت کی نسبت کچھ بھی زبان مبارک سے ارشاد نہ کریں اور ایک مجمل لفظ کہہ کر سائل کو حیرت میں ڈالیں شاید حضرات امامیہ یہ جواب دیں کہ ائمہ کی شان یہی ہے کبھی کسی کو جواب صاف نہ دیں اور تقیے کو کسی حالت میں نہ چھوڑیں اور ہمیشہ گول بات کے سوا کچھ ارشاد نہ فرمادیں خدا کے واسطے ذرا انصاف کرنا چاہیئے کہ جس سائل نے امام سے سوال نسبت دو حدیثوں کے کیا جب اس کے جواب میں امام نے ہذا صحیح فرمایا تو وہ کیا سمجھا ہوگا دونوں حدیث کی نسبت یا ایک ہی حدیث کی نسبت اگر وہ ایک ہی حدیث کی نسبت سمجھتا تو یا امام کی اُن لفظوں کا یہی مطلب ہوگا یا معاذ اللہ امام نے اس کو جان بوجھ کر مجمل لفظ کہہ کر دھوکے میں ڈالا ہوگا لیکن اگر ہم اس روایت میں امام کی تصدیق بہ نسبت دوسری ہی حدیث کے سمجھیں تو بھی حضرات شیعہ کی جان نہیں بچتی اس لئے کہ قطع نظر اس روایت اور اس کتاب کے اور روایتوں سے بھی صحت مضمون حدیث اصحابی کالنجوم کی ہوتی ہے پس اگر علمائے امامیہ اس روایت میں اس حدیث کی تکذیب کریں تو اور احادیث کو کیا کریں گے اور کہاں تک ائمہ کرام کے قولوں کو جھٹلادیں گے چنانچہ اب ہم اس حدیث کی صحت دوسرے طریق سے ثابت کرتے ہیں ملا حیدر آملی اثنا عشری نے جامع الاستفسار میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (انا کالشمس و علی کالقمر و اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم) کہ مثل سورج کے ہوں اور علی مثل چاند کے اور میرے اصحاب مثل ستاروں کے جن کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے معلوم نہیں کہ اس حدیث کو دیکھ کر کیسا اشعلۂ جاں سوز علمائے امامیہ کے سینے سے نکلے گا اور خبر نہیں کہ یہ شرارہ ان کے خرمن عقل و خرد کو کیسا جلا دے گا ہاں اس کی بھی تاویل کریں گے کہ مراد اصحاب سے اہل بیت ہیں اس کا جواب ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اور اب بھی بیان کرتے ہیں لیکن قبل جواب دینے کے ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ جب اس حدیث کی صحت ثابت ہوگئی، تو مضمون اخبار ہیں جو امام موسیٰ رضا کے جواب سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے اس کا کس منہ

سے انکار کریں گے اور جو عبارت زائد (من لم یغیر بعدہ) اس روایت میں ہے کہ اس کو شان میں اہل بیت کی کیونکر صادق سمجھیں گے اب اس تاویل کو جو اس حدیث کی نسبت ہے غور سے سنئے کہ جو تقریر اس علامہ اثنا عشری نے کی ہے وہ اس امر پر دال ہے کہ مراد اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں اسلئے کہ اوپر اس حدیث کے یہ بیان ہے کہ نبوت مثل نور آفتاب کے ہے، اور امامت مانند چاند کی روشنی کے اور علم علما کا مانند چمک ستاروں کے و ہذہ عبارتہ بلفظہ و ورد فی اصطلاح القوم تسمیۃ الولایۃ بالشمسیۃ والقمریۃ والمراد بہا ولایۃ النبی وولایۃ الولی ونسبۃ العلما الیہما نسبۃ النجوم الی القمر والشمس الی قولہ فکذلک لایکون للعلماء قدرۃ ولا ظہور مع وجود الاوصیاء وانوارہم من حیث الولایۃ ویؤید ذلک کلہ ما اشار الیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقولہ انا کالشمس وعلی کالقمر واصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم) پس ظاہر ہے کہ ائمہ کرام اوصیا میں داخل ہیں نہ علما میں اور تمثیل نجوم کی علماء پر صادق ہے نہ اوصیا پر تو اس علامہ کی تقریر سے ظاہر ہوا کہ حدیث اصحابی کالنجوم میں اصحاب سے مراد اہل بیت نہیں ہیں بلکہ علما ہیں اور اس سے ہمارے دونوں مطلب ثابت ہوگئے کہ یہ حدیث صحیح ہے اور مراد لفظ اصحاب سے اہل بیت نہیں ہیں اگر اس روایت پر سیری نہ ہوئی ہو اور حضرات امامیہ کو اپنے اور بزرگوں کی تصدیق سننے کی خواہش ہو تو اور بھی سنیں اور تیسرے طریق سے اس حدیث کے مضمون کی صحت پر سند لیں شیخ صدوق نے معانی الاخبار میں لکھا ہے کہ (حدثنا محمد بن الحسن احمد الولید رحمہ اللہ قال حدثنا محمد بن الحسن الصفار

ؔ اس حدیث کے مذکور ہونے سے کتب امامیہ میں جو صدمہ حضرات امامیہ کو ہے اس کا بیان نہیں ہو سکتا چنانچہ جو تحریریں ایام منشی سبحان علی خان صاحب اور ان کے دینی بھائی نورالدین کے ہوئی ہیں وہ اس پر شاہد ہیں ہم انتخاب اس کا یہ رسالۃ المکاتیب فی رویۃ العجائب الغرائب مطبوعہ ۱۲۶۰ھ سے نقل کرتے ہیں وہو ہذہ۔ انتخاب خط سبحان علی خان بنام مولوی نورالدین منقول از صفحہ ۱۰۔ رسالۃ المکاتیب چنانچہ اہل بے پایان از دیدن سند حدیث اصحابی کالنجوم وہ طریق شیعہ و تحریر خدام ہدایت بر داشتہ بود تعدد فی گردید کہ چگونہ وچسان سند بہیدا کردہ ہر گاہ سند چنین احادیث در طریق شیعہ یافتہ شود باز سر را بکدام سنگ توان زد جواب از مولوی نورالدین منقول صفحہ ۱۲۱۔ ایضاً حیرت او تشویش سامی از بہم رسانیدن سند حدیث نجوم کہ نامسب دل اتفاق افتادہ بجائے خود ست طالب حقیر در بعضے از مجلدات بحار دیدہ بودم کہ بعضے از مسترشدین نوشتہ اند کہ حقیقت انیست کہ ایں حدیث از جعلیات اولو است تحریف لفظے ودران ماہ نیافتہ آمدے تو اصحاب تحریف معنوی مبادرت کردہ اند کہ ایں حدیث را بہ اہل رست فرود آوردند و در بہ مقالات حیران و سرگرداں ماندند وندیافتند کہ حضرت خاتم المرسلین کسے را نجوم ہدایت فرمودہ اند کہ حال شان در زمان سعادت توامان آنحضرت وبعد از وفات شریف بر ہمچو واضح بود کسانیکہ مصداق آں سوم تم کفر و اثم ازداد و کلار گردیدند الی قولہ و بندہ راہم تحت کردہ خصوص

عن الحسن بن موسیٰ الخشاب عن غیاث بن کلوب عن اسحٰق ابن عمار عن جعفر بن محمد عن آبائہ علیہم السلام قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما وجدتم فی کتاب اللہ عزوجل فالعمل لکم بہ لا عذر لکم فی ترکہ وما لم یکن فی کتاب اللہ عزوجل وکانت فیہ السنۃ منی فلا عذر لکم فی ترک سنتی وما لم یکن سنۃ منی فما قال اصحابی فقولوا بہ انما مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایہا اخذ اہتدی بای اقاویل اصحابی اخذتم اہتدیتم واختلاف اصحابی لکم رحمۃ) یعنی امام جعفر صادق نے فرمایا کہ فرمایا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو پاؤ تم خدا کی کتاب میں اس پر عمل کرو کوئی عذر تمکو اس کے ترک پر نہیں ہو سکتا اور جو کچھ میرے اصحاب نے کہا ہو کیونکہ میرے اصحاب تمہارے بیچ میں ایسے ہیں جیسے کہ ستارے جس طرح پر جس کسی ستارے کو کوئی لے راہ پر پہنچ جائے گا اسی طرح پر میرے اصحاب ہیں جس کسی قول کو میرے اصحاب کے تم لے لوگے ہدایت پاؤگے ۔ اور میرے اصحاب کا اختلاف تمہارے واسطے رحمت ہے اس حدیث کی صحت میں کسی کو کلام نہیں اس لئے کہ علامہ طبرسی نے احتجاج میں اور ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اس کی تصدیق کی ہے پس یہ حدیث معناً مطابق حدیث سابق کے ہے بلکہ اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کا فقرہ اور زیادہ ہے پس انکار حدیث سابق سے جو عیون اخبار میں مذکور ہے تکذیب امام موسیٰ رضا کی ثابت ہوتی ہے لیکن اگر ہم اس حدیث کو جو عیون اخبار میں مذکور ہے کان لم یکن سمجھیں اور اس حدیث کو جو معانی الاخبار سے ہم نے نقل کی صحیح جانیں تب بھی مطلب ہمارا فوت نہیں ہوتا اس لئے کہ جو الفاظ اس حدیث کے ہیں وہ بھی موید ہمارے قول کے ہیں ، باقی رہی تاویل وتحریف علمائے امامیہ کی اسکی نسبت بھی ہم بحث کرتے ہیں اور جو کچھ تاویلات انہوں نے کئے ہیں اس کو ظاہر کرتے ہیں ۔ واضح ہو کہ شیخ صدوق نے اس حدیث کو جس طرح اوپر ہم نے

ابن حاشیہ امر است ہر آنکہ جب کہ امر باقتدار فلاں وفلاں لازم آید بلکہ حیرت از آنست کہ بعد اطلاع است بدو حدیث عظیم القدر یعنی قرآن و عترت ارشاد یعنی کہ اصحاب من مثل ابوذر و سلمان و مقداد و ابن مسعود نجوم ہدایت اند ہر کہ اقتدا کند بسلامتی و نجات خواہد یافت دست کوتاہ بدیدہ شد چہ محل النجستہ باشد مزید حیرت آنکہ بعضے از علمائی گویند کہ طرو البیت اند وحدیث بعضے از اخبار و آثار کہ [illegible] الشیخ ابن بابویہ غالبا در حجیہ نقل کردہ تشبث دارند و بصورت قطع نظر از این مخالف مذکور حدیث اول ہم سعادت [illegible] شود والا اینکہ این بزرگان قائل [illegible] شیخ [illegible] یکے معاذ اللہ حال اہل بیت ہم مانند اصحاب بود کہ بعضے براہ احادیث [illegible] رفتند و بعضے بہ راہ خواہش و مسخ ماندند ولم ینقل بما حالی قولہ لہذا حیرت بندہ در [illegible] نسبت بہ حیرت جناب منافی خواہم بود سنت بیعت الاسلام کہ گفتہ دست کلام ہم میانیم [illegible] تعجب بہ جگر غلام ہر جائے خود ست بمقتضائے بشریت نیست گفت

[illegible] ۱۲ ۔

نقل کیا لکھ کر یہ الفاظ اور بڑھا دیئے ہیں (فقیل یا رسول اللہ من اصحابک قال اہلبیتی) کہ جب حضرت
پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اصحاب میرے مثل ستاروں کے ہیں اور اُن کا اختلاف رحمت ہے تب پوچھنے
والے نے پوچھا کہ یا حضرت آپ کے اصحاب کون ہیں حضرت نے جواب دیا میرے اہل بیت انہیں الفاظ
پر صاحب استقصاء نے اپنے جواب کو جو حدیث سابق کی نسبت ہے استدلال کیا ہے اور حدیث
سابق کا ان لفظوں سے جواب دیا ہے[1] (پس اگر در حدیث عیون جواب آنحضرت متعلق بہر دو حدیث
باشد و معنائش آن باشد کہ ازیں حدیث نجوم ہم مراد اصحاب اند مخالفت و منافقت با حدیث معانی الاخبار
وامثال آن لازم می آید لہٰذا بالبداہت قطعاً ثابت شد کہ جواب امام رضا علیہ السلام متعلق بہر دو حدیث
نیست بلکہ آنحضرت فقط حال حدیث و عوالی اصحابی بیان فرمودہ و تفسیر آن باصحابیکہ متغیر و متبدل نہ
شدند نمودہ زنگ شبہہ از خاطر اہل ایمان زدودہ) لیکن اس جواب میں بھی چند نقص ہیں (اول) ہم
اس عبارت زائد کو صحیح نہیں سمجھتے اور اس کو تحریف شیخ صدوق کی جانتے ہیں کہ حضرت نے اپنے
مذہب کے موافق یہ الفاظ بڑھا دیئے ہیں اور یہ صرف ہم اپنی بدظنی سے نہیں کہتے اور ہم شیخ صدوق
پر تہمت نہیں لگاتے بلکہ خود انہیں کے علماء اُن کی نسبت ایسا خیال کرتے ہیں اور اُن کو تحریف
کے فن میں استاد جانتے ہیں اگر کسی کو شک ہو تو وہ ملا باقر مجلسی کی بحار الانوار کو دیکھے کہ ملائے
موصوف نے شیخ صدوق کی نسبت کیا فرمایا ہے ایک حدیث میں جو ابی بصیر سے الفاظ شارہ باشا کے
معنی میں منقول ہے صدوق صاحب نے تحریف کی اور الفاظ حدیث کو کم زیادہ کر دیا اور جن لفظوں سے
کافی میں منقول تھے نقل نہ کیا اُس پر ملا باقر مجلسی نے یہ الفاظ شان میں حضرت کے لکھے ہیں اقول
الخبر ماخوذ من الکافی وفیہ تغیرات عجیبۃ تورث سوء الظن بالصدوق وانہ انما فعل ذلک لیوافق
مذہب اہل العدل وفی الکافی ہکذا الخ) کہ یہ خبر کافی سے لی گئی ہے اور اس میں عجیب تغیر و تبدل اس
لئے کی ہے کہ اہل عدل کے مذہب کے موافق ہو جائے اور الفاظ حدیث کافی کے اس طرح پر ہیں
فقط اس کو لکھ کر ملا مجلسی نے الفاظ حدیث کافی کے نقل کئے ہیں پس باقرار ملا باقر مجلسی کے ثابت
ہوا کہ حضرت شیخ صدوق ذرا ذرا بات پر الفاظ حدیث کے بدل دیتے تھے اور واسطے موافق کرنے سا[illegible]

---

[1] اگر در حدیث عیون" میں آنحضرت کا جواب دونوں احادیث سے متعلق ہوتا تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ حدیث عیون میں نجوم سے بھی صحابہ
مراد ہیں اور یہ حدیث معانی الاخبار کے مخالف و متضاد ہے۔ اس لئے یہ اتنا ثابت ہوا کہ امام موسیٰ رضا کا جواب دونوں احادیث سے
متعلق نہیں ہے بلکہ آپ نے حدیث "عوالی اصحابی" بیان فرمائی اور اس سے وہ اصحاب مراد لئے جنہیں تغیر و تبدل نہیں ہوا [illegible]
یہ بیان کر کے آپ نے مومنوں کے دل پر زنگ کے شبہات کے بجائے صیقل فرما دی۔

اپنے مذہب کے اماموں کی احادیث میں تغیر و تبدل کر دیا کرتے تھے پس اگر اس حدیث میں جس سے صحابہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے اور جس کی صحت سے کل مذہب ہی باطل ہوا جاتا ہے کچھ الفاظ زائد کر دیئے ہوں تو کیا عجب ہے بلکہ یقین کرنا چاہیئے کہ ضرور انہوں نے آخیر فقرہ بڑھا دیا ہے اور کیوں نہ بڑھاتے اسلئے کہ اگر حدیث کو انہیں لفظوں پر ختم کر دیتے اور اصحاب کا پیغمبر صاحب کی زبان سے مثل ستاروں کے ہونا اور ان کی اقتدار کرنا تسلیم کر لیتے تو پھر اپنے مذہب کو کس طرح بچاتے اس لئے ہم بھی ملا باقر مجلسی صاحب کے ساتھ اتفاق کرتے ہیں اور حضرت شیخ صدوق کے حق میں اس حدیث میں الفاظ زائد کرنے کی نسبت وہی الفاظ کہتے ہیں کہ (انما فعل ذلک لیوافق مذہب اہل العدل) لیکن اگر کسی کو اس پر اطمینان نہ ہو اور باوجود اقرار ملا مجلسی کے صدوق کی تحریف و تغیر پر یقین نہ آئے تو ہم چند دلیلوں سے ثابت کرتے ہیں کہ الفاظ (فقیل یا رسول اللہ من اصحابک فقال اہل بیتی) بڑھائے ہوئے ہیں۔

پہلی دلیل :- مولوی علی بخش خان صاحب بہادر اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں کہ اصحابی کا لفظ معما تھا یا پہیلی اور چیستان تھی کہ جس کے پوچھنے کی ضرورت ہوتی اور سننے والا نہ سمجھتا اور الفاظ من اصحابک استفسار کرتا پس یہ سوال خود اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اپنی طرف سے بڑھایا ہے۔

دوسری دلیل :- اس حدیث سے اختلاف اصحاب کا ثابت ہوتا ہے اور موافق اصول شیعوں کے اہل بیت مراد لینا جائز ہوگا اور اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کے فقرے کے کیا معنی ہوں گے؟ چنانچہ خود اسی حدیث میں بعد ان الفاظ کے جو ہم نے نقل کئے شیخ صدوق صاحب یہ فرماتے ہیں کہ (قال محمد بن علی مولف ہذا الکتاب ان اہل بیت علیہم السلام لا یختلفون ولکن یفتون الشیعۃ بمر الحق وانما افتوہم بالتقیۃ فما یختلف من قولہم فہو التقیۃ والتقیۃ رحمۃ للشیعۃ) کہ مولف اس کتاب کا کہتا ہے کہ اہلبیت علیہم السلام تو کچھ اختلاف نہیں کرتے بلکہ اپنے شیعوں کو صحیح فتوی دیتے ہیں البتہ کبھی کبھی کوئی فتوی تقیے سے بھی کر دیتے ہیں پس اختلاف سے مراد تقیہ ہے اور تقیہ شیعوں کے حق میں رحمت ہے۔ اگرچہ صدوق اور ان کے پیرو اس جواب پر ناز کریں مگر کوئی اہل عقل اس جواب کو پسند نہ کرے گا اس لئے کہ تقیے کے معنی ہیں سچی بات کو بسبب خوف کے چھپانا اور جھوٹے کو ظاہر کرنا پس حضرات امامیہ کے سوائے دوسرا کون ہے جو جھوٹ بولنے کو رحمت سمجھے گا اور اختلاف اصحابی لکم رحمۃ کے حدیث کو تقیے پر محمول کرے گا۔ لیکن اگر ہم اختلاف کو تقیے پر منحصر سمجھیں تو گویا حدیث کے یہ معنی ہوئے کہ میرے اہل بیت کے جس قول پر کوئی عمل کریگا وہ ہدایت پائے گا اگرچہ وہ قول باہم مختلف

ہوں اور ایک دوسرے سے مخالف ہوں اس لئے کہ اختلاف میرے اہل بیت کا رحمت ہے فقط اور
یہ ظاہر ہے کہ ہزارہا احادیث اور اقوال اماموں کے ایسے ہیں کہ جنکو اہل سنت ملنتے ہیں اور حضرات
امامیہ اُن کو تقیہ پر محمول کرتے ہیں لیکن جب تقیہ رحمت میں شمار کیا گیا تو سنیوں کا اُن اقوال پر
عمل کرنا جو اماموں نے براہ تقیہ کے فرمائے عین ہدایت ٹھہرا ورنہ اگر تقیہ کے قولوں پر عمل کرنیوالے
خطا پر ہوں اور گمراہ ٹھہرائے جاویں تو پھر معنی ان الفاظ کے کہ (بای اقاویل اصحابی اخذتم اہتدیتم
واختلاف اصحابی لکم رحمۃ) کے کیا معنی ہوں گے اور کوئی یہ نہ خیال کرے کہ ائمہ کرام نے جو اقوال
اور احکام براہ تقیہ کے فرمائے ہیں وہ مجمل اور مشترک المعنی نہیں ہیں بلکہ نہایت صاف اور صریح
ہیں اور یہ بھی کوئی نہ سمجھے کہ انہوں نے وقت کہنے ان اقوال اور دینے ان احکام کے اس کا خیال
نہیں کیا کہ پوچھنے والا اور سننے والا گمراہ ہوگا بلکہ جان بوجھ کر سوچ سمجھ کر اُن[1] اقوال کو فرمایا ہے
کہ پوچھنے والا اُس پر یقین کرے اور کسی طرح پر اُس کو اس قول کی صداقت میں شبہ نہ رہے جیسا
کہ علمائے امامیہ نے اس کو خود بیان کیا ہے چنانچہ میر باقر داماد نبراس الضیا میں فرماتے ہیں
کہ جو فتوے ائمہ کرام نے موافق قاعدہ تقیہ کے دیئے ہیں کہ اُن سے غرض تعلیم ہے تا کہ اسکا جواز
بیان کیا جائے کہ وقت ضرورت کے اُس پر عمل کیا جاوے اور با امید اسکے کہ مومنین کو حق بات
بتلا ہی دی گئی ہے اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو ایسے پوچھنے والے نے پوچھے کہ اپنے
باطل مذہب پر فریفتہ تھا اور اپنے دین کج پر اعلےٰ درجے کا غلو رکھتا تھا تو ایسے شخص کو ائمہ کرام
نے اسی کے دین و مذہب کے موافق فتوے دیدیئے اسلئے کہ نہ اسکی ہدایت پانے کی اُمید تھی نہ راہ
راست پر آنے کا یقین تھا پس جب اماموں نے خود دیدہ و دانستہ پوچھنے والے کو فتویٰ اس کے
دین و مذہب کے موافق بتلا دیا تو گو وہ فتویٰ مخالف اور روایتوں کے ہو لیکن بہ نسبت (اختلاف
اصحابی لکم رحمۃ) کے پوچھنے والے کے حق میں رحمت ہو گیا اور بمقتضائے حدیث عیون اخبار
کی تکذیب پر یہ دلیل بیان کی ہے کہ اگر وہ حدیث صحیح ہوتے تو مخالفت دوسری حدیث سے
جو معانی اخبار میں مذکور ہے لازم آتی ہے یہ دلیل بالکل پوچ ہے اس لئے کہ اگر عبارت زائد
پر جو شیخ صدوق نے بڑھا دی ہے لحاظ نہ کیا جائے تو دونوں حدیثوں کا مضمون موافق ہوتا ہے
نہ مخالف اس لئے کہ عیون اخبار کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں (اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم)
اور معانی اخبار کی حدیث کے یہ الفاظ ہیں (ان مثل اصحابی فیکم کمثل النجوم بایہا اخذ اہتدی) بایہم

[1] اصل عبارت اس کتاب کی بحث تقیہ میں منقول ہو گی ۱۲

نہیں جانتے کہ دونوں حدیثیں باعتبار معنی کے کیونکر مخالف ہیں باقی رہی بحث عبارت زائد (فقیل یارسول اللہ من اصحابک) کے اس کو ہم تحریف شیخ صدوق کی سمجھتے ہیں اور اسکے دلائل ہم اوپر بیان کر چکے ہیں پس اگر ہم تسلیم کریں کہ جو حدیث اصحابی کالنجوم کو امام موسیٰ رضا نے موضوع اور غیر صحیح فرمایا تو جب اس کی صحت امام باقر علیہ السلام کے بیان سے ہوتی ہے تو ایک امام کے قول سے دوسرے امام کی تکذیب لازم آتی ہے ہاں اگر معانی اخبار کی حدیث سے یہ ثابت ہوتا کہ حدیث اصحابی کالنجوم معناً موضوع اور غلط ہے تو ہم صاحب استقصا کے جواب کو ان کے اصول کے مطابق تسلیم کر لیتے لیکن جب اس سے بھی اس کی صحت ثابت ہوتی ہے تو ہم نہایت تعجب کرتے ہیں کہ مؤلف موصوف نے حدیث معانی اخبار کے بیان کرنے میں سوائے اس کے کہ حدیث اصحابی کالنجوم کی صحت کو ایک دوسرے امام کے قول سے ثابت کر دیا کہ کیا فائدہ اپنے واسطے تصور کیا تھا علاوہ بریں غور کرنے کی بات ہے کہ اگر پوچھنے والا یہ سوال نہ کرتا کہ اصحاب سے مراد کون لوگ ہیں تو یہ کسی کو نہ معلوم ہوتا کہ اصحاب سے مراد اہل بیت ہیں پس کیونکر قیاس میں آوے کہ اگر پیغمبر خدا یہ حدیث شان میں اہل بیت کی فرماتے تو وہ ایسا لفظ استعمال کرتے جس کا اطلاق عرفاً اہل بیت پر نہ ہوتا اور کیونکر عقل قبول کرے کہ اصحاب کے لفظ کو سائل نہ سمجھا ہوگا اور ان سے اس کے معنی حضرت سے پوچھے ہوں گے اس لئے کہ ہم اکثر احادیث میں دیکھتے ہیں کہ لفظ اصحاب کا آیا ہے اور پھر کسی ایک میں بھی ایسا سوال نہیں دیکھتے مثلاً حدیث (دعوالی اصحابی) کو دیکھنا چاہیئے کہ خود صاحب استقصا اس کو صحیح بتلاتے ہیں اور امام موسیٰ رضا کی تصدیق کو اسی پر ختم کرتے ہیں تو اس کے بعد یہ عبارت نہیں ہے (فقیل من اصحابک) تو کیونکر ہم جانیں کہ کبھی کسی شخص نے اصحاب کے لفظ کو پیغمبر صاحب سے سن کر اس کے معنی نہ سمجھا اور بدول اس کی شرح دریافت کرنے کے سامع سے نہ رہا گیا وغیرہ (مما یضحک علیہ الصبیان) (پنجمیں دلیل)

اگر ہم اس عبارت زائد کو جو معانی اخبار کی حدیث میں ہے موافق قول صدوق کے تسلیم بھی کریں اور عیون اخبار کی حدیث کو معانی اخبار کی حدیث سے مخالف ہونا بھی قبول کریں تب بھی صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں مخالفت ہے یہ کیا ضرور ہے کہ عیون اخبار کی حدیث کو غلط ٹھہرا دیں بلکہ ٹھہرانے کی ضرورت ہی نہیں ہے نقطہ اخیر کا جا بجا فقرہ دور کرکے دونوں حدیثوں کا اختلاف رفع کر دیں علاوہ بریں ہم کو صاحب استقصا کے اس امر پر نہایت تعجب آتا ہے کہ وہ اختلاف کے سبب سے ایک حدیث کو غلط ٹھہراتے ہیں اسلئے کہ حضرت محدثین اور علماء نے ایسی احادیث اور اقوال نہیں بیان کئے کہ جنکے اختلاف پر تعجب

متقدمین اور ائمہ کرام اسی کا افسوس کرتے رہے مجتہدین متاخرین اسی غم میں مر گئے اور احادیث کا اختلاف رفع نہ کر سکے پس جب اختلاف درجۂ غایت پر پہنچ گیا ہو اور باوجود مساعی جمیلہ متقدمین کے اس کا رفع ہونا محالات میں سے ٹھہر گیا ہو تو ایک دو حدیث کے اختلاف پر کیوں اس قدر افسوس ہے تعجب ہے صاحب استقصا کی ذات سے کہ حضرت نے اپنے امام اعظم طوسی کا قول ملاحظہ نہیں فرمایا کہ جس میں اقرار کیا کہ فقط کتاب تہذیب میں پانچ ہزار سے زیادہ حدیثیں ہیں جو باہم متعارض اور متناقض ہیں اور جن کا تعارض ہزار تاویل اور تحریف معنوی سے چھپانا چاہا اور نہ چھپ سکا چنانچہ ان کے امام اعظم کی تقریر جو صاحب فوائد مدنیہ نے نقل کی ہے یہ ہے۔

(وقد ذکرت ما ورد عنہم علیہم السلام من الاحادیث المختلفۃ التی تختص الفقہ فی کتاب المعروف بالاستبصار وفی کتاب تہذیب الاحکام ما یزید علی خمسۃ آلاف حدیث وقد ذکرت فی اکثرہا اختلاف الطائفۃ فی العمل بہا وذلک اشہر من ان یخفی) اور یہ نہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ اختلاف صرف راویوں کے سبب سے ہے بلکہ حضرات امامیہ اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ اختلاف خود ائمہ کی طرف سے ہے چنانچہ ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں لکھا ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ کوئی شی سخت زیادہ ہم پر اس سے نہیں ہے کہ ہمارے آپس میں بڑا اختلاف ہے تب امام نے جواب دیا کہ یہ اختلاف میری طرف سے ہے[1] اور اسی میں بروایت زرارہ کے لکھا ہے کہ اس نے امام باقر علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچھا حضرت امام نے اس کو کچھ جواب دیا اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا اور اس نے بھی وہی مسئلہ پوچھا اس کو برخلاف پہلے جواب کے جواب دیا کہ پھر تیسرا شخص آیا اس کو دونوں جوابوں کے برخلاف جواب دیا جب وہ دونوں آدمی چلے گئے تب میں نے کہا یا ابن رسول اللہ اس کا کیا سبب ہے کہ دو آدمی اہل عراق سے آئے اور وہ دونوں آپ کے شیعوں میں سے تھے اور آپ نے دونوں کو جواب ایک دوسرے سے خلاف دیا ہے امام نے فرمایا کہ یہی ہمارے حق میں بہتر ہے اور اسی میں ہماری تمہاری خیریت ہے اگر اس میں تم سب مختلف نہ ہو اور ایک بات پر متفق ہو جاؤ تو لوگ تم کو نہ چھوڑیں اور ہم تم زندہ نہ رہنے پاویں اور پھر زرارہ کہتا ہے کہ جب امام جعفر صادق سے اس امر کو میں نے پوچھا تو انہوں نے بھی اپنے پدر بزرگوار کے موافق جواب دیا[2] اور یہ کوئی نہ سمجھے کہ فقط ایک مسئلے میں دو تین ہی مختلف

---

[1] وہذہ عبارۃ عن محمد ابن بشیر وحریز عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال قلت لہ انہ لیس شئ اشد علی من اختلاف اصحابنا قال ذلک من قبلی ۱۲۔ [2] وہذہ عبارۃ عن زرارۃ عن ابی جعفر قال سالتہ عن مسئلۃ فاجابنی قال ثم جاء رجل

بقیہ صفحہ ۹۹ پر

احکام ائمہ کرام دیا کرتے تھے بلکہ ستر تک نوبت پہنچتی تھی جیسا کہ بحار الانوار میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ امام موصوف فرماتے ہیں کہ میں ایک بات میں ستر پہلو رکھتا ہوں جس سے چاہوں نکل جاؤں غرضکہ ان اختلافات کو کوئی کہاں تک بیان کرے جس کو اس باغ کی بہار دیکھنا ہو وہ (باب کتمان الدین عن غیر اہلہ) کو بحار الانوار سے نکال کر ذرا سیر کرے پس جبکہ اختلاف احادیث کا یہ حال ہو اور خود حضرات ائمہ ایک بات میں ستر بات پیدا کرتے ہوں اور ایک وقت میں ایک سوال کے جواب میں اپنے مطمئن شیعوں کو ایسے مختلف جواب دیتے ہوں جنمیں سے ایک کو دوسرے سے نسبت نہ ہو اور اسی میں اپنی اور اپنے شیعوں کی خیریت سمجھے ہوں تو پھر صاحب استقصار دو حدیثوں کے اختلاف پر کیوں تعجب کرتے ہیں اور کس لئے اُن کی تطبیق کی فکر فرماتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ اختلاف اُن منافقوں اور جھوٹوں نے کیا ہے جنکو ائمہ اپنے پاس آنے نہ دیتے تھے اور وہ ائمہ کو بدنام کرتے تھے اور اپنی طرف سے حدیثیں اور باتیں بنا کر اُن کی طرف منسوب کرتے تھے اور ائمہ کرام اُن سے بیزاری ظاہر کرتے تھے اور اُن پر لعنت کرتے تھے اور ان کو کاذب اور ملعون کہتے تھے اور وہ اپنی جھوٹی بنائی ہوئی باتوں کو ائمہ کی طرف منسوب کرتے تھے اور اس امر کو ہم آئندہ شیعوں کی کتابوں سے ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

دوسری شہادت ، صحیفۂ کاملہ میں جس کا ایک ایک لفظ حضرات امامیہ کے نزدیک صحت اور اعتبار میں کم از الفاظ قرآنی نہیں ہے لکھا ہے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اصحاب اور ان کے تابعین کی نسبت ان لفظوں سے دعا کرتے تھے (اللّٰھم و اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ والذین ابلوا البلاء الحسن فی نصرہ[1] الخ کہ خداوندا رحمت نازل کر اوپر اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص

(بقیہ حاشیہ) فسالہ عنہا فاجابہ بخلاف ما اجابنی و اجاب صاحبی فلما خرج الرجلان قلت یا ابن رسول اللہ رجلان من اہل العراق من شیعتک قدما یسئلان فاجبت کل واحد منہما بغیر ما اجبت بہ الآخر فقال یا زرارۃ ان ہذا خیر لنا وابقی لنا ولکم ولو اجتمعتم علی امر واحد لقصدکم الناس ولکان اقل لبقائنا وبقائکم فقلت لابی عبد اللہ شیعتکم لو حملتموہم علی الاسنۃ وعلی النار لمضوا وہم یخرجون من عندکم مختلفین قال فسکت فاعدت علیہ ثلث مرات فاجابنی بمثل جواب ابیہ ۱۲ [2] وہذہ الفاظ عن ابی عبد اللہ قال انی لاتکلم علی سبعین وجہا لی فی کلہا المخرج ۱۲

[1] ولا نفوہ واسرعوا الی وفادتہ وسابقوا الی دعوتہ واستجابوا لہ حیث اسمعہم حجۃ رسالاتہ وفارقوا الازواج والاولاد فی اظہار کلمتہ وقاتلوا الآباء والابناء فی تثبیت نبوتہ وانتصروا بہ ومن کانوا منطوین علی محبتہ یرجون تجارۃ لن تبور فی مودتہ والذین ہجرتہم العشائر

کرا اُوپر ان اصحاب کے جنہوں نے حق صحبت نہایت خوبی سے ادا کیا اور جنہوں نے سب طرح کی مصیبتوں اور ایذاؤں کو اس کی اعانت میں گوارا کیا اور جنہوں نے مل کر اس کی مدد میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا اور جنہوں نے اس کی رسالت کے قبول کرنے میں بڑی جلدی کی اور اس کی دعوت کی اجابت میں سبقت کی جب ان کو پیغمبر خدا نے اپنی پیغمبری کی حجتیں بتائیں انہوں نے بلا توقف قبول کیا اور اُن کے کلمے کے ظاہر کرنے میں اپنے لڑکے بالوں جورو بچوں کو چھوڑا اور اُن کی نبوت کے ثابت کرنے میں اپنے باپ اور بیٹوں کو قتل کیا جب انہوں نے پیغمبر کا دامن پکڑا تو اُن کے کنبے قبیلے کے لوگوں نے ان کو چھوڑ دیا اور جب وہ پیغمبر کے قرابت کے سائے میں آئے تب اُن کے رشتہ داروں نے اُن سے رشتہ توڑ دیا پس خدایا مت بھولنا تو اُن باتوں کو جو پیغمبر کے اصحاب نے تیرے واسطے اور تیرے پیچھے چھوڑا اور راضی کر دینا اُن کو تو اپنی رضامندی سے اسلئے کہ انہوں نے خلق کو تیری طرف جمع کر دیا اور تیرے پیمبر کے ساتھ دعوت اسلام کا حق ادا کیا الٰہی وہ شکر کرنے کے لائق ہیں کہ انہوں نے اپنی قوم اور کنبے کے گھر اور اپنے وطن کو تیرے پیچھے چھوڑا اور عیش و آرام کو ترک کر کے ضیق معاش کو تیرے لئے اختیار کیا اور خداوند اُن کے تابعین کو جزائے خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں کہ پروردگار ہماری مغفرت کر اور ہمارے اُن بھائیوں کی جو ہم میں سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں کیسے تابعین جو اُن اصحاب کی چال پر چلتے ہیں اور اُن کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور اُن کی ہدایت کی نشانیوں کی اقتدا کرتے ہیں جن کو کوئی شک اُن کی نصرت میں نہیں ہوتا اور جن کے دل میں کوئی شبہ اُن کے آثار کی پیروی میں نہیں آتا کیسے تابعین جو معاون اور مددگار اصحاب کے ہیں اور جو اتباع دین اُن کے دین کے موافق رکھتے ہیں اور جو اُن کی ہدایت کے مطابق ہدایت پاتے ہیں اور اصحاب سے اتفاق رکھتے ہیں اور جو کچھ اصحاب نے اُن کو پہنچایا اس میں اُن پر کچھ تہمت

(بقیہ حاشیہ) اذ تعلقوا بعروتہ وانتفت منہم القرابات اذ سکنوا فی ظل قرابتہ فلا تنس لہم اللہم ما ترکوا لک وفیک وارضہم من رضوانک وبما حاشوا الخلق علیک وکانوا مع رسولک دعاۃ لک الیک واشکرہم علی ہجرہم فیک دیار قومہم وخروجہم من سعۃ المعاش الی ضیقہ ومن کثرت فی اعزاز دینک من مظلومہم اللہم واوصل الی التابعین لہم باحسان الذین یقولون ربنا اغفرلنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان خیر جزائک الذین قصدوا سمتہم وتحروا وجہتہم ومضوا علی شاکلتہم لم یثنہم ریب فی بصیرتہم ولم یختلجہم شک فی قفو آثارہم والائتمام بہدایۃ منارہم مکانفین وموازرین لہم یدینون بدینہم ویہتدون بہدیہم یتفقون علیہم ولا یتہمونہم فیما ادوا الیہم اللہم وصل علی التابعین من یومنا ہذا الی یوم الدین وعلی ازواجہم وعلی ذریاتہم ۱۲

نہیں کرتے ہیں اور خدایا رحمت نازل کر اُن اصحاب کی تبعیت کرنے والوں پر آج کے دن سے جس میں ہم ہیں قیامت تک اور اُن کی ازواج اور ذریات پر فقط۔ اے مسلمانو اس دعا کی لفظوں پر خیال کرو اور اُن کے معنی غور سے سوچو اور سمجھو کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے دعا میں کن لفظوں سے پیغمبر صاحب کے اصحاب کو یاد فرمایا اور ان کے محامد اور اوصاف کو کس خوبی سے بیان کیا ہے اور اُن کی کوششوں اور مصیبتوں کو جو راہِ خدا میں اٹھائیں کس طرح پر ظاہر کیا ہے اور اُن کے حق میں کس سوزِ دل سے دُعا فرمائی ہے کون شخص ہے کہ جو دعویٰ ایمان اور اسلام کا رکھتا ہو وہ بعد سننے اس دُعا کے پھر صحابہ کی فضیلت میں شک کرے گا اور کون آدمی ہے کہ جو ائمہ کرام کی امامت کو اصول دین سے سمجھتا ہوگا اور ان کے قول اور فعل پر عمل کرنیکا دعویٰ رکھتا ہوگا وہ امام کی زبان سے ایسی تعریفیں صحابہ کی سنکر اُن کا معتقد نہ ہوگا پوشیدہ نہ رہے کہ جب ہم صحابہ کے فضائل میں احادیث اور اقوال کو اپنی کتابوں سے نقل کرتے ہیں تو حضرات اُنکو موضوع اور غلط کہہ دیتے ہیں اور جب اُن کی کتابوں سے ائمہ اکرام کے اقوال کو سند لاتے ہیں تو اس کو تقیے پر محمول فرمادیتے ہیں لیکن یہ دُعا صحیفہ کاملہ کی ایسی ہے کہ جس پر احتمال تقیے کا بھی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ یہ وہ دعا ہے جو امام زین العابدینؑ مناجات میں بوقت خلوت حالتِ خاص میں خدا سے کیا کرتے تھے اور راز و نیاز کے وقت اصحاب رسول کی تعریفیں خدا کے رُوبرو کر کے اُن پر درود بھیجا کرتے تھے اور اُن کی کوششوں اور مصیبتوں کو جو خدا کی راہ میں اٹھائیں بیان کر کے خدا سے اُن کے لئے طلب رحمت کیا کرتے تھے پس اسوقت نہ کسی کا خوف تھا نہ کسی سے اندیشہ کہ جس سے ضرورت تقیہ کرنے کی ہوتی پس اس دُعا میں احتمال تقیہ کی بھی گنجائش باقی نہیں رہی اور امام کی زبان سے اعلیٰ درجہ کی تعریف اصحاب رسول کی ثابت ہوگئی پس حضرات امامیہ کو چاہیئے کہ اوّل سے آخر تک اس دُعا کو دیکھیں اور لفظ لفظ پر غور فرمادیں اور انصاف کریں کہ جب امام علیہ السلام مناجات میں ایسی ستائش اصحاب کی کریں اور ان کی تابعین کے حق میں دعائے خیر فرمادیں اور بالفاظ (وارضھم من رضوانک واشکرھم علیٰ ہجرھم فیک) اُن کے لئے دعا رضوان کے طالب ہوں اور اُن کے مصائب اور تکالیف کو ذریعہ رضوان الٰہی کا جانیں اور اُن کو باعث ترقی دین اسلام کا فرماویں اور پھر بھی ائمہ کی اطاعت کے دعویٰ کرنے والے اور اپنے آپ کو قدم بقدم ائمہ کے طریقوں پر چلنے والے اپنے آپ کو امامیہ کہنے والے برخلاف اس

کے اصحاب رسول کی برائیاں بیان کریں اور اُن کی ہجو و مذمت کو شعائر دین سے ٹھہرا دیں اور ان کی عیب جوئی میں شب و روز صرف اوقات کریں اور ان کے محامد و اوصاف سے اغماض کر کے مطاعن کے اظہار میں مصروف رہیں اور بجائے دعائے خیر اور طلب رحمت کے ان کے حق میں بددعا کرنے کو عبادت جانیں اور اُن کی پیروی کو ذریعہ ضلالت و گمراہی کا سمجھیں اور جو کوئی ان کی چال پر چلنا چاہے اس کو دائرہ اسلام سے خارج جانیں اور جو کوئی اُن پر تہمت کرے اور اُن سے دشمنی رکھے اس کو بڑا مومن پاک تصور کریں معلوم نہیں کہ ان حضرات کی اصطلاح میں محبت اور ایمان کے کیا معنی ہیں اور عداوت اور کفر کا کیا مطلب ہے اہلسنت جو ائمہ کرام کے اقوال و افعال پر عمل کریں وہ خارجی اور ناصبی کہلاویں اور حضرات شیعہ جو ان کے اقوال و افعال سے مخالفت رکھیں وہ امامیہ اور دوست اہل بیت کے ٹھہریں (فاعتبروا یا اولی الابصار ان ہذا لشیٔ عجیب) جاننا چاہیے کہ اس دعا سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

(اول) امام کا اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا اور اُن پر درود بھیجنا اور ان کے حق میں گمان نیک رکھنا (دوسرے) اُن اصحاب کا سب سے افضل ہونا جو سب سے اول ایمان لائے اور اصحاب رسول کا خدا کی راہ میں ایذائیں اور مصیبتیں اٹھانا اور خدا کے لئے گھر بار چھوڑ کر ہجرت کرنا اور پیغمبر کے پیچھے اُن کے قریب اور رشتے داروں کا اُن سے قرابت اور رشتہ چھوڑ دینا اور خدا کے دین میں داخل ہونے کے لئے لوگوں کو دعوت اسلام کی کرنا (تیسرے) ان کے تابعین کی فضیلتیں اور اُن کی نشانیاں اب ہر ایک امر کی نسبت ہم علیحدہ علیحدہ بحث کرتے ہیں:۔

امر اول امام کا اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا

اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرنا اور اُن کو نیکی سے یاد کرنا درحقیقت پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے حکم کی اطاعت کرنا ہے اس لئے کہ خود حضرت نے ان کے حق میں ایسا فرمایا ہے چنانچہ اوپر ہم عیون اخبار سے اس حدیث کو بیان کر چکے ہیں کہ حضرت پیغمبر خدا نے فرمایا کہ دعوا لی اصحابی کہ میرے اصحابوں کو میرے لئے چھوڑ دو اور میری صحبت کے حقوق کی اُن کے حق میں رعایت کرو اور اس کی تائید میں اور احادیث اور اقوال نقل کرتے ہیں (اول) حدیقہ سلطانیہ کی جلد سوم بحث نبوت میں جناب میر صاحب قبلہ فرماتے

ہیں کہ جب پیغمبر صاحب کا وقت وفات قریب آیا تو حضرت نے منبر پر جا کر اصحاب سے پوچھا
کہ میں کیسا پیغمبر تھا سبھوں نے عرض کیا کہ جو کچھ مصیبت خدا کی راہ میں آپ نے گوارا کیا اس
میں آپ نے گوارا کیا اس کی جزائے خیر خدا آپ کو دے تب حضرت نے اس کے جواب میں
فرمایا (خدا شمارا نیز جزائے خیر دہد) کہ یہ روایت صفحہ ۳۲۸ حدیقۂ سلطانیہ میں موجود ہے پس
معلوم نہیں کہ اس وقت جب کہ ہزاروں اصحاب موجود تھے اور واسطے وداع پیغمبر خدا کے
مسجد میں جمع ہوئے تھے حضرت کا ان سے مخاطب ہو کر یہ فرمانا کہ خدا تمکو جزائے خیر دے
کس امر پر محمول کیا جاوے اور کیونکر ایسے اصحاب کے حق میں گمان نیک نہ کیا جاوے۔
(دوسرے) تفسیر امام عسکری علیہ السلام میں لکھا ہے کہ (ان رجلا من یبغض آل محمد واصحابہ او
واحدا منہم یعذبہ اللہ عذابا لو قسم علی مثل ما خلق اللہ لاہلکہم اجمعین) کہ اگر کوئی شخص دشمنی رکھے
آل محمد سے اور اصحاب محمد سے یا ایک سے بھی منجملہ ان کے اس پر خدا ایسا عذاب کرے گا کہ
اگر وہ تقسیم کیا جاوے تمام خلق پر تو وہ سب ہلاک ہو جاویں پس جسطرح پر آل محمد کی دشمنی
حرام ہے اسی طرح پر اصحاب محمد کی عداوت حرام ہے (تیسرے) پیغمبر خدا نے اپنے اصحاب
کے سب و دشنام سے منع کیا ہے جو چنانچہ جامع اخبار میں کہ معتمدین کتب شیعہ سے ہے
منقول ہے (قال النبی من سبنی فاقتلوہ و من سب اصحابی فاجلدوہ) کہ جو کوئی مجھے برا کہے
اس کو قتل کرو اور جو کوئی میرے اصحاب کو برا کہے اس کو دُرّے لگاؤ (چوتھے) کتاب مفتاح
الشریعت اور مفتاح الحقیقت میں جس کو ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں اور قاضی نور
اللہ شوستری وغیرہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی طرف منسوب کیا ہے کہ غیبت بہت
برا عیب ہے اور بہتان اور افترا اس سے بھی بڑھ کر ہے اور عام آدمیوں کے حق میں غیبت
اور بہتان گناہ کبیرہ ہے نہ کہ اصحاب پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں کتنا بڑا گناہ
ہوگا پس انکے حق میں اعتقاد نیک رکھنا ضروریات سے ہے انکے فضائل بیان کرنے میں رطب اللسان رہنا
چاہیئے اور انکے دشمنوں کی صحبت سے نفرت رکھنا چاہیئے کہ اس سے نفاق خفی دل میں پیدا ہوتا ہے انہیں باوجود کے
کہ یہ روایتیں خود شیعوں کی کتابوں میں موجود ہیں اور پیغمبر خدا کا اور ائمہ کرام کا دعائے
خیر کرنا اصحاب کے حق میں ثابت ہوا اور پھر وہ اصحاب کے کینے کو افضل عبادت جانیں اور
لعنت کرنے کو جو کہ خود انہیں پر لوٹتی ہے عمدہ ترین طاعت جانیں اور جس پر امام زین
العابدین اور دیگر ائمہ کرام درود بھیجیں ان پر تبرا کریں اور اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوائے

لعنت کے اپنی زبان پر دوسرا لفظ نہ لاویں اور بجائے لعنتیہ کے اپنے فرقے کا نام لکھ لیں

امر دوم پیغمبر خدا کے یاروں کا ایمان کے سبب سے مصیبت اور ایذا پانا اور جو سب سے اول ایمان لائے انکا اوروں سے افضل اور بہتر ہونا

اس دعا سے امام علیہ السلام کی پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے اصحاب کرام کے جو فضائل ثابت ہوتے ہیں وہ یہ ہیں کہ ان کا پیغمبر صاحب کی مددگاری میں مصائب اور تکالیف کا پانا حضرت کی محبت میں اپنے بال بچوں اور گھر بار کو چھوڑنا اور اپنے وطن سے ہجرت کر جانا اثبات نبوت میں اپنے باپ بیٹوں عزیزوں کو قتل کرنا پیغمبر خدا کی دعوت کو قبول کرنا اور خلق خدا کی طرف جمع کر دینا ان فضائل کو امام نے اس تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ کسی شیعہ کو کیسا ہی متعصب کیوں نہ ہو اس کی تکذیب اور تاویل کی جرأت باقی نہیں رہی اس لئے کہ کتاب صحیفہ کاملہ ایسی معتبر کتاب ہے کہ حضرات شیعہ اس کو زبور آل محمد کہتے ہیں اور اس کے لفظ لفظ اور حرف حرف کو صحیح جانتے ہیں اور جو کچھ اس میں لکھا ہے اس کی تصدیق کرتے ہیں پس ان فضائل کو جو امام نے بیان کئے دیکھ دیکھ کر گو دل میں جلتے ہوں اور اپنے محدثین اور علما کو اس کی تصدیق و تصحیح پر برا بھلا کہتے ہوں لیکن کسی طرح پر اس کی تکذیب نہیں کر سکتے باقی رہی تاویل اس کی تین صورتیں ہیں (۱) یا یہ کہ فضائل کا مصداق سوائے صحابہ کے اور کسی کو گردانیں جیسا کہ حدیث اصحابی کالنجوم وغیرہ میں گردانا (۲) یا یہ کہ اس کو تقیے پر محمول فرمادیں جیسا اور احادیث ائمہ میں کیا ہے۔ (۳) یا یہ کہ ان فضائل کو اپنے مقبولین صحابہ کے حق میں قبول کریں اور اکثر مہاجرین اور انصار کو خصوصاً خلفائے ثلثہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اس سے خارج سمجھیں لیکن تینوں طرح سے تاویل کا دروازہ بند ہے اور سوا اس کے کہ موافق ہمارے مذہب کے ان فضائل کو تمام مہاجرین وانصار کی نسبت خصوصاً خلفائے ثلثہ کے حق میں تسلیم کریں اور دوسرا چارہ نہیں ہے چنانچہ ہم تینوں تاویلوں کا بطلان ثابت کرتے ہیں امر اول کہ مصداق ان فضائل کے اصحاب رسول نہیں ہیں اس کا خود کسی شیعہ نے دعویٰ نہیں کیا بلکہ ان فضائل کا صحابہ کی شان میں وارد ہونے کو ان کے علمائے نے قبول فرمایا ہے چنانچہ صاحب تزنیہ اثنا عشریہ نے بجواب جلد چہارم تحفہ کے اس کو تسلیم فرمایا ہے و ہذہ عبارتہ (کہ امامیہ[1] جمیع اصحاب را لمقدوح و مجروح نمی دانند بلکہ

(۱) حاشیہ اگلے صفحہ پر

بسیاری از صحابہ عظام را جلیل القدر و ممدوح بلکہ از اولیائے کرام میداند و مستحق رحمت و رضوان ملک منان می پندارند در صحیفہ کاملہ کہ فرقہ حقہ آنرا زبور آل محمد گویند دعائیکہ از حضرت سید الساجدین علیہ السلام ماثور ست شاہد عدل این دعوی ست ، رہا امر دوم کہ امام نے یہ فضائل براہ تقیہ کے بیان کئے ہیں اس کو بھی کسی عالم نے علمائے شیعہ سے بیان نہیں کیا اور کیونکر لفظ تقیے کا اس مقام میں زبان پر لاتے اس لئے کہ یہ فضائل جو امام نے بیان کئے وہ کسی ناصبی اور خارجی اور دشمن اہل بیت اور دوست صحابہ کے سوال کے جواب میں بیان نہیں فرمائے اکہ احتمال تقیے کا ہوتا اور حضرات شیعہ یہ کہہ کر کہ امام نے بخوف جان آبرو سائل ناصبی کے ظلم سے بچنے کے لئے جھوٹی تعریف اصحاب کی کردی کہ جان بچا لیجائے بلکہ یہ تعریف امام نے خدائے جل شانہ سے بوقت دعا کی ہے جس وقت سوائے اُن کے اور خدا کے دوسرا نہ ہوتا تھا اور خلوت میں راز و نیاز کا دفتر پروردگار کے حضور میں کھولا جاتا تھا امام داعی ہوتے تھے اور مجیب ہوتا تھا بس خیال کرنا چاہیئے کہ اصحاب رسول کی عزت اور بزرگی امام کے دل میں کس درجہ پر تھی کہ ایسے راز و نیاز کے وقت میں بھی ان کو نہ بھولتے تھے اور جس طرح پر اپنے اور اپنے اہل بیت کے لئے دعا کرتے تھے اور انبیا و رسل کے حق میں درود بھیجتے تھے اسی طرح پر اصحاب رسول کے لئے دُعا فرماتے تھے اور ان پر صلوات و رحمت کی استدعا کرتے تھے اگر کاش حضرت امام اللھم صل علی محمد و آل محمد و اصحاب محمد کہہ کر قناعت کرتے تو بھی کافی تھا اور دعا کے وقت اُن کے محامد اور محاسن کے دفتر کھولنے کی ضرورت نہ تھی مگر قربان امام سجاد علیہ السلام کی محبت اور انصاف کے کہ انہوں نے اتنے پر قناعت نہ کی اور اپنے خدا کے سامنے اپنے دادا کے یاروں کے ایمان اور مصائب اور تکالیف کی تفصیل بیان کر کے اُن پر رحمت نازل کرنے کے لئے دُعا کی اور نہ صرف دعا کی بلکہ مہاجرین کی محنتوں اور کوششوں اور مصیبتوں کا ذکر کر کے اُن کی شکر گذاری خدا سے چاہی اسی واسطے حضرت نے اس دُعا میں فرمایا (واشکر ہم علی ہجرہم) کہ خداوند مہاجرین نے جو ہجرت تیرے واسطے کی اور اپنے گھر بار کو تیرے پیچھے چھوڑا اس کی شکر گذاری کر بس کون شخص ہے کہ ان الفاظ اور

(حاشیہ صفحہ ۱۰۴) فرقہ امامیہ کے نزدیک تمام صحابہ ناقابل شہادت مردود اور معیوب نہیں بلکہ اکثر صحابہ عظام کو جلیل القدر و ممدوح اور اولیائے کرام متصور کیا جاتا ہے۔ انہیں مستحق رحمت و پروردگار سے رضامند کہا جاتا ہے فرقہ حقہ جنہیں زبور آل محمد کہتا ہے۔ اُن کی اہانت صحیفہ کاملہ میں سید الساجدین کی دعائے ماثورہ بالخصوص اس دعوی کی شاہد عادل ہے۔

فقرات کو دیکھ کر امام کی محبت کا ساتھ صحابہ کے معتقد نہ ہوگا اور کس کی زبان سے حرف عداوت کا باہم صحابہ اور اہل بیت کے نکلے گا لیکن آفرین ہے حضرت شیعہ کے ایمان اور محبت پر کہ اپنے آپ کو امامیہ کہیں اور ائمہ کرام کی خلوص محبت کا دعویٰ کریں اور اپنے آپ کو پیرو اماموں کا جانیں اور باایں ہمہ صحابہ کی عداوت رکھیں اور جس قدر امام اُن کی تعریف کریں اُس سے ہزار حصہ بڑھ کر وہ ان کی برائیاں بیان کریں اور اگر کسی سنی بیچارے کی زبان سے بہ تبعیت ائمہ کرام اللہم صلی علی محمد و آل محمد کے بعد اصحاب محمد نکل جاوے تو غیظ میں آکر اس کو غصے سے دیکھنے لگیں اور اتنی ہی بات پر اس کو خارجی اور ناصبی کہنے لگیں سچ تو یہ ہے کہ جو امور ابطال اسلام و ایمان کے پردے میں محبت اہل بیت کے حضرت شیعہ سے کئے ہیں وہ دشمنوں سے بھی نہیں ہوتے ولنعم ماقیل۔ شعر

آنچہ بہ فیضی نظر دوست کرد　　مشکل اگر دشمن جانے کند

باقی رہا امر سوم کہ ان فضائل کے مصداق صرف وہی اصحاب ہیں جن کو علمائے شیعہ اچھا جانتے ہیں اور اکثر مہاجرین و انصار خصوصاً خلفائے ثلثہ اس سے خارج ہیں سو اس کا دعویٰ سب علمائے شیعہ نے کیا ہے اور اسی تاویل کو جواب ان فضائل کا تصور فرمایا ہے لیکن جب اس امر کو حضرت شیعہ نے تسلیم کر لیا کہ وہ فضیلتیں جو امام نے اس دعا میں بیان کی ہیں وہ اصحاب کرام کی شان میں ہیں تو مابہ النزاع درمیان ہمارے اور حضرت کے صرف یہ امر رہ گیا کہ مراد اُس سے تمام مہاجرین و انصار ہیں یا نہیں بلکہ اصل تصفیہ اس امر پر منحصر رہا کہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی اس میں داخل ہیں یا نہیں چنانچہ ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ جو فضائل امام نے بیان کئے ہیں وہ تمام مہاجرین و انصار پر خصوصاً خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم صادق ہیں اس لئے کہ وہی لوگ ہیں جن کے افعال اور اعمال اور سیرت اور چال ڈھال سے ثابت ہوتا ہے کہ (ابلوا البلاء الحسن فی نصرہ و کانفوا واسرعوا الی وفادتہ وفارقوا الازواج والاولاد فی اظہار کلمتہ) یعنی انہوں نے سب طرح کی بلاؤں اور مصیبتوں کو پیغمبر صاحب کی اعانت میں گوارا کیا اور حضرت کی دعوت کو سب سے اول سنا اور بال بچوں آل اولاد کو اسکے کلمے کے ظاہر کرنے میں چھوڑا اور اس دعویٰ کو بھی ہم ثابت کرتے ہیں جب پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء نے مکہ معظمہ میں دعویٰ نبوت کا کیا اور لوگوں کو بحکم پروردگار اسلام کی خوبیوں سے آگاہ کیا تو آہستہ آہستہ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کفار قریش نے

لوگوں کو جو حضرت پر ایمان لائے تھے ستانا اور ایذا دینا شروع کیا یہاں تک کہ برادری اور قرابت اُن سے چھوڑ دی اور اپنے گروہ سے ان کو خارج کر دیا اور خرید و فروخت ان سے بند کر دی مگر اُن مومنین نے اسلام کو نہ چھوڑا اور سب کو چھوڑ کر پیغمبر صاحب کا دامن پکڑا اور یہ ظاہر ہے کہ تمام مہاجرین اسی گروہ میں داخل ہیں خصوصاً خلفائے راشدین ان سب کے پیشوا ہیں تو سوائے اُن کے یہ فضائل اور کس پر صادق ہونگے اور اگر وہی خارج کر دیئے جاویں تو وہ لوگ جنہوں نے ایمان قبول کیا اور جن کو کفار نے ستایا کون سے تھے اور کس ملک سے آئے اور کہاں رہتے تھے ذرا کوئی حضرات شیعہ سے ان کے نام اور حالات کو پوچھے اور دیکھے کہ وہ سوائے انہیں مہاجرین اور خلفائے راشدین کے کسی دوسرے کا نام بتلاتے ہیں یا نہیں ہم نے جہاں تک شیعوں کی کتابوں کو دیکھا اور جو کچھ اُن کے عالموں سے سنا تو یہی دیکھا اور سُنا کہ انہیں مہاجرین اور خلفائے راشدین کا وہ بھی نام لیتے ہیں اور انہیں کو ایمان لانے والوں میں شمار کرتے ہیں مگر اتنا فرق ہے کہ ہم اُن کے ایمان کو صدق دل سے تصور کرتے ہیں اور وہ اس کو نفاق پر یا طمع دنیا پر، یا کاہنوں اور نجومیوں کے سننے پر محمول کرتے ہیں لیکن اس کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ لوگ ظاہر میں ایمان لائے اور پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی نبوت کے معتقد ہوئے جیسا حملہ حیدری کا مؤلف لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام وعظ و نصیحت کیا کرتے اور ایک ایک دو دو آدمی اُن پر ایمان لایا کرتے کما قیل

ابیات

دگر وعظ و ارشاد بر ایں نسق	در ابطال اصنام و اثبات حق
نمودی حبیب خدائی جہاں	نہ کردی ولی کار رد مشرکاں
نمودی مدام از کلام مجید	بران قوم آیات وعد و وعید
نمودی اثر گفتہ اش گاہ گاہ	کہ بگذاشتی یک دو کس پا براہ
ولیکن نہ جملہ ز راہ یقین	یکی بہر دنیا یکی بہر دین
نیادان رسد گر بگیرد خطا	کہ دنیا کجا بود با مصطفےٰ
چنیں ست دنیا نہ بود آن زماں	ولی بود آئندہ منظور شاں
خبر دادہ بودند چوں کاہناں	کہ دین محمد بگیرد جہاں!
ہمہ پیر دانش بہ عزت رسند	تمام اہل انکار ذلت کشند

سے حملہ حیدری جلد اول صفحہ ۱۰ اسطر ۲ مطبوعہ مطبع سلطانی سنہ ۱۲۶۷ ہجری ۱۲ منہ

یکی کرد ازیں راہ ایمان قبول	یکی محض بہر خدا و رسول

اور اس امر کو کہ کوئی مہاجرین سے بہ نفاق یا بہ طمع دنیا یا باستماع اخبار کاہنان ایمان نہیں لایا بلکہ صدقِ دل سے ہر ایک نے اسلام قبول کیا ہم آگے ثابت کریں گے لیکن اس مقام پر ہم اتنا ہی ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حضرات شیعہ ان لوگوں کا اسلام لانا قبول کرتے ہیں اور ان کو منکرین نبوت سے نہیں جانتے چنانچہ یہ بات انہیں چند اشعار سے ثابت ہو گئی اور چونکہ اور علماء کا بھی یہی قول ہے اس لئے اور کتابوں کی سند لانا تحصیل حاصل ہے باقی رہا ان مسلمانوں کا ایذا اور مصیبت اٹھانا اور کفار قریش کے ہاتھ سے تنگ ہونا اس کو بھی علمائے شیعہ تسلیم کرتے ہیں اور انھیں مہاجرین کا جن کو وہ منافق اور مرتد جانتے ہیں (نعوذ باللہ من ذالک) کفار قریش کے ہاتھ سے مصیبت پانے کا اقرار کرتے ہیں۔ چنانچہ مؤلف موصوف لکھتا ہے کہ جب پیغمبر خدا پر بسبب محافظت ابوطالب کے کفار کو قدرت نہ ہوتی تو ان کے اصحاب کو ستاتے اور ایذا دیتے کما قیل **ابیات**

ولی چون ابوطالب نامور	نگہبان او بود ازیں بیشتر
بایذای او کس نمیافت دست	رسانیدی اصحاب او را شکست
بہر کوے و ہر برزن و ہر ممر	کہ کردی ز اصحاب او کس گذر
نمودندی اعدائے او از غلو	بہر گونہ آزار و ایذائے او
بضرب و بشتم و بمشت و لگد	بدنجہ ستمہائے بیرون ز حد
فگندی ز ہر سو بسر خاک شان	نمودی برہنہ تن پاک شان
پس انگہ نشاندی چنان شیا بتن	دران ریگ تفتندہ از آفتاب
بریدی ازان قوم آب و طعام	زدی تازیانہ ز خلف و امام
دگر ظلمہائے ہلاکت مآل	کہ آرد بیانش بدلہا ملال
نمودندی آن ناکسان شقی	بران زمرۂ مومن و متقی

اب کوئی حضرات شیعہ سے پوچھے کہ باوجود تصدیق اس امر کے کہ اصحاب نبی پر کفار کے ہاتھ سے اس قسم کی مصیبتیں اور تکلیفیں پہنچتی تھیں اور وہ اس پر صبر کرتے تھے اور پیغمبر صاحب سے جدا نہ ہوتے تھے اور اعلاء کلمۃ اللہ میں دن رات سعی بلیغ کرتے رہتے تھے تو اگر

---

۱ جلد اول حملہ حیدری صفحہ ۱۶ سطر ۱۸ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ ہجری ۱۲ منہ

ان لوگوں کے حق میں وہ صفات جو امام نے بیان کئے صادق نہیں ہیں تو پھر وہ دوسرے لوگ کون ہیں جو مصداق اُن صفات کے ہیں اگر حضرت شیعہ انصاف کو دخل دیں اور تعصب اور عناد کو چھوڑیں اور امام کے اس کلام پر غور کریں (والذین ھجرتھم العشائر اذا تعلقوا العروۃ وانتفت منھم القرابات اذ سکنوا فی ظل قرابتہ) اور پھر صحابہ کرام کے حالات کو خود اپنی ہی کتابوں سے نکال کر دیکھیں تو تمام مہاجرین کو مصداق اس مضمون کا پاویں اور کسی ایک کو اس فضیلت سے مستثنیٰ نہ کریں لیکن اگر اس پر بھی حضرت شیعہ کی خاطر جمع نہ ہو اور خلفائے راشدین کے ایمان اور اسلام کی تفصیل بعینہٖ ان کے نام کے چاہیں تو اس کو بھی غور سے سنیں اور اپنی ہی کتابوں کی سند لیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا حال

حضرات شیعہ اقرار کرتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ انھیں چند لوگوں میں ہیں جو سب سے اول ایمان لائے اور جنہوں نے اوروں سے پہلے پیغمبر صاحب کی نبوت کو تصدیق کیا چنانچہ ہم حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کا حال آیۂ غار کے بیان میں لکھ چکے ہیں۔ اس مقام پر صرف ان اعتراضات کو بہ تفصیل ذکر کرتے ہیں جو کہ حضرت صدیق اکبر کے ایمان پر علمائے شیعہ کئے ہیں منجملہ ان اعتراضات کے جو ابوبکر صدیقؓ کے ایمان پر حضرات شیعہ کرتے ہیں ایک یہ ہے کہ انہوں نے کاہن سے سنا تھا کہ ایک پیغمبر پیدا ہوگا اور اُس پر ایمان لانے والے اور اس کی اطاعت کرنے والے بڑے مرتبے پر پہنچیں گے اس لئے وہ ایمان لائے چنانچہ مؤلف حملہ حیدری بھی مثل اپنے، اور علماء کے لکھتا ہے۔

ابیات

ابابکر از ان پس بڑہ پا گذاشت	کہ گفتار کاہن بدل یاد داشت
باو کاہنے دادہ بود ایں خبر	کہ مبعوث گردد یکے نامور
زبطحا زمیں در ہمیں چند گاہ	بود خاتم انبیائے آلہ
تو با خاتم انبیا بگروے	چو او بگذرد جانشینش شوے
زکاہن چو بودش بیاد ایں نوید	بیاورد ایمان نشاں چوں بدید

لہ جلد اول حملہ حیدری صفحہ ۱۴۳ ۔ سطر ۸ امطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری ۱۲ منہ

لیکن یہ قول باطل ہے چند دلیلوں سے

(پہلی دلیل) اگر یہ امر تسلیم کیا جاوے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے تو ضرور اس کے کہنے کو صحیح جانا ہوگا تو جس طرح پر اس کے اس کہنے کو تصدیق کیا کہ خلافت بعد رسول کے انکو ہوگی اسی طرح پر اس کہنے کو بھی تصدیق کیا ہوگا کہ وہ نبی برحق ہوں گے اور ان کا دین سچا ہوگا تو ضرور وہ پیغمبر صاحب کو سچا پیغمبر سمجھ کر ایمان لائے ہوں گے پس اس سے بھی تصدیق رسالت ثابت ہوتی اور اسی کا نام ایمان ہے اور اسی سے حضرت شیعہ انکار کرتے ہیں اور ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دل سے ایمان لانے والا نہیں کہتے چنانچہ مجتہد صاحب ذوالفقار میں لکھتے ہیں کہ[1] (خلیفہ اول از اول امر از ایمان بہرہ نداشت باتفاق من علماء الامامیہ) لیکن اگرچہ جناب مجتہد صاحب قبلہ و کعبہ نے یہ دعویٰ کیا کہ تمام علما کا اتفاق ہے کہ ابوبکر صدیقؓ اول سے ایمان نہ لائے تھے مگر حضرت سے غلطی ہوئی اس لئے کہ علامہ حلی نے شرح تجرید میں لکھا ہے کہ خود حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے فرمایا کہ (امنت قبل ان آمن ابوبکر) کہ میں ایمان لایا قبل اس کے کہ ابوبکر ایمان لائے ہوں تو جب حضرت علی کے قول سے ان کا ایمان لانا ثابت ہوا تو پھر مجتہد صاحب کا کہنا کون سنتا ہے (دوسری دلیل) معلوم نہیں کہ کاہن نے صرف حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پیغمبر صاحب کے نبی ہونے کا حال کہا تھا اور صرف ایک ہی کاہن کی تصدیق کرکے ایمان لائے تھے یا اور اصحاب بھی ہم جہاں تک شیعہ کی کتابوں سے واقف ہیں ان کے اقوال مختلف ہیں بعض کہتے ہیں کہ اکثر اصحاب کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے جیسا کہ حملہ حیدری کے ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے جو اوپر نقل کئے گئے اور بعض کہتے ہیں کہ نہیں صرف ایک[2] دو ہی شخص کاہن کے کہنے سے ایمان لائے جیسا کہ تحفہ اثنا عشریہ کا مؤلف فرماتا ہے (وہم آنکہ قول اوّل اگر بقول کہنہ و منجمین الخ روایت مرفوع ست زیرا کہ امامیہ این معنی را در حق اکثر صحابہ روا نت)

---

[1] علمائے شیعہ کا متفق فیصلہ ہے کہ خلیفہ اول پہلے پہل ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوئے ذوالفقار صفحہ ۵۰ سطر ۳ مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۸۱ ہجری ۱۲ [2] وہ بھی اگرچہ ان کا قول دوسرے نجومیوں کے اقوال کثیرہ کا واقع ہے ایمان لائے اور یہ اس لئے بھی کہ فرقہ امامیہ اس قول کو اکثر صحابہ سے منسوب نہیں کرتا بلکہ اس قول کا اثر ایک دو افراد پر عاید ہوا ہے کہ وہ ایمان نہیں لائے۔ ۱۲

نہ کردہ اند بلکہ در حق یک دو شخص (پس اگر یہ امر تسلیم کیا جائے کہ اکثر صحابہ کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے تو کچھ جائے اعتراض حضرات شیخین پر نہیں ہے اور اصحاب مقبولین امامیہ کے اس گروہ میں سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ نہیں ہے تو جب امامیہ کے صدیق اُن کے کہنے سے ایمان لائے تو اہل سنت کے صدیق بھی اگر اُن کے کہنے سے ایمان لائے تو کیا گناہ کیا اور اگر یہ بات مانی جائے کہ صرف یہی دو شخص کاہنوں کے کہنے سے ایمان لائے تو معلوم نہیں کہ انہوں نے کاہنوں کے قول کو سچ جانا یا نہیں اگر سچ جان کر ایمان لائے تو کچھ خلل اُن کے ایمان میں نہیں ہوا اس لئے کہ اور لوگ بھی منجملہ اصحاب مقبولین شیعہ کے ایسے ہیں کہ جو پچھلی کتابوں کی پیشین گوئیوں کو دیکھ کر ایمان لائے یا خواب میں پیغمبر صاحب کی نبوت کی تصدیق کر کے مسلمان ہوئے تو اگر حضرات شیخین بھی کاہن کے کہنے سے ایمان لائے تو کیا حرج ہے۔ (تیسری دلیل) یہ قول شیعوں کا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کاہن کے کہنے سے ایمان لائے انہیں کے علما کے اقوال سے غلط ہوتا ہے اس لئے کہ اُن کے علماء نے لکھا ہے کہ ابوبکر صدیق نے خواب دیکھا تھا اور اس کے سبب سے ایمان لائے تھے جیسا کہ قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المؤمنین میں لکھا ہے۔ (کہ ابوبکرؓ بر برکت خوابیکہ او دیدہ بود مسلمان شدہ بود)[1] (چوتھی دلیل) اگر حضرات شیعہ کے اس کہنے سے کہ ابوبکر صدیق کاہن کے کہنے سے ایمان لائے یہ غرض ہو کہ وہ دل سے ایمان نہیں لائے تو اس کی تکذیب اُن کے حالات سے ہوتی ہے اس لئے کہ وہ ہمیشہ دعوت اسلام میں سعی بلیغ کرتے اور لوگوں کو اسلام کی طرف راغب کرتے اور اپنے دوست آشناؤں کو سمجھا سمجھا کر حضرت کا مطیع بناتے اور پیغمبر صاحب سے علانیہ دعوت اسلام کرنے کے واسطے درخواست کیا کرتے اور غلاموں کو خرید خرید کر خدا کی راہ میں آزاد کرتے اور اپنے مال اور جان کا نقصان گوارا کرتے کہ ان سب باتوں کا ثبوت امامیہ کی کتابوں سے ہوتا ہے تو کیا کوئی عاقل اس کو قبول کرے گا کہ جس کی کوششیں اور محنتیں اجرائے دین میں غایت درجے پر پہنچتی ہے اور جس کو اعلاء کلمۃ اللہ میں اپنی جان و مال کا خیال نہ ہو وہ خود دل سے پیغمبر صاحب کو سچا نبی اور اسلام کو سچا دین نہ سمجھتا ہو ایسی بات حضرات امامیہ کی زبان سے نکل سکتی ہے ورنہ کوئی نادان بھی اس کو نہ مانے

[1] خالد بن سعید کے خواب کی برکت کی وجہ سے ابوبکر مسلمان ہوئے تھے ۱۲ منہ

گا اور واسطے ثبوت اس امر کے کہ حضرت شیخین نے پیغمبر صاحب کو اظہار دعوت اسلام پر برانگیختہ کیا اور انہیں کے اصرار سے حضرت نے اظہار دعوت فرمایا اور اسی وجہ سے شیخین نے صدمہ اٹھایا ہم قول صاحب استقصاء الافہام کا نقل کرتے ہیں مؤلف موصوف فرماتے ہیں کہ (مگر ناصبیٰ پیغمبر خدا را کہ از خوف کفار در حصن غار اختفا فرمودہ و در بدو اسلام از اظہار دعوت علانیہ احتراز داشتہ تا آنکہ شیخین دل تنگ شدہ آنحضرت راحت و ترغیب باظہار دعوت کردند و آں حضرت نبا بر اظہار عدم مصلحت از جہت اصرار ایشان از اعلان مانع نیامدہ حتیٰ اصحاب و لہما ما اصاب و قال ثانیہما الیعبد العزی واللات علانیۃً و یعبد اللّٰہ سراً از خوف خدا انا کل و بخوف شیر مائل می دانند) (پانچویں دلیل) اگر فرض کیا جاوے کہ ابوبکر صدیق سچے دل سے ایمان نہیں لائے اور (عیاذاً باللّٰہ) کافر تھے جیسا کہ جابجا مجتہد صاحب نے اس عقیدے کو ظاہر کیا ہے چنانچہ ذوالفقار میں فرماتے ہیں (اوّل ایمان اصحاب ثلثہ باثبات باید رسانید بعد ازیں بایں افسانہ بیہودہ ترنم باید نمود زیرا کہ دانستی کہ مسلک امامیہ دریں باب انیست کہ اصحاب ثلثہ از اول امر از ایمان بہرہ نداشتند) اور مجتہد صاحب کے مقلد صاحب استقصاء الافہام اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ (فان کفرہم وارتدادہم واضح لاسترۃ فیہ) کہ کفر اور ارتداد خلفائے ثلثہ کا ایسا واضح ہے کہ وہ کچھ چھپا ہوا نہیں ہے پس اگر مطابق اصول شیعہ کے کفر اور عدم ایمان حضرت ابوبکر صدیق کا فرض کیا جاوے تو تمام مہاجرین و انصار بلکہ تمام اصحاب کا کافر ہونا لازم آتا ہے . . . . اس لئے کہ سبھوں نے ان کو اپنا سردار بنایا اور بعد پیغمبر کے ان کو خلیفہ کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بیعت کرنیوالے دس بیس سو دو سو ہزار دو ہزار آدمی نہ تھے بلکہ لاکھوں تھے اس لئے کہ اصحاب نبوی بعد پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے بروایتے ایک لاکھ سے زیادہ اور بروایت ملا باقر مجلسی جو انہوں نے تذکرۃ الائمہ میں لکھی ہے چار لاکھ تھے تو جب چار لاکھ آدمی (عیاذاً باللّٰہ) ایک کافر کو اپنا سردار بناویں تو پھر ان کے کفر میں کیا شک رہا یہ امر

ل مگر ناصبی نے کفار کے خوف سے رسول کریم کو غار میں چھپایا۔ اور اسلام کے عہد اول میں رسول اکرم کو اسلام کے علانیہ اظہار سے باز رکھا۔ یہاں تک کہ دونوں یعنی کو شیخین نے عاجز ہو کر رسول اللّٰہ کو اسلام کے اعلان پر ابھارا اور آنحضرت نے ان لوگوں کے اصرار کی وجہ عدم مصلحت کا اظہار نہیں کیا ۲ امت لے پہلے ضروری ہے کہ اصحاب ثلثہ کی ایمان آوری ثابت کی جائے پھر اس بیہودہ گیت گائے جائیں کیونکہ اس بارے میں شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ تینوں اصحاب پہلے سے ایمان سے بہرہ ور نہیں ہوئے۔

کہ سب مسلمانوں نے جو اُس وقت تھے اور ابوبکرؓ صدّیق کی بیعت کی باقرارِ علمائے شیعہ ثابت ہے جیسا کہ شریف مرتضیٰ کے قول سے ظاہر ہے جو بحار الانوار کے مجلد تین میں منقول اور جس کا ترجمہ مجتہد صاحب نے باین الفاظ کیا (جمیع مسلمانان با ابوبکر بیعت کردند و اظہار رضا و خوشنودی باو و سکون و اطمینان بسوے او نمودند و گفتند کہ مخالف او بدعت کنندہ و خارج از اسلام است)[1] سبحان اللہ کیا دین و ایمان ہے حضرات شیعہ کا کہ حضرت صدیق اکبرؓ کی عداوت سے دینِ محمدی کو باطل کرتے ہیں اور چار لاکھ مسلمانوں کو جو مہاجرین اور انصار اور مجاہدین تھے۔ اور جن میں بنی ہاشم اور اہلِ بیت نبوی بھی داخل تھے اُن سب کو صراحۃً اور کنایۃً کافر بتاتے ہیں (نعوذ باللہ من ذلک)، ہم کو ابوبکر صدّیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے اثبات میں زیادہ دلائل بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ خود علمائے شیعہ نے یہ سمجھ کر کہ ان کے کفر کا دعویٰ ایسا بے ہودہ ہے کہ اُس سے سننے والے کو تعجب ہوتا ہے اس سے انکار کیا اور اپنے ان علما کو جنہوں نے ایسا دعویٰ کیا ہے۔ خود جھٹلایا اس لئے ہم اُن کے ان اقوال کو نقل کرتے ہیں قاضی نور اللہ شوستری مجالس المؤمنین میں فرماتے ہیں کہ (نسبت تکفیر بجناب شیخین کہ اہلِ سنت و جماعت بہ شیعہ نمودہ اند سخنی ست بے اصل کہ در کتب اصول ایشان از ایشان اثری نیست و مذہب ایشان ہمیں ست کہ مخالفان علی فاسق اند و محاربان او کافر)[2] جناب مجتہد صاحب قبلہ و کعبہ اس قول کے جواب میں ذو الفقار میں فرماتے ہیں کہ واضح رہے کہ فاضل شستری کے اس صحیح بیان کے باوجود یہ کلام ہمارے مقاصد پر ضرب کاری اور ان کے مفید مطلب نہیں کیونکہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ لفظ فاسق مومن کے مقابلے میں آیا ہے اس لئے کفر و فسق کے پاس فرق یہ ہے کہ کافر دنیا میں نجس اور آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اور ضروریات مذہب کے تحت انکار کرنے کی وجہ سے فاسق ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اگرچہ اقرار شہادتین

---

[1] تمام مسلمانوں نے ابوبکر سے بیعت کی اور اپنی رضا و خوشنودی کا اظہار کیا اور انہیں سکون و اطمینان دلا کر کہا ابوبکر کی مخالفت کرنے والے بدعتی اور اسلام سے خارج ہیں۔

[2] اہلِ سنت والجماعۃ نے شیخین کے کافر ہونے کو شیعوں کے جانب جو منسوب کیا ہے یہ بے معنی سی بات ہے کیونکہ اس کا ثبوت شیعوں کے کتب اصول میں موجود نہیں، البتہ شیعوں کا مسلک و مذہب یہ ہے کہ علیؓ کے مخالف فاسق ہیں اور ان سے جنگ کرنے والے کافر ہیں۔

کی وجہ سے دنیا میں اس پر اسلامی احکام جاری ہوں اور وہ بظاہر مسلمان کہلاتے (مخفی نہ ماند کہ ایں کلام بر تقدیر صحت و صدور آں از فاضل قادح مقصود ما و مفید مطلب او نمی شود زیرا کہ سابق گذشتہ کہ فاسق در مقابلہ مومن اطلاق شدہ پس فرق میان کفر و فسق ہمیں است کہ کافر نجس است در دنیا و مخلد ست فی النار در عقبیٰ و فاسق کہ بسبب انکار یکے از ضروریات مذہب باشد مخلد در نار خواہد بود گو در دار دنیا احکام مسلمین بسبب اقرار شہادتین بر او جاری شود) لیکن اس عبارت میں حضرت قبلہ و کعبہ نے یا تو تغافل فرمائی یا دیدہ و دانستہ اغماض کیا اس لئے کہ یہ فرمانا کہ (بر تقدیر صحت صدور آن از فاضل) کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا کہ اس قول کو قاضی نوراللہ شوشتری کے حضرت نے تسلیم کیا ہے یا اس سے انکار فرمایا ہے ایسی گول گول عبارت لکھنے سے سوائے ہم سے کم فہم جاہلوں کو مغالطہ میں ڈالنے کے دوسرا فائدہ نہیں تھا اگر یہ عبارت مجالس المومنین میں موجود ہے تو بر تقدیر کہنا کیا معنی اور اگر یہ عبارت اس میں نہیں ہے تو صاف اس سے انکار فرمایا ہوتا اور صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے طعن و تشنیع میں موافق اپنی عادت کے دو چار ورق سیاہ کئے ہوتے ہاں شاید حضرت نے مجالس المومنین نہ دیکھی ہو گی اس لئے نہ انکار کیا نہ اقرار بہرحال ان الفاظ سے قبلہ و کعبہ کے اس عبارت کا موجود ہونا پایا جاتا ہے اور اگر اب بھی کسی کو شک ہو وہ مجالس المومنین میں دیکھ لے رہا جواب جو مجتہد صاحب نے دیا ہے وہ بھی ایسا ہے کہ اس کے معنی سمجھ میں نہیں آتے اس لئے کہ قاضی صاحب نے صاف اقرار کیا ہے کہ تکفیر شیخین ہمارے اصول کے مخالف ہے اور حضرت مجتہد صاحب اسی کو ثابت کرتے ہیں پس یا خطائے اجتہادی قاضی صاحب سے ہوئی کہ وہ تکفیر سے انکار کرتے ہیں یا مجتہد صاحب سے کہ وہ اس کو ثابت کرتے ہیں یا شاید درمیان کفر اور ایمان کے ایک تیسرا مرتبہ اثبات فرمانا چاہتے ہیں جس کا نام ان کی اصطلاح میں اسلام ہے جس کے معنی نفاق کے ہیں یعنی ظاہر میں کلمہ پڑھنا اور باطن میں کافر ہونا اس لئے ہم کو لازم ہوا کہ اس تیسرے مرتبے پر بھی نظر کریں اور اس کے اثبات اور ابطال کے دلائل پر غور کریں اس لئے ہم مجتہد صاحب کی روح سے اور ان کے مقلدین سے استفسار کرتے ہیں کہ اس تیسرے مرتبے کے قائم کرنے سے کیا غرض ہے آیا یہ کہ خلفائے ثلاثہ کے ایمان سے انکار کیا جائے اور ان کے اسلام کو تسلیم کیا جائے اور اسلام

۱؎ ذوالفقار صفحہ ۲۵ سطر ۲ مطبوعہ لدھیانہ ۱۲۹۱ھ ۱۲

کے یہ معنی مراد لئے جائیں کہ وہ ظاہر میں کلمہ گو تھے اور باطن میں منافق یا کہ وہ دل سے بھی مثل زبان کے پیغمبر صاحب کی نبوت کو تصدیق کرتے تھے مگر امام برحق کی امامت کے منکر تھے اور اُن کے حقوق کے غاصب اور ان پر جابر تھے اور چونکہ امامت اصول دین سے ہے اس لئے بہ سبب انکار ایک اصل کے اصول دین سے وہ ایمان کے دائرے سے خارج تھے یا سوائے اس کے اس تیسرے مرتبے کے قائم کرنے سے اور کچھ مقصد ہے بہر حال اور کوئی دوسرا فائدہ تو سمجھ میں نہیں آتا اس لئے امر اوّل کو تسلیم کر کے اس سے بحث کی جاتی ہے پس اگر خلفائے ثلثہ کے ایمان سے اس وجہ سے انکار کیا ہے کہ وہ صرف ظاہر میں کلمہ گو تھے اور باطن میں توحید اور نبوت سے بھی منکر تھے جیسا کہ اکثر حضرات شیعہ فرماتے ہیں بلکہ حضرات شیعہ کس حساب میں ہیں خود اُن کے امام مہدی فرماتے ہیں کہ ظاہر میں وہ کلمہ گو تھے اور باطن میں کافر جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے رسالہ رجعیتہ میں حضرت امام کی طرف منسوب کر کے یہ قول لکھا ہے کہ (ایشان از روی گفتہ یہود بظاہر کلمتین گفتند از برای طمع آنکہ شاید والایتی بحکومتی حضرت بایشان بدہد و در باطن کافر بودند) پس اس کا جواب ہم اوپر دے چکے اس کا عادہ ضروری نہیں اسی واسطے اس قول سے اکثر علمائے شیعہ نے انکار کیا اور جو لوگ ایسا کہتے ہیں اُن کو خود انہوں نے نامنصف فرمایا جیسا کہ ملا عبداللہ جو علمائے شیعہ سے ہیں اظہار حق میں فرماتے ہیں کہ انکار کرنا ابوبکر صدیق کے ایمان کا انصاف سے بعید ہے دیکھو عبارت[۱] جواب گفتن این سخن بار تکاب آنکہ در سبق ہجرت ایمان شرط نست و آن شخص یعنی ابوبکر معاذاللہ ہیچ وقت ایمان نداشتہ حتیٰ قبل از سنوح ناخوشی با امیر المؤمنین از انصاف دور ست) اور ملا عبدالجلیل قزوینی کتاب نقض الفضائح میں لکھتے ہیں کہ (اما شناسی خلفا پس بر ان انکارے نیست بزرگانند از مہاجرین والسابقون الاوّلون من المہاجرین والانصار الذین اتبعوہم باحسان اور پھر دوسرے مقام پر لکھا ہے کہ (اما آنچہ سیرت ابوبکر و عمر و

لے یہودیوں کی مانند ان لوگوں نے بظاہر کلمہ پڑھا جس کا پس پردہ یہ خیال تھا کہ کلمہ پڑھنے کی وجہ شاید آنحضور ان کو حکومت دگورنری عنایت کریں اور یہ سب باطنی طور پر کافر تھے۔ [۲] اس امر کے جواب دینے میں یہ امر پیش نظر ہے کہ ہجرت کرنے سے قبل ایمان لانا شرط اولین ہے اور ابوبکر (نعوذ باللہ) کسی وقت بھی اسلام نہ لائے یہاں تک کہ راسخ و مضبوط ہونے سے پہلے بھی اور ابوبکر سے ناخوش ہونا انصاف سے بعید ہے [۳] خلفا کی تعریف کرنے کے بارے میں یہ ہے کہ وہ مہاجرین و سابقون الاوّلون میں سے بزرگ تھے مگر ابوبکر و عمر اور جو (باقی آگے صفحہ پر)

دیگر صحابہ بیان کردہ مجمل ست نہ مفصل آنرا خلاف نہ کردہ اند شیعہ الا درجۂ خلافت و امامت را کہ شیعہ انکار کنند و ایشان کہ درجۂ امامت نہ داشتند و آن فقدان عصمت و نصوصیت و کثرت علمی ست اما صحابۂ رسول ایشان را دانند و از درجۂ شان نہ گذرانند) اور احتجاج طبرسی میں لکھا ہے کہ امام باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ (لست بمنکر فضل ابی بکر و لست بمنکر فضل عمر و لکن ابا بکر افضل من عمر) کہ میں ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کی فضیلتوں سے انکار نہیں کرتا لیکن ابو بکر عمر فاروق سے افضل ہیں پس ان روایتوں اور ہزار مثل اس کے اور روایتوں سے جن کو ہم نقل کریں گے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان اور فضیلت میں کون شک کر سکتا ہے پس یہ دعویٰ کہ ابو بکر صدیق باطن میں معاذ اللہ کافر تھے، خود علماء شیعہ اور ائمہ کبار کی احادیث سے باطل ہوا اور اگر اب بھی کسی کو شک ہو تو وہ تفاسیر اور احادیث امامیہ کو دیکھے کہ باوجود اس عناد اور تعصب کے جو ان کو خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ ہے اب بھی صدہا روایات اور احادیث مدح و ثنا میں خلفاء کی موجود ہیں چنانچہ ان کے مفسرین قبول کرتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غلاموں کو مول لیا کرتے اور بسبب اسلام کے ان کو آزاد کر دیتے جیسا کہ علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں لکھا ہے (کہ عن ابن الزبیر قال ان الآیۃ نزلت فی ابی بکر لانہ اشترے المالیک الذین اسلموا مثل بلال و عامر بن فہیرۃ و غیرہما و اعتقہم) کہ آیت سیجنبہا الاتقی الذی شان میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے نازل ہوئی کہ وہ غلاموں کو جو اسلام لاتے مول لیتے اور پھر خدا کی راہ میں آزاد کرتے مثل بلال اور عامر وغیرہ کے فقط پس چونکہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتے تب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ دوزخ سے وہی بڑا پرہیزگار بچے گا جو اپنے پاک مال کو خدا کی راہ میں صرف کرتا ہے پس تعجب ہے کہ جو شخص اپنے مال سے مسلمان غلاموں کو خریدے اور ان کو آزاد کرے اور اس کی شان میں خدا آیتیں نازل کرے اور اس کو اتقی الناس فرمائے اس کی فضیلت اور بزرگی بیک طرف اس کے ایمان سے بھی انکار کیا جائے اور ایسا شخص منافق اور کافر سمجھا جائے غرض کہ ایمان اور اسلام میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے کچھ شبہ نہیں رہا اور باقرار علمائے شیعہ اس کا ثبوت ظاہر ہو گیا اب

(بقیہ حاشیہ) دوسرے صحابہ کی جو سیرت بیان کی گئی ہے وہ مجمل ہے اور اس کی تفصیل نہیں کی گئی ہے اسکی شیعہ مخالفت نہیں کرتے البتہ خلافت و امارت کے بارے میں کہتے ہیں کہ انہیں درجۂ امامت حاصل نہ تھا جسکا سبب یہ تھا کہ ان میں عصمت و کثرت علم کا فقدان تھا نیز انکا عقیدہ و بیان ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ کے صحابی تھے اور انکو انکے درجات سے علیحدہ نہیں کرتا۔

باقی رہا تیسرا امر کہ مراد ایمان سے اصول دین کو تصدیق کرنا ہے اور چونکہ امامت بھی ایک اصل اصول دین سے ہے اور اس سے ابوبکر صدیق منکر تھے اس سے اُن پر اطلاق ایمان کا نہیں ہوتا اس کی تردید ہم بخوبی بحث امامت میں کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ لیکن ہمارے نزدیک ابتدائے زمانہ نبوت میں امامت کو اصول دین میں داخل کرنا اور جو اس وقت امامت پر ائمہ اثنا عشر کے ایمان نہیں لایا اسکو مومن نہ جاننا نادانی ہے اس لئے کہ جب پیغمبر صاحب نے نبوت کا دعویٰ کیا اور اسلام کی دعوت فرمائی تو اس وقت خدا کی توحید اور اپنی نبوت کی تصدیق ایمان کی علامت رکھی ایمہ کی امامت کی تصدیق کی تکالیف کسی کو نہیں دی بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی اسلام کی دعوت صرف توحید اور نبوت کی تصدیق پر کی پس اس وقت امامت کا کچھ ذکر ہی نہ تھا کہ کوئی اس کو قبول کرتا یا اس سے انکار کرتا اگر ہم غلط کہتے ہوں تو حضرات شیعہ اپنی ہی کتابوں سے یہ ثابت کر دیں کہ جب اوّل اوّل پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء نے لوگوں کو اسلام کی طرف بلایا تو ان سے توحید اور نبوت کے سوا حضرت علی کی امامت کی تصدیق کو بھی فرمایا حضرت علیؓ اس وقت لڑکے تھے کسی شخص سے اس وقت پیغمبر صاحب نے نہیں فرمایا کہ جس طرح پر خدا کی توحید اور میری نبوت کی تصدیق تم پر ایمان کے لئے ضروری ہے اسی طرح میرے چھوٹے بھائی علی کی امامت کی تصدیق بھی ضروری ہے اور جب کہ ایسا کسی سے اس وقت نہیں کیا اور امامت کو اصول ایمان سے قرار نہیں دیا تو ابوبکر صدیق کا انکار یا اقرار کرنا بھی اس سے ثابت نہیں ہوتا اور جب یہ ثابت نہ ہوا تو ان کے ایمان میں بھی کچھ خلل نہ آیا ہاں حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ آخر زمانہ نبوت میں خم غدیر پر جب خطبہ امامت علی مرتضیٰ کا پڑھا اور لوگوں کو توحید اور رسالت کے علاوہ امامت کے اقرار پر بھی دعوت کی اس وقت امامت کا انکار گویا ایمان کے خلل کا سبب ٹھہرا لیکن جب کہ اس کا نام و نشان بھی نہ تھا اور کوئی لفظ امامت سے واقف تک نہ تھا اس کو اس وقت اصول دین میں ٹھہرانا اور اس سے ناواقف آدمی کو منکر قرار دینا اور اس کے عدم ایمان کا سبب کہنا بڑی نادانی ہے ہاں حضرات شیعہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خم غدیر کے وقت حضرت علی کی امامت سے دل میں انکار کیا اور بعد وفات پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء کے اس کو ظاہر کیا یعنی خود امام بن بیٹھے تو ہم اس بات کو سن سکتے ہیں لیکن اس سے صرف اطلاق ارتداد کا (ونعوذ باللہ من ذٰلک) اُن پر ہو

سکتا ہے، اس سے اُن کی اس ایمان میں جو اوّل اوّل لائے کچھ خلل نہیں آسکتا اور ابتدائے زمانہ نبوت میں اُن کا نہایت سچے دل سے ایمان لانا اپنے حال پر قائم رہتا ہے، ہاں ارتداد ان کا بسبب غصب خلافت کے اس کو ہم بحث امامت میں بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

بیان حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لانے کا

جب کہ ہم نے ابوبکر صدیق کے ایمان کو ثابت کر لیا اس لئے اب ہم کچھ ذکر حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایمان لانے کا کرتے ہیں یہ بات سب کو معلوم ہے کہ پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام رات دن اس فکر میں رہتے تھے کہ اسلام کی ترقی ہو اور خدا کے دین میں لوگ داخل ہوں کوئی لحظہ کوئی دم اس سے غافل نہ ہوتے تھے اور جو تدبیر اُسکے حاصل ہونے کی ہوتی تھی اس میں دریغ نہ فرماتے تھے لیکن باوجود اس کوشش اور محنت کے چھ برس کے عرصے میں صرف چند ہی شخص جو کہ چالیس سے کم تھے ایمان لائے آخرش پیغمبر خدا علیہ التحیتہ والثنا نے اس تھوڑی سی جماعت کو دیکھ کر خدا سے دعا کی کہ خداوند اس گروہ کو بڑھا اور ایسے شخص کو مسلمان کر کہ جس کے رعب و عزت سے اس گروہ کو قوت اور اسلام کو تائید ہو اور جس کی ذات سے بہت جلد اسلام کو رونق ہووے چنانچہ حضرت نے اپنے نزدیک ایسے صرف دو شخص اپنی قوم میں خیال کئے ایک حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالےٰ عنہ، دوسرا ابوجہل کہ یہ دونوں نہایت ہی مغرور اور مشہور اور نامور تھے اور اُن کو سب سے زیادہ عداوت بھی پیغمبر صاحب کے ساتھ تھی اور شب و روز اسلام کے معدوم ہو جانے کی فکر میں رہتے تھے پس حضرت نے خدا سے دُعا کی کہ الٰہی اپنے دین کو ان دو آدمیوں میں سے کسی ایک آدمی کے مسلمان کر دینے سے قوی کر اور عمر یا ابوجہل میں سے ایک کو ایمان عطا فرما چنانچہ خدا نے دعا حضرت کی حضرت عمر کے حق میں قبول کی اور اُن کو اسلام سے مشرف کیا حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا مختصر حال یہ ہے کہ ابوجہل نے جس کو پیغمبر صاحب کے ساتھ دلی عداوت تھی اپنے بھائیوں سے کہا کہ جو کوئی پیغمبر صاحب کو قتل کرے اور اُن کا سر میرے پاس لاوے اس کو ہزار شتر سُرخ بال والے اور بہت سے دینار و درم اس کے صلے میں دوں گا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس کام کو اپنے ذمہ لیا اور پیغمبر صاحب کے قتل

کے ارادے سے چلے ادھر حضرت عمر کا چلنا تھا ادھر خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ اس کو ہماری طرف کھینچو اور جس کے سرانے کو جاتا ہے اس کے قدموں پر گراؤ ہماری قدرت کا تماشہ دیکھو کہ شقی ہو کر جاتا ہے اور سعید ہو کر لوٹے گا، کافر بن کر نکلا ہے اور مومن پاک ہو کر پھرے گا۔ ہماری دشمنی کے ارادے پر مستعد ہو کر اٹھا ہے اور ہماری محبت کے دام میں ابھی پھنستا ہے وہ تو اپنی خوشی سے ہمارے دوست کے قتل کو چلا ہے اور ہم زبردستی اس کو کافروں کے قتل کے لئے مقرر کرتے ہیں اب تم سطح زمین پر جاؤ اور اس کی خبر لو اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ہمارے دین میں لے آؤ۔ مصرع

گر نیاید بخوشی موی کشانش آرید

چنانچہ حضرت عمرؓ تلوار کو گلے میں حمائل کر کے نہایت غصے اور طیش میں پیغمبر صاحب کی طرف چلے فرشتگان ملاء اعلیٰ نے شادی کا غلغلہ بلند کیا طرفہ طرفہ کا شور مچایا زبان حال سے یہ شعر پڑھنا شروع کئے۔ اشعار

آمد آں یارے کہ من میخواستم ۔ راست شکارے کہ من میخواستم

رفتہ رفتہ میرود آں سوی دام ۔ ہم بہ ہنجارے کہ من میخواستم

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اثنائے راہ میں بہت سے معجزات دیکھے راہ میں ایک شخص مسلمان ملا اس کے مارنے کا قصد کیا اس نے کہا کہ اول اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں تب غیروں کی خبر لینا چنانچہ حضرت عمرؓ اپنی بہن کے گھر گئے دروازہ بند پایا اور آواز قرآن مجید پڑھنے کی سنی اس کو باہر سے سنتے رہے آخر دروازہ کھٹکھٹایا اُن کی بہن نے دروازہ کھولا پوچھا کہ تم لوگ کیا پڑھتے تھے ہم کو دو انہوں نے دینے سے انکار کر دیا آخر اپنی بہن بہنوئی کی خوب مار پیٹ کی جب اُن کی بہن نے یہ زیادتی دیکھی تو پکار اٹھی کہ اے عمر ہوشیار ہو ہم تو ایمان لا چکے اور سچے دین میں داخل ہو گئے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ تم کو جو کرنا ہے سو کرو تب تو حضرت عمرؓ دھیمے پڑے اور کہا کہ اُس قرآن سے کچھ سناؤ تب سورہ طٰہٰ ان کو سنائی اس کی فصاحت اور بلاغت پر غش ہو کر حضرت عمرؓ کے دل کو یقین ہو گیا کہ بیشک سچا کلام خدا کا ہے اور اسی وقت کلمہ شہادت پڑھا اور ایمان لائے اور قصد پیغمبر صاحب کے حضور میں داخل ہونے کا کیا جب حضرت عمرؓ کے آنے کی خبر ہوئی تو اصحاب رسول میں تہلکہ پڑ گیا اس لئے کہ وہ اُن

کی شوکت اور ارادے سے واقف تھے یہاں تک کہ جب حضرت عمرؓ دروازے پر پہنچے تو کوئی دروازہ کھولنے کو نہ اٹھتا تھا مگر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چچا پیغمبر صاحب کے یہ کہہ کر اٹھے کہ وہ ایک آدمی ہے۔ اگر اطاعت کے ارادے پر آیا ہے خیر ورنہ اُسی کی تلوار ہے اور اُسی کا سر چنانچہ حضرت عمرؓ اندر داخل ہوئے پیغمبر صاحب بنفس نفیس اُٹھے اور اُن کو آغوش رحمت میں لے کر ایسا دبایا کہ اُن کی آنکھیں نکل پڑیں تب تو حضرت مسکرائے اور اُن کی طرف دیکھ کر خندہ زن ہوئے حضرت عمرؓ صدق دل سے نعرہ مار کر کہنے لگے اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ تب سب مسلمان خوشی سے تکبیر کہنے لگے اور حضرت عمرؓ کے ایمان لانے پر حمد و ثنا خدا کی کرنے لگے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسی وقت پیغمبر خدا سے کہا کہ یا حضرت بتوں کی عبادت تو علانیہ ہووے اور خدا کی عبادت چھپ کر یہ مناسب نہیں ہے آیئے خانہ کعبہ کو چلیئے اور باعلان نماز ادا کیجیے چنانچہ اُن کی عرض کو حضرت نے قبول فرمایا اور خانہ کعبہ کی طرف توجہ کی اور نہایت شان و شوکت سے حضرت مع سب اصحاب کے عازم خانہ کعبہ کے ہوئے جب حضرت تشریف فرما خانہ کعبہ ہوئے تو حضرت عمرؓ ہی آگے آگے چلے کافروں نے کہ وہ منتظر تھے کہ سر پیغمبر صاحب کا لاتے ہوں گے، یہ دیکھ کر کہا اے عمر یہ کیا حال ہے تب حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ سنو میں ایمان لایا اور پیغمبر کی غلامی کا غاشیہ میں نے اپنے دوش پر لیا جو اطاعت کرے گا خیر ورنہ اگر مزاحمت کرے گا تو یہی تلوار ہے اور اس کا سر چنانچہ چند آدمیوں کو اُسی وقت اپنا زور دکھایا اور خانہ کعبہ میں جا کر پیغمبر صاحب کے پیچھے نماز ادا کی یہ حال حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا ہے اور اس میں ہم نے دو باتوں کا ذکر کیا ہے اول پیغمبر صاحب کے دُعا کرنے کا حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کے واسطے کی دوسرے اس کیفیت سے ایمان لانے کا چنانچہ ہم دونوں باتوں کو شیعوں کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں ۔ امر اول کے ثبوت سے پہلے ہم کو یہ لکھنا ضرور ہے کہ اکثر مجتہدین اور علمائے شیعہ نے اس دعا سے انکار کیا ہے اور اس کو سنیوں کی تہمت اور افترا میں تصور کیا ہے جیسا کہ ایک مجتہد صاحب کا خلاصہ عبارت یہ ہے کہ دُ فاروقؓ ہونے

لے عمر فاروق کی عرب میں کوئی عزت نہ تھی اور آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو عزت دینے کی دعا والی درایت سنی علمائے خود گھڑی ہے اور اس قسم کی دُعا جو عقل و نقل کے سراسر خلاف ہے معاذ اللہ رسول اکرم کی زبان مبارک سے ادا نہیں ہوئی۔

در عرب نماشتہ پس ایں احادیث را علمائے سنیاں از پیش خود برتافتہ اند۔ حاشا کہ جناب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ایں دعا کہ مخالف عقل و نقل ست بر زبان مبارک آوردہ نہ باشد) لیکن یہ انکار صرف دھوکا دینا اور عوام کو اپنے مذہب کی برائی پر واقف ہونے سے بچاتا ہے ورنہ بہت سے محدثین اور علمائے شیعہ نے اس کی صحت پر اقرار کیا ہے۔ چنانچہ فضل بن شاذان اور شیخ طبرسی اور شیخ طوسی اور علم الہدیٰ اور شیخ مفید کے اقرار سے اس کی صحت ثابت ہوتی ہے چنانچہ ہم اُن سے قطع نظر کر کے ملا مجلسی کی تصدیق کو سنداً بیان کرتے ہیں اور اُن کی کتاب بحار الانوار ہے جس کا نام نامی اور اسم گرامی خدا کی کتاب سے بڑھ کر حضرات شیعہ کی زبان پر ہے اس روایت کو نقل کرتے ہیں وہو ہذہ ملا باقر مجلسی بحار الانوار کی چودھویں جلد میں جس کا نام کتاب السماء والعالم ہے مسعود عیاشی سے روایت کرتے ہیں وروی العیاشی عن الباقر علیہ السلام ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللھم اعز الاسلام بعمر بن الخطاب او بابی جہل بن ہشام، یعنی امام باقر علیہ السلام سے روایت ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دُعا کی کہ الٰہی عزت دے اسلام کو عمر بن خطاب کے اسلام لانے سے یا ابوجہل بن ہشام کے مسلمان ہونے سے غرضکہ اب ہم اُن مجتہدین کی نسبت جنہوں نے اس دعا سے انکار کیا اور عوام کو دھوکا دیا کیا کہیں بجز اس کے کہ اُن کے مقلدین کے سامنے ان کے انکار کو اور ملا باقر مجلسی کے اس اقرار کو رکھ دیں اور یہ عرض کر دیں کہ اب خود ہی انصاف کرو کہ اس کے ہر ہر لفظ کو غور کریں اور انصاف فرمائیں کہ باوجود تعصب اور عناد کے اس مولف نے کیا کچھ لکھا ہے اور یہ کوئی نہ خیال کرے کہ حملۂ حیدریہ کتب معتبرہ سے نہیں ہے بلکہ اس کو خود حضرت مجتہد صاحب شیعوں کے قبلہ و کعبہ نے تصحیح کیا ہے اور اس کی اصلاح اور تحشی خود حضرت سید محمد صاحب نے فرمائی ہے اور جو کہ اب مطبع سلطانی میں باہتمام مدد علی داروغہ کے لکھنؤ میں چھپا ہے اس کی عنوان پر یہ سب کیفیت لکھی ہوئی ہے اور اس کے سرے پر اس کتاب کی تعریف میں لکھا ہے۔

عجائب کتابے پر از نور ہست	کہ ہر بیت آن بیت معمور ہست
بہ بزمیکہ خوانند فصلے ازان	سخن از حلاوت شود لب گزان
مشام محبان معطر شود	دل از نور ایمان منور شود

لہ حملۂ حیدری جلد اول صفحہ ۲ دیباچہ سطر ۲۳ مطبع سلطانی ۱۲۶۳ھ ۱۲ منہ

تعالی اللہ آن باذل بی بدل ۔۔۔ کہ آوردہ ہر نکتہ را بر محل

بتوفیق روایت رقم میزند ۔۔۔ براہ دیانت قدم میزند

بر ترجیح اخبار وارد مناط ۔۔۔ برون نیست از جادۂ احتیاط

بہ نہجے گرفت ست ایراد ودق ۔۔۔ کہ افتادہ در جان اعدا قلق

عجب دفتر دلکشای نوشت ۔۔۔ کہ پیچیدہ دروی ہوای بہشت

معطر چو مشک تتارست این ۔۔۔ معنبر چو باد بہارست این

زہر نکتہ سازد معطر دماغ ۔۔۔ زہر نقطہ اش میشود تر دماغ

دل آشفتگان را تماشاست این ۔۔۔ جگر خستگاں را مسیحاست این

بس ست از نعوت و صفاتش ہمین ۔۔۔ کہ گردیدہ مقبول سلطان دین

فرازندۂ رایت اجتہاد ۔۔۔ زحق حجت و آیتے بر عباد

طریق شریعت موید ازوست ۔۔۔ کہ نام و نشان محمد ازوست

دل سنیاں داغدار ست زو ۔۔۔ کہ ہندوستان سبزدارست زو

پس ہم اسی کتاب سے جس کے نور سے دل مومنین کے منور ہیں حضرت عمرؓ کے ایمان کے نور کو دکھلاتے ہیں جو اندھے نہ ہوں وہ دیکھیں اور اسی کتاب سے جس کی خوشبو سے دماغ محبوں کے معطر ہیں حضرت فاروق کے اسلام کی خوشبو پھیلاتے ہیں جو دماغ رکھتے ہوں وہ سونگھیں اور ہم اسی محقق کے قول سے جو موافق روایت کے لکھتا ہے اور جو قدم بقدم دیانت پر چلتا ہے اس روایت کو ثابت کرتے ہیں اور ہم اسی کی تصدیق سے جس نے سنیوں کی جان کو رنج میں ڈال رکھا ہے حضرت شیعہ کو رنج دیتے ہیں اور اسی کے کلام سے جس کا کلام شیعوں کے زخموں کے لئے مرہم ہے اُن کے دلوں کو مجروح کرتے ہیں اور اس قبلہ و کعبہ کی تصحیح اور قبولیت سے جس نے سنیوں کے دلوں کو داغدار کر دیا ہے اُن کے مقلدین کے دلوں کو داغدار کرتے ہیں اے بھائیو اس روایت کو سنو اور دیکھو کہ حقیقت میں کیسا نور چمک رہا ہے اور سونگھو کہ دراصل کیسی خوشبو مہک رہی ہے بیشک اس روایت کی نسبت ہم بھی یہ شعر پڑھتے ہیں۔

بہ نہجی گرفت ست ایراد ودق ۔۔۔ کہ افتادہ در جان اعدا قلق

زہر نکتہ سازد معطر دماغ ۔۔۔ زہر نقطہ اش میشود تر دماغ

معطر چو مشک تتارست ایں ۔۔۔ معنبر چو باد بہارست ایں

ایضاً صفحہ ۳ سطر ۱۱-۱۲ تا آخر

اب ہم اس روایت کو بعینہٖ کتاب مذکور سے نقل کرتے ہیں۔

در کیفیت ایمان آوردن عمر بن خطابؓ

عمرؓ بعد ازاں پس چند گاہ　　در آمد بدین، رسول الٰہ

چناں بد کہ بوجہل ازاں سرزنش　　بہ کیفیتے شد عداوت منش،

کہ جز قتل پیغمبر ذو الجلال　　نبودش دگر ہیچ فکر و خیال

یکی روز می گفت با اشقیا!　　کہ آرد کسی گر سر مصطفےٰ!

ہزار اشتر از خود بہ بخشم باد　　دو کوہان سیہ دیدہ و سرخ مو

ز دیبای مصری و برد یمن　　دگر سیم و زر بخشمش چند من

عمر چوں شنید آن سخن گفتنش　　بجنبید عرق طمع در تنش،

باد گفت سوگند اگر مے خوری　　کہ از گفتۂ خویشتن نگذری

من امروز خدمت رسانم بجا　　بیارم بہ پیشت سر مصطفےٰ!

گرفت از ابوجہل اول قسم　　پس آنگاہ زد در رہ کین قدم

ہانگار چوں رفت بیرون عمر　　یکی گفت با او نداری خبر

کہ ہمشیرہ ات نیز با ختنت خویش　　گزیدست دین محمدؐ بہ پیش

برآشفت ابا حفص ازیں گفتگو　　بگفتا بریزم کنون خون او

سوی خانۂ خواہر خویش رفت　　چو آمد بنزدیک در پیش رفت

بیامد بہ پیش در و ایستاد　　صدائی شنید و بآن گوش داد

شنید انکہ میخواند مرد نکو　　کلامے کہ نشنیدہ؟ مثل او

وز وی گرفتند یاد آن کلام　　ہمان خواہر و ختنت او بالتمام

عمر زد در خواہرش باز کرد　　چو آمد درون شور آغاز کرد

در افتادہ با ختنت خواہر بجنگ　　گرفتش ز حلق و بیفشرد تنگ

در آویخت داماد ہم با عمر　　گرفتند خصمانہ ہم را بہ بر.

بخستند گر روی ہم گاہ پشت　　لگد گہ زدندی بہم گاہ مشت

؂ در حملۂ حیدری جلد اوّل از صفحہ ۲۱، سطر ۲۱ تا صفحہ ۲۳ سطر ۱۴ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۷ھ ہجری، ۱۲۰ صفحہ

زہم پوست کندند گاہ مو   گہے این بزیر آمدے گاہ او
ازو چون عمر بود پر زور تر   فگندش بزیر و نشست از زبر
گلوئیش بہ تنگی فشرد آنچنان   کہ نزدیک شد تا شود قبض جان
بیامد دوان خواہرش نوحہ گر   بگفتش چہ خواہے زما اے عمر
اگر شاد گردے زما در ملول   نمودیم دین محمد قبول
کنوں گر کشے سر بداریم پیش   ولی بر نگردیم از دین خویش
چو بشنید ازو این حکایت عمر   بدانست کو بر نگردد دگر
بگفتش چہ دیدی تو از مصطفٰے   کہ گشتی بہ دینش چنیں مبتلا
بگفتا کلام خدائے جلیل   کہ آرو باد حضرت جبرئیل
شنیدم کہ گردید بر ما یقین   کہ ہست این کلام جہاں آفرین
عمر گفت ازان قول معجز اساس   اگر یاد داری بخواں بے ہراس
برو خواہرش آیۂ چند خواند   عمر گوش چوں کرد حیران بماند
ولش زان شنیدن بسی نرم شد   بسوئے اسلام سرگرم شد
عمر گفت دیگر بخوان زین کلام   بگفتا دگر نیست زین می بجام
ولی ہست استاد ما در نہفت   کہ گردیدہ پنہان چو نامت شنفت
قسم گر خورے کو نیابد زیان   بیاریم پیشت کہ خواند ازان
چو بگرفت سوگند ازو خواہرش   بیاورد استاد خود را برش
بد از اہل اسلام نامش خباب   بیامد بہ نزد عمر بے حجاب
برو خواند آیات پروردگار   ابا حفص اسلام کرد اختیار
چو آیات معجز بیان را شنید   ہمش قول کاہن بخاطر رسید
بہ اسلام شد رغبتش بیشتر   کہ آنہم شود راست چوں این خبر
وزان پس بگشتند باہم روان   بنزد رسول خدائے جہان
بدولت سرائے پیمبر شدند   چو در بستہ بُد حلقہ بر در زدند
یکی آمد و دید از پشت در   کہ استادہ با تیغ بر در عمر
بنزد نبے رفت و احوال گفت   بماندند اصحاب اندر شگفت

ملائک چپ و راست در دور باش | شیاطین ز ہیبت شدہ پاش پاش
بہ پہلو رواں حمزۂ نامدار | بہ پیش علیؓ صاحب ذوالفقار
ہمیں رفت در پیش حیدر عمر | حمائل ہماں تیغ کیں بر کمر
بگرد آمدہ جمع یاران تمام | برفتند زینساں بہ بیت الحرام
ہمہ ار حرم سر بعرشش بجنبید | رسانید چون گرد موکب رسید
چو دیدند کفار زاں گونہ حال | نمودند باہم بسے قیل و قال
یکی رفت از انہا بہ نزد عمر | بدو گفت ایں چیست ای بدگہر
نہ زانساں کہ رفتی تو باز آمدی | بکین رفتے و با نیاز آمدی
عمر کرد اسلام خود، آشکار | پس انگہ بدو گفت ای نابکار
ہر آں کز شما جنبد از جای خویش | بہ بیند سر خویش بر پای خویش
چو کفار دریافتند از سخن | کہ در دل چہ دارند آں انجمن
نہادند پا در رہ امتناع | نمودند با اہل ملت نزاع
چو دیدند آں صحبت اصحاب دیں | ہمہ دست بردند بر تیغ کیں
ازاں حال کفار پس پاشدند | دلیران دیں مسجد آرا شدند
بہ پیش اندر آمد رسول خدا | نمودند یاران با اقتدار
نبی گفت تکبیر چوں در حرم | فتادند اصنام بر روئے ہم
نزائیدہ ایزد بمسجد نماز | ادا کرد و آمد سوئے خانہ باز

اے حضرات شیعہ تم کو اپنے باذلِ بے بدل اور اپنے قبلہ وکعبہ کے آبِ گل کی قسم ہے کہ اس روایت کو دیکھو اور غور کرو کہ جو شخص اس دھوم دھام سے ایمان لائے اور جو آدمی اس شان وشوکت سے مسلمان ہوئے اس کی نسبت کون خیال کرسکتا ہے کہ وہ منافق ہوگا یا سچے دل سے ایمان نہ لایا ہوگا یا بعد ایمان کے مرتد ہوگیا ہوگا یا ایسے شخص سے کبھی پیغمبر صاحب رنجیدہ ہوئے ہوں گے یا ایسے آدمی کو دشمن اسلام کا اور منافق سمجھے ہوں گے دیکھو جو دعا پیغمبر صاحب نے اُن کے لئے کی تھی کیسی جلد خدا نے قبول کی اور اس کا اثر کیسا جلد ظاہر ہوا کہ اُن کے ایمان لانے کا پہلا کام تو یہ ہوا کہ اول اول نماز جماعت کی خانہ کعبہ میں ادا ہوئی اور اخیر کا کام اُن کا یہ ہوا کہ د

شام اور حلب اور دمشق میں کلمہ کفر کا پست اور خدا کا کلمہ بلند ہوا ابتدا اسلام کی عزت بھی انہیں کی ذات سے ہوئی اور خاتمہ بھی انہیں پر ہوا حقیقت میں دعا اس کو کہتے ہیں اور قبولیت اسی کا نام ہے۔ اے یارو ذرا تو انصاف کو دخل دو اور تعصب اور عناد کو چھوڑ دو کہ جس کی ذات سے ایک ہزار چھتیس شہر کفر کے دار الاسلام ہوئے اور جس کی بدولت ہزاروں بت خانے اور گرجے ٹوٹ کر مسجدیں بن گئیں اور جس کے سبب سے کسریٰ اور قیصر کے محلوں میں غلغلہ اللہ اکبر کا بلند ہوا اور جس کی وجہ سے ان کی بیٹیاں مسلمانوں کی لونڈیوں میں داخل ہوئیں اور جس کی ذات سے ظلمت کفر کی دور ہوئی اور روشنی اسلام کی از شرق تا غرب پھیل گئی وہی تمہارے نزدیک منافق ہے اور اسی کا نام تمہارے یہاں دشمن خدا اور عدو رسول ہے تو معلوم نہیں کہ پھر خدا کا دوست اور محب رسول کون ہے اگر حضرت عمر کی ذات نہ ہوتی تو آج تمہارے قبلہ و کعبہ لکھنؤ میں بیٹھ کر علی علی کہتے یا اجودھیا میں رام رام پکارتے یہ عمر ہی کی جوتیوں کا طفیل ہے کہ تم خدا کی توحید سے اور پیغمبر کی نبوت سے واقف ہوئے اور کفر چھوڑ کر اسلام اور ایمان کے نام سے آگاہ ہوئے لیکن آفرین تمہارے احسان فراموشی پر کہ اسی کی دشمنی کو تم نے ایمان قرار دیا ہے اور کفر کی بنیاد کھودنے والے اور اسلام کا نیزہ گاڑنے والے کا نام منافق اور کافر رکھا ہے حقیقت یہ ہے کہ جب شیطان نے دیکھا کہ بعد اسلام کے کفر پھیلا نہیں سکتا اور شرک صریح میں گرفتار نہیں کر سکتا تب اس نے یہ تدبیر کی کہ لوگوں کے دلوں میں کفر کی جڑ دوسری طرح قائم کرے اور باوجود مسلمانی کے دعوے کے ان کو اسلام سے خارج کر دے تب اس نے یہ تدبیر کی اور رفض کا عقیدہ لوگوں کے دلوں میں مضبوط کیا اور جن لوگوں نے پیغمبر صاحب کو مدد دی اور جنہوں نے اسلام کو پھیلایا اور جن کے سائے سے شیطان بھاگا ان کی عداوت دلوں میں ڈال دی تاکہ اس حیلے سے اس کا کام نکلے اور لوگ اسلام سے نفرت کریں یا اسلام کا نام لیں مگر اصل میں اس کو چھوڑ بیٹھیں۔

چنانچہ اس ملعون کا مطلب حضرات شیعہ سے بخوبی حاصل ہو گیا اور اس شقی ازلی نے ان کے دلوں کو اندھا کر دیا کہ وہ ایسے اصحاب جلیل القدر کو برا جاننے لگے اور ایسے دوستوں کو پیغمبر صاحب کے برا کہنے لگے ان کی دشمنی کو ایمان سمجھے اور ان کو گالیاں دینا عبادت جانا حقیقت میں ان لوگوں نے ایمان چھوڑ دیا اور شیطان کے دام میں آ کر

اسلام سے ہاتھ دھویا ورنہ جس کو ذرا بھی عقل ہوگی کیا وہ یہ نہ سمجھے گا کہ اگر وہی لوگ جو اس شدومد سے ایمان لائے کافر تھے اور وہی آدمی جنہوں نے اسلام کو عرب سے لیکر عجم تک اور عجم سے لیکر ہند تک پھیلایا اسلام کے دشمن تھے تو پھر دوسرا کون مسلمان ہو سکتا ہے ضرور اس کا عقیدہ اسلام سے پھر جائے گا حقیقت میں اسلام کی حقیقت پر کوئی معتقد نہیں ہو سکتا جب تک وہ شیعوں کے عقیدے نہ چھوڑے اور پاک سنی نہ بن جائے واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم

میں اس مقام پر ایک اور بات شیعوں کی لکھنا مناسب سمجھتا ہوں تاکہ ان کے عقیدے کی خوبی اس سے ظاہر ہو جائے اور ان کی دشمنی اسلام اور ایمان سے ثابت ہو جائے۔ یہ امر تو بخوبی ثابت ہو گیا کہ حضرت عمرؓ کی ذات سے نہایت تقویت دین کی ہوئی اور اسلام کی جڑ انہیں کے سبب سے مضبوط ہوئی چنانچہ صاحب حملۂ حیدریہ نے باین تعصب خود اقرار کیا ہے کما قیل **مصرع**

وزان بیشتر یافت دین تقویت

اور ظاہر ہے کہ جس کی ذات سے دین نے تقویت پائی ہوگی۔ اس کی ذات سے پیغمبر صاحب کو محبت بھی بدرجہ غایت ہوگی لیکن موافق روایت شیعوں کے پیغمبر صاحب کو کسی سے اس قدر عداوت نہ تھی جیسے کہ حضرت عمرؓ سے تھی اور ان کے مرنے کی خبر سے جس قدر حضرت کو خوشی ہوئی ایسی کسی خبر سے نہ ہوئی تھی اور جو فضائل اس روز کے جس جس روز کہ حضرت عمرؓ نے شہادت پائی پیغمبر خدا نے بیان کئے ہیں ایسے فضائل جمعہ اور عید اور روز غدیر کے بھی بیان نہیں کئے اور جو برکات اور فوائد اہل بیت کو اس تاریخ میں ہوئے ہیں جس تاریخ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے وفات پائی ایسے کبھی کسی روز نہیں ہوئے ہیں چنانچہ زاد المعاد میں جو معتبرین کتب شیعہ سے ہے اور ملا باقر مجلسی جس کے مؤلف ہیں اس کے آٹھویں باب کی پہلی فصل میں ایک طول طویل روایت لکھی ہے جس کو ملا صاحب نے اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کیا ہے اس کا مختصر مضمون ہم لکھتے ہیں

---

[1] بدرستیکہ خبر داد مرا پدرم کہ حذیفہ بن یمان در روز نہم ربیع الاول داخل شد بر جد م رسول خدا حذیفہ گفت کہ دیدم حضرت امیر المومنین وحضرت امام حسن وامام حسین با آنحضرت رسالت پناہ طعام تناول میفرمودند و آنحضرت بروی ایشان تبسم میفرمود و با حضرت امام حسن و امام حسین میگفت بخورید گوارا باد از برکت ...

برکت و سعادت این روز بدرستیکه این روزیست که حق تعالی ہلاک میکند دشمن جد شمارا و مستجاب میگرداند
دریں روز دعاہائے جد شمارا بجوئید که این روزیست که حق تعالی قبول میکند اعمال شیعیان و محبان شمارا دریں روز
بجوئید که این روزیست که ظاہر میشود راستی گفته خدا که میفرماید فتلک بیوتہم خاویة بما ظلموا یعنی این ست خانہائے
ایشان که خالی گردیده است بسبب ستمہای ایشان بجوئید که این روزیست که شکسته میشود دریں روز شوکت جد
شما و یاری کننده جد شما یاری کننده دشمن شما بجوئید که این روزیست که ہلاک میشود دریں روز فرعون اہل بیت
من و ستم کننده برایشان و غصب کننده حق ایشان بجوئید که این روزیست که حق تعالی عملہای دشمنان شمارا باطل
و باطل میگرداند حذیفه گفت که من گفتم که یا رسول الله آیا در میان امت تو کسی خواہد بود که ہتک این حرمتہا نماید
حضرت فرمود که ای حذیفه یکی از منافقان برایشان سرگرده خواہد شد و دعوی ریاست در میان ایشان خواہد کرد و مردم را
بسوی خود دعوت خواہد نمود و تازیانه ظلم و ستم را بر دوش خود خواہد گرفت و مردم را از راه خدا منع خواہد نمود و کتاب خدا را
تحریف خواہد نمود و سنت مرا تغیر خواہد داد و میراث فرزند مرا متصرف خواہد شد و خود را پیشوائے مردم خواند و زیادتی بر وصی
من علی بن ابی طالب خواہد کرد و مالہائے خدا را بناحق بر خود حلال خواہد کرد و در غیر طاعت خدا صرف خواہد کرد و مرا و
برادر من و وزیر من علی بن ابی طالب را بدروغ نسبت خواہد داد و دختر مرا از حق خود محروم خواہد گردانید پس دختر من او را
نفرین خواہد کرد و حق تعالی نفرین او را مستجاب خواہد کرد حذیفه گفت یا رسول الله چرا دعا نمیکنی که حق تعالی او را در حیات شما
ہلاک کند حضرت فرمود که ای حذیفه دوست نمیدارم که جرأت کنم بر قضای خدا و از او طلب کنم تغیر امرے را که در علم او گذشته
است و لیکن از حق تعالی سوال کردم که فضیلت دہد آن روز را که در آن روز او بجہنم میرود بر سائر روزہا تا آنکه احترام
آن روز سنتے گردد در میان دوستان من شیعیان اہل بیت من پس حق تعالی وحی کرد بسوی من که ای محمد در علم سابق من گذشته
است که در یابد ترا و اہل بیت ترا محنتہا و بلاہائے دنیا و ستمہائے منافقان و غصب کنندگان از بندگان من آن منافقان
که تو خیر خواہی ایشان کردی و با تو خیانت کردند و تو با ایشان راستی کردی و ایشان با تو مکر کردند و تو با ایشان صاف بودی
ایشان دشمنی ترا بدل گرفتند تو ایشان را خشنود و ایشان از تو ناخوش کردند تو ایشان را بر گزیدی و ایشان ترا دلگیر ساختند و قسم یاد میکنم
بحول و قوت و پادشاہی خود که البته بکشایم برائے کسیکه غصب کند حق علی را که وصی تست بعد از تو ہزار در از پست ترین
طبقات جہنم که آنرا فیلوق میگویند و او را و اصحاب او را در قعر جہنم جا دہم که شیطان از مرتبہ خود بالا مشرف شود و او را ... کند
آن منافق در روز قیامت عبرتے گردانم برائے فرعونہا که در زمانہائے پیغمبران دیگر بودند و برائے سائر دشمنان دین ایشان
و دوستان ایشان را بسوی جہنم برم با دیدہائے کبود و روہائے ترش با نہایت مذلت و خواری و بر پشیمانی ایشان بیفزاید
و او را در عذاب خود بدارم ای محمد وصی تو بمنزلت تو نگردد با آنچه میرسد او را از بلا از آن فرعون او و غصب کننده حق او
جرأت میکند بر من و کلام مرا بدل میکند و شرک بمن مے آورد و مردم را منع میکند از راه من و بر پا میکند گوساله از برائے امت

تو بزرگی بندہ کہ آن ابو بکر است و کافر میشود و بمن بعد عرش عظمت و جلال امن بعد رسنیکہ من امر کردہ ام ملائکہ ہفت آسمان خود را کہ برائے شیعیان و محبان دین شما عید کنند آن روزی را کہ آن .... کشتہ میشود امر کردم کاکرسی کرامت مرا نصب کنند در برابر بیت المعمور و ثنا بر من و طلب آمرزش نمایند برائے شیعیان و محبان شما از فرزندان آدم و امر کردہ ام ملائکہ نویسندگان اعمال را کہ از این روز تا سہ روز قلم از مردم بردارند و ننویسند گناہان ایشان را برائے کرامت تو و وصی تو اے محمد روز را عید گردانیدم برائے تو و اہل بیت تو و برائے ہر کہ تابع ایشان باشد از مومنان و شیعیان ایشان و سوگند یاد میکنم بعزت جلال خود و علو منزلت و مکان خود کہ عطا کنم کسے را کہ عید کند این روز را از برائے من ثواب آنہا کہ بعد عرش حافظ کردہ و قبول کنم شفاعت او را از خویشان و زیادہ کنم مال او را اگر گشادگی دہد بر خود و بر عیال خود و در این روز و ہر سال از ہر روز ہزار ہزار کس از موالیان و شیعیان شما را از آتش جہنم آزاد گردانم و اعمال ایشان را قبول کنم و گناہان ایشان را بیامرزم حذیفہ گفت پس برخواست حضرت رسول خدا و بخانہ ام سلمہ رفت و من برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر تا آنکہ بعد از وفات حضرت رسول دیدیم کہ او چہ فتنہا برانگیخت و کفر اصلی خود را اظہار کرد و از این دین برگشت و دامان بے حیائی را برائے غصب امامت و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانہ وحی و رسالت زد و بدعتہا در دین خدا پیدا کرد و سنت پیغمبر را تغییر داد و سنت آن حضرت را بدل کرد و شہادت حضرت امیر المومنین را رد کرد و فاطمہ دختر رسول خدا را بدروغ نسبت داد و فدک را غصب کرد و یہود و نصاری و مجوس را از خود راضی کرد و نور دیدہ مصطفیٰ را بخشم آورد و در رضا جوئی اہل بیت رسالت نکرد و جمیع سنتہای رسول خدا را برطرف کرد و تدبیر کشتن امیر المومنین کرد و جور و ستم در میانہ مردم علانیہ کرد ہر چہ خدا حلال کردہ بود حرام کرد و ہر چہ حرام کردہ بود حلال کرد و حکم کرد کہ از پوست شتر دینار و درہم بسازند و پہلوئے کنیزہ و بر در شکم فاطمہ زہرا زد و بر منبر حضرت رسالت بغصب و جور بالا رفت و بر حضرت امیر المومنین افترا بست و با آنحضرت معارضہ کرد و رای آنحضرت را سفاہت نسبت داد حذیفہ گفت پس حق تعالے دعائے برگزیدہ خود و دختر پیغمبر خود را در حق آن منافق مستجاب گردانید قتل او را بر دست کشندہ او رحمۃ اللہ علیہ جاری ساخت پس رفتیم نزد حضرت امیر المومنین کہ آنحضرت را تہنیت و مبارکباد گوئیم بآنکہ آن منافق کشتہ شد و بجہنم حق تعالی واصل گردید چون حضرت مرا دید فرمود ای حذیفہ آیا در خاطر داری آن روزیکہ داخل شدی بر خود سید من رسول و من و دو سبط حسن و حسین نزد او نشستہ بودیم و با او طعام میخوردیم پس ترا و دلالت کرد بر فضیلت این روز گفتم بلے اے برادر رسول حضرت فرمود بخدا سوگند کہ این روزیست کہ حق تعالی دیدہ آل رسول را روشن گردانید و من برائے این روز ہفتاد و دو نام میدانم حذیفہ گفت کہ یا امیر المومنین میخواہم کہ آن نامہا را از تو بشنوم حضرت فرمود کہ این روز استراحت کہ مومنان از شر آن منافق استراحت یافتند و روز زائل شدن کرب و غم است و روز رفع بدعت است و روز تجدید شیعیان و روز اختیار نمودن برائے مومنان است و روز برداشتن قلم از شیعیان است و روز تبری جستن برائے کفر

و روز عافیت ست و روز برکت ست و روز طلب خونہائے مومنانست و روز عید بزرگ خداست و روز مستجاب شدن دعاست و روز موقف اعظم و روز وفائے بعہد ست و روز شرط ست و روز کندن جامہ سیاہ ست و روز ندامت ظالمست و روز شکستہ شدن شوکت مخالفانست و روز نفی ہموم ست و روز فتح ست و روز عرض اعمال آن کافرست و روز ظہور قدرت خداست و روز عفو گناہان شیعیانست و روز فرح ایشانست و روز توبہ ست و روز انابت ست بسوئے حق تعالیٰ و روز زکوٰۃ بزرگ و روز فطر دوم ست و روز اندوہ باغیانست و روز گرہ شدن آب دہان در گلوی مخالفانست و روز خوشنودی مومنانست و روز عید اہل بیت ست و روز ظفر یافتن بنی اسرائیل بر فرعونست و روز مقبول شدن احوال شیعیانست و روز پیش فرستادن تصدقات ست و روز زیادتی مثوباتست و روز قتل منافق ست و روز وقت معلوم است و روز سرور اہل بیت ست و روز مشہودست و روز قہر بر دشمن ست و روز خراب شدن بنیان ضلالت ست و روزیست کہ ظالم انگشت ندامت بدندان میگزد و روز عید ست و روز شرفست و روز خنک شدن دلہائے مومنانست و روز شہادتست و روز در گذشتن از گناہ مومنانست و روز تازگی بوستان اہل ایمانست و روز خوشی دلہای مومنانست و روز برطرف شدن پادشاہی منافقانست و روز توفیق اہل ایمان ست و روز رہائی مومنانست از شر کافران و روز مظاہرتست و روز مفاخرتست و روز قبول اعمال ست و روز تجلیل تعظیم ست و روز تجدید طاعت و روز شکر حق تعالیٰ ست و روز دریافتن مظلومانست و روز زیارت کردن مومنانست و روز محبت کردن ایشانست و روز رسیدن بمرتبہ ہای الٰہی ست و روز پاک گردانیدن اعمال ست و روز فاش کردن رازست و روز پاک گردانیدن اعمال ست و روز فاش کردن رازست و روز برطرف شدن بدعتہاست و روز ترک کردن مجوس ست و روز عبادت و روز موعظت و نصیحت ست و روز انقیاد پیشوایان دین ست حذیفہ گفت کہ پس از خدمت امیر المومنین برخاستم و گفتم اگر دریابم از اعمال و افعال خیر و انچہ امید ثواب ازان دارم مگر محبت این روز و دانستن فضیلت این را ہر آئینہ منتہائے آرزوی من خواہد بود پس محمد بن یحییٰ و راویان حدیث گفتند کہ چون این حدیث را از احمد بن اسحق شنیدیم ہر یک برخاستیم و سر او را بوسیدیم و گفتیم حمد و شکر میکنیم خداوند را کہ بر انگیخت ترا از برای ما تا آگہ فضیلت این روز را بما رسانیدے پس بخانہای خود برگشتیم و این روز را عید کردیم۔

حذیفہ ابن یمان صحابی سے روایت ہے کہ میں نویں ربیع الاول کو پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت کے پاس امیر المومنین علی مرتضیٰ اور حضرت امام حسن اور امام حسین بیٹھے ہوئے ہیں اور کھانا نوش فرما رہے ہیں اور حضرت نہایت خوش ہیں اور حسنین علیہما السلام سے کہ رہے ہیں کہ کھاؤ بیٹا کھاؤ یہ تم کو مبارک ہو کہ آج کا دن وہ ہے جس میں خدا اپنے دشمن کو اور تمہارے جد کے دشمن کو ہلاک کریگا اور تمہاری مادر مشفقہ کی دعا

کو قبول کریگا کھاؤ پیو کھاؤ کہ آج وہ دن ہے کہ خدا تمہارے شیعوں او محبوں کے اعمال کو قبول کرے گا کھاؤ پیو کھاؤ کہ آج کی تاریخ خدا میرے اہل بیت کے فرعون کو ہلاک کرے گا کھاؤ پیو کھاؤ کہ آج کے دن خدا تمہارے دشمنوں کے عمل کو باطل کرے گا کھاؤ پیو کھاؤ کہ آج کی تاریخ خدا کے اس قول کی تصدیق ہوگی فتلک بیوتہم خاویۃ بما ظلموا کہ آج کے دن گھران کے خالی ہو گئے بسبب ظلم کے جو انہوں نے کیا تھا۔ حذیفہ صحابی کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ کیا آپ کی امت میں بھی کوئی ایسا ہوگا حضرت نے فرمایا کہ ہاں ایک بت منافقوں سے انکا سرگروہ ہوگا اور دعوی ریاست کا کرے گا اور تازیانہ ظلم و ستم کا اپنے ہاتھ میں لے گا اور آدمیوں کو خدا کی راہ سے منع کرے گا اور خدا کی کتاب کو تحریف کرے گا۔ اور میری سنت کو بدل دے گا اور میرے وصی علی پر زیادتی کرے گا اور خدا کے مال کو ناحق اپنے اوپر حلال کریگا اور غیر طاعت میں خدا کے صرف کریگا اور مجھے اور میرے بھائی علی کو جھوٹا کہے گا حذیفہ نے کہا کہ یا حضرت اگر وہ ایسا ہے تو کیوں آپ اس کے لئے دعا نہیں کرتے تاکہ وہ آپ کی زندگی میں ہلاک ہو جاوے حضرت نے جواب دیا کہ میں خدا کی قضا پر جرأت نہیں کرتا اور جو کچھ اس نے اپنے علم میں قرار دے دیا ہے اس کا بدلنا اس اس سے نہیں مانگتا لیکن یہ خدا سے سوال کرتا ہوں کہ خدا اس روز کو فضیلت دے اور تمام دنوں پر اس دن کو عزت بخشے۔ چنانچہ خدا نے حضرت کی دعا قبول کی اور وحی کی کہ اے پیغمبر میں اس دن کو افضل کرتا ہوں اور علی کو تیرا سا رتبہ اسی کے ظلم کے سبب سے عطا کروں گا وہ شخص مجھ پر جرأت کرے گا میرے کلام کو بدل دے گا میرے ساتھ شرک کریگا لوگوں کو میری راہ سے منع کریگا میرے ساتھ بکفر پیش آئیگا اس لئے میں نے ملائکہ ہفت آسمان کو حکم دیا کہ اس دن کو جس میں وہ مارا جائے شیعوں اور محبوں کے لئے عید کریں اس تاریخ کو میری کرسی کرامت کو بیت المعمور کے برابر نصب کریں اور تمام شیعوں کی مغفرت کی دعا کریں اور میں نے تمام فرشتوں کو حکم دیا ہے کہ اس تاریخ سے تین دن تک قلم آدمیوں سے اٹھا لیں اور شخص کچھ گناہ کیوں نہ کرے اس کو نہ لکھیں اے محمد اس دن کو میں نے تیرے لئے اور تیرے شیعوں کے لئے عید بنا دیا ہے انتہی ترجمہ بلفظہ۔ ایہا المومنین اس روایت کو دیکھو اور کے ایمان اور انصاف اور عقل پر ہزار تعجب ہے کہ زمین شق نہیں ہوتی کہ وہ سما جائیں قہر کی آگ گرتی کہ وہ جل جائیں طوفان غضب نہیں آتا کہ وہ ڈوب مریں دیکھو پیغمبر خدا علیہ

والشانہ پر اس حدیث میں کیسی تہمت کی ہے اور خدا کے محبوب پر کیا افترا باندھا ہے خدا اس قوم سے جس نے اپنی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو بہرا اور دلوں کو غافل کر رکھا ہے اس تہمت اور افترا کا بدلا لے درحقیقت انہیں کی شان میں یہ صادق ہے کہ لہم قلوب لایفقہون بہا ولہم اعین لایبصرون بہا ولہم آذان لایسمعون بہا اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغافلون کوئی دقیقہ بے ایمانی اور کفر کا نہیں ہے جو اس حدیث کے واضع نے چھوڑا ہو اور کوئی جھوٹ اور افترا نہیں ہے جو پیغمبر صاحب کی طرف منسوب نہ کیا ہو بھلا کون شخص ہے جو اس بات کو مانے گا کہ جس شخص کے ایمان لانے کیلئے خود ہی حضرت نے دعا کی ہو اور جس کے لئے بروایت امام باقر علیہ السلام اللّٰہم اعز الاسلام بعمر بن خطاب کہا ہو اور جس کے حق میں خدا نے حضرت کی دعا قبول کی ہو اور جس نے مسلمان ہوتے ہی جھنڈا اسلام کا کعبے میں گاڑ دیا ہو اور جس نے اسلام لاتے ہی حضرت کو کعبے چلنے پر مستعد کیا ہو اور جس نے تمام عمر اپنی حضرت کی محبت اور اطاعت اور فرمانبرداری میں اور اپنی ساری زندگی اسلام کے پھیلانے میں صرف کر دی ہو اور جس نے دنیا کی کسی قسم کی لذت نہ اٹھائی ہو اور جس نے خدا کی راہ میں جان دے دی ہو اس سے پیغمبر صاحب اس قدر رنجیدہ ہوں کہ اس کے مرنے پر اس قدر خوشی کریں اور اس کے مرنے کے دن کو عید الفطر اور عید الاضحیٰ اور عید غدیر سے بھی بڑھ کر افضل بتائیں اور وہ اس کے مرنے سے اسقدر خوش ہووے کہ تین دن تک گناہوں کے لکھنے سے قلم اٹھائے اور شیعوں کو اجازت دیدے کہ اس تین دن کے عرصے میں چاہیں زنا کریں چاہیں شراب اور سود نوش فرماویں چاہیں مسجدیں ڈھاویں چاہیں قرآن جلادیں جو دل چاہے کریں نہ کوئی پوچھنے والا ہے نہ بتلانے والا کرام کاتبین موقوف لکھنا پڑھنا بند ہیں ایسی حالت میں بھی اپنی خواہشیں پوری نہ کریں تو کب کریں گے خدا کے لئے انصاف کرو اور اس عقل کے دشمن ایمان کے عدو فرقے کو دیکھو کہ ان کو کس قدر شیطان نے بہکایا ہے اور اسلام کی راہ سے کس قدر دور کر دیا ہے سبحان اللہ کیا دین اور کیا مذہب ہے کہ بیچارے نمازی برسوں نماز پڑھتے پڑھتے مریں روزے رکھنے والے تیس دن تک گرمیوں کے دنوں میں بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاویں حاجی ہزاروں منزل سے مصیبت راہ کی طے کر کے کعبے میں پہنچیں اور حج کریں تب صبر کے مستحق ٹھہریں اور شیعہ بھائی گھر بیٹھے زنا کریں شراب پئیں اور ربیع الاول کی نویں تاریخ کو اپنے بابا شجاع کے نام پر حلوے کھائیں اور لعنتی کھانا نوش کریں اور سب سے زیادہ ثواب پاویں واہ خدا کا عدل ہے شاید اسی،

سبب سے خدا کو عادل سمجھتے ہیں اور عدل کو اصول خمسہ دین میں جانتے ہیں اگر ایمان اسی کا
نام ہے اور محبت اہل بیت اسی کو کہتے ہیں تو افسوس ایسے ایمان اور ایسی محبت پر اور اگر محب
اور مومن ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں تو وائے ان کے حال پر مصرع گر ولی این ست لعنت
بر ولی[1] اس روایت کی صحت اگر تسلیم کی جائے تو ضرور یہ امر بھی ماننا پڑے گا کہ پیغمبر صاحب
بھی تقیہ فرماتے تھے اور وہ بھی کافروں بلکہ اپنے یاروں سے ڈرتے تھے اور خوف کے سبب
سے جو کچھ ان کے دل میں ہوتا اس کو ظاہر نہ فرماتے تھے اس لئے کہ اگر خوف نہ ہوتا تو ایسے
دشمن خدا اور رسول کو جیسے کہ حضرت عمر تھے اور جن کے مرنے کی خبر سے اس قدر خوش تھے
اور جن کی موت کی تاریخ کو عید اور جمعہ سے افضل جانتے تھے اور جنکو فرعون اہل بیت کہتے
کیوں اپنی صحبت میں رکھتے اور کس لئے ان کو اپنا مصاحب بناتے اور کس واسطے ان سے
ہمیشہ صلاح اور مشورہ لیا کرتے کس آدمی کی عقل میں یہ بات آسکتی ہے کہ پیغمبر صاحب جن
کا خلق کی ہدایت تھا اور احکام الٰہی کا پہنچانا جن کا اوپر فرض تھا اور امت کو نیک بد پر
آگاہ کر دینا جن کے اوپر لازم تھا وہ بھی تقیہ کرتے ہوں اور خوف جان کے سبب سے عمر کا
نام بھی نہ لے سکتے ہوں اور باوجود اس کے کہ ان کو اپنے دین کا دشمن جانتا اور جان بوجھ کر
ان کو اپنی صحبت سے نہ نکالا اور علانیہ لوگوں پر ان کے کفر و نفاق کا حال ظاہر کرنا بیک طرف
اپنے گھر میں بھی پوچھنے والے سے ان کا نام نہ لیا اور دیوار ہم گوش دارد کا مضمون پیش نظر
رکھ کر گول گول ہی بات فرمائی اسی واسطے حذیفہ صحابی سے سب حال تو حضرت نے فرمادیا لیکن
نام عمر کا نہ لیا بلکہ ان کے پوچھنے پر بھی جواب صاف نہ دیا اور فقط ان کی صفات بیان کر کے
سکوت فرمایا اگر ان کا نام حذیفہ سے کہہ دیا ہو تو اس کے ساتھ ہی سکوت کی بھی نصیحت کر
دی ہو۔ تعجب ہے حضرات شیعہ سے کہ وہ مسلمانی کا نام بدنام کرتے ہیں اور پیغمبر خدا پر ایسی
تہمت لگاتے ہیں اور خدا اور رسول سے کچھ نہیں شرماتے خانہ خراب ہو تقیے کا جس سے کسی
کو محفوظ نہیں جانتے اور پیغمبر صاحب پر بھی اس کا اقرار کرتے ہیں حالانکہ خود ان کے علما
کا اقرار ہے کہ پیغمبر صاحب تقیہ نہ کرتے تھے بلکہ وہ تقیے سے ممنوع تھے چنانچہ ہم بحث تقیے
میں اس کا ذکر کریں گے اور حقیقت میں اگر پیغمبر صاحب بھی تقیہ کرتے ہوتے اور وہ کافروں
سے ڈرتے ہوتے اور جو بات سچ ہے اس کو زبان پر نہ لاتے تو دین کیونکر جاری ہوتا اور مذہب

[1] اگر ولی یہ ہے تو ایسے ولی پر لعنت۔

اسلام کیونکر پھیلتا اور لوگوں کو حضرت کی صداقت پر کس طرح یقین رہتا پس جب کہ پیغمبر خدا نے ابتدائے نبوت میں تقیہ نہ کیا اور باوجود تکلیف اٹھانے کے کفار کے ہاتھ سے ان کے کفر کی برائی اور ان کے بتوں کی ہجو کو ترک نہ کیا اور سب طرح کے صدموں کو صرف اس بات پر گوارا فرمایا اور بعد ہجرت کے اور شروع ہونے جہاد کے کفار و منافقین کو قتل کیا اور جو واجب القتل معلوم ہوا اس کے خون کو ہدر کیا اور ان کے نام لے کر لوگوں کو ان کے قتل پر امادہ کیا اور حضرت عمر کو باوجود جاننے اس امر کے کہ ان سے بڑھ کر کوئی کافر اور منافق نہیں ہے اور ان سے زیادہ کوئی دشمن خدا و رسول نہیں ہے کبھی اپنی آغوش سے جدا نہ کیا اور سوائے تعریف کے کبھی ان کی برائی کا کلمہ بھی زبان مبارک پر نہ لائے تو ظاہر ہے کہ اس سے بڑھ کر اور کیا خوف ہوگا اور حضرت سے زیادہ تقیہ کون کرے گا۔ میں اس مقام پر چند اشعار حملہ حیدریہ کے لکھتا ہوں جس سے معلوم ہو کہ پیغمبر خدا کفار کی برائیوں کے ظاہر کرنے اور ان کے معبودوں اور بتوں کی ہجو کرنے میں کچھ کسی کا خیال نہ کرتے تھے اور ہر چند کوئی سمجھاتا اُس سے باز نہ آتے تھے کما قیل اشعار

بفرمود[1] اگر قوم از آسمان　　　بیارند خورشید را ترجمان
گذارند بر دست من ہدیہ وار　　　نہ بندم لب از امر پروردگار
بجز طعن اصنام و وصف آلہ　　　بجز لعن آبائے گم کردہ راہ
ز من قوم حرف دگر نشنوند!　　　اگر نیک دانند اگر بد بیند،

اور پھر یہی مؤلف آیندہ پیغمبر صاحب کے اظہار دعوت میں لکھتا ہے۔ اشعار

بدعوت[2] شد آمادہ تر از نخست　　　کمر بستہ در کار خود سخت چست
نیاسود یکدم ز ارشاد خلق،　　　نہ تنگ آمد از جور بیداد خلق
بہ صبح و بشام و بروز و بشب　　　نمودے بحق قوم خود را طلب
نہ از طعن اصنام بستے زبان　　　نہ از لعن بر زمرہ کافران
نہ کردی از آن ناکسان احتراز　　　نمودے ادا آشکارا نماز
چو در شان قومی شقاوت نشان　　　ورا احوال آبائے آن گمرہان
ز نزد خدائے جہاں آفرین　　　بسوئے نبی جبرئیل امین!
رسانیدے آیات قہر و عقاب　　　بخواندے بر ایشان نبی بے حجاب

---

[1] حملہ حیدری جلد اول صفحہ ۱۶ سطر ۱ مطبوعہ مطبع سلطانی ۱۲۶۲ھ ۱۲ منہ [2] ایضاً حملہ حیدری، جلد اول صفحہ ۹۰ سطر ۱۷۔

مثنوی خورن ازیں غم دل مشرکان — فتادی ازان غصہ آتش بجان
تلافی نمودندے آن اشقیا — بدست و زبان باشد انبیاء
ولیکن بتائید یزدان پاک — نبی را ازیشان نہ بد ہیچ باک
بد انسان کہ در کار خود بود بود — خدائی جہاں را چنان می ستود

اے حضرات شیعہ پیغمبر صاحب کے وعظ و ارشاد پر غور کرو اور تبلیغ دعوت پر خیال کرو اور سوچو کہ ابتدائے زمانہ نبوت میں جب نہ کوئی یار تھا مددگار نہ فوج تھی نہ لشکر چھوٹی چھوٹی بات میں تو پیغمبر صاحب اپنی جان اور عزت کا خیال نہ کریں اور جس قوم اور جس شخص کی برائی اور کفر میں جبرئیل پیام خدا کا لاویں اس کو صاف صاف کہہ دیں اور آخیر زمانے میں جب کہ ہزاروں شخص مسلمان اور لاکھوں آدمی متبع موجود ہوں اور سلاطین اور بادشاہاں زمین بھی خائف اور ترساں ہوں اسوقت پیغمبر خدا حضرت عمرؓ سے اسقدر ڈریں کہ باوجود ان کے نفاق و کفر کے اسکا ذکر بھی کسی سے نہ فرماویں اور سوائے حذیفہ کے وہ بھی گھر میں بیٹھ کر کسی سے کچھ ارشاد نہ کریں بلکہ لوگوں سے کہنا کیا خود عمرؓ کو کبھی اپنے پاس سے جدا نہ کریں اور ہمیشہ ان سے صلاح مشورہ لیتے رہیں اور جن کے حق میں خدا نے وشاورھم[1] فی الامر فرمایا ہو انہیں حضرت عمرؓ کو داخل کریں۔ اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ خدا کا حکم نہ تھا کہ یہ امر ظاہر کیا جائے تو ہم کہتے ہیں کہ سلام ہے اس خدا کو جو عمرؓ سے ڈرتا تھا اور جو ایسی بڑی بات کو صرف ایک آدمی کے خوف سے ظاہر نہ کر سکتا تھا اور پیغمبر صاحب کو اس پر خاموش رہنے کے لئے تاکید فرماتا تھا اور اگر کوئی یہ سمجھے کہ پیغمبر خدا نے یہ خیال کر کے کہ لوگ نہ مانیں گے بلکہ ان کے کفر و نفاق ظاہر کرنے سے سب لوگ پھر جاویں گے اس کا علانیہ ذکر نہیں کیا تو اس بات کو ہم نہیں مانتے اس لئے کہ پیغمبر صاحب کا کام تھا ہر ایک امر کا ظاہر کر دینا باقی ماننا یا نہ ماننا امت کے اختیار میں تھا اگر پیغمبر خدا حضرت عمرؓ کے کفر و نفاق کو ظاہر کر دیتے اور سب کو اس پر آگاہ فرما دیتے تو حضرت کی حجت تو ختم ہو جاتی اگر کوئی نہ مانتا تو اس کا قصور ثابت ہوتا یہ فضائل جو بروز قتل حضرت عمرؓ کے پیغمبر خدا نے حذیفہ سے بیان کئے ہم ایسے تھے کہ حضرت کو لازم تھا کہ تمام مسلمانوں کو جمع کرتے اور خم غدیر کے خطبے کی طرح منبر پر چڑھ کر حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر اس کا خطبہ پڑھتے اور سب لوگوں کو آگاہ کرتے کہ یہ عمر جو میرے پاس ہے کافر اور

[1] امور میں ان سے مشورہ کیجئے۔

منافق ہے اور فرعون میرے اہل بیت کا ہے اس کو خوب پہچان رکھو یہ میرے اہل بیت پر ظلم کرے گا تازیانہ جور وستم ہاتھ میں لے گا حق میرے بھائی علی کا غصب کرے گا اس کے مرنے کے دن کی یہ فضیلتیں خدا بیان کرتا ہے اگر حضرت ایسا کرتے تو حق رسالت ادا کرتے سبحان اللہ پیغمبر صاحب خود ذراسی بات کو تو علانیہ بیان کردیں اور ایک ادنیٰ ادنیٰ منافق کے واسطے خدا آیتیں نازل کرکے ان کو مشتہر اور بدنام کردے اور حضرت عمرؓ سے منافق کیلئے ونعوذ باللہ منہ نہ خدا کوئی آیت نازل کرے نہ پیغمبر صاحب کچھ زبان سے فرمائیں افسوس ایسی سمجھ پر اور تف ایسے عقیدے پر کہ جس کے نہ اصول درست ہیں نہ فروع۔ شعر۔

فروعت محکم آمد نے اصول
شرم بادت از خدا و از رسول

امر سوم اصحاب کے تابعین کی فضیلتیں اور انکی نشانیاں

اس دعا میں جس طرح پر امام زین العابدین علیہ السلام نے پیغمبر خدا کے اصحاب پر درود بھیجا ہے اسی طرح پر ان کے تابعین کے حق میں رحمت کی طلب کی ہے چنانچہ یہ الفاظ امام صاحب کی دعا کے ہیں (اللھم واوصل الی التابعین لھم باحسان الذین یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان خیر جزائک الذین قصدوا سمتھم وتحروا جھتھم ومضوا علی شاکلتھم لم یثنھم ریب فی بصیرتھم ولم یختلجھم شک فی قفو آثارھم والائتمام بھدایۃ منارھم مکانفین وموازرین لھم یدینون بدینھم ویھتدون بھدیھم یتفقون علیھم ولا یتھمونھم فیما ادوا الیھم) کہ خدا وندا ان کی بیعت کرنیوالوں کو جزائے خیر دے جو کہ دعا کیا کرتے ہیں کہ پروردگار مغفرت کر ہماری اور ہمارے ان بھائیوں کی جو ہم میں سے ایمان میں سبقت لے گئے ہیں کیسے تابعین جو اصحاب کی چال پہ چلتے ہیں اور ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں اور ان کی ہدایت کی نشانیوں کی اقتدا کرتے ہیں جنکو کوئی شک ان کی خوبی میں نہیں ہوتا اور کیسے تابعین جو اپنا دین دلیا ہی رکھتے ہیں جیسا کہ اصحاب کا تھا اور ان سے اتفاق رکھتے ہیں اور اصحاب پر کچھ تہمت نہیں کرتے۔ ان الفاظ سے صاف ظاہر ہے کہ بعد اصحاب کرام کے رتبہ تابعین کا ہے اور وہی سب امت سے افضل ہیں اور ان کی نشانیاں وہی ہیں جو کہ امام علیہ السلام نے بیان کردی ہیں۔ اب اسمیں تو کچھ شبہہ باقی نہیں رہا کہ امت محمدی میں وہی گروہ سب سے افضل ہے جو کہ اصحاب کی تبعیت کرے اور فرقہ جو اصحاب کی چال پر چلتا ہے کونسا ہے وہ ہے

جس کا نام اہلسنت ہے یا وہ جس کا نام شیعہ ہے اور یہ امر دونوں کے عقائد پر نظر کرنے سے طے ہو سکتا ہے پس سنیوں کے عقیدے وہی ہیں جو کہ امام نے اپنی دعا میں بیان فرمائے کہ وہ اصحاب کے تابع ہیں اور اصحاب کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور ان کو ایمان میں سابق اور مقدم جان کر انکے لئے رحمت طلب کرتے ہیں ان کے آثار کی پیروی کرتے ہیں ان کو اچھا جانتے ہیں اور شیعوں کے عقیدے بالکل خلاف اس کے ہیں وہ اصحاب کو برا جانتے ہیں انکو برا کہتے ہیں ان پر تبرا کرتے ہیں ان کو منافق اور کافر جانتے ہیں انکی پیروی کو کفر سمجھتے ہیں ان کی خوبیوں میں شک و شبہہ رکھتے اور ان پر ہر طرح کی تہمتیں لگاتے ہیں غرض کہ جو شخص عقل اور ایمان رکھتا ہو اس کو لازم ہے کہ وہ اول امام کی دعا کے الفاظ پر غور کرے بعدہٗ سنیوں اور شیعوں کے عقیدوں پر غور کرے تب انصاف کرے کہ امام کے قول کے مطابق سنی حق پر ہیں یا شیعہ۔

تیسری شہادت: شیعوں کی معتبر ترین تفسیر میں جس کو وہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے ہیں لکھا ہے ان اللہ اوحی الی آدم ان اللہ لیفیض علی کل واحد من محبی محمد وآل محمد واصحاب محمد مالو قسمت علی کل عدد ما خلق اللہ من طول الدہر الی آخرہ وکانوا کفارہ الاداہم الی عاقبۃ محمودۃ والایمان باللہ حتیٰ یستحقوا بہ الجنۃ وان رجلا ممن یبغض آل محمد واصحابہ اور احدا منہم لعذبہ اللہ عذابا لو قسم علی مثل خلق اللہ لاہلکہم اجمعین، ترجمہ خدائے عزوجل نے وحی کی آدم پر کہ خدا ان لوگوں پر جو محبت رکھتے ہیں محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور ان کی آل سے اور ان کے اصحاب سے ایسی رحمت نازل کرے گا کہ اگر وہ تقسیم کی جاوے اوپر تمام مخلوقات کے اول سے آخر تک تو وہ کافی ہے اور اگر سب کفار ہوں تو ان کی عاقبت بھی اچھی ہو جائے اور وہ مومن ہو جاویں اور اگر کوئی آدمی دشمنی رکھے گا ساتھ آل محمد کے اور اصحاب محمدؐ کے یا ایک سے بھی ان میں سے تو خدا اس پر ایسا عذاب نازل کرے گا کہ اگر وہ عذاب نازل ہو تمام مخلوقات پر وہ سب کے سب ہلاک ہو جائیں۔

چوتھی شہادت: اسی تفسیر میں لکھا ہے لما بعث اللہ موسیٰ بن عمران واصطفاہ نجیا وفلق لہ البحر ونجی بنی اسرائیل واعطاہ التوراۃ والالواح رای مکانہ من ربہ عزوجل فقال یارب لقد اکرمتنی بکرامۃ لم تکرم بہا احدا من قبلی فہل فی انبیائک عندک من ہو اکرم منی فقال اللہ تعالیٰ یا موسیٰ اما علمت ان محمدا افضل عندی من جمیع خلقی فقال موسیٰ فہل فی آل الانبیاء

اکرم من آلی فقال عز وجل یا موسی اما علمت ان فضل آل محمد علی آل جمیع النبیین کفضل محمد علی جمیع المرسلین فقال یارب ان کان فضل آل محمد عندک کذلک فهل فی صحابۃ الانبیاء عندک اکرم من اصحابی فقال یا موسیٰ اما علمت ان فضل صحابۃ محمد علی جمیع صحابۃ المرسلین کفضل آل محمد علی آل جمیع النبیین فقال موسیٰ ان کان فضل محمد وآل محمد واصحاب محمد کما وصفت فهل فی امم الانبیاء افضل عندک من امتی ظللت علیهم الغمام وانزلت علیهم المن والسلوی وفلقت لهم البحر فقال اللّٰہ یا موسیٰ ان فضل امۃ محمد علی امم جمیع الانبیاء کفضلی علی خلقی۔ ترجمہ جبکہ خداوند تعالیٰ نے حضرت موسیٰ ابن عمران کو مبعوث فرمایا اور انکو برگزیدہ کیا اور ان کے سبب سے دریا کو پل بنا دیا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور توریت اور لوح ان کو عطا کی تب حضرت موسیٰ نے اپنا رتبہ دیکھ کر خدائے عز وجل سے عرض کی کہ کسی نبی کی آل میری سے بزرگتر ہے جواب ہوا کہ تم نہیں جانتے کہ فضیلت آل محمد کی سب انبیاء کی آل پر ایسی ہے جیسے کہ ان کو فضیلت سب پیغمبروں پر ہے تب حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ الٰہی میرے اصحاب سے زیادہ تیرے نزدیک اور کسی نبی کے اصحاب کا رتبہ ہے جواب ہوا کہ اے موسیٰ تم نہیں جانتے کہ فضیلت اصحاب محمد کی تمام انبیاء کے اصحاب پر اس طرح ہے جس طرح کہ فضیلت آل محمد کی سب انبیا کی آل پر ہے تب حضرت موسیٰ نے عرض کی کہ اگر فضیلت محمد اور آل محمد اور اصحاب محمد کی ایسی ہے جیسی کہ تو نے ارشاد فرمائی پس کسی نبی کی امت میری امت سے زیادہ افضل ہے جن پر تو نے بادلوں کا سایہ کیا جن پر من سلویٰ نازل کیا جنکے لیے دریا کو پل کر دیا خداوند تعالیٰ نے فرمایا کہ فضیلت امت محمد کی سب انبیاء کی امت پر اتنی ہے جتنی کہ مجھ کو میری خلقت پر فضیلت ہے۔

ان دونوں روایتوں سے دو باتیں ثابت ہوئیں اول یہ کہ جو شخص پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب سے دشمنی رکھے وہ مستوجب عذاب کا ہے اور عذاب بھی ایسا کہ جس سے تمام دنیا ہلاک ہو جائے اور جو دوستی رکھے وہ مستحق ثواب کا ہے اور ثواب بھی کیسا کہ جس سے کفار کی عاقبت بن جاوے۔ دوسری یہ کہ اصحاب نبی کی فضیلت اور نبیوں کے اصحاب پر ایسی ہے جیسی کہ فضیلت پیغمبر صاحب کے آل کی اور پیغمبروں کی آل پر اور ان دونوں کے ثابت ہونے سے مذہب شیعوں کا باطل ہو گیا اس لئے کہ مدار ان کے مذہب کا صحابہ کی دشمنی اور ان کے برا جاننے پر ہے جو شخص اصحاب سے دشمنی رکھے وہی پکا مومن ہے اور

جو ان کو سب سے برا جانے وہی سچا شیعہ ہے پس ان دونوں روایتوں سے جس کے راوی امام حسن عسکری علیہ السلام ہیں اور جو شیعوں کے اقرار سے صحیح اور مستند روایت ہے۔
حضرات شیعہ کو سوائے دو امر دن کے تیسرا چارہ باقی نہیں رہا یا کہ اصحاب کو بہتر جانیں اور ان کی فضیلت کے قائل ہوں اور ان سے محبت رکھیں تاکہ وہ مستحق ثواب کے ہوں یا کہ ان کو برا جانیں اور ان سے دشمنی رکھیں تاکہ مستوجب عذاب کے ہوں لیکن حضرات شیعہ جب تک کہ اپنا مذہب ترک نہ کریں گے اور سنیوں کے شریک نہ ہو جائیں گے تب تک وہ فضیلت صحابہ کے قائل نہ ہوں گے کوئی شخص باوجود اقرار فضیلت صحابہ کے شیعہ رہ نہیں سکتا تمام علمائے شیعہ عبد اللہ بن سبا کے وقت سے لیکر جناب قبلہ وکعبہ کے عصر تک اس فکر میں مر گئے کہ اصحاب کے معائب تلاش کریں اور ان کی برائیاں ثابت کریں اور ان کے فضائل سے انکار کریں اگر کسی کو انکار ہو تو وہ ذرا تکلیف گوارا کرے اور شیعوں کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھے کوئی ورق نہ ہوگا جس میں اصحاب کی برائیاں نہ ہوں کوئی صفحہ نہ ملے گا جس میں ان پر تبرا نہ ہو جناب مجتہد صاحب قبلہ صوارم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ (اما احادیث فضائل صحابہ از طرق امامیہ باوجود کثرت احادیث مختلفہ در ہر امر جزئے از جزئیات اصلیہ و فرعیہ اگر تمام کتب احادیث امامیہ ورق ورق بہ نیت تفحص بمطالعہ در آرند مظنون آنست کہ زیادہ از سہ چہار حدیث کہ سر و پا درست نداشتہ باشد دست بہم دہد اما احادیث مثالب و معائب آں ہا پس بلا اغراق اینست کہ متجاوز از ہزار حدیث باشد) اے اہل انصاف ذرا آنکھ کھولو اور نیند سے چونکو اور حضرات شیعہ کے حال کو دیکھو کہ خود ہی اپنے اماموں کی طرف سے روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر صاحب کے اصحاب کا رتبہ سب سے بڑھکر ہے اور کسی اور نبی کے یار انکے درجے کو نہیں پہنچتے اور جو ان سے محبت رکھے وہ ناجی اور جو دشمنی رکھے وہ ناری ہے اور پھر خود ہی یہ فرما دیں کہ کوئی آیت کوئی حدیث کوئی روایت ان کے فضیلت میں نہیں ہے اور جو ہے وہ بے سر و پا ہے بلکہ ہزارہا احادیث انکی برائیوں میں ہیں اگر ہم ہزار برس تک سوچیں

ترجمہ: صحابہ کے فضائل کی احادیث بلحاظ جزئیات اور باعتبار اصول و فروع بہت ہیں لیکن اگر ان تمام کتب احادیث شیعہ کا ایک ایک ورق تلاش و تفحص کی نگاہ سے دیکھیں تو زیادہ سے زیادہ تین چار احادیث ملیں گی اور وہ بھی اس صورت میں کہ ان کا سر پیر درست نہ ہوگا اس کے برخلاف جو احادیث ان صحابہ کی برائیوں کو واضح کرتی ہیں ان کی تعداد ہزار سے زیادہ ہے۔

اور اس مشکل عقدہ کو حل کرنا چاہیں مگر نہ ہماری سمجھ اس مسئلہ تک پہنچ سکتی ہے نہ ہم سے یہ گرہ کھل سکتی ہے اگر حقیقت میں ہمارے پیغمبر کے اصحاب ایسے افضل ہیں کہ کسی پیغمبر کے اصحاب ان کے درجہ تک نہیں پہنچتے اور ان کی دشمنی باعث عذاب اور ان کی دوستی ذریعہ ثواب ہے تو چاہیئے کہ قول سنیوں کا درست ہو اور ایسے بزرگوں کی تعریف میں اگر ہزاروں احادیث اور، لاکھوں روایتیں منقول ہوں تو بھی تھوڑی ہیں اور اگر قول شیعوں کا صحیح ہے تو چاہیئے کہ ایسے شخص کی دشمنی باعث نجات اور دوستی موجب ہلاکت ہووے لیکن در حقیقت یہ قول مجتہد صاحب کا محض غلط اور بالکل باطل ہے اس لئے کہ خود شیعوں کی کتابوں سے ہزارہا احادیث اور اقوال فضائل میں صحابہ کے ہم نکال سکتے ہیں چنانچہ اسی رسالہ میں ہم اپنے قول کو ثابت کریں گے اور صدہا روایتیں فضیلت صحابہ کی کتب شیعہ سے نکال کر مجتہد صاحب کے مقلدین کی خدمت میں پیش کر کے قبلہ وکعبہ کے قول کی تکذیب کریں گے اگر کوئی تعجب کرے کہ کیونکر علمائے، اصحاب کی فضیلت بیان کی ہے اور کس طرح ان کی تعریف کی روایتوں کی تصدیق فرمائی ہے تو اس کے واسطے ہم ایک قاعدہ مسلمہ مجتہد صاحب کو بیان کرتے ہیں کہ وہ صوارم میں فرماتے ہیں اگرچہ کسی اہل مذہب سے جو کہ کسی کے فضائل کا اعتقاد رکھے اس کے معائب کے روایات کی توقع رکھنا یا جس کسی کے وہ معائب کا معتقد ہو اسکے فضائل کے اقرار کی امید رکھنا بیجا ہے لیکن خدا نے اپنی حجت تمام کرنے کے واسطے سنیوں کو مجبور کر دیا کہ انہوں نے اصحاب کی برائیوں کو خود ہی روایت کیا چنانچہ الفاظ اس کے یہ ہیں اگرچہ[1] از اہل مذہبیکہ روایات مطاعن شخصی کند توقع روایت فضائل آں شخص داشتن بیجاست و ہمچنیں بالعکس لیکن جناب حق سبحانہ تعالیٰ اتماماً للحجۃ قلوب مخالفین جناب امیر المومنین علیہ السلام اینچناں مسخر گردانیدہ کہ باوجود اینکہ بنا بر پیش آمد و تقرب سلاطین بنی عدی و تیم و بنی امیہ اخبار فضائل آنہا بسیار وضع نمودہ اند چوں در دو عگو را حافظہ نمی باشد جا مخالفین از غایت نا قباحت فہمی باعجاز جناب امیر المومنین بازمثالب اصحاب ثلثہ و اتباع ایشاں را ہم مذکور ساختہ اند و علماء و محدثین ایشاں چنیں احادیث و اخبار را در کتب مصنفات خود مندرج فرمودہ اند ہم اسی قاعدے کو تسلیم

---

[1] اگرچہ کوئی مذہب والا جو کسی کی برائیوں کا معتقد ہو اسی سے اس شخص کے فضائل بیان کرنے کی توقع رکھنا ناممکن ہے اور اس کے بالعکس بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اتمام حجت کے پیش نظر امیر المومنین کے مخالفوں کے دل ایسے مسخر کر دیئے کہ شاہان بنو عدی تیم اور بنو امیہ کی قربت کے باوجود حضرت علی کی بے انتہا فضیلت بیان کی ہے اور چونکہ جھوٹے کو حافظہ نہیں رہتا اسلئے ان کے علماء و محدثین نے اعجاز امیر المومنین معلوم کرتے ہوئے بعض اصحاب ثلاثہ اور ان کے ساتھیوں کے معائب اپنی تصنیفات میں درج کئے ہیں۔

کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدا نے اپنی حجت تمام کرنے کے لئے شیعوں کو مجبور کر دیا کہ انہوں نے اصحاب کی بزرگیاں اور فضیلتیں اپنی کتابوں میں ائمہ کرام کی زبان سے روایت کیں مذہب چونکہ از اہل مذہب کہ روایات مطاعن شخصی کند توقع روایات فضائل آں شخص داشتن بیجاست وہم چنیں بالعکس لیکن جناب حق سبحانہ تعالیٰ اتماما للحجۃ قلوب مخالفین صحابہ کبار چناں مسخر گردانیدہ کہ باوجودیکہ بضرورت ترویج عقائد عبد اللہ بن سبا و شیعیان نقش اخبار مثالب صحابہ را بسیار وضع نمودہ اند چوں دروغ گو را حافظہ نمی باشد جہال مخالفین از غایت نافہمی با عجاز جناب امیر المومنین باز فضائل اصحاب ثلثہ و اتباع ایشاں را ہم مذکور ساختہ اند و علمائے محدثین ایشاں چنیں احادیث و اخبار را در کتب و مصنفات خود مندرج فرمودہ اند

پانچویں شہادت: شیخ ابن بابویہ قمی نے کتاب معانی الاخبار میں امام موسیٰ رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے (عن الحسن ابن علی قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ان ابا بکر منی بمنزلۃ السمع وان عمر منی بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفواد) ترجمہ امام حسن علیہ السلام روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابو بکر بمنزلہ میرے سمع کے ہے اور عمر بمنزلۃ دل کے اور جب کہ حضرات خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا امام حسن کے قول سے بمنزلۂ پیغمبر خدا کے سمع و بصر اور دل کے ہونا ثابت ہوا تو پھر ان سے محبت نہ رکھنا درحقیقت پیغمبر خدا سے محبت نہ رکھنا ہے اور ان سے عداوت رکھنا دراصل پیغمبر خدا سے دشمنی رکھنا ہے سننے والوں کو تعجب ہوگا کہ امام حسن کی روایت سے علمائے شیعہ نے کیونکر ایسی حدیث کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا اور انتظار ہوگا کہ اگر اس کو نقل کیا ہے اور اس کی صحت کو تسلیم کر لیا ہے تو اس کا کیا جواب دیا ہے اس لئے ہم اس جواب کو بیان کرتے ہیں وہ جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے ان الفاظ کے بعد جنکو اوپر ہم نے نقل کیا یہ الفاظ اور بڑھائے ہیں اور انہیں کو جواب اس حدیث کا تصور کیا ہے۔

لہ جس طرح کسی کو برا کہنے والوں سے اس شخص کو اچھا کہنا اور اس کے فضائل بیان کرنا یا اس کے بالعکس امید کرنا بالکل ناممکن ہے لیکن اتمام حجت کے لئے اللہ نے صحابہ عظام کے مخالفوں کے دل ایسے مسخر کر دیئے کہ یہ لوگ عبد اللہ بن سبا وغیرہ کے عقائد کو رواج دینے اور اس کے عقائد کو ماننے کے باوجود صحابہ کی بے حد تعریف کرتے ہیں اور چونکہ جھوٹے کو یاد نہیں رہتا اس لئے ان مخالفین اسلام نے حضرت علی کے اعجاز سے ناواقف رہتے ہوئے اپنی نافہمی کے ثبوت میں صحابۂ ثلاثہ اور [illegible] تابعین کے فضائل بیان کئے ہیں اور اس قسم کے شیعہ علماء محدثین نے اس قسم کی احادیث [illegible] اپنی تصنیفات میں خود لکھی ہیں۔

(فلما کان من الغد الخ) ترجمہ امام حسنؓ فرماتے ہیں کہ جب دوسرا دن ہوا تب میں حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا اسوقت امیر المومنین علی علیہ السلام اور ابوبکر اور عثمان اور عمر موجود تھے میں نے حضرت سے عرض کی کہ اے پدر بزرگوار میں نے کل آپ کی زبان سے سنا جو کچھ آپ نے ان اصحاب کی نسبت فرمایا وہ کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ ہاں میں نے کہا ہے بعد اس کے حضرت نے ان کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہی سمع اور بصر اور دل ہیں اور اسی وصی یعنی علی کی محبت سے سوال کئے جائیں گے اور یہ کہہ کر یہ آیت پڑھی کہ خدائے عزو جل فرماتا ہے کہ ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا بعدہ فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو اپنے پروردگار کی عزت کی کہ تمام امت میری قیامت کے دن کھڑی کی جاوے گی اور ان سے سوال علی کی محبت سے ہوگا اور یہی مطلب ہے خدا کے اس قول کا کہ وقفوہم انہم مسؤلون کہ کھڑا کرو ان کو ابھی سے پوچھنا ہے اس حدیث کے ان الفاظ زائد کو ہم چند دلیلوں سے صحیح نہیں جانتے اور اس کو دوسرے دن کا جمایا ہوا فقرہ سمجھتے ہیں۔

(پہلی دلیل) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اول روز جب امام حسن نے حضرت سے سنا کہ ابوبکر بمنزلہ سمع کے اور عمر بمنزلہ بصر کے اور عثمان بمنزلہ دل کے ہیں تو اس روز کچھ استفسار نہ کیا دوسرے دن پوچھنے کا کیا سبب ہے اگر امام حسن کو پوچھنا ہوتا تو اسی وقت پوچھتے اگر یہ خیال کیا جائے کہ پہلے دن بسبب موجود ہونے خلفائے موصوفین کے ان کے خوف سے نہ پوچھا تو دوسرے دن بھی اسی حدیث سے ان کا موجود ہونا ثابت ہوتا ہے اگر ان کا خوف تھا تو گھر میں پوچھتے کہ یا حضرت آج آپ نے ان کے سامنے ایسا فرمایا اس کی حقیقت کیا ہے نہ کہ پھر مجلس میں انہیں کے سامنے استفسار کرتے اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ فقرہ دوسرے دن کا جمایا ہوا ہے۔

(دوسری دلیل) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اول روز پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ

لہ عن الحسن بن علی قال قال رسول اللہ ان ابابکر منے بمنزلۃ السمع وان عمر منے بمنزلۃ البصر وان عثمان منی بمنزلۃ الفواد فلما کان من الغد دخلت علیہ وعندہ امیر المومنین وابوبکر وعمر وعثمان فقلت لہ یا ابت سمعتک تقول فی اصحابک ہولاء قولا فما ہو فقال نعم ثم اشار الیہم فقال ہم السمع والبصر والفواد وسیسألون عن ولایۃ وصیی ہذا واشار الی علی بن ابی طالب ثم قال ان اللہ عزوجل یقول ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسؤلا ثم قال ان اللہ وعزۃ ربی ان جمیع امتی لموقوفون یوم القیمۃ ومسؤلون عن ولایتہ علی وذالک قول اللہ عزوجل وقفوہم انہم مسؤلون) ۱۲

وسلم نے صرف تشبیہ اور تمثیل پر قناعت فرمائی اور حضرات خلفا ثلثہ کو بمنزلہ سمع اور بصر
اور فواد کے کہہ کر سکوت کیا تو یہ فرمانا یا دل سے تھا یا براہ تقیہ یا بطور استہزاء اگر دل سے
تھا جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں فنعم الوفاق جھگڑا طے ہوا اگر براہ تقیہ تھا تو اول پیغمبر خدا کی
نسبت تقیہ کرنا ثابت ہوا حالانکہ خود حضرات شیعہ اس کے قائل نہیں دوسرے اگر براہ تقیہ
تھا تو اول پیغمبر خدا کی نسبت تقیہ کرنا ثابت ہوا حالانکہ خود حضرات شیعہ اس کے قائل نہیں
دوسرے اگر پہلے دن حضرت نے براہ تقیہ فرمایا تھا تو دوسرے دن بھی وہی سبب تقیے کا یعنی حاضر
ہونا ان خلفا کا جن کے خوف سے یا جن کے خوش کرنے کو حضرت نے ایسا کچھ فرمایا موجود تھا
اگر بطور استہزاء تھا تو پیغمبر صاحب کی نسبت مسخرگی اور ٹھٹھے بازی کا اطلاق کرنا ہے اور یہ
سوائے شیعوں کے دوسرے سے نہیں ہو سکتا وہ جو چاہیں پیغمبر صاحب پر تہمت کریں۔

(تیسری دلیل) پیغمبر خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام جو کچھ فرماتے تھے اور کچھ کہتے تھے وہ صاف تھا
کچھ لگی لپٹی نہ رکھتے تھے اور کسی کو دھوکا نہ دیتے تھے اور کسی کو شبہے میں نہ ڈالتے تھے پس
اگر دوسرے دن کے جمائے ہوئے فقرے کو ہم صحیح مانیں تو گویا پیغمبر صاحب پر تہمت کریں
اس لئے کہ اگر دوسرے دن امام حسن استفسار نہ کرتے اور پیغمبر صاحب اصل مطلب نہ
بتاتے تو لوگ شبہے میں رہتے اور حضرت کے کلام کو صدق اور صفائی پر قیاس کر کے حضرات
ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ اور عثمان ذی النورین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بمنزلہ سمع اور بصر اور
دل کے سمجھے جیسا کہ ان لفظوں سے جو حضرت نے فرمائیں معلوم ہوتا ہے پس کیا کوئی ایمان
رکھنے والا پیغمبر صاحب پر ایسی تہمت کر سکتا ہے اور جس کا کام صاف بیان کر دینے اور
لگی لپٹی نہ رکھنے کا ہو اس کی باتوں کی تاویل کر سکتا ہے نعوذ باللہ من ذلک۔ حقیقت یہ ہے
کہ حضرات شیعہ نے دین کو مسخرہ پن اور ٹھٹھے میں ڈال دیا ہے اور پیغمبر خدا کی احادیث اور
کلام اللہ کی آیات کو تحریف اور تغیر کر کے بدل دیا ہے نہ خدا کے کلام کو کلام مبین جانتے ہیں
نہ پیغمبر صاحب کی حدیث کو صاف سمجھتے ہیں سب میں شک اور شبہہ کرتے اور سب کو ذو
جہتین اور ذو معنیین جانتے ہیں چونکہ بناء مذہب تشیع نفاق اور جھوٹ پر ہے اس لئے
سب کو اپنا ہی سا جان کر ایسی تاویلات کرتے ہیں ورنہ کون شخص ہے کہ پیغمبر صاحب کی
نسبت ایسا کہے کہ وہ ایک روز کچھ کہتے تھے دوسرے دن اس کی کچھ تاویل کرتے تھے فرض
کرو کہ اگر کسی شخص نے پہلے ہی دن کی باتیں سنی ہوں اور اس نے پیغمبر صاحب کو بلا دی

اور نبی سمجھ کر ان کے کلام کو حق جانا ہو حالانکہ بقول شیعوں کے وہ حق نہ تھا اور اس کا مطلب دوسرا ہی تھا جس کو دوسرے دن حضرت نے امام حسن کے پوچھنے پر بتلایا اور وہ شخص دوسرے دن حضور میں حضرت کے حاضر نہ ہوا اور اس نے پیغمبر خدا کی زبان سے اس مجمل فقرے کی تشریح درستی ہو تو اس کے دل میں جو یقین اس کلام کی صحت پر ہو گیا ہو اور جس کے سبب سے وہ گمراہ ہوا ہو اس کا الزام کس پر ہوگا اسی سننے والے بیچارے پر یا معاذ اللہ حضرت پر۔

چوتھی دلیل معلوم نہیں کہ امام حسن کو دوسرے دن استفسار کی کیا ضرورت تھی شاید حضرات شیعہ یہ فرماویں کہ امام حسن جانتے تھے کہ وہ اصحاب جنکی نسبت حضرت نے ایسی تمثیل و تشبیہ دی ہے منافق اور کافر تھے و نعوذ باللہ منہ اور انہیں کی نسبت حضرت نے ایسا کچھ فرمایا تو اُن کو تعجب ہوا اس لئے اس کے رفع کرنے کے لئے یہ پوچھا مگر یہ بات لائق تسلیم کرنے کے نہیں ہے اس لئے کہ پیغمبر خدا نے اکثر ان اصحاب کی تعریف کی ہے اور ان کی ثنا اور صفت بیان فرمائی ہے کہ جس کو خود ائمہ نے اپنی سند سے روایت کیا ہے اور جس کو جا بجا ہم نے نقل کیا اور نقل کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ تو پھر اُن کی تعریف پر امام حسن کو تعجب ہونے کا کوئی موقع نہ تھا ہاں اگر کبھی حضرت نے اُن کی تعریف نہ کی ہوتی اور کبھی اُن کو امام حسن نے پیغمبر صاحب کی صحبت میں نہ دیکھا ہوتا اور پھر اُن کی نسبت ایسا سنتے تو تعجب کرنے کا محل تھا اگر کوئی صاحب یہ فرماویں کہ امام حسن جانتے تھے کہ وہ اصحاب منافق ہیں اور اُن کے سامنے کبھی پیغمبر خدا نے اُن کی تعریف نہیں کی تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ امام حسن کو ایسا شبہ نہ تھا اور وہ اُن اصحاب کو حضرت کے یاروں میں سے جانتے تھے چنانچہ الفاظ حدیث کے یہ ہیں (یا ابت سمعتک تقول فی اصحابک) کہ اپنے یاروں اور اصحاب کی نسبت آپ سے میں نے ایسا کچھ سنا تو اگر امام حسن اُن کو اصحاب پیغمبر کا نہ جانتے تو اصحابک نہ فرماتے اور جب اُن کو اصحاب میں جانتے تھے تو پھر کوئی تعجب کرنے کا مقام نہ تھا اس لئے کہ قطع نظر حضرات خلفاء ثلثہ کے اور اصحاب کی نسبت بھی بہت کچھ ثنا و صفت حضرت نے کی ہے کہ اس کا خود حضرات شیعہ کو اقرار ہے اور اُن کی کتابیں اس سے بھری ہوئی ہیں اور بالفرض اگر امام حسنؓ کو شبہ تھا تو وہ گھر میں اس کو رفع کرتے اور تنہائی اور خلوت میں پوچھتے پھر انہیں اصحاب کے سامنے پوچھنا اور پیغمبر صاحب کی مجمل بات کو صاف کرانا اور گول گول نہ رہنے دینا

موافق اصول شیعوں کے شانِ امامت کے خلاف تھا (پانچویں دلیل) قطع نظر اور صفات اور تعریف کے جو پیغمبرِ خدا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن اصحاب کی اکثر کی ہے اپنے سمع و بصر سے بھی تشبیہ دی ہے یہ تشبیہ فقط اس حدیث پر موقوف نہیں ہے بلکہ اور روایتوں سے بھی اس کا ثبوت ہوتا ہے چنانچہ خود علمائے شیعہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ پیغمبرِ خدا نے ہجرت کی شب میں ابوبکر صدیق سے کہا (جعلک منی بمنزلۃ السمع والبصر والرأس من الجسد و بمنزلۃ الروح من البدن) کہ خدا تجھ کو بمنزلہ میرے سمع اور بصر کے اور بجائے سر کے جسم میں اور بمنزلہ روح کے بدن میں گردانے گا پس جب کہ ایک مرتبہ فقط ابوبکر صدیق کی نسبت سمع اور بصر اور سر اور روح کے سب الفاظ پیغمبر صاحب نے فرمائے ہوں تو پھر کیا تعجب ہے کہ دوسری مرتبہ ان کی نسبت صرف لفظ سمع کا فرمایا اور اُن کے ساتھ میں حضرت عمرؓ اور عثمانؓ کی بھی تشبیہ بصر اور فؤاد سے کی ہو (چھٹی دلیل) علمائے شیعہ نے ایسی تاویلات سے جیسی کہ اس حدیث میں کی ہیں اکثر احادیث اور اقوال کو مضحکۂ اطفال بنا دیا ہے اور تحریف لفظی و معنوی میں محرفین اہل کتاب کو بھی مات کر دیا ہے چنانچہ بطور لطیفہ کے اس مقام پر میں ایک روایت لکھتا ہوں وہو ہذہ۔ میرن صاحب قبلہ حدیقۂ سلطانیہ کے باب سوم میں لکھتے ہیں (کہ امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مخالف سرکش امام جعفر صادق علیہ السلام کی مجلس میں آیا اور ایک شیعہ سے پوچھے

ے از حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام منقول است کہ بعض مخالفین از سرکشان شان بمجلس حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام آمد و مردے از شیعیان آنحضرت گفت کہ ما تقول فی العشرۃ من الصحابۃ چہ میگوئی در حق عشرہ مبشرہ از صحابۂ پیغمبر شیعہ گفت میگویم در حق شان قول خیرے کہ خداوند عالم بسبب آن گناہاں مرا فرو میریزد و درجات میرا بلند میفرماید پس آن مرد گفت حمد و شکر برائے خداست کہ مرا از دشمنی تو نجات داد و من گمان داشتم کہ تو رفض و بغض بصحابۂ کبار داری آنمرد مومن بار دیگر گفت آگاہ باش کہ ہر کس از صحابہ یکی را دشمن دارد پس بر او ست لعنت خدا ناصبی گفت شاید تاویل کردہ باشی بگو کیکہ عشرہ مبشرہ را دشمن دارد در حق او چہ میگوئی مرد مومن گفت ہر کہ یکے از عشرہ صحابہ را دشمن دارد بر او ست لعنت خدا و ملائکہ و تمام خلق پس آن ناصبی بر جست و سر ش را بوسید و گفت بخش مرا کہ من ترا برفض متہم ساختہ بودم مرد مومن گفت بر تو چیزے نیست من ایں افتراء تو سوختہ نمودم تو برادر منے آن ناصبی از آنجا برفت پس حضرت صادق علیہ السلام فرمود کہ کلام محکمے گفتی بر خداست جزائے تو بر آئینہ فرشتگان از حسن توریۂ تو خوشنود شدند کردین خود را از اختلال نگہداشتے و خود را از دست او برہانیدی زاد اللہ فی مخالفینا عمی الی عمی خداوند عالم در دشمنان ما بر نابینائی ایشان

باقی صفحہ ۱۴۷ پر

لگا کہ تو عشرہ مبشرہ کے یعنی دسوں اصحابوں کے حق میں کیا کہتا ہے شیعہ نے جواب دیا کہ میں اُن کے حق میں وہ کلمہ خیر کہتا ہوں کہ جس کے سبب سے خداوند عالم میرے گناہ بخشتا ہے اور میرے درجات بلند کرتا ہے پس اس ناصبی نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ مجھے تیری دشمنی سے نجات دی مجھے یہ گمان تھا کہ تو رافضی ہے اور صحابۂ کبار سے دشمنی رکھتا ہے تب اس مرد مومن نے دوسری بار کہا کہ خبردار ہو کہ جو شخص صحابہؓ میں سے ایک کو دشمن رکھے اس پر خدا کی لعنت ہو ناصبی نے کہا شاید تُو نے کچھ تاویل کی اس لئے بتلا کہ جو شخص عشرۂ مبشرہ کو دشمن رکھے اس کے حق میں تو کیا کہتا ہے تب مرد مومن نے کہا کہ جو شخص عشرۂ مبشرہ یعنی دسوں کو دشمن رکھے اُس پر خدا کی اور فرشتوں کی اور تمام خلق کی لعنت ہو پس وہ ناصبی اٹھا اور اس نے اس مومن کے سر کو بوسہ دیا اور کہا کہ مجھے معاف کر میں تجھ کو رافضی جانتا تھا اس مرد مومن نے کہا کہ میں تجھ سے مواخذہ نہیں کرتا تو میرا بھائی ہے یہ سُنکر وہ ناصبی چلا گیا جب وہ باہر گیا تب امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس مرد مومن سے کہا کہ تو نے نہایت محکم کلام کیا خدا تجھ کو جزائے خیر دے فرشتے تیرے حسن توریہ سے خوش ہوئے کہ تو نے اپنے دین کو بھی خلل سے بچایا اور اپنے آپ کو اس کے ہاتھ سے چھڑایا خدا ہمارے مخالفوں کی نابینائی کو اور زیادہ بڑھائے اور ان کی نافہمی پر نافہمی زیادہ کرے کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے جب یہ امام نے فرمایا تو جو لوگ ایسی باتوں کو نہیں سمجھتے تھے انہوں نے عرض کی کہ یا حضرت اس مرد مومن نے کیا کہا جیسا وہ ناصبی کہتا تھا ویسا ہی یہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملاتا جاتا تھا تب امام نے فرمایا کہ تم نہیں سمجھتے میں اس کا مطلب سمجھتا ہوں مراد اس مرد مومن کے اس کہنے سے کہ جو شخص ایک کو دشمن رکھے اصحاب میں سے اس پر خدا کی

ناصبی ہامی دیگر بیجز زید کسانیکہ بہ ارض کلام اطلاع نداشتند عرض کردند کہ ایں مرد چہ کرد در تا امر انچہ ناصبی میگفت ایشم او موافقت میشود حضرت فرمودند کہ اگر شما نفہمید مید مراد او پس بدستیکہ ما فہمیدہ ایم وحق تعالےٰ قول او را قبول فرمودہ ہر گاہ یکے از دوستان ما در دست دشمنان ما می افتد خداوند عالم او را بجوابی موفق میسازد کہ دین و آبروئے خود را از دست آن بد بختان محفوظ میماند مراد آں مرد مومن از قول او من البغض واحدا من الصحابۃ آن بود کہ ہر کہ دشمن دارد یکے از عشرہ را کہ آن امیر مومنان علی ابن ابی طالب است بر آں دشمنی کنندہ لعنت خدا باد انچہ بار دیگر گفت من البغض العشرۃ فعلیہ لعنت اللہ است گفت چرا کہ ہر کس کہ ہر دہ کس را عیب میکند بہ علی علیہ السلام ہم عیب کردہ است پس باین جہت بلعنت خدا گرفتار مے شود ۱۲ منہ

لعنت ہو حضرت علی ہیں اور مطلب اس کہنے سے کہ جو شخص دشمن رکھے دسوں کو دشمن رکھے گا وہ لامحالہ حضرت علی کو بھی دشمن رکھے گا اس لئے اُس پر لعنت خدا کی اس روایت کو دیکھ کر گو حضرات شیعہ فخر کرتے ہوں اور اپنے بزرگوں کی حیلہ سازیوں پر ناز فرماتے ہوں لیکن جو کوئی عاقل سُنے گا وہ تعجب ہی کرے گا اور ایسے دین و مذہب پر کہ جس کی بنا سراسر حیلہ سازی اور مکاری اور دغابازی پر ہے ہزار دل سے نفرت کرے گا نہایت تعجب کا مقام ہے کہ جن اماموں کا کام ہدایت خلق اللہ ہو اور جن کی امامت مثل نبوت کے اصول دین میں داخل ہو اور جن کے اقوال اور افعال اور حرکات و سکنات پر مدار نبوت کا ہو جب وہ ہی ایسے ہوں کہ کبھی صاف نہ کہیں اور دھوکا دہی اور حیلہ سازی کو موجب رضا الٰہی کا فرماویں تو پھر اُن کی اُمت کے لوگ کیسے ہوں گے اور وہ نفاق اور دغابازی کو کیوں اپنا شعار نہ گردانیں گے :۔ ہم اس سے بھی زیادہ دل خوش کن ایک اور روایت بیان کرتے ہیں اور حضرات شیعہ کی دقیقہ فہمی اور نکتہ سنجی کو ظاہر کرتے ہیں اور صاف سیدھی لفظوں سے جو عجیب معنی وہ مراد لیتے ہیں اس کا نمونہ دکھلاتے ہیں۔

چھٹی شہادت :۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے حضرت ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی نسبت فرمایا ہے (کہ ہما امامان عادلان قاسطان کانا علی الحق وماتا علیہ فعلیہما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ (کہ دونوں امام ہیں عادل اور انصاف کرنے والے دونوں حق پر تھے اور مرے حق پر ان دونوں پر ہو رحمت خدا کی قیامت کے دن اس حدیث سے چند فائدے حاصل ہوئے اول حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا امام اور خلیفہ برحق ہونا اس لئے کہ اگر اُن کی خلافت حق نہ ہوتی اور وہ غاصب ہوتے تو امام جعفر صادق کیونکر ان کو امام کہتے دوم اُن کا عادل اور منصف ہونا اور اس سے تمام مطاعن جو شیعوں نے ان کی نسبت بیان کئے ہیں باطل ہوئے اس لئے کہ اگر ان کے عدل اور انصاف میں کچھ بھی فرق ہوتا تو امام ہرگز ان کو عادل اور منصف نہ فرماتے سوم اُن کا حق پر ہونا اور حق پر مرتے دم تک قائم رہنا چہارم قیامت کے دن مستحق رحمت الٰہی ہونا اور کوئی شخص جو ایمان اور پرہیزگاری میں کامل نہ ہو مستحق رحمت الٰہی نہیں ہو سکتا اہل انصاف ذرا انصاف کو دخل دیں اور غور کریں کہ اس سے زیادہ اور فضیلت حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی کیا ہوگی جو زبان سے امام جعفر

علیہ السلام کی ثابت ہوئی اور جس سے امامت اور خلافت اور معدلت اور استحقاق رحمت الٰہی اُن کی نسبت بخوبی ظاہر ہوا حضرات شیعہ جب ہمارے محدثین کی بیان کی ہوئی کسی حدیث کو شان میں صحابہ کبار کے سنتے ہیں تو اس کو غلط اور موضوع اور جھوٹ کہہ دیتے ہیں اور اس سے انکار کر جاتے ہیں لیکن اب ایسی روایتوں کو کیا کریں گے جس کو انہیں کے علما نے نقل کیا ہے اور جو انہیں کی کتابوں میں مذکور ہیں بجز اس کے کہ انمیں تحریف کریں یا دو کسی قصہ کہانی کو ملا کر اس کے معنی بدلیں چنانچہ اس حدیث میں بھی ایسا ہی کیا ہے، اور چند فقرے بڑھا کر اس حدیث کی تحریف کی ہے کہ اس کو بیان کرتے ہیں۔ در رسالۂ ادلۂ تقیہ در ثبوت تقیہ میں جو کہ مزین بدستخط حضرت سلطان العلماء یعنی سید محمد صاحب مجتہد کے سنہ ۱۲۸۳ھ میں لودھیانہ میں چھپا ہے اس حدیث کی نسبت یہ لکھا ہوا ہے کہ (علماء اہل سنت نے نقل حدیث میں خیانت کی ہے اور اُن الفاظ کو منتخب کر لیا ہے کہ جو بنظر سرسری موہم مدح شیخین کے ہیں حالانکہ باطناً وہ الفاظ بھی سراسر طعن و تشنیع سے مملو اور مشحون ہیں چنانچہ خود امام جعفر صادق علیہ السلام نے اسی حدیث میں ان الفاظ کے معنی بتفصیل و توضیح ارشاد فرماتے ہیں) اور بعد ایک تقریر پوچ کے پھر اس رسالے میں اصل خیانت کے الفاظ اس طرح پر منقول ہیں (واضح ہو کہ اصل حدیث یہ ہے کہ بعض مخالفین نے حضرت سے در بارۂ شیخین سوال کیا حضرت نے جواب میں از راہ توریہ یہ ارشاد فرمایا کہ ہما امامان الخ فلما انصرف الناس قال له رجل من خاصته یا ابن رسول اللہ لقد تعجبت مما قلت فی حق ابی بکر و عمر فقال نعم ہما اماما اہل النار کما قال اللہ تعالیٰ وجعلنا منہم ائمۃ یدعون الی النار واما العادلان فلعدولہما عن الحق کقولہ تعالیٰ والذین کفروا بربہم یعدلون واما القاسطان فقد قال اللہ تعالیٰ واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا والمراد من الحق الذی کانا مستولیین علیہ ہو امیر المؤمنین حیث اذیاہ وغصبا حقہ والمراد من موتہما علی الحق انہما ماتا علی عداوتہ من غیر ندامۃ عن ذلک والمراد من رحمۃ اللہ رسول اللہ فانہ کان رحمۃ للعالمین، و سیکون خصمًا لہما ساخطاً علیہما منتقماً عنہما یوم الدین انتہی خلاصہ ان کلمات کا یہ ہے کہ جب مجلس منافقین سے خالی ہوئی تو ایک شخص نے خواص اصحاب سے امام معصوم کی خدمت میں عرض کی کہ میں ان کلمات سے جو آپ نے حق شیخین میں ارشاد فرمائے بہت متعجب ہوا حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میں نے ان دونوں کو امام اس سبب سے کہا کہ وہ امام

اہل نار تھے چنانچہ حق تعالیٰ قرآن میں کافروں کو امام اہل نار فرماتا ہے وجعلنا منهم الآئمة یعنی ہم نے کافروں کو ہم نے امام اہل نار گردانا ہے اور عادل اس وجہ سے کہا کہ ان دونوں نے عدل کیا تھا حق سے جیسا کہ خداوند عالم کافروں کو انہیں معنوں سے عادل فرماتا ہے والذین کفروا بربهم یعدلون مترجم کہتا ہے کہ کتب حدیث اہل سنت میں وارد ہے کہ پیغمبر برحق نے نوشیروان کو عادل فرمایا حتی کہ سعدی شیرازی نے اس کو گلستان میں نظم کیا او کہا ہے ؎

در آوان عدلش بنازم چناں
کہ سید بدوران نوشیروان

پس جب کہ مدح عدل نوشیروان کافروں کو مفید نہیں تو شیخین کو بھی مفید نہ ہوگی اور یہ وجہ بھی انہیں ستروجہوں سے ہے اور قاسط اس وجہ سے کہا کہ قاسط کے معنی ظالم کے ہیں چنانچہ قرآن میں وارد ہے واما القاسطون فکانوا لجہنم حطبا یعنی ظالمین جہنم کی لکڑیاں ہیں پھر امام معصوم فرماتے ہیں یہ جو میں نے کہا کانا علی الحق تو اس سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں غالب تھے حق پر اور حق مغلوب تھا اور مراد اس حق سے کہ جن پر غالب تھے۔ امیر المؤمنین ہیں کہ ان کو اذیت دی اور ان کے حق کو چھین لیا مترجم کہتا ہے کہ اس جملے میں امام معصوم نے جار و مجرور کو متعلق گردانا ہے بلفظ مستولیین کہ وہ خبر خاص ہے اور محذوف ہے بقرینہ دلالت کرے تو حذف اس کا جائز ہے اور چونکہ امام جعفر صادق علیہ السلام باتفاق جمہور اہل اسلام افصح الفصحا اور از جملہ عرب عربا ہیں پس کلام ان حضرت کا بجائے خود مستند ہوگا خواہ موافق نحاۃ کے ہو خواہ مخالف چہ جائے اسکہ بسبب پائے جانے قرینے کے کلام ان حضرت کا مطابق جمہور نحاۃ کے بھی ہے پس اب جائے اعتراض بھی باقی نہ رہی اور وہ قرینہ یہ ہے کہ علی کے معنی کلام میں استعلا کے ہیں اور استعلاان کے محاورے میں بمعنی غلبہ اور استیلا بھی آیا ہے چنانچہ ملاحظہ کتب لغت سے معلوم ہوتا ہے کہ عرب کہتے ہیں علوت الرجل ای غلبتہ پس معنی کانا علی الحق کے یہ ہوں گے کہ کانا غالبین علی الحق والحق مغلوبا عنهما اور یہ جو معصوم نے فرمایا ہے کہ مراد حق سے امام بحق جناب امیر ہیں امر حق ہے اور کچھ بعید نہیں اس واسطے کہ لفظ حق کا اطلاق خدا اور رسول اور امام بلکہ موت اور قیامت اور قرآن اور کلمہ اور کلام پر ہوتا ہے کما لایخفی پس اگر مراد حق سے مولائے برحق ہوں خلاف حق لازم نہیں آتا اور مخفی نہ رہے کہ اس

مقام میں دو وجہیں اور بھی ہیں کہ محمل کلام معصوم کا اُن پر صحیح ہے وجہ اوّل یہ ہے کہ علی بمعنی استعلا ہو وے پس معنی کانا علی الحق کے یہ ہوں گے کہ یہ دونوں کہ عین باطل تھے حق پر فوقیت دے گئے اور انہوں نے حق کو پست کر دیا جیسا معصوم دعائے صنمی قریش میں ارشاد فرماتے ہیں پس بنا بر طریقہ جمع بین الحدیثین کے ارادہ اس معنی کا کلام معصوم سے صحیح ہوگا اور یہ نوع استعلا مستلزم استیلا بھی ہے پس اس وجہ سے بھی مقدر ہونا لفظ مستولیین کا صحیح ہوگا کما فعلہ المعصوم فتامل ۔ وجہ دوم یہ ہے کہ کلام عرب میں علی کو مقام مخالفت اور مضرت اور عداوت میں بھی اطلاق کرتے ہیں چنانچہ شائع و ذائع ہے کہ بیچ محاورے عرب کے مقام جواب یا اعتراض میں کہتے کہ ہذا لنا لا علینا یعنی یہ امر نافع ہے واسطے ہمارے نہ مخالف اور مضر ہمارے اور مشہور ہے کہ جب اثنائے راہ میں لشکر حر جناب سید الشہدا سے ملاقی ہوا تو حضرت نے حر سے فرمایا علینا ام لنا یعنی تو ہماری کمک کو آیا ہے یا ہماری عداوت پر کمر باندھی ہے و ایضاً قال اللہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا لہا ما کسبت و علیہا ما اکتسبت قال صاحب الکشاف ینفعہا ما کسبت من الخیر و یضرہا ما اکتسبت من الشر پس بنا بر اس وجہ کے معنی کانا علی الحق کے یہ ہوں گے کہ وہ دونوں مخالف حق کے اور دشمن حق تھے اور یہی معنی قول آئندہ میں بھی معصوم نے فرمائے ہیں پس ارادہ اس معنی کا کلام امام سے اس مقام میں بھی صحیح ہوگا فافہم پھر معصوم علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کہا ماتا علی الحق مراد اس سے یہ ہے کہ عداوت حق پر مرے یعنی جناب امیر کی عداوت تادم مرگ ان کے دلوں میں رہی اور تادم مرگ نادم نہ ہوئے اس مقام میں علی کو یہ معنی عداوت معصوم نے اطلاق فرمایا ہے جیسا کہ ہم نے وجہ ثانی میں بیان کیا پھر معصوم فرماتے ہیں۔ کہ جو میں نے کہا فعلیہما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ پس مراد رحمۃ اللہ سے رسول خدا ہیں کہ ان دونوں کے دشمن ہوں گے روز قیامت اور ان پر غضب ناک ہوں گے اور ان سے روز قیامت کو انتقام لیویں گے مترجم کہتا ہے کہ اس مقام میں بھی علی کو معصوم نے مقام عداوت میں ارشاد فرمایا ہے اور رحمت خدا ہونا حضرت رسالت مآب کا مقام شک و ارتیاب نہیں حق تعالیٰ خود فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین بہر صورت اہل انصاف پر معانی ان الفاظ کے ظاہر و باہر ہوئے کہ ہرگز یہ الفاظ مقام مدح شیخین میں وارد نہیں ہیں بلکہ سراپا یہ حدیث رد و قدح شیخین پر دلالت کرتی

ہے ابھی طرح اس تاویل کی غلطی ہم چند دلائل سے ثابت کرتے ہیں۔
(پہلی دلیل) اس رسالے کے مؤلف نے بتقلید اپنے علماء کے جو کچھ واہیات بیان کیا ہے اس کے نقل کرنے سے مجھے شرم آتی ہے اگر احادیث کی ایسی ہی تاویلیں کی جاویں تو کوئی حدیث کسی مدح وثنا میں باقی نہ رہے بلکہ ہر ملحد اور زندیق آیات قرآنی کو ایسی تاویل سے موافق اپنے مطلب کے بنالے کسی ہندو کی نقل ہے کہ اس نے ایک مسلمان سے کہا کہ ہمارے رام لچھمن کا ذکر تمہارے قرآن میں بھی ہے وہ مسلمان حیران ہو کر پوچھنے لگا کہ کس جگہ قرآن میں اُن کا ذکر ہے۔ اس نے کہا کہ سورۂ یوسف کے اول میں جو (الر) حروف مقطعات ہیں اُن میں (الف) سے مراد اللہ ہے اور (لام) سے مراد لچھمن اور (رے) سے مراد رام ہیں وہ مسلمان یہ سنکر ہنسنے لگا لیکن ہمارے نزدیک جو تاویل امام جعفر صادق علیہ السلام کے قول کی حضرت شیعہ نے کی ہے وہ اس ہندو کی تاویل سے بھی بدتر ہے اس لئے کہ اس نے تو حروف کے لحاظ سے کچھ جوڑ ملا دیا لیکن شیعوں کے علماء نے جو کچھ فرمایا وہ تو سر سے بے جوڑ ہے اور ہر ایک خارجی اور ناصبی اہل بیت علیہ السلام کی شان میں جو احادیث ہیں ان میں بھی ایسی ہی تاویلات بیجا کر سکتا ہے۔ (فما ہو جوابہم فہو جوابنا) (دوسری دلیل) یہ قول جو شان میں حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے کہا گیا وہ امام جعفر صادق کا ہے اور امام موصوف تقیے سے ممنوع تھے اُن کو حکم تھا کہ وہ کسی سے خوف نہ کریں اور بلا خوف وخطر علوم اہل بیت کو منتشر کریں تو انہوں نے کس لئے تقیہ کیا اور کیوں ایک دو ناصبی کے ڈر سے ایسی بڑی تعریف کی اور پھر جب وہ چلے گئے تو اس کی تاویل کر کے اپنے خواص کو اصل مطلب سمجھایا اور وہ قول جس سے ثابت ہوتا ہے کہ امام موصوف تقیے سے ممنوع تھے یہ ہے بحار الانوار میں ملا باقر مجلسی نے اور کافی میں ملا یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ جو صحیفہ امام جعفر صادق کا تھا اس میں اُن کے لئے یہ حکم تھا (حدث الناس وافتہم ولا تخافن الا اللہ وانشر علوم اہل بیتک وصدق آباءک الصالحین فانک فی حرز وامان) کہ تمام مخلوق کو فتویٰ دو اور اُن سے باتیں کرو اور کسی سے سوائے خدا کے نہ ڈرو اور اپنے اہل بیت کے علوم کو منتشر کرو اور اپنے آباء صالحین کی تصدیق کرو اس لئے کہ تم حرز اور امان میں ہو پس باوجود اس کے کہ جب ایسے اطمینان کا حکم الٰہی ان کو ہو چکا تھا اور تقیہ کرنے سے وہ منع کر دیئے گئے تھے تو پھر عہد شکنی نہ کیا کہ

کس کم خوف تھا جس کے سبب سے ایسی تعریف صحابہ کی کرتے تھے اور لوگوں کو دھوکا دیتے تھے افسوس ہے کہ شیعیان علی نے اپنے اماموں کی محبت کے پیرایے میں کبھی ہجو کی ہے اور اُن پر کیا کیا تہمتیں لگائی ہیں:۔ (تیسری دلیل) اگر کوئی شیعہ کہے کہ جب یہ عبارت زائد بھی اصل حدیث میں داخل ہے تو کیا وجہ ہے کہ ایک ٹکڑا اس کا تسلیم کیا جائے اور دوسرا ٹکڑا زائد اور غلط ٹھہرایا جائے اس لیے ضروری ہے کہ کل عبارت حدیث کی تسلیم کی جائے اور جو تاویل اس حدیث کی امام نے بیان کی وہ بھی امام ہی کی طرف سے سمجھی جائے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ (اقرار العقلاء حجۃ علی انفسہم دون الاوعار لہم) کہ اقرار آدمی کا اس پر حجت ہوتا ہے پس اسی قاعدے سے جس قدر اقرار فضیلت شیخین کا ہے وہ اُن پر حجت ہے اور جو تاویل کی گئی ہے وہ ہم پر حجت نہیں اور قطع نظر اس کے عادت بھی محدثین شیعہ کی یہ ہے کہ وہ عبارت کو حدیث کی کم و بیش کر دیا کرتے ہیں اور اپنے مذہب کے موافق بنا لیتے ہیں جیسا کہ ملا باقر مجلسی نے حدیث مسئلہ قضا و قدر میں شیخ صدوق کی نسبت بیان کیا ہے (انما فعل ذالک لیوافق مذہب اہل العدل)، پس جب اُن کا اعتماد اس امر کا نہ رہا کہ وہ حدیث میں تحریف نہیں کرتے اور کچھ تغیر و تبدل کو راہ نہیں دیتے تو پھر کیونکر وہ تاویل جو سراسر لوچ اور خرافات ہو صحیح مانی جائے اور ایسی واہیات کی ائمہ کی طرف کیونکر نسبت دی جائے حالانکہ ائمہ خود اس امر کی شکایت کرتے رہے ہیں۔ اور اپنے شیعوں پر لعنت ملامت کرتے آئے ہیں، کہ وہ تاویلات غلط ان کی احادیث میں کر دیتے ہیں اور حدیث کے مضمون کو اور کا اور بنا دیتے ہیں چنانچہ ابو عمرو کشی نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک حدیث کو اسی بارہ میں نقل کیا ہے وھو ہذہ (ان الناس اولعوا بالکذب علینا ان اللہ افترض علیہم لا یرید منہم غیرہ وانی احدث احدہم بالحدیث فلا یخرج من عندی حتی یتاولہ علی غیر تاویلہ ذلک انہم لا یطلبون بحدیثنا و یحبنا ما عند اللہ وانما یطلبون الدنیا) کہ آدمیوں نے بہت زیادتی کی ہم پر جھوٹ لگانے کی میں جو حدیث اُن سے کہتا ہوں وہ میرے پاس سے نکلنے نہیں پاتے کہ وہ میں اس کی دوسری تاویل خلاف کرنے لگتے ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ میری احادیث سے اس چیز کے طالب نہیں جو خدا کے پاس ہے بلکہ صرف دنیا کے طلب گار ہیں پس جب کہ خود امام کی تصدیق سے ثابت ہوا کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کی یہ عادت تھی کہ

دہی بیٹھے بیٹھے ان کی احادیث کی تاویل غلط کر دیا کرتے تھے تو پھر ایسے لوگوں سے کیا بعید ہے کہ انہوں نے ایسی تاویل اس حدیث کی بھی کی ہو ÷ (چوتھی دلیل) اس تاویل پر جو اس حدیث کے الفاظ کی کی ہے اگر غور بحث کریں تو ہم کو معلوم ہو جاوے کہ وہ کس قدر مہمل اور غلط اور خلاف محاورہ ہے۔ اوّل تاویل لفظ امامان کی یہ کی ہے کہ اماما اہل النار تو مضاف الیہ کو محذوف کر دیا ہے لیکن موافق قاعدۂ نحو کے حذف مضاف الیہ کا سوائے حالت تنوین یا بنا رمضاف یا اضافت ثانیہ کے جائز نہیں اگر شک ہو تو نحو اُٹھا کر دیکھ لو دوسرے لفظ امام جب مطلق چھوڑا گیا تو اُس سے وہی معنی جو اصلی ہیں یعنی مدح اور صفت کے مراد لئے جاویں گے اس لئے کہ لفظ مطلق سے فرد کامل ہوتا ہے تو کیونکر اس سے امام اہل النار مراد ہو سکتے ہیں بخلاف آیہ ائمۃ یدعون الی النار کے کہ وہاں یہ مقید ہے نہ مطلق ÷ دوسری تاویل قاسطون کی بھی غلط ہے اس لئے کہ قرآن شریف میں بمقابلہ مسلمون کے قاسطون وارد ہے پس تعیین معنی کے واسطے قرینے کا ضرور ہے کہ وہ آیہ میں موجود ہے اور حدیث میں مفقود بلکہ اشارہ طرف آیہ کریمہ واقسطوا ان اللہ یحب المقسطین کے ہے۔ تیسرے حق سے مراد نام علی مرتضیٰ کا لینا خلاف عرف عام اور زبان اذہان اور معنی ظاہری کے ہے بغیر پہلے ہونے ذکر مرتضوی کے حق سے اُن کا نام مراد لینا حدیث کو چیستان ٹھہرانا ہے علاوہ اس کے حرف علیٰ کو بمعنے استیلا بلا دلیل قرار دینا اور استیلاء کو مرادف استعلا ٹھہرانا زبردستی معنی بنانا اور خرافات بکنا ہے اور لغت میں قیاس کو دخل دینا حالانکہ قیاس فی اللغۃ جائز نہیں غور کرنا چاہیئے کہ زید علی الحق جب بولا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ ہوتی ہے کہ وہ حق پر ہے یا یہ مراد ہوتی ہے کہ وہ باطل پر ÷ چوتھی تاویل علیہما رحمۃ اللہ یوم القیمۃ کی جو کی گئی ہے اُس کی نسبت کسی نے خوب لطیفہ کہا ہے کہ حضرات امامیہ جب اپنے پیشواؤں کے حق میں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں تو ہم سمجھتے ہیں کہ علیہ سے وہی مخالفت مراد ہے اور رحمۃ اللہ سے رسول اللہ مراد ہیں یعنی مخالف ہے رسول کا استغفر اللہ کہ حضرات شیعہ احادیث کو ایسی تاویلات لے جا کے مضحکۃ الاطفال بناتے ہیں اور ائمہ پر ایسی لے جا تاویلات کی تہمت کرکے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں۔

ساتویں شہادت:۔ نہج البلاغۃ میں حضرت امیرالمومنین علی مرتضیٰ کی طرف سے

شان میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے یہ عبارت منقول ہے۔ (للہ بلاد فلان لقد قوم الاود وداوی العمد واقام السنۃ وخلف البدعۃ وذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ رحل وترکہم فی طرق متشعبۃ لایہتدی فیہا اتصال ولا یستیقن المہتدی) ترجمہ خدا انعام کرے فلاں یعنی ابوبکر پر جس نے کجی کو سیدھا کیا جس نے امراض نفسانیہ کی دوا کی جس نے سنت کو پیغمبر کی قائم کیا اور بدعت کو دور کیا گیا اس دنیا سے پاک دامن کم عیب خلافت کی خوبی پائی اور اس کے فساد سے پہلے رحلت کی خدا کی اطاعت کو اچھی طرح ادا کیا اور موافق حق کے پرہیز گاری کو بجا لایا کوچ کیا اس دنیا سے اور چھوڑ گیا آدمیوں کو شاخ در شاخ راہوں میں کہ گمراہ ہدایت پاتا ہے اور نہ راہ پانے والا یقین حاصل کر سکتا ہے۔ میں حضرت علیؓ کے اس قول کی نسبت تمام اقوال کو اہل سنت اور شیعہ کے نقل کرتا ہوں اور حضرات شیعہ کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اس بحث کو ذرا دل سے سنیں اور غور سے دیکھیں اور تعصب اور عناد کو چھوڑ کر انصاف کریں کہ ان کے علما حق پر ہیں یا کہ اہل سنت کے ہیں اس قول کی نسبت اول تحفہ اثنا عشریہ کے مضمون کو لکھتا ہوں بعدہ جو علامہ کنتوری نے اس کا جواب دیا ہے کہ اس کو لکھ کر جو تردید اس کی جناب خاتم المتکلمین مولانا مولوی حیدر علی صاحب نے کی ہے لکھوں گا۔ خاتم المحدثین تحفہ اثنا عشریہ میں بعد نقل کرنے اس عبارت میں جامع نہج البلاغۃ نے کہ شریف رضی ہیں اپنے حفظ مذہب کے واسطے عجیب تصرف کیا ہے یعنی لفظ ابوبکر کو حذف کر کے بجائے اس کے لفظ فلان لکھ دیا تاکہ اہل سنت کو موقع اس پر سند پکڑنے کا نہ ہووے لیکن حضرت امیر کی کرامت ہے کہ اوصاف مذکور صریح اس پر دلالت کرتے ہیں کہ مراد اس سے کون ہیں اسی واسطے نہج البلاغۃ کے شارحین نے فلان کے لفظ کی تعیین میں اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا ہے کہ مراد ابوبکر ہیں اور بعضوں نے کہا کہ عمر ہیں لیکن اکثر شراح نے اول ہی کو ترجیح دی ہے۔ اب ان جوابات کو سننا چاہیئے جو علمائے شیعہ نے اس قول کی نسبت دیئے ہیں :-

(جواب اول) حضرت علیؓ گاہ گاہ اوصاف اور لیاقت شیخین کی اس لئے بیان کر دیا کرتے تھے کہ لوگ ان کے معتقد تھے اور ان کی حسن سیرت اور خوبی انتظام کے قائل

تھے بپاس خاطر لوگوں کے اُن کی تعریف کرنا مناسب وقت تھا پس یہ کلمات بھی اسی قبیل سے ہیں لیکن یہ جواب لائق تسلیم کرنے کے نہیں ہے اس لئے کہ کوئی عاقل منصف اس کو نہ ملنے گا ایک معصوم دس جھوٹ صرف واسطے ایک آسان غرض دنیا کے یعنی دلداری چند شخصوں کے کہ وہ بھی یقینی نہ تھی اپنی زبان سے کہے اور ان لوگوں کی تعریف کرے جنہوں نے صریح عصیان خدا اور رسول کا کیا دین اسلام کو چھوڑ کر ارتداد پر کمر باندھے اور خدا کی تحریف اور دین محمدی کی تبدیل کی حالانکہ حدیث صحیح میں وارد ہے۔ (اذا مدح الفاسق غضب الرب) کہ جب فاسق کی تعریف کی جاتی ہے خدا غضب میں آجاتا ہے پس جب ایک فاسق کی تعریف سے خدائے جل شانہٗ غضب میں آوے تو ایسے شخص کی تعریف سے جو محرف کتاب اللہ اور مبدل دین خدا ہو اور جس نے پیغمبر خدا کی وصیتوں کو بھلا دیا ہو اور اس کے وصی کے حقوق کو غصب کیا ہو اور انکے اولاد کو ستایا ہو اور کوئی دقیقہ ظلم اور جبر کا خاندان رسول پر نہ چھوڑا ہو تو ایسے شخص کی تعریف سے معلوم نہیں کہ خداوند عالم کس قدر غضب میں آیا ہوگا اور باعث اس کا کون ہوا ہوگا شیعوں کے دین اور دیانت اور عقل اور فراست سے نہایت ہی بعید ہے کہ ایسے معصوم کی نسبت جیسے کہ امیر المومنین تھے ایسے معصیت کا اطلاق کرتے ہیں اور یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ایسی تعریف کرنے کی کیا ضرورت تھی کون سا لشکر باغی ہو گیا تھا کہ جس کا راہ راست پر آنا بغیر ایسے جھوٹ بولنے اور قسمیں کھانے کے ممکن نہ تھا اگر صرف دلدہی حضرت شیخین کے معتقدین کی منظور تھی توصرف تعریف اُن کی جس میں ذکر اُن کے انتظام امور خلافت کا ہوتا کافی تھی تاکہ مطلب بھی حاصل ہو جاتا اور بہت جھوٹ بھی نہ بولنا پڑتا اور اس کو باطل اور غلط سمجھنا اور اس کو جھوٹ اور غلط کہنا در حقیقت ان کی معصومیت میں داغ لگاتا ہے اس جواب کو علامہ کنتوری نے بجواب تحفہ اثنا عشریہ اس طرح پر رد کیا ہے کہ یہ دعویٰ صاحب تحفہ کا محض جھوٹ ہے کسی شیعہ نے یہ توجیہ نہیں کی اور ایسی توجیہات کی اُس وقت ضرورت ہوتی جب کہ شیعوں کی کتابوں میں بجائے لفظ فلان لفظ ابوبکر موجود ہوتا اور جب وہ لفظ ہی کتب شیعہ میں موجود نہیں ہے تو اُن کو ایسی توجیہات کی احتیاج کیا ہے وہذا عبارتہٗ (قولہ عمدہ آں توجیہات نزد ایشان آنست الخ)

ـه توجیہات کی بابت علامہ کنتوری نے تحفہ اثنا عشریہ کی تردید میں لکھا ہے کہ توجیہ کو شیعوں کی جانب منسوب

(قولنا این ادعا کذب محض ست احتیاج این توجیہات شیعہ را وقتی می افتاد کہ در کتب شیعہ بجائے لفظ فلان لفظ ابو بکر موجود می بود و چوں لفظ ابو بکر در کتب شیعہ موجود نیست ایشان را احتیاج ہیچ یک از توجیہات نیست پس آنچہ ناصبی بعد تقریر ایں توجیہات از ہزلیات خود سر کردہ از جہت ابتنا می آن بر فاسد از قبیل بناء الفاسد علی الفاسد باشد) یہ جواب علامہ کنتوری کا غلط ہے اور جو انہوں نے نسبت خاتم المحدثین صاحب تحفہ کے فرمایا کہ ادعا کذب محض است ویسے ہی ہم علامہ مجیب کی نسبت کہتے ہیں کہ این جواب کذب محض ست اور ثبوت اس کا یہ ہے کہ خود شیعوں کے علمائے نے لکھا ہے کہ مراد فلان سے ابو بکر صدیقؓ ہیں چنانچہ ابن میثم بحرانی جو محققین شیعہ سے ہیں شرح نہج البلاغۃ میں فلان کی لفظ کی شرح میں لکھتے ہیں کہ مراد فلان سے یا ابو بکر ہیں یا عمر لیکن میرے نزدیک مراد فلان سے ابو بکر ہے و ہذہ عبارتہ (اقول ان ارادتہ لابی بکر اشبہ من ارادتہ لعمر) غرضکہ معلوم نہیں کہ باوجود اس کے کہ ابن میثم بحرانی سا متبحر فاضل جس کے علم اور تقدس پر باقر مجلسی کو ناز ہے فلاں کے لفظ سے مراد ابو بکر لیتا ہے اور باوجود اس کے جناب علامہ کنتوری اس سے انکار فرماتے ہیں اور صاحب تحفہ کی جناب میں کذب کی نسبت کرتے ہیں شاید علامہ موصوف کی یہ غرض ہوگی کہ برائے نام جواب تحفہ کا لکھنا شروع کر دیا ہے اور حقیقت میں کچھ جواب ایسی روایتوں کا نہیں ہے اس لئے اس سے انکار ہی کر دینا مناسب ہے تاکہ عوام کی نظروں میں وقعت پیدا ہووے اور وہ شاہ صاحب کو جھوٹا جانیں لیکن یہ نہ سمجھے کہ خدا نے ہر فرعون کے پیچھے ایک موسیٰ کر دیا ہے علمائے اہل سنت کب پیچھا چھوڑیں گے اور کس طرح وارو گیر سے نجات دیں گے اور ابن میثم بحرانی کے قول کو دکھلا کر الا لعنت اللہ علی الکاذبین پڑھنے لگیں گے اور قطع نظر اس کے کہ لفظ فلاں سے مراد ابو بکر ہیں یا نہیں جو توجیہ شیعوں کی جناب صاحب تحفہ نے بیان کی ہے وہ خود شیعوں کے علما کے قول سے ثابت ہے اور لفظ بلفظ اُس کا اُن کی عبارت سے مطابق ہے چنانچہ ابن میثم بحرانی جو نہایت نامی علمائے شیعہ سے ہے اسی شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے کہ شیعوں نے اس کے دو جواب دیئے ہیں منجملہ اُن دو

(بقیہ حاشیہ) کرنا سفید جھوٹ ہے کیونکہ اس قسم کی توجیہ کی شیعوں کو اس وقت ضرورت ہوتی جب کہ شیعہ کتب میں لفظ فلان کے بجائے لفظ ابو بکر ہوتا اور جب کہ کتب شیعہ میں لفظ ابو بکر پایا ہی نہیں جاتا اس لئے ان کو کسی قسم کی توجیہ کی کوئی حاجت نہیں۔ ۱۲ خلاصہ یہ کہ شیعوں نے خود ہی اپنے ہزلیات کی توجیہ کی ہے اور بناء فاسد علی الفاسد ہے۔ ۱۲

نے ایک ہی ہے جسے شاہ صاحب نے بیان کیا چنانچہ عبارت اس کی یہ ہے (مجاز ان یکون ذلک المدح منہ علی وجہ استصلاح من یعتقد صحۃ خلافۃ الشیخین واستجلاب قلوبہم بمثل ہذا الکلام) افسوس ہے کہ علامہ کنتوری مرگئے ورنہ میں اس عبارت کو اُن کے پیشوا اور مجتہد کی اُن کے سامنے کرکے عرض کرتا کہ حضرت (ادعای شاہ صاحب کذب محض ست یا انکار جناب کذب محض ست)[1] لیکن چونکہ سنتا ہوں کہ اُن کے صاحبزادے زندہ ہیں اور کتاب استقصا الافحام کی تحریر پر ناز کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ کوئی شخص ان کے سامنے اس عبارت کو رکھ دے اور اُن کے پدر بزرگوار کی قلعی اُن کے سامنے کھول دے۔

(دوسرا جواب) بعضوں نے علمائے شیعہ سے یہ جواب دیا ہے کہ مراد فلان سے اور ہی کوئی آدمی ہے منجملہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جو کہ حضرت کے سامنے ہی وفات کر گیا اور قبل وقوع فتنہ و فساد کے دنیا سے رحلت کر گیا اور علامہ راوندی نے جو علمائے شیعہ سے ہیں اسی قول کو پسند کیا ہے لیکن ذرا سوچنے سے معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ قول نہایت ہی لوچ اور بے بنیاد ہے اس لئے کہ اس خطبے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لفظوں سے تعریف کی ہے کہ وہ شخص خود رحلت کر گیا اور لوگوں کو شاخ در شاخ راہوں میں چھوڑ گیا کہ کوئی گمراہ ہدایت نہیں پا سکتا پس جو شخص پیغمبر صاحب کے سامنے مرگیا ہو اس کی نسبت یہ تعریف کیوں کر صادق ہو سکتی ہے کسی کے خیال میں یہ بات آ سکتی ہے کہ باوجود موجود ہونے پیغمبر صاحب کے کسی کے مرنے سے اس قدر خرابی ہوئی ہو کہ لوگ شاخ در شاخ راہوں میں پڑ گئے ہوں۔ پس کیونکر حضرت امیر المؤمنین کسی ایسے آدمی کی نسبت جو پیغمبر صاحب کے سامنے مر چکا ہو یہ تعریف فرماتے اور جو بات ایک ادنیٰ آدمی سے نہیں نکل سکتی وہ حضرت علی ارشاد فرماتے غرضکہ صاف ظاہر ہے کہ مراد حضرت علی کی فلان سے ایسا ہی آدمی ہے جو کہ بعد وفات سرور کائنات علیہ الصلوٰۃ مرا ہو، اور جس کے مرنے سے لوگ شاخ در شاخ راہوں میں پڑ گئے ہوں اور ایسا آدمی کوئی نہیں ہے سوائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے یا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اور جس کسی کو اُن میں سے حضرات شیعہ لفظ فلان سے مراد لیں ہمارا مطلب حاصل ہے۔ اس جواب کا علامہ کنتوری نے بجواب تحفہ اثنا عشریہ کے عجیب جواب دیا ہے کہ جس سے نہ اقرار نکلتا ہے نہ انکار اور جس کی لفظوں اور

---

[1] شاہ صاحب کا دعویٰ جھوٹا ہے یا پھر یہ کہ آنجناب کا انکار سفید جھوٹ ہے۔ ۱۲

عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کنتوری پر راہ آنے جانے کی بالکل بند ہے۔ اور ایسی بوکھلاہٹ میں بے چارہ گرفتار ہے کہ کچھ نہیں کر سکتا اور شاہ صاحب قدس سرہ کی تقریر کا کچھ جواب نہیں دے سکتا و ہذہ عبارۃ (قولہ و بعضے امامیہ گفتہ اند کہ مراد آنجناب ازیں مرد شخصے دیگر ست از جملہ صحابۂ رسول الخ) قولنا دانستی کہ بنا بر تصریح ابن ابی الحدید ایں قول قطب راوندیست و ہیچکس از امامیہ و غیر امامیہ پیش از ابن ابی الحدید سوائے قطب الدین راوندی شرح کتاب نہج البلاغۃ نہ نوشتہ) لیکن اس تقریر سے یہ ظاہر ہے کہ علامہ کنتوری نے اس قول کو تسلیم کر لیا اور مثل پہلے جواب کے اُس سے انکار نہیں کیا اور شاہ صاحب کو کاذب نہیں بنایا۔ باقی رہا یہ امر کہ کسی نے شرح نہج البلاغۃ کی قطب الدین راوندی سے پہلے لکھی ہے یا نہیں وہ بحث سے خارج ہے پس حضرات شیعہ کو چاہیئے کہ اپنے علماء کے جواب کو خیال کریں کہ جب چاروں طرف سے راہ بند ہوتی ہے تو کے کیا سکوت کر جاتے ہیں اور اصل مطلب کو چھوڑ خارج از بحث گفتگو کرنے لگتے ہیں لیکن ہم بایں نظر کہ شاید کوئی شیعہ اپنے بزرگ قطب الدین راوندی کے قول سے براہ جہالت یا بوجہ دھوکا دہی انکار کرے اس کی اصل عبارت کو بھی نقل کرتے ہیں (فانہ قال فی الشرح انہ علیہ السلام یمدح بعض اصحابہ بحسن السیرۃ وانہ مات قبل الفتنۃ التی وقعت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(تیسرا جواب) بعض علمائے امامیہ نے اس طرح پر جواب دیا ہے کہ غرض حضرت امیر کی اس قول سے توبیخ عثمان تھی تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ وہ سیرت شیخین پر نہیں چلے اور فتنہ اور فساد ان کے زمانے میں بہت ہوا لیکن یہ جواب دونوں پچھلے جوابوں سے بھی زیادہ پوچ ہے اس لئے کہ توبیخ عثمان کی اور طرح پر بھی ہو سکتی تھی اور فقط یہ کہہ دینا کہ وہ سیرت شیخین پر نہیں چلے حصول مطلب کے لئے کافی تھا اس جھوٹ بولنے سے معصوم کو کیا حاصل تھا علاوہ بریں اس سے یہ بات نکلتی ہے کہ سیرت شیخین حضرت امیر کے نزدیک بھی پسندیدہ تھی اگر حضرات شیعہ اس امر کو مانیں تو خلافت شیخین کی اس سے ثابت ہوتی ہے اگر نہ مانیں اور سیرت شیخین کو پسندیدہ نہ کہیں تو حضرت عثمان کو ان کی سیرت ناپسندیدہ

۱؎ شیعوں کا کہنا ہے کہ آنجناب کی مراد "اس شخص سے" وہ ہے جو منجملہ اصحاب رسول ہے اور ہماری بات آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ابن ابی الحدید نے لکھا ہے کہ یہ قول دراصل قطب راوندی کا ہے جو انہوں نے شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے جسے سوائے ان کے کسی شیعہ یا غیر شیعہ نے نہیں لکھا۔

کے چھوڑنے پر توبیخ کرنے کے کیا معنی لیکن علاوہ ان باتوں کے یہ جواب کسی طرح قابل تسلیم کے نہیں اس لئے کہ مخالفت حضرت عثمان کی سیرت شیخین سے ہرگز اس عبارت میں مذکور نہیں ہے (لا صراحتاً و لا اشارتاً) اور یہ عبارت خطبہ کوفہ میں حضرت امیر نے ارشاد فرمائی ہے اس وقت عثمان کہاں تھے اور فتنہ و فساد کہاں اور اگر توبیخ عثمان حضرت امیر کو منظور ہوتی صراحتاً کیوں نہ فرماتے کہ عثمان نے ایسا ایسا کیا اور ان کے زمانے میں فتنہ و فساد پیدا ہوا اگر کوئی کہے کہ صاف کہنے میں لوگوں کی مخالفت کا ڈر تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جس بات کا ڈر تھا یعنی مخالفت اہل شام وہ موجود ہی تھی اور صرف حضرت عثمان کے قتل کے بہانے سے اہل شام حضرت علی سے بگڑ گئے تھے اور نوبت مقاتلہ اور مجادلہ کی پہنچ چکی تھی پس اس سے زیادہ صاف کہنے میں کس مضرت کا اندیشہ تھا شاید شیعوں نے یہ مثل نہیں سنی کہ (انا الغریق فما خوفی من البلل) یعنی میں ڈوبا ہوا ہوں پھر مجھ کو بھیگنے کا کیا ڈر ہے علامہ کنتوری نے بجواب تحفہ کے اس جواب کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی نے علمائے امامیہ سے یہ توجیہ جو صاحب تحفہ بیان کرتے ہیں نہیں کی گویا علامہ موصوف نے مثل پہلے جواب کے اس جواب سے بھی انکار کیا اور اس کو شاہ صاحب کا جھوٹ تصور کیا کما قیل (قولہ بعضے از امامیہ چنیں گفتہ اند کہ غرض حضرت امیر توبیخ عثمان و تعریض براو بود الخ) (اقول ہیچ از امامیہ ایں توجیہ نکردہ مگر ابن ابی الحدید در شرح ایں کلام ایں مقابلہ را بطرف جارودیہ کہ از فرق زیدیہ ست نسبت دادہ الی قولہ بعض مقالہ زیدیہ را بامامیہ نسبت دادن کذب صریح ست) لیکن یہ جواب علامہ کنتوری کا مثل پہلے جواب کے غلط ہے اس لئے کہ خود علمائے امامیہ نے اس جواب کو قبول کیا ہے اور اس سے انکار نہیں کیا معلوم ہوتا ہے کہ علامہ کنتوری نے ان اقوال کو ملاحظہ نہیں فرمایا اس لئے اس سے انکار کیا یا دیدہ و دانستہ عوام کو دھوکا دیا اگر کسی کو علامہ کنتوری کی جہالت یا دھوکہ دہی دریافت کرنا منظور ہو تو وہ ابن میثم بحرانی کی تحریر کو ان کی شرح نہج البلاغۃ میں دیکھے چنانچہ بلفظہ ہم اس عبارت کو نقل کرتے ہیں اور علمائے اثنا عشریہ کی خدمت میں اسے تحفہ گذارتے

لے بعض شیعوں نے لکھا ہے کہ حضرت علی کا مقصد حضرت عثمان کو ڈانٹ ڈپٹ تھی اور ہم کہتے ہیں کہ شیعوں میں سے کسی نے ایسی کوئی توجیہ نہیں کی البتہ ابن ابی حدید نے اس کلام کی شرح میں اس مقابلہ کو فرقہ زیدیہ کے فرقہ جارودیہ کی جانب منسوب کیا ہے اور فرقہ زیدیہ کے اقوال کو شیعوں کا قول بتانا صریح جھوٹ ہے ۱۲

ہیں وا علم ان الشیعۃ قد اوردوا ہنہا سوالا فقالو ان ہذہ المماوح التی ذکرہا علیہ السلام فی احد ہذین الرجلین تنافی ما اجمعنا علیہ من تخطیئہما واخذہما المنصب الخلافۃ فاما ان یکون ہذا الکلام من کلامہ علیہ السلام او ان یکون اجماعنا خطاء ثم اجابوا من وجہین احدہما لا تسلم التنافی المذکور فانہ جاز ان یکون ذلک المدح منہ علیہ السلام علی وجہ استصلاح من یعتقد صحۃ خلافۃ الشیخین واستجلاب قلوبہم بمثل ہذا الکلام الثانی انہ جاز ان یکون مدحہ ذلک لاحدہما فی معرض توبیخ عثمان لوقوع الفتنۃ فی خلافتہ واضطراب الامر علیہ واسارتہ سب مال المسلمین ہو وبنوابیہ حتی کان ذلک سببا لثوران المسلمین من الامصار وقتلہم لہ وینبہ علی ذلک قولہ وخلف الفتنۃ وذہب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرہا وسبق شرہا وقولہ وترکہم فی طرق متشعبۃ الی آخرہ فان مفہوم ذلک یستلزم ان الوالی بعد ہذا الموصوف قد اتصف باضداد ہذہ الصفات واللہ اعلم) انتہی بلفظہ یعنی شیعوں نے اس قول کی نسبت یہ بحث کی ہے کہ یہ تعریف حضرت امیر کی بنسبت ابوبکرؓ یا عمرؓ کے مخالف ہمارے اجماع کے ہے جو بہ نسبت خاطی ہونے اُن کے ہے کہ انہوں نے منصب خلافت کو غصب کیا اور جور و ظلم کیا پس دو حال سے خالی نہیں یا تو یہ کلام حضرت امیر علیہ السلام کا نہیں ہے یا اجماع ہم شیعوں کا بہ نسبت خطا شیخین کے خطا ہے اور اس کا شیعوں نے دو طرح سے جواب دیا ہے اول یہ کہ ہم مخالفت کو اس طرح سے دفع کرتے ہیں کہ جائز ہے کہ یہ تعریفیں حضرت علی کی بہ نسبت ابوبکرؓ یا عمرؓ کے بنظر استمالہ قلوب اُن آدمیوں کے تھیں جو کہ حسن سیرت اور صحت خلافت شیخین کے معتقد تھے دوسرے یہ کہ یہ تعریفیں بنظر توبیخ عثمان کے تھیں کہ امر خلافت بہ سبب ظہور فتنوں کے اُن کے زمانے میں ابتر ہوگیا اور مسلمانوں نے بلوہ کر کے ان کو قتل کیا اور یہ جواب قرین قیاس ہے اس لئے کہ عبارت سے اس خطبے کی معلوم ہوتا ہے کہ جو خلیفہ بعد اس کے جس کی تعریف حضرت علیؓ کرتے ہیں۔ ایسا تھا کہ جس میں صفت مذکرہ کے اضداد جمع تھے اس تحریر سے علامہ بحرانی کی چند فائدے حاصل ہوئے اول یہ کہ جو انکار علامہ کنتوری نے کیا تھا کہ (ہیچکس از امامیہ ایں توجیہ نکردہ) اس کا بطلان ثابت ہوگیا اور انہیں کے مجتہد اور پیشوا کے اقوال سے ان کا جھوٹے ہونا ظاہر ہوا دوسرے یہ کہ معلوم ہوا کہ اولاً بجائے فلاں کے اصل: بہ

---

۱ کسی شیعہ نے یہ توجیہ نہیں کی ہے۔ ۱۲

میں لفظ ابوبکر یا عمر کا تھا اور پیچھے اصل لفظ کو بدل کر لفظ فلان لکھدیا اس لئے کہ کیونکر عقل سلیم قبول کر سکتی ہے کہ حضرت امیر سا فصیح و بلیغ ایسے خطبے میں لفظ مبہم بیان فرماوے اور بجائے نام کے حرف فلان ارشاد کرے۔ تیسرے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک جب کہ علامہ بحرانی نے شرح نہج البلاغۃ لکھی تمام شیعہ لفظ فلان سے یا حضرت ابوبکرؓ سمجھتے تھے یا حضرت عمرؓ مراد لیتے تھے اس لئے کہ شارح موصوف شیعوں کے قول کو نقل کرکے کہتا ہے (فقالوا ان ہذا الممادح التی ذکرہا علیہ السلام فی احد ہذین الرجلین) کہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ ممدوح دو میں سے ایک ہے یا ابوبکر یا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما چوتھے اس تحریر سے تقریر قطب الاقطاب راوندی کی مہمل ہو گئی یعنی انہوں نے اپنے بچانے کے لئے یہ توجیہ کی کہ مراد فلاں سے وہ شخص ہے جو کہ سامنے پیغمبر خدا کے مر چکا تھا اس لئے کہ اگر اس تقریر کو اور علمائے شیعہ قبول کر لیتے اور اس کو مہمل جان کر مطروح نہ کر دیتے تو ایسی تاویلات کی حاجت نہ ہوتی جو علامہ بحرانی نے شیعوں کی طرف سے بیان کی ہیں اگرچہ اس تحریر سے جو ہم کر چکے ہیں سب مطلب حاصل ہو گیا اور علمائے شیعہ کی توجیہات کا پوچ اور بیہودہ ہونا ثابت ہو گیا لیکن ہم ذرا اس امر کی اور تصریح کرتے ہیں کہ لفظ فلاں سے علمائے شیعہ کے نزدیک وہی شخص مراد ہیں یا حضرت ابوبکر صدیقؓ یا حضرت عمرؓ چنانچہ مولانا شاہ عبد العزیز صاحب قدس سرہ تحفہ میں فرماتے ہیں (و لہذا شارحین نہج البلاغۃ از امامیہ در تعیین فلان اختلاف کردہ اند بعضے گفتہ اند کہ مراد ابوبکرؓ ست و بعضے گفتہ اند عمرؓ ست) لیکن علامہ کنتوری نے موافق اپنی عادت کے اس سے بھی انکار فرمایا اور اس کو بھی شاہ صاحب کا جھوٹ تصور کیا چنانچہ جو جواب تحفہ کا انہوں نے لکھا ہے اسمیں اس تحریر کا شاہ صاحب کی ان لفظوں سے جواب دیا ہے (و قولنا ان ہذا الا افک مبین از یں ناصبی باید پرسید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکرؓ یا عمرؓ ست) خاتم المتکلمین حضرت مولانا مولوی حیدر علی صاحب قبلہ جن کے نام سے شیعوں کے بدن میں رعشہ اور لرزہ پیدا ہوتا ہے اس کے جواب

ل؎ اس لئے نہج البلاغۃ کے شارحین نے شیعوں کی جانب سے "فلاں شخص" کے تعیین کرنے میں اختلاف کیا ہے بعض کہتے ہیں کہ لفظ فلاں سے ابوبکرؓ مراد ہیں اور بعض عمرؓ کو مخصوص کرتے ہیں کہ اس ناصبی دشمن سے پوچھنا چاہئے کہ کس شیعہ نے فلاں سے ابوبکرؓ و عمرؓ مراد لئے ہیں۔ ۱۲

میں فرماتے ہیں (تشیعا نمک ہذا بہتان عظیم زیرا کہ مراد ازیں شارح امامیہ مثل بحرانی ہستند ولیکن چوں ایں بے نصیب کتب مذکورہ را ندیدہ میگوید کہ کدام شارح امامیہ گفتہ کہ مراد ابوبکرؓ یا عمرؓ ہست اینک عبارت رئیس الحکماء والمتبحرین کمال الدین مذکور بگوش خود بشنو و خاک مذلت برسر خود بریز و از مسند تکلم و تصنیف برخیز حیث قال وعن قطب الدین الراوندی انہ انما اراد (الخ) یعنی ملا کمال الدین جو ایک نامی عالم شیعہ کے ہیں وہ شرح نہج البلاغۃ میں لکھتے ہیں کہ فلاں کے لفظ سے مراد لینے میں اختلاف ہے قطب الدین راوندی جو بڑے عالم شیعوں کے ہیں کہتے ہیں کہ حضرت امیر کی مراد اس فلاں سے کوئی دوسرا آدمی ہے جو کہ پیغمبر صاحب کے سامنے دنیا سے رحلت کر گیا تھا اور ابن ابی الحدید کا قول ہے کہ مراد اس سے عمرؓ ہیں لیکن میرے نزدیک مراد فلاں سے ابوبکرؓ ہیں فقط اس کو دیکھ کر حضرات شیعہ کو چاہیئے کہ اپنے مجتہدین اور علماء کے جوابات پر خیال کریں کہ باوجود موجود ہونے ایسی روایات کے اُس سے انکار کرتے ہیں اور حضرت مؤلف تحفہ قدس سرہ کو جھٹلاتے ہیں اور عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ اگرچہ عبارت جناب امیر کی اظہار فضائل ابوبکر صدیقؓ میں ایسی صریح اور صاف ہے کہ بعد اس کے سُننے کے کسی کا کوئی طعن اُن پر شیعوں کی زبان سے نکل نہیں سکتا لیکن جو فضیلتیں اُن لفظوں سے ثابت ہوتی ہیں ان کو ذرا تفصیل کے ساتھ ہم بیان کرتے ہیں پس واضح ہو کہ اس خطبے میں جناب امیر نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دس وصفوں کا بیان کیا اوّل یہ کہ خلق کو جو کجی میں گرفتار تھی نکال کر خدا کی راہ پر لائے اور ان کو راہ راست دکھلائی؛ دوسرے امراض نفسانیہ کا اپنے وعظ و نصیحت سے معالجہ کیا تیسرے پیغمبر خدا کی سنت

لہ سبحان اللہ یہ بہت بڑا بہتان ہے لفظ فلاں کی تشریح کرتے ہوئے شیعہ شارح کو بحران ہو گیا اور یہ بد بخت اپنی کتب نہ دیکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ نہ کسی شیعہ شارح نے اس سے ابوبکر و عمر مراد نہیں لئے اور یہ عبارت خود اپنے سرگروہ عقلاء و متبحرین ملا کمال الدین کی سنو اور خاک مذلت اپنے سر پر ڈالو اور مسند گفتگو و تصنیف سے علیحدہ ہو جاؤ کہ بعض اصحابنا نے زمن الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من مات قبل وقوع الفتن وانتشارہا وقال ابن ابی الحدید ان ظاہر الاوصاف المذکورۃ فی الکلام یدل علی انہ اراد رجلا ولی امر الخلافۃ [illegible] قوم الاود وداوی العمد ولم یر عثمان لوقوعہ فی الفتنۃ وسعیا بسببہ فلا ابابکر لقصر مدۃ خلافتہ وبعد عہدہ عن الفتن وکان الاظہر انہ اراد عمر وا قول انہ ارادۃ لابی بکر اشبہ من ارادتہ لعمر۔ ۱۲

کو قائم کیا چوتھے ایسا انتظام کیا کہ کچھ فتنہ و فساد ان کے زمانے میں نہ ہوا پانچویں
خارشک کی ملامت سے پاک دامن گئے۔ چھٹے خلافت کی خوبی پائی اور اس کے شر سے محفوظ
رہے۔ ساتویں خدا کی اطاعت جیسی کہ چاہیے بجا لائے۔ آٹھویں خوف اور تقوے کا حق بخوبی
ادا کیا۔ نویں خلق خدا بعد اُن کے تشویش اور حیرت میں پڑ گئی۔ دسویں بعد اُن کے لوگ
مختلف ہو گئے۔ چنانچہ انہیں اوصاف کی تصریح میں مولانا صاحب تحفہ میں فرماتے ہیں۔
(پس درین عبارت سراسر بشارت ابوبکر را بدہ وصف عالی موصوف نمودہ) لیکن علامہ کنتوری
اس کے جواب میں لکھتے ہیں (ثبت العرش ثم انقش اول ایں معنی باثبات باید رسانید کہ مراد
از لفظ فلاں درین کلام ابوبکر ست بعد ازاں باین اوصاف اثبات فضل ابوبکر باید نمود)
اس کی تردید میں مولانا حیدر علی صاحب ازالۃ الغین میں فرماتے ہیں (بحمد اللہ کہ ہم
بناء دیوار محکم شد و ہم نقش و نگار صورت بست و خود شارح نہج البلاغۃ آن اوصاف را کہ ملک
عشرۃ کاملہ عبارت از انست بہمین عدد یاد کردہ اند عبارت بحرانی بعد از ترجیح صدیق باید
شنید وصفہ باموراحدہا تقویمہ للاود وہو کنایۃ عن تقویمہ الخ) اے مسلمانو حضرات شیعہ کو دیکھو

---

۱ اور یہ عبارت سراسر ابوبکرؓ کی بشارت دیتے ہوئے اُن کے عمدہ اوصاف ظاہر کرتی ہے اور اس کے جواب میں علامہ
کنتوری نے لکھا ہے پہلے یہ ثابت کیا جائے کہ لفظ فلاں سے ابوبکر مراد ہیں اس کے بعد ان کی فضیلت ان اوصاف سے
ثابت کرنی چاہیے ۲ شکر خدا کہ دیوار مضبوط ہوئی اور اس کے نقش و نگار ہو چلے ہوئے اور نہج البلاغۃ کے شارح
نے ان اوصاف کو جو عشرہ کاملہ سے متعلق ہیں انہیں اعداد کے ساتھ مخصوص کیا ہے اور عبارت بحرانی بعد ترجیح ابوبکرؓ
صدیق قابل سماعت ہے ۳ لاعوجاج الخلق عن سبیل اللہ الاستقامۃ فیہا الثانی مداواۃ العمد واستعار لفظ
العمد الامراض النفسانیۃ باعتبار استلزامہا للاذی کالعمد ووصف المداواۃ لمعالجۃ تلک الامراض بالمواعظ البالغۃ والزواجر
القولیۃ والفعلیۃ الثالث اقامۃ السنۃ والرابع تخلیفہ للفتنۃ ای موتہ قبلہا ووجہ کون ذلک مدحا
ہو اعتبار عدم وقوعہا بسببہ فی زمانہ لحسن تدبیرہ الخامس ذہابہ نقی الثوب واستعار لفظ الثوب لعرضہ وقیامہ
سلامتہ عن دنس الذام السادس قلۃ عیوبہ السابع اصابتہ خیرہا وسبق شرہا والضمیر فی الموضعین یشبہ ان یرجع
الی العہد لما ہو فیہ من الخلافۃ ای اصاب ما فیہا من الخیر المطلوب وہو العدل واقامۃ دین اللہ الذی بہ یکون
الثواب الجزیل فی الآخرۃ والشرف الجلیل فی الدنیا وسبق شرہا ای مات قبل وقوع الفتنۃ فیہا وسفک الدماء لاجلہا
ای من اعادوات اللہ طاعتہ حقہ سیر الفاو ل [illegible] من عقوبۃ العاشر رحیلا الی الآخرۃ [illegible]
بعدہ فی طرق متشعبۃ من الضلالات لا یہتدی فیہا من ضل عن سبیل اللہ ولا یستیقن المہتدی فی سبیل اللہ

کرکس طرح پر صحابہ کی ہر فضیلت سے انکار کر جاتے ہیں اور باوجود اقرار اپنے بزرگوں کے صاف منکر ہو جاتے ہیں اور فضیحت اور رسوائی سے بالکل بے خوف ہو جاتے ہیں اس علامہ کنتوری نے باین فضیلت جب دیکھا کہ کچھ جواب ایسی روایتوں کا نہیں ہے پس بمجبوری انکار کرنا شروع کیا اور لانسلم اور لیس بصحیح کہہ کر اپنے جواب کو ختم کیا لیکن قطع نظر اس کے کہ خود علمائے شیعہ نے اقرار کیا ہے کہ مراد فلاں سے حضرت ابوبکرؓ ہیں یا حضرت عمرؓ بالفرض اگر وہ اقرار بھی نہ کرتے تو بھی لفظ فلاں سے کوئی شخص مراد ہوگا یا ماسوائے حضرت شیخین کے دوسرا کوئی ہو یا انہیں میں سے کوئی ایک ہو اگر کوئی تیسرا شخص مراد لیا جائے تو وہی شخص ہوگا جو کہ پیغمبر صاحب کے سامنے مر چکا تھا۔ جیسا کہ قطب الدین راوندی نے دعویٰ کیا ہے اور جب کہ یہ صفتیں ایسے شخص کی نسبت جو پیغمبر صاحب کے سامنے مر گیا ہو ثابت نہیں ہو سکتیں تو لا محالہ مراد فلاں سے یا ابوبکر صدیقؓ ہوں گے یا حضرت عمر فاروقؓ تو پھر اس سے انکار کرنا اور بجواب تحفہ کے اپنے نامۂ اعمال کی طرح چند ورق سیاہ کرنا بالکل عبث اور لغو تھا اس سے تو یہی بہتر تھا کہ اس روایت ہی سے انکار کر جاتے اور حضرت علی کی طرف منسوب کرنے سے منکر ہو جاتے یا اس کو تقیے پر محمول کرکے اپنے جواب میں صرف تقیے کا عذر پیش کرتے لیکن ان دو راہوں کو چھوڑ کر علامہ کنتوری کا تیسری راہ پر چلنا سراسر نادانی تھی آخر اس کا لطف اُٹھایا کہ جس امر سے انکار اور جس روایت سے منکر ہوئے اسی کو ہم نے ان کی کتابوں اور ان کے علماء کے قول سے ثابت کرکے ان کو بدنام کیا ۱ے معاشر مسلمین رحمکم اللہ اکنون کجا ماند دعاوے لاطائل روافض کہ درسطاعن تقریر کردہ و ہزاران رسائل و کتب را مثل نامہای اعمال خود در سیاہی و تباہی گرفتند و انصاف باید داد کہ حالیا از عمدہ طعنہای رفضہ کردر استغار کلامیہ الیشان

(بقیہ حاشیہ) سبیلہ لاختلاف طرق الضلال و کثرۃ المنافذ لمہیاوا و فی قولہ و ترکہم عمال اتیہم بلفظہ ۱۲۔

۱ے اے گروہ مسلمانان اللہ تمہارے حال پر رحم کرے اب رافضیوں کے بیکار و لا طائل دعوے کہاں باقی رہ سکتے ہیں جو انہوں نے اپنی تقریروں میں طعنے دیئے ہیں اور ہزاروں کتابیں اپنے نامۂ اعمال کی طرح سیاہ کرکے تباہ ہوئے ہیں۔ انصاف کرو کہ شیعوں نے تمام طعنے جو ان کتابوں میں تفصیل سے لکھے ہوئے ہیں بحالت موجودہ صحت کیا اب باقی رہ سکتے ہیں کہ حضرت علیؓ کی شہادت کے بعد ان کی جانب توجہ کی جائے اس لئے ان رافضیوں کو بد اخلاقی اور عاقبت قوم پر لا و ذاری کی جائے اور ذلت کے جنگلوں کا رستہ اپنے سر پر ڈالنا چاہیئے۔ ۱۲

ب وطعنت پیچیدہ باقیست کہ بعد شہادت جناب مرتضوی حاجت بر رد آن افتد پس بریں سوء عاقبت این قوم بنا لہای جائگاہ باید گریست ورنگ بیابان مذلت بر سرہای ایشان باید ریخت) اگر حضرات شیعہ کو اب بھی سیری نہ ہوئی ہو اور باوجود ایسی روایتوں کے انکی خاطر جمع نہ ہوئی ہو تو ہم اُن کی تسکین کے لئے ابھی بہت سی سندیں اور روایتیں صحابۂ کرام کی فضیلت میں موجود رکھتے ہیں اور خود ائمہ کرام کی زبان سے اُس کے ثابت کرنے پر مستعد ہیں جس کو سننا ہو وُہ سنے ۔

آٹھویں شہادت:۔ علی بن عیسٰی اردبیلی امامی اثنا عشری نے اپنی کتاب کشف الغمہ فی معرفۃ الائمۃ میں لکھا ہے (انہ سئل الامام ابو جعفر علیہ السلام عن حلیۃ السیف ہل یجوز فقال نعم قد حلی ابو بکر الصدیق سیفہ بالفضۃ فقال الراوی تقول ہکذا فوثب الامام عن مکانہ فقال نعم الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل لہ الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ) ترجمہ کسی نے امام باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ تلوار کے قبضے کو حلیہ کرنا درست ہے یا نہیں تب امام نے جواب دیا کہ ہاں اس لئے ابو بکر صدیق کی تلوار کے قبضے پر بھی حلیہ چاندی کا تھا راوی کہتا ہے کہ اُس نے امام سے عرض کی کہ یا حضرت آپ بھی ابو بکر کو صدیق کہتے ہیں یہ سُنتے ہی امام اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور کہنے لگے کہ ہاں وُہ صدیق ہے ہاں وُہ صدیق ہے ہاں وہ صدیق ہے جو کوئی اس کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے ۔ اس روایت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ زبان سے امام علیہ السلام کی حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا صدیق ہونا اور صدیق ہونے سے اُن کا تمام اُمت سے افضل ہونا لازم آتا ہے اس لئے کہ قواعد مقررہ منصوصہ قرآن سے یہ امر ظاہر ہے کہ بعد پیغمبروں کے مرتبہ صدیق کا ہے اور تمام امت سے صدیقین کا درجہ افضل ہے جیسا کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا ۔ دوسرا فائدہ امام سے جب سائل نے سوال کیا تو اس نے صرف ایک مسئلے کا استفسار کیا اس کے جواب میں ہاں یا نہیں کہنا کافی تھا مگر امام نے اس پر قناعت نہ کی بلکہ ابو بکر صدیق کے فعل کو سند لیکر جواب دیا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسائل دینی میں افعال صحابہ پر تمسک کرنا چاہیئے اور یہ حصّہ صرف اہل سنت کو نصیب ہوا ہے حضرات شیعہ اس سے محروم

ہیں وہ بھی کسی مسئلے میں قول یا فعل صحابہ کو سند نہیں جانتے پس درحقیقت اماموں کے تابع اہل سنت ہیں نہ شیعہ ٭ تیسرا فائدہ امام سے جب سائل نے مسئلہ پوچھا اور انہوں نے ابوبکر صدیق کا ذکر بھی کیا تو اُن کو صدیق کہنا ضرور نہ تھا یہی کافی تھا کہ وہ نام ابوبکر صدیق کا لیتے مگر امام کو ایسی محبت اُن سے تھی کہ بغیر صدیق کے ان کا نام لینا ان کے دل کو گوارا نہیں ہوا اس لئے اس لقب سے اُن کو یاد کیا پس یہ بڑی عمدہ دلیل محبت ائمہ کے ساتھ صحابہ کے ہے افسوس حضرات شیعہ کی سمجھ پر کہ وہ ائمہ کو دشمن صحابہؓ کا جانتے ہیں۔ چوتھا فائدہ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو سائل کے تعجب پر نہایت غصہ آیا اور جب اس نے پوچھا کہ آپ بھی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں تو آپ کو اس قدر غیظ ہوا کہ اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور تین مرتبہ فرمایا نعم الصدیق، نعم الصدیق، نعم الصدیق اور اُسی پر قناعت نہ کی بلکہ یہ فرمایا کہ جو کوئی ان کو صدیق نہ کہے خدا اس کی دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے پس حضرات شیعہ کو چاہیے کہ وہ ذرا انصاف سے اس روایت کو دیکھیں اور امام کی شہادت سے اپنے آپ کو خدا کے نزدیک دنیا و آخرت بسبب نہ تصدیق کرنے صدیقیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جھوٹا جانیں ٭ پانچواں فائدہ اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پوچھنے والا شیعہ تھا اور صحابہ کا دشمن اسواسطے امام کے صدیق کہنے پر اس کو تعجب ہوا اگر کوئی سُنی ہوتا تو وہ تعجب نہ کرتا اور جب کہ سائل کا شیعہ ہونا ثابت ہوا تو پھر موقع تقیے کا بھی نہ رہا ہاں اگر سائل سُنی یا ناصبی یا خارجی ہوتا تو تقیے کی گنجائش تھی ٭ اب ہم حضرات شیعہ کے اقوال کو جو اس روایت کی نسبت ہے۔ بیان کر کے انکار کرتے ہیں ٭ پہلا قول نور اللہ شوستری نے احقاق الحق میں اس روایت سے انکار کیا ہے اور بہت کچھ زبان درازی فرمائی ہے اور صاف لکھ دیا ہے کہ اس روایت کا کچھ پتہ نشان کشف الغمہ میں نہیں ہے بلکہ ایسی روایت کا کشف الغمہ میں موجود ہونا خلاف قیاس ہے اس لئے اس کتاب میں پیغمبر خدا اور ائمہ اثنا عشر کا حال لکھا ہے نہ ابوبکر کا تو کیا وجہ تھی کہ مؤلف اس کتاب کا ایسی روایات کو لکھتا چنانچہ قاضی صاحب کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں (وکذا الحال فیما نقلہ عن راس التعصب والحیف من حدیث حلیۃ السیف لیس ذلک فی الکتاب عنہ خبر ولا عین ولا اثر والیضا لامناسبتہ لذکر ذلک فی ہذا الکتاب المقصود علی ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والائمۃ الاثنا عشر و ذکر اسمائہم و

کنا ہم و اسماء آبائہم و امہاتہم و موالیدہم و وفیاتہم و معجزاتہم کما لایخفی علی من طالع ہذا الکتاب) پس اس قول کو دیکھ کر کونسا شیعہ ہوگا جس کو اس روایت کے نہ موجود ہونے پر یقین نہ آوے اور سنیوں کے قول کو کیونکر غلط نہ جانے گا لیکن الحمد للہ کہ کتاب کشف الغمہ اس ہندوستان میں صدہا جگہ موجود ہے جس کسی کو شک ہو وہ اس کو لیکر دیکھے اگر یہ روایت موجود ہے یا نہیں اور قاضی صاحب کی صداقت کی داد دے لیکن اگر کوئی شخص یہ خیال کرے کہ شاید بعد میں کسی سنی نے یہ عبارت ملادی ہے اور کتاب کشف الغمہ میں اس روایت کے موجود ہونے سے اس کو اطمینان نہ ہو تو اس کے اطمینان کے لئے ہم مجتہد صاحب کی کتاب کو پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے بفضلہ تعالیٰ اس روایت کے موجود ہونے سے کتاب مذکور میں اقرار کیا اور یہ توجیہ فرمائی کہ یہ روایت مؤلف کتاب نے ابن جوزی سے جو کہ عالم سنیوں کے ہیں نقل کی ہے خیر جو کچھ ہو اس کی بحث ہم پیچھے کریں گے بالفعل ہم کو قاضی نور اللہ شوستری صاحب کی تکذیب منظور ہے کہ انہوں نے اس روایت کے موجود ہونے ہی سے انکار کیا ہے اور اس کے واسطے ہم مجتہد صاحب کی کتاب طعن الرماح کی عبارت نقل کرتے ہیں جس میں انہوں نے اس روایت کے موجود ہونے کا اقرار کیا ہے وہو ہذہ (قال المجتہد القمقام فی طعن الرماح روایت نعم الصدیق را استناد بکتب شیعیان نمودہ از کتاب کشف الغمہ نقل کردہ چون اتفاق مراجعت بآن کتاب شد مصنف آنکہ مولانا الوزیر علی بن عیسیٰ اربلی ست از ابن جوزی کہ از مشاہیر علماء اہل سنت ست روایت مذکورہ را نقل کردہ) اس تحریر سے مثل آفتاب نیمروز کے قاضی نور اللہ شوستری کا جھوٹا ہونا ثابت ہوگیا اور خود مجتہد صاحب کی تحریر سے اُن کے قاضی کا جس کو مولانا اور سیدنا کہہ کر اپنی کتاب میں یاد کیا ہے افترا ظاہر ہوگیا عجب حال ہے علماء شیعہ کا کہ جب کوئی روایت اُن کی کتاب سے سند لاکر پیش کی جاتی ہے تو اول صاف انکار کر جاتے ہیں اور ناقل کو جھوٹا اور کاذب بتاتے ہیں اور جب اُس کی صحت اور سند پہنچادی جاتی ہے تب توجیہات لاطائل کرنے لگتے ہیں چنانچہ اس روایت کو قاضی نور اللہ شوستری نے

ؔ مجتہد اعظم نے کتاب طعن الرماح میں "نعم الصدیق" کی روایت کی اسناد کو شیعہ کتب کی جانب سے لکھا ہے اور اسے کشف الغمہ سے نقل کیا ہے۔ اس کتاب کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اس کتاب کے مصنف مولانا وزیر علی بن عیسیٰ اردبیلی ہیں، جو انہوں نے سنیوں کے عالم ابن جوزی سے نقل کی ہے۔

خلاف اپنے مذہب کے پایا اُس سے انکار کیا لیکن جب وہ روایت اس کتاب سے ثابت کردی گئی تب بمجبوری مجتہد صاحب نے اُس کی موجودگی کا اقرار کیا اور ایک دوسری توجیہ لاطائل سے اُس کا باطل کرنا چاہا چنانچہ اب ہم اس توجیہ کو بھی باطل کرتے ہیں۔ مجتہد صاحب کی توجیہ کا سارا خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت نعم الصدیق کی اگرچہ کتاب کشف الغمہ میں مذکور ہے لیکن اس مؤلف موصوف نے علامہ ابن جوزی سے جو کہ مشاہیر علماء اہل سنت سے ہے نقل کیا ہے اس لئے گویا یہ روایت اہل سنت کی ہے نہ شیعوں کی اس کا جواب یہ ہے کہ شاید مجتہد صاحب نے کتاب کشف الغمہ کو از اول تا آخر ملاحظہ نہیں فرمایا اور نہ ایسا ارشاد فرماتے اس لئے کہ مؤلف کتاب موصوف نے جو کچھ اس کتاب میں لکھا ہے اور نقل کیا ہے وہ متفق علیہ فریقین ہے اور علماء شیعہ نے بھی بعد دیگرے اس کو قبول کیا ہے اور وہ شیعوں کے نزدیک مسلم ہے چنانچہ علامہ معز الدین صدر کتاب امامت میں لکھتے ہیں۔ (کتاب[1] کشف الغمہ از تصنیفات وزیر سعید اردبیلی ست و آنچہ در کتاب مسطاب مذکور ست مقبول طبائع موافق و مخالف ست انتہی) پس گو کہ صاحب کشف الغمہ نے یہ روایت ابن جوزی ہی سے نقل کی ہو لیکن جب کہ وہ التزام اس امر کا کر چکا ہے کہ جو روایت لکھی جاوے گی وہ مقبول فریقین ہوگی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی مقبول فریقین ہے اور جب مقبول فریقین ہونا ثابت ہوا تو اس روایت سے الزام شیعوں پر دینا درست ٹھہرا اور اس کا جواب شیعوں سے لینا واجب ہوا صاحب استقصاء الافحام نے جن کی کتاب پر آج کل شیعوں کو بڑا فخر ہے نہایت جودت طبع کو دخل دیا ہے اور اپنی دقیقہ فہمی اور نکتہ سنجی سے اس کا یہ جواب دیا ہے۔ کہ اس کلام سے زردستانی کے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کشف الغمہ میں مذکور ہے اس کو اہل حق بھی قبول کرتے ہیں اور اس کا انکار نہیں کرتے اور یہ امر آخر ہے اور ہونا روایات کشف الغمہ کا احتجاجیات اہل حق اور اہل خلاف سے دوسرا امر ہے اس لئے کہ قبول کرنا کبھی اس لئے ہوتا ہے کہ اپنے واسطے حجت پکڑیں نہ کہ اس لئے کہ مخالف اس سے ہم پر حجت کرے علاوہ اس کے کلام زردستانی محمول اصول اور مقاصد کتاب کشف الغمہ پر ہے کہ جو مقصود بالذات ہے وہ مقبول اہل حق ہے نہ کہ وہ جو مقصود بالذات نہیں ہے وہ بھی مقبول ہے فقط چنانچہ اصل عبارت استقصاء

[1] کشف الغمہ مصنفہ وزیر سعید اردبیلی ہے اور جو کچھ اس میں تحریر ہے وہ متفق علیہ ہر دو فریق شیعوں کی مذہبی کتاب ہے۔

کی یہ ہے (اوّل[1] آنکہ از یں کلام زردستانی نہایت آنچہ مستفاد میشود اینست کہ آنچہ در کشف الغمہ مذکور ست آں را اہل حق ہم قبول بیسازند وہر دو انکار او نمی پردازند و ایں امر آخر ست و بودن روایات کشف الغمہ از اجماعیات و اتفاقیات اہل حق و اہل خلاف کہ مخاطب مدعی آنست امر آخر زیرا کہ مفہوم ثانی آں ست کہ اہل حق در روایت ایں روایات شریک اند و از قبول کردن آں روایات ایں معنی مستفاد نمی شود چہ قبول روایت بایں وجہ ہم متصور ست کہ اہل خلاف روایت آں کردہ باشد و اہل حق قبول آں نمودہ باشند و قبول گاہی بایں معنی ست کہ ایں روایت را صحیح می دانم و آنچہ در آں مذکور ست آں را حجت می گیریم و گاہی بایں معنی کہ چوں باں بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم پس برای ایں امر قبولش کردہ ایم نہ بایں معنی کہ خصم باں بر ما احتجاج نماید دوم آنکہ کلام زردستانی محمول بر اصول و مقاصد آں کتاب ست یعنی آنچہ دراں کتاب برائے احتجاج و استدلال از اہل خلاف نقل فرمودہ و مقصود بالذات ست مقبول اہل حق ہم ست نہ اینکہ آنچہ مقصود بالذات نیست و محض استطراداً و تبعاً نقل شدہ آں ہم مقبول ست ولیاقت حجیت نزد اہل حق وارد حاشا و کلا) لیکن صاحب استقصاء کی اس تحریر کا مطلب معلوم نہیں ہوتا اور اس سے یہ مشکل مسئلہ حل نہیں ہوتا یعنی ہمارا یہ قول ہے کہ مولف کشف الغمہ نے جو روایت لکھی ہے خواہ وہ اپنے یہاں سے لی ہو خواہ سنیوں سے وہ روایت نعم العطیٰ بھی مقبول علماء شیعہ ہے خواہ مولف موصوف نے اپنے کسی عالم کی کتاب سے نقل کی ہو

---

[1] زردستانی کے کلام سے اوّلاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ کشف الغمہ کی تحریر فریقین کی منظور و مقبول ہے دوم یہ کہ کوئی فریق اسکا انکاری نہیں ہے اور اس سے سنیوں کا مقصد یہ ہے کہ ان روایات کی صداقت میں شیعہ بھی شریک ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ جن روایات کے قبول کرنے میں جو سنیوں کی پیش کردہ ہیں شیعوں کا اتفاق ہو حالانکہ قبولیت و اتفاق کے معنی یہ ہیں کہ اس روایت کو صحیح ان کر اسمیں جو کچھ ہے اس کو حجت قرار دیں اور کبھی یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس روایت کی صحت سے بغیر ہم پر حجت لائیں۔ اور اس دوسرے معنی کے لحاظ سے کشف الغمہ کی روایات پر ہمارا اتفاق نہیں ہے۔ دوسری بات یہ کہ کشف الغمہ کے اصول مقاصد کے پیش نظر زردستانی کے کلام کے معنی یہ ہیں کہ سنیوں کے خلاف استدلال پر جو کچھ اس میں فرمایا اور مقصود بالذات ہے اسے ہم شیعہ مانتے اور ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ غیر مقصود اور کے لئے جو کچھ بطور لوازمات تحریر ہے وہ بھی شیعوں کے نزدیک معتبر ہو اور شیعہ اہل حق اسکو بھی قبول کریں۔ حاشا وکلا غیر مقصود تحریر کو شیعہ بالکل نہیں مانتے۔

خواہ ابن جوزی کے کسی نسخے سے لی ہو اور اس سے مجتہد صاحب کی وہ توجیہ کہ یہ روایت ابن جوزی سے نقل کی ہے باطل ہوتی ہے اور صاحب استقصا کی تحریر سے کچھ مطلب حاصل نہیں ہوتا حقیقت میں وہ بیچارہ کیا کرے ایسی بدمات میں پڑ گیا ہے کہ نہ کچھ کہہ سکتا ہے نہ کچھ جواب دے سکتا ہے اپنے مجتہدین اور علما کے اضطراب پر جبرت کر کے جہاں تک اس سے ہوتا ہے ان کی بات بناتا ہے اور چونکہ جھوٹی بات کو کوئی سوائے ایسی ابلہ فریب تقریروں کے سچ کر کے دکھلا نہیں سکتا اسیواسطے وہ بھی ایسی ہی پوچ باتوں سے اپنا دل خوش کرتا ہے ورنہ نہایت تعجب کی بات کہ ایسی توجیہ لا طائل جو صاحب استقصا نے کی ہے کسی لڑکے کی زبان سے بھی نہ نکلے گی یعنی اس کا تو اقرار ہی کرتے جاتے ہیں کہ جو کچھ کشف الغمہ میں لکھا ہے وہ مقبول فریقین ہے اور جب اس کو بعض روایات میں اپنے مذہب کے حق میں مضر جانتے ہیں تو اس کی توجیہ اس طرح کرتے ہیں کہ مقبولیت سے صرف انہیں روایات کی مقبولیت مراد ہے جن سے ہم حجت کریں نہ کہ وہ روایات جن سے مخالف ہم پر حجت کرے یا قبول سے ان روایات کی مقبولیت مراد ہے جو کہ مقصود بالذات ہیں نہ وہ روایات جو کہ مقصود بالذات نہیں ہیں، اور یہ خیال نہیں فرماتے کہ ایسی توجیہات پوچ ولچر کو مخالف کب سنے گا اور وہ ایسی باتوں کو کب مانے گا چنانچہ ہم بوجوہات قوی اس تحریر کو رد کرتے ہیں۔ اول یہ بات تو خود صاحب استقصا نے قبول کی ہے (کہ آنچہ در کشف الغمہ مذکور است آں را اہل حق ہم قبول بسازند و ہر دو انکار آں نمی پردازند) پس ہم ایسے امر مقبول کردہ صاحب استقصا کو منظور کر کے کہتے ہیں کہ در روایات نعم الصدیق در کشف الغمہ مذکور است آں را اہل حق ہم قبول ہم سازند و ہر دو انکار آں نمی پردازند و قاضی نور اللہ شوستری آں را قبول نمی سازند و جناب مجتہد صاحب قبلہ ہر دو انکار آں می پردازند پس ہر دو قاضی و مجتہد از اہل حق ہستند و ہر کہ از اہل حق باشد آں را لازم است کہ ایں روایت را قبول سازد و ہر دو انکار آں نپردازد، ونیز .....

جو کچھ کشف الغمہ میں تحریر ہے اسے شیعہ قبول کرتے ہیں اور دونوں فرقے اسکا انکار نہیں کرتے ہیں کہ نعم الصدیق (ابوبکر صدیق بہترین دوست ہیں) کی روایت کشف الغمہ میں لکھی ہوئی موجود ہے جسے شیعہ بھی قبول کرتے ہیں اور کوئی فرقہ اس کا انکار نہیں ہے البتہ قاضی نور اللہ شستری اسے مانتے نہیں اور جناب مجتہد صاحب یہ دونوں انکا انکاری ہیں۔ اور یہ قاضی و مجتہد دونوں شیعہ ہیں اس لئے انہیں بھی چاہئے کہ اس روایت کو قبول کریں اور انکار نہ کریں۔

استقصا نے قبول کے دو معنی فرض کئے ہیں کہ (قبول[1] گاہی بایں معنی ست کہ ایں روایت را صحیح می دانیم وآنچہ دراں مذکور ست آں را حجت می گیریم وگاہی بایں معنی کہ چوں بآں بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم پس برای ایں امر قبول کردہ ایم نہ بایں معنی کہ خصم بآں برما احتجاج نماید[2] لیکن انہیں معنی فرضی پر مقولہ مضمون الشعر فی بطن الشاعر صادق ہے اس لئے کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ اس کتاب کی روایتوں کی نسبت معز الدین اثنا عشری نے لکھا ہے کہ (آنچہ درکتاب مستطاب مذکور ست۔ منقول طبائع موافق و مخالف ست[3]) اور جب مقبول فریقین ہونا اسکا ثابت ہوا تو پھر یہ کہنا کہ ہم نے اس لئے قبول کیا ہے کہ ہم حجت پکڑیں نہ کہ اس لئے کہ مخالف ہم پر حجت پکڑے محض نادانی ہے اس کی مثال بعینہ ایسی ہے کہ ایک شخص کسی قبالہ اور دستاویز کی صحت کا اقرار کرے اور اس امر کو قبول کرے کہ جو کچھ اسمیں لکھا ہے خواہ وہ میرا لکھا ہو یا دوسرے فریق کا وہ سب مجھے مقبول اور منظور ہے اور پھر جب کسی عبارت پر اس دستاویز کی دوسرا فریق گرفت کرے تب وہ قبول کرنے والا دستاویز کا کہے کہ یہ عبارت لکھائی ہوئی دوسرے فریق کی ہے میں نے تو اس لئے اس کو قبول کیا تھا کہ اس پر حجت پکڑوں گا نہ کہ اس لئے کہ وہ مجھ پر حجت پکڑے پس منصف کیا فیصلہ کرے گا یعنی کیا فتویٰ دے گا اور چونکہ صاحب استقصا بھی منصف ہیں اور ان کے والد ماجد مفتی تھے اس لئے وہ خود ہی برائے خدا اس کا انصاف کریں اور اس امر کو فیصل فرمادیں: تیسرے اگر یہ امر تسلیم کر لیا جاوے کہ روایت کا قبول کرنا اپنے واسطے حجت لانے کیلئے ہے نہ کہ دوسرے کی حجت کرنے کے واسطے تو سب جھگڑا ہی طے ہو جاوے کوئی فریق کسی دوسرے پر کسی روایت کی سند نہیں لا سکتا اور یہی جواب دے سکتا ہے جیسا کہ صاحب استقصا نے دیا ہے کہ (چوں بآں بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم پس برائے ایں

---

[1] قبول کرنے کے کبھی یہ معنی ہوتے ہیں کہ اس روایت کو ہم صحیح جانتے ہوتے اسمیں جو کچھ ہے اسے حجت سمجھتے ہیں اور کبھی یہ معنی ہوتے ہیں کہ اگر اس کے بعض مطالب سے ہم خود حجت لائیں تو اسے ہم قبول کرتے ہیں اس کا یہ مقصد نہیں ہوتا کہ اس کے ذریعہ دشمن ہم پر دلیل لائیں۔ [3] اور کتاب مستطاب میں جو کچھ تحریر ہے اسے مخالف و موافق سب ہی قبول کرتے ہو۔

[2] چونکہ روایت سے ہم اپنے بعض مقاصد کے لئے دلیل لاتے ہیں اس لئے ہم اسے قبول کرتے ہیں اور اس لئے قبول نہیں کرتے کہ اس کے ذریعہ دشمن ہم پر حجت لائے اور ہم پر احتجاج کرے۔

ایں امر قبولش کردہ ام نہ بایں معنی کہ خصم باں بر ما احتجاج کند) چوتھے عام قاعدہ ہے کہ جب کسی فریق کی روایت یا خبر کی صحت تسلیم کی جاوے تو اس کی جواب دہی صحت کے تسلیم کرنیوالے پر ایسی ہی ہوتی ہے جیسی کہ اصل روایت کرنے والے پر چنانچہ قطع نظر معاملات دنیاوی کے ہم دینی سند بیان کرتے ہیں کہ اکثر باتیں توریت وانجیل کی ہماری کتابوں میں مذکور ہیں اور ہم ان کو قبول اور منظور کرتے ہیں پس جب ان روایتوں کی صحت ہم نے تسلیم کرلی تو اس کی جواب دہی ہمارے ذمے بھی ویسے ہی ہے جیسے کہ یہود اور عیسائیوں کے ذمے پس اگر کسی روایت یا خبر کی نسبت جسکو ہم نے تسلیم کرلیا ہے کوئی اعتراض کرے تو اس کا ہم یہ جواب دے سکتے ہیں جیسا کہ صاحب استقصاء نے دیا ہے کہ (چوں باں بر بعض مطالب خود احتجاج می کنیم پس برائے ایں امر قبولش کردہ ایم نہ بمعنی کہ خصم باں بر ما احتجاج کند) حقیقت میں ہم ایسا جواب نہیں دے سکتے اور اگر دیں تو کوئی مخالف اس کو تسلیم نہیں کر سکتا۔ پانچویں اگر کسی فریق مخالف کی کوئی روایت ہم نقل کریں اور اس کو قبول کرنے سے کوئی غرض خاص ہووے اور اس میں کوئی امر ایسا ہو جس کو ہم قبول نہ کرتے ہوں ہم کو لازم ہو گا کہ ہم اس کے مطلب کو جو کہ ہمارے مفید ہو لے کر باقی عبارت کو چھوڑ دیں یا اس کی نسبت صاف لکھ دیں کہ اس روایت کا اسی قدر مضمون ہم کو تسلیم ہے اور باقی سے انکار ہے اگر ہم ایسا نہ کریں اور اس روایت کو بلا انکار اس کے کسی جزو کے قبول کرلیں تو پھر ہم اس کی قبولیت سے انکار نہیں کر سکتے اسی طرح پر اگر مؤلف کتاب کشف الغمہ کا اس روایت کو کسی خاص مطلب کے واسطے قبول کرتا تو اس کو اس کا مطلب ہی کہہ دینا کافی تھا یا اصل روایت لکھ کر اس کے جزو نامقبول پر اشارہ کر دینا لازم تھا جب اس نے ایسا نہیں کیا تو اب بعد چندین سال توجیہ صاحب استقصا کی کچھ بکار آمد نہیں ہوتی۔ چھٹے یہ قول صاحب استقصاء کا کہ (کلام زندستانی محمول بر اصول ومقاصد آں کتاب ست نہ اینکہ انچہ مقصود بالذات نیست آں ہم مقبول ست الیٰ فقط۔) قول ہی قول ہے نہ اس کی کچھ سند نہ اس پر کچھ حجت ہے ایسا دعویٰ بلا دلیل لائق سماعت

ؔ چونکہ اس کے ذریعہ ہم اپنے بعض مقاصد کے لئے حجت قائم کرتے ہیں اسے قبول کرتے ہیں نہ اس لئے کہ دشمن اس کے ذریعے ہم پر حجت پیش کرے۔ ؔ اس کتاب کے اصول ومقاصد پر کلام زندستانی محمول ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیز بذاتہ مقصود نہیں وہ بھی قابل قبول ہو۔

سکے نہیں ہے اگر مؤلف موصوف یہ لکھ دیتا کہ جو اصول اور مقاصد اس کتاب کے ہیں وہ مقبول ہیں نہ وہ جو کہ مقصود بالذات نہیں ہیں وہ بھی مقبول ہیں تو بے شک ہم تسلیم کرتے لیکن جب کہ اس نے یہ قید نہیں کی اور اپنے کلام کو بہ نسبت کتاب کے مطلق چھوڑ دیا تو ہم بھی اس سے فرد کامل مراد لیں گے یعنی جو کچھ اس کتاب میں ہے خواہ مقصود بالذات ہو یا نہ ہو وہ سب مقبول ہے۔ اے حضرات شیعہ تم کو خدا کی قسم ہے کہ ذرا غور کرو اور انصاف کو دخل دو کہ اس بحث میں تمہارے علما کس گرداب بلا میں پڑ گئے ہیں اور کیسے بے دست و پا ہو رہے ہیں اور ہر چند ہاتھ پاؤں مارتے ہیں مگر مقصود کے کنارے تک پہنچنے نہیں پاتے کوئی تو اس روایت کے موجود ہونے ہی سے انکار کرتا ہے کوئی موجود ہونے کا تو اقرار کرتا ہے لیکن اس کو سنیوں کے علما سے نقل کرنا بیان کرتا ہے کوئی اس کو قبول ہی نہیں کرتا کوئی قبولیت کے معنی گڑھ گڑھ کر بیان کرتا ہے اور حقیقت میں کوئی اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا اور مثل الغریق یتشبث بکل حشیش پر عمل کر رکھا ہے۔ دوسرا قول بعضوں نے اس روایت سے یہ جواب دیا ہے کہ اگر صحت اس کی تسلیم کی جاوے تو امام کا ابو بکر کی نسبت صدیق کہنا بنظر تخصیص اور تمیز مخاطب کے ہوگا بغیر تصدیق اس کے مضمون کے جیسا کہ احقاق الحق میں قاضی نور اللہ شوستری نے لکھا ہے (اقول ذکر الصدیق لاجل التخصیص والتمیز للمخاطب من غیر تصدیق بمضمونہ) لیکن یہ قول باطل ہے اس لئے کہ اگر امام حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام کے بعد ان کا لقب صدیق کہہ کر سکوت فرما جاتے تو حضرات شیعہ کو اس تاویل کی گنجائش تھی

لیکن یہ تخصیص مخاطب کی بغیر تصدیق اس کے مضمون کے آئندہ کے فقرے سے باطل ہوتی ہے اس لئے کہ جب سائل نے متعجبانہ سوال کیا کہ یا حضرت آپ بھی ان کو صدیق کہتے ہیں تو امام اپنی جگہ سے اچھل پڑے اور کہا کہ نعم الصدیق نعم الصدیق کہ ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اور پھر اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ یہ بھی فرمایا کہ (من لم یصدقہ فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ۔ ترجمہ جو ان کو صدیق نہ کہے اس کی خدا دنیا و آخرت میں تصدیق نہ کرے اگر ایسے کلمات پر بھی حضرات شیعہ یہ فرما دیں کہ امام نے صرف مخاطب کے

لہ ڈوبتا ہوا آدمی تنکے کو پکڑتا ہے ۱۲۔

سب بیعت کیلئے صدیق کہا تھا اور اس کے مضمون کو تصدیق نکیا تھا تو یہ انہیں کو زیبا ہے
تیسرا قول جب حضرات شیعہ نے یہ خیال کیا کہ یہ تاویل بھی بوجہ موجود ہونے جملہ من
لم یصدقہ فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والاخرۃ کے نہیں بنتی تب تیسری تاویل شروع کی
کہ شاید حضرت امام علیہ السلام نے ابوبکر صدیق کی نسبت جو کچھ فرمایا ہے وہ بنظر
استہزا کے فرمایا ہوگا جیسا کہ احقاق الحق میں لکھا ہے رد الاستہزاء کما فی قولہ ذق انک
انت العزیز الکریم یعنی امام نے ابوبکر کو صدیق بنظر استہزا اور ٹھٹھے کے فرمایا جیسا کہ خدا نے
دوزخیوں کی نسبت بھی عزیز اور کریم فرمایا ہے اور بنظر استہزاء کے ان سے کہا ہے کہ چکھو تم تو عزیز و کریم ہو مگر
یہ قول بھی باطل ہے اسلئے کہ الفاظ کو معنی حقیقی سے پھیرنے کے لئے کوئی قرینہ چاہئے اور بغیر قرینہ کے
الفاظ سے معنی حقیقی مراد نہ لینا جائز نہیں ہے پس آیہ کریمہ میں وہ قرینہ موجود ہے کہ اوپر
سے ذکر زقوم اور عذاب دوزخ کا ہے اور خطاب بھی دوزخیوں سے ہے اور چونکہ وہ فی
اول آپ کو بڑا عزیز اور کریم جانتے تھے اس لئے ان سے خطاب کیا گیا کما قال اللہ
تبارک و تعالٰی۔ اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ طَعَامُ الْاَثِیْمِ کَالْمُهْلِ یَغْلِیْ فِی الْبُطُوْنِ کَغَلْیِ الْحَمِیْمِ خُذُوْهُ
فَاعْتِلُوْهُ اِلٰی سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ثُمَّ صُبُّوْا فَوْقَ رَاْسِهٖ مِنْ عَذَابِ الْحَمِیْمِ ذُقْ اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْكَرِیْمُ ؛ اور اس روایت کے کسی مقام سے کوئی قرینہ پایا
نہیں جاتا جس سے معلوم ہو کہ امام نے بنظر استہزا اور ٹھٹھے کے یہ فرمایا ہو اس لئے کہ
اول تو سائل شیعہ تھا اس کے سامنے استہزا کرنے کا کیا موقع تھا دوسرے اس نے اپنی
طرف سے کچھ استفسار بہ نسبت حضرت صدیق کے نہ کیا تھا بلکہ اس نے ایک مسئلہ
فقہی پوچھا تھا کہ آیا حلیہ سیف کا جائز ہے یا نہیں امام نے اس کو جائز فرمایا اور اسکی
سند میں حضرت ابوبکر صدیق کا ذکر کیا جب اس سائل کو تعجب ہوا تو اس کے تعجب دور
کرنے کے لئے حضرت نے کلمہ نعم الصدیق مکرر سہ کرر بزبان مبارک سے ارشاد فرمایا تو یہ
محل اور موقع کسی طرح پر استہزا کرنے کا نہ تھا اور لو فرضنا کہ کلمہ نعم الصدیق بھی بنظر
استہزا کے ہو لیکن بعد اس کے جو حضرت نے فرمایا کہ من لم یصدقہ الخ یہ کلمہ استہزا اور
ٹھٹھے پر کس قرینے سے محمول کیا جائے گا اور اگر بغیر قرینہ بلا قیاس کے ایسے کلمات
طیبات استہزا اور سخریہ پر محمول کئے جائیں تو ہر ملحد و زندیق ہر آیت اور حدیث کی
نسبت ایسا ہی کہہ سکتا ہے فما ہو جوابکم فہو جوابنا ، چوتھا قول جب حضرات نے

دیکھا کہ یہ تاویل بھی نہیں بنتی اور امام کی نسبت استہزا اور سخریہ کے منسوب کرنے سے کام نہیں نکلتا تب اپنے اس معمولی تاویل سے پناہ لی جو سنیوں کے ہر حملہ کے لئے سپر بنائی گئی ہے اور جو ناصبیوں کے ہر حربے کے واسطے ڈھال مقرر کی گئی ہے یعنی تقیہ جیسا کہ استقاق الحق میں بر سبیل تنزل لکھا ہے (لو للتقیہ عن السائل) اور مجتہد صاحب نے بھی اخیر یہ طعن الرماح میں فرمایا ہے (ولو تنزلنا عن ذالک پس محمول بر تقیہ خواہد بود) لیکن اس تاویل کی بھی گنجائش نہیں ہے اس لئے کہ الفاظ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سائل مومنین اور محبین سے تھا ورنہ جب امام نے حضرت ابوبکر کو صدیق کہا تو اسے کچھ تعجب نہ ہوتا اور وہ یہ استفسار نہ کرتا کہ آپ بھی ایسا کہتے ہیں سائل کا تعجب کرنا اور امام کا غصہ ہو کر جواب دینا صاف اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ سائل سنی نہ تھا جس سے ضرورت تقیہ کرنے کی ہوتی اور اگر سائل سنی بھی ہوتا تب بھی امام کا تقیہ کرنا اور سنی سے ڈر کر خلفاء جور کی تعریف کرنا خلاف شان امامت کے تھا اس لئے کہ امام باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام تقیے سے ممنوع تھے اور ان کو تقیہ کرنا جائز ہی نہ تھا اور جو صحیفہ خدا نے ان پر بھیجا تھا اس میں ان کو علوم نشر کرنے اور مسائل شرعی کو بلا خوف و خطر ظاہر کرنے کی تاکید تھی ان کو خدا نے مطمئن کر دیا تھا اور ان کے حق میں (فانک فی حرز و اماں) فرما دیا تھا پس ایسی حالت میں امام کا ایک سنی سے ڈر جانا اور اس کے خوف سے ایک غاصب بلکہ کافر کو صدیق کہنا اور باوجود اطمینان خدا کے جان و عزت کا اندیشہ کرنا تعجب کا مقام ہے علاوہ بریں امام کے حالات پر بھی نظر کرنا اور ان کے طور اور طریقے کو بھی دیکھنا چاہئے کہ آیا کہ وہ ہمیشہ سنیوں سے ڈر جاتے تھے اور ناصبیوں کے خوف سے جھوٹی تعریف صحابہ کی کیا کرتے تھے یا کبھی اپنی امامت کے جلال پر بھی آجاتے تھے اور اپنی شان صدق کو بھی ظاہر فرماتے تھے اگر یہ ثابت ہو کہ کبھی کسی سنی کے مقابلے میں حضرت نے اپنے عقیدے کو ظاہر نہیں کیا اور ہمیشہ ہر ایک سنی کے روبرو تقیے کو کام فرمایا تو خیر اس حدیث کی نسبت بھی ہم عذر تقیہ کو تسلیم کر سکتے ہیں اور اگر یہ امر معلوم ہو کہ امام نے بڑے بڑے سنیوں کے سامنے اظہار حق فرمایا ہے اور بلا خوف ان کے جو کچھ دل میں تھا اس کو ظاہر کر دیا ہے تو پھر کیونکر ہم اس حدیث کی نسبت عذر تقیے کو قبول کریں اب ہم امر دوم کو کتب شیعہ سے ثابت کرتے ہیں ملا باقر مجلسی کتاب حق الیقین میں لکھتے ہیں۔

کہ او در زمان حضرت امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام کہ او اخر زمان بنی امیہ و اوائل دولت بنی عباس بود از آں دو بزرگوار آں قدر از مسائل حلال و حرام و علم تفسیر و کلام و قصص انبیاء و سیر و تواریخ ملوک عرب و عجم و غیر آنہا از غرائب علوم منتشر گردید کہ عالم را فرا گرفت و محدثان شیعہ در اطراف عالم منتشر گردیدہ و پیوستہ در مناظرات و مباحثات علما بر جمیع فرق غالب بودند و چہار ہزار کس از علماء مشہور از حضرت صادق روایت کردہ اند و چہار صد اصل در میان شیعہ بہم رسید کہ اصحاب باقر و صادق و کاظم علیہم السلام روایت کردہ بودند (الی قولہ) و بہ طریق معتبرہ منقولست کہ قتادہ بصری کہ از مفسرین مشہورہ عامہ است بخدمت حضرت امام محمد باقر علیہ السلام آمد حضرت فرمود توئی فقیہ اہل بصرہ گفت بلی حضرت فرمود وای بر تو ای قتادہ حق تعالیٰ خلق آفریدہ است کہ ایشاں را حجتہا بر خود گردانید و ایشاں بر خلق خود پس ایشاں میخہای زمین اند و خازنان علم الہی اند پس قتادہ مدتے ساکت شد کہ یارای سخن گفتن نداشت پس گفت بخدا سوگند کہ در پیش فقہاء و خلفاء و پادشاہان ابن عباس نشستہ ام و دل من نزد ایشاں مضطرب نشدہ چنانچہ نزد تو مضطرب شدہ است حضرت فرمود میدانے کہ کجائی در پیش خانہ نشستہ کہ حق تعالیٰ در شان ایشاں فرمودہ است کہ فی بیوت اذن اللہ ان ترفع ویذکر فیہا اسمہ قتادہ گفت راست گفتی (الیس جب کہ بڑے بڑے مفسرین اور مشہور فقہا اور نامی علما کے مقابلے میں امام تقیہ نہ کریں اور ان کو برا بھلا کہیں

سلہ بنو امیہ کے آخری زمانہ اور بنو عباس کے ابتدائی عہد میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق موجود تھے اور ان دونوں بزرگوں نے مسائل حلال و حرام علم تفسیر و کلام قصص انبیاء و سیر تاریخ ملوک عرب و عجم اور دوسرے نادر علوم اس قدر عام و مشہور کئے کہ دنیا کو مالا مال کر دیا۔ اور شیعہ محدثین پوری دنیا میں پھیل گئے۔ اور تمام فرقوں کے علما سے بحثوں اور مناظروں میں غالب رہے چار ہزار مشہور علما نے جعفر صادق سے روایت کی اور چار سو شیعوں نے امام باقر و صادق و کاظم سے روایت کی اور معتبر طریقہ سے منقول ہے کہ مشہور عام مفسر قتادہ بصری حضرت امام محمد باقر کے پاس آئے آپ نے پوچھا کہ کیا تم ہی اہل بصرہ کے فقیہ ہو؟ جواب دیا جی ہاں تو امام نے کہا افسوس اے قتادہ۔ اللہ نے مخلوق پیدا کر کے انہیں اپنی حجت بنایا اسلئے ہم زمین کی میخیں اور امین علم الٰہی ہیں اس پر قتادہ نے تھوڑی دیر اسطرح خاموش رہے کہ نہیں بات کہنے کی طاقت نہ تھی کہ قسم بخدا میں نے فقہاء علماء و شاہان ابن عباس کے سامنے نشست کی لیکن ان کے پاس میرا دل اتنا مضطرب و بےچین نہیں ہوا جتنا آپ کے پاس۔ جس پر امام نے فرمایا جانتے ہو تم کہاں ہو؟ اس گھر میں بیٹھے ہو جسکی بابت اللہ نے کہا ہے ان گھروں کو بلند کرو اور اس میں اللہ کا نام لو یہ سن کر قتادہ نے کہا آپ سچ فرماتے ہیں۔

اور دائے بر قتادہ مثل اس کے اور کلمات عتاب کے فرمانے میں کچھ تامل نہ فرمادیں اور ان کے شاگردوں اور حاضر باش بڑی بڑی مجلسوں میں سنیوں سے مباحثہ کریں اور ان کو ہرادیں اور ہزاروں عالم اور سینکڑوں فقیہ ان سے تعلیم پاویں تو کیونکر ہم اس امر کو مانیں کہ ایسے زبردست امام جن کی مجلس میں آنے سے بڑے بڑے عالموں کے بدن میں لرزہ پڑ جائیں اور صورت دیکھنے سے انکا دل کانپنے لگے ایک سنی کے سامنے آنے سے ڈر جاویں اور خلفاء جور کی ایسی بڑی تعریف کرنے لگیں کیا وہ سائل جس نے حلیہ سیف کا سوال کیا تھا قتادہ بصری سے بھی بڑھ کر تھا یا کوئی لشکر اور فوج لے کر امام سے مسئلہ پوچھنے آیا تھا کہ امام قتادہ سے تو نہ ڈرے اور اس پر تو عتاب کیا اور سائل سے ڈر کر ابوبکر کو صدیق صدیق کہنے لگے ہمارے نزدیک تو اگر کوئی بادشاہ اور امیر بھی آتا تب بھی امام کلمہ حق کہنے سے درگزر نہ فرماتے اور جو کچھ ان کے دل میں ہوتا اس کے خلاف ہرگز کچھ بھی زبان سے نہ نکالتے اور یہ صرف ہمارا خیال ہی خیال نہیں ہے بلکہ اس کا ثبوت شیعوں کی کتابوں سے ہوتا ہے چنانچہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ در روایت دیگر معتبر وارد شدہ است کہ در سالیکہ ہشام بن عبدالملک بحج رفتہ بود در مسجد الحرام دید کہ مردم نزد حضرت امام محمد باقر ہجوم آوردہ اند واز امور دین خود سوال کنند عکرمہ شاگرد ابن عباس از ہشام پرسید کہ کیست این کہ نور علم از جبینش ساطع است میروم کہ او را خجل کنم چوں نزدیک حضرت آمد وایستاد لرزہ براندام او افتاد [illegible] حضرت شد و گفت یا ابن رسول اللہ من در مجالس بسیار نزد ابن عباس و دیگران نشستہ ام و ہرگز این حالت مرا عارض نشدہ حضرت ہماں جواب[2] را فرمود پس معلوم شد کہ از معجزات امام و خواص امامت است کہ حق تعالیٰ محبت ایشاں را در دل دوستاں و مہابت ایشاں ،

---

[1] ایک معتبر روایت ہے کہ جس سال ہشام بن عبدالملک حج کے لئے گیا تو اس نے وہاں مسجد حرام میں دیکھا کہ امام محمد باقر کے پاس لوگوں کا ہجوم ہے اور اپنے مذہبی امور کی بابت سوالات کر رہے ہیں تو ابن عباس کے ایک شاگرد عکرمہ نے ہشام سے پوچھا یہ کون ہے کہ نور علم اس کی پیشانی سے درخشاں ہے میں جاتا ہوں اور اسکو شرمسار کرتا ہوں لیکن عکرمہ جب امام کے پاس آیا تو کانپنے لگا اور بے چین ہو کر کہا۔ اے ابن رسول میں نے اکثر مجالس میں ابن عباس وغیرہ کے پاس نشست کی لیکن میری کبھی یہ حالت نہیں ہوئی اس پر امام نے وہی جواب دیا جو قتادہ کو دیا تھا اس سے معلوم ہوا کہ معجزات امام اور خواص امامت یہ ہیں کہ اللہ اماموں کی محبت دوستوں کے دلوں میں پیدا کرتا اور دشمنوں کے دل میں ان کا رعب ڈالتا ہے۔ [2] یعنی جو جواب قتادہ کو دیا تھا۔

یا در دلہای دشمناں می افگند۔ پس جب کہ ہشام ابن عبدالملک سے ظالم بادشاہ کے موجود ہونے پر امام کا رعب دشمن پر ہو جاوے اور امام کے خوف سے ان کے بدن پر لرزہ آجاوے تو تعجب ہے کہ پھر امام ایک سنی کے رعب میں آجاویں اور ادنیٰ آدمی سے ڈر جائیں میں ہر چند غور کرتا ہوں اور بہت سوچتا ہوں لیکن حضرات شیعہ رحمہم اللہ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آتیں اور امامت کی حقیقت تو فرشتے اور انبیاء بھی نہیں سمجھے تو وہ میں کیا سمجھ سکتا ہوں لیکن اس کے ظاہری شواہد بھی میرے ذہن میں نہیں آتے کہ کبھی تو حضرات شیعہ اماموں کو ایسا شجاع اور ذی رعب بنا دیتے ہیں کہ بادشاہوں اور ظالموں کو بھی مجال گفتگو کی ان کے سامنے نہ تھی اور عالموں اور فقیہوں کو بھی جرأت بات کرنے کی ان سے نہ ہوتی تھی سب ان کو برا بھلا کہتے تھے اور لوگ چپ سنا کرتے تھے اور سوائے درست اور بجا کے امام کے سامنے کسی کی زبان سے کوئی لفظ نہ نکلتا تھا اور کبھی حضرات شیعہ اماموں کو ایسا خوف زدہ اور جبان (نعوذ باللہ منہ) بنا دیتے ہیں کہ وہ ایک ادنیٰ آدمی سے ڈر جاتے تھے اور اگر ان کی مجلس میں ایک سنی بھی آجاتا تھا تو وہ چپ ہو جاتے تھے اور اس کا ایسا رعب ان پر چھا جاتا تھا کہ ایک بات بھی ایسی کہ جو اس سنی کے عقیدے کے خلاف ہوتی تھی نہ کہتے تھے حقیقت میں یہ سب تہمتیں شیعوں کے اماموں پر ہیں وہ تو نبی زادے اور رسول کے جان و جگر تھے ان کی رگ رگ میں ان کے جد کی عادات اور اخلاق کا اثر تھا ان کی بات بات میں ان کے نانا کے کلام کا جلوہ ظاہر ہوتا تھا جس طرح ان کا ظاہری جمال نمونہ پیغمبر صاحب کے حسن کا تھا اسی طرح ان کے باطنی کمال سے کمالات نبوی کا ظہور ہوتا تھا ان کا دل ان کی زبان حضرت پیغمبر خدا علیہ التحیہ والثنا کے مانند یکساں تھی نفاق اور جھوٹ اور حیلہ اور تقیہ ان کے کمالات کے حق میں ایک سخت عیب تھا کیونکہ خدا ایسے لوگوں کو جو سراسر نور کے پتلے تھے ایسی کثافتوں سے پاک نہ رکھتا۔ اور کس لئے ان پاک اماموں کو جو سراپا طہارت کی صورت تھے ایسی نجاستوں سے دور نہ رکھتا۔ اے حضرات شیعہ جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی ہو جن کی پاکی پر پاک نے قسم کھائی ہو جن کی صداقت پر صدق کو ناز ہو جن کی صورت اور سیرت پیغمبر کیسی ہو جن کی گہوارہ جنبانی جبرئیل کے تعلق ہو جن کی زیارت کو ملائکہ عرش بریں آتے ہوں جن کے قول و فعل پر دین و مذہب کا مدار ہو انہیں پر تم ایسی تہمتیں کرو اور خوف اور جھوٹ اور حیلے کو ان پاک،

اماموں کی طرف نسبت کرواتے بھائیوں کی محبت کے یہی معنی ہیں جو تم رکھتے ہو اگر امامت کی یہی شان ہے تو مسلمانوں کا کیا ذکر ہے گبر و ترسا بھی نفرت کریں گے اور ایسی باتوں کو سن کر سب الاماں الاماں پکاریں گے اگر تم کو یہ شبہ ہو کہ ہمارے علما اور محدثین نے ایسی روایتوں کو لکھا ہے اور گروہ نے فقہا کے اس کو نقل کیا ہے تو یہ شبہ ذرا سے غور سے رفع ہو سکتا ہے یعنی تم ان لوگوں کے حالات پر غور کرو جو راوی تمہارے یہاں کی روایتوں کے ہیں اور مدار تمہارے مذہب کی احادیث کا ہے کہ وہ سب کے سب جھوٹے تھے اور امام ان پر لعنت کیا کرتے تھے کہ اس کو ہم تمہاری ہی کتابوں سے اپنے موقع پر آئندہ ثابت کریں گے تب تم کو معلوم ہو گا کہ امام کا ظاہر باطن ایک تھا جو ان کے دل میں ہوتا تھا وہی زبان سے ارشاد فرماتے تھے اگر تم ہمارے کہنے کو غلط سمجھو تو اپنے ہی علما کے اقوال پر نظر کرو کہ انہوں نے ائمہ کرام کی طرف سے ایسا ہی لکھا ہے اور خود ائمہ کی حدیث کو لکھ کر اس بات کو صاف کر دیا ہے چنانچہ محدثین شیعہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی حدیث میں لکھتے ہیں کہ امام علیہ السلام نے فرمایا ہے (لا تذکروا سرنا بخلاف علانیتنا ولا علانیتنا بخلاف سرنا حسبکم ان تقولوا ما نقول وتصمتوا عما نصمت الخ) کہ ہمارا ظاہر و باطن ایک ہے ہمارے باطن کو برخلاف ہمارے ظاہر کے ہرگز نہ کہو اور نہ ہمارے ظاہر کو مخالف باطن کے کہو یہی تمہارے واسطے کافی ہے کہ جو ہم کہتے ہیں وہی تم بھی کہو اور جس سے ہم چپ رہتے ہیں اس سے تم بھی خاموش رہو پس اے حضرات شیعہ اگر حقیقت میں تم امام کے حکم پر عمل کرتے ہو اور ان کے کہنے پر چلتے ہو تو ان کے قول کو سنو اور اس پر عمل کرو جیسا انہوں نے حضرت ابو بکر کو صدیق کہا ویسا ہی تم بھی چپ چاپ ان کو صدیق صدیق کہو اور سوائے اس کے وہ بات جس سے امام نے سکوت فرمایا تم بھی اس سے خاموش رہو۔ پانچواں قول بعض حضرات شیعہ یہ فرماتے ہیں کہ امام علیہ السلام ابو بکر کو کس طرح صدیق کہتے اس لئے کہ یہ لقب خاص جناب امیر علیہ السلام کا ہے کہ خود حضرت امیر نے فرمایا ہے (انا الصدیق الاکبر لا یقول بعدی الا کذاب) کہ میں صدیق اکبر ہوں جو کوئی بعد میرے اس لقب کو اپنی نسبت کہے گا وہ جھوٹا ہے لیکن یہ فرمانا بھی حضرات کا ان کے لئے چند دلیلوں سے مفید نہیں۔

(پہلی دلیل) حضرت امیر کے اس قول سے خود ان کا جواب ظاہر ہے اس لئے کہ

حضرت نے یہ فرمایا کہ بعد میرے کوئی شخص صدیق نہ ہوگا اور جو کوئی اس کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے اور یہ فرمانا دلالت اس پر کرتا ہے کہ حضرت امیر کے پہلے کوئی صدیق گزرا ہے اور وہ کون ہیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(دوسری دلیل) اگر کوئی شیعہ یہ کہے کہ سوائے حضرت علی کے اس سے پہلے بھی کوئی صدیق نہیں ہوا تو اس کا جواب ہم انہیں کی کتابوں سے دے سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ عیون اخبار الرضا وغیرہ کتب حدیث میں ان کے موجود ہے کہ (ابوذر صدیق ہذہ الامۃ) ترجمہ۔ ابوذر اس امت کے صدیق ہیں پس جب ابوذر کی نسبت لفظ صدیق کا مذکور ہے تو تخصیص مرتضوی باقی نہ رہی

(تیسری دلیل) یہ امر قابل دیکھنے کے ہے کہ آیا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت علی سے پہلے بہ لقب صدیق کے بین الصحابہ مشہور تھے یا نہیں اور لوگ حضرت امیر کے سامنے بلکہ پیغمبر خدا کے روبرو انکو صدیق کہتے تھے یا نہیں چنانچہ بلفظہ اس کا ثبوت خود شیعوں کی کتابوں سے ہوتا ہے چنانچہ ایک عالم شیعی منہج المقال میں فضیل سے روایت کرتا ہے کہ (قال سمعت ابا داؤد یقول حدثنی بریدۃ الاسلمی قال سمعت رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول ان الجنۃ مشتاق الی ثلثۃ فجاء ابوبکر فقیل لہ یا ابابکر انت الصدیق وانت ثانی اثنین اذ ہما فی الغار فلو سالت رسول اللہ من ہولاء الثلثۃ) کہ بریدۃ اسلمی روایت کرتے ہیں کہ میں نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ حضرت نے فرمایا کہ جنت تین آدمیوں کی مشتاق ہے کہ اس میں ابوبکر آئے لوگوں نے ان سے کہا کہ اے ابوبکر تم صدیق ہو اور تم ثانی اثنین اذ ہما فی الغار ہو تم پوچھو حضرت سے کہ وہ تین کون ہیں فقط پس یہ روایت اس امر کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے زمانے میں سب اصحاب حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدیق جانتے تھے اور اسی خطاب سے ان کو یاد کیا کرتے تھے گویا صدیق اور ثانی اثنین اذ ہما فی الغار ان کا خطاب اور لقب ہو گیا تھا۔ اگر کسی شیعہ کو ان روایت سے بھی سیری نہ ہووے اور وہ اس روایت کی تائید امام کے دوسرے قول سے چاہیں اور یہ پوچھیں کہ سوائے اس روایت نعم الصدیق کے اور بھی کبھی کسی امام نے ابوبکر کو صدیق کہا ہے تو اس کا بھی ہم ثبوت دے سکتے ہیں اور جب تک کہ اچھی طرح پر حضرات شیعہ کو اطمینان نہ ہو جائے ہم ان کی تسکین اور تسلی کے واسطے روایت انہیں کی کتابوں سے لانے سے باز نہیں رہتے چنانچہ ہم اس کا ثبوت دیتے ہیں کہ اسی کتاب کشف الغمہ میں امام

جعفر صادق علیہ السلام کی ایک دوسری حدیث موجود ہے جس میں حضرت ابوبکر صدیق
کے نام کے ساتھ امام نے صدیق کا لفظ فرمایا ہے اور وہ یہ ہے کہ امام فرماتے ہیں (ولدنی
ابوبکر صدیق مرتین !) اور طرفہ یہ ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے اگرچہ پہلی حدیث کے
موجود ہونے سے کشف الغمہ میں انکار کیا تھا لیکن اس حدیث کے موجود ہونے پر سکوت
ہی فرمایا اور کچھ زبان مبارک سے نہ نکالا اور حقیقت میں کہاں تک تکذیب کرتے اور اقوال
پر کہاں تک خاک ڈالتے آخر انکار کرتے کرتے تھک گئے اور سکوت اختیار کیا۔ اگر اس
روایت کے بعد بھی کچھ تشنگی باقی رہے تو حضرات شیعہ کو لازم ہے کہ خود جناب امیر علیہ السلام
کے اقوال پر نظر کریں۔ اور ان کی زبان سے حضرت ابوبکر کی نسبت خطاب صدیق کا سنیں
احتجاج طبرسی میں علامہ طبرسی سے جو کہ معتمدین علماء شیعہ سے ہیں لکھتے ہیں کہ حضرت امیر
فرماتے ہیں کہ (کنا معہ اے مع النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم علی جبل حراء اذ تحرک الجبل فقال
لہ قر فانہ لیس علیک الا نبی وصدیق وشہید) کہ ہم پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جبل
حراء پر تھے کہ یکایک پہاڑ نے حرکت کی تب پیغمبر خدا نے فرمایا کہ اقرار پکڑ کوئی نہیں ہے
تجھ پر سوائے نبی اور صدیق اور شہید کے اور دیکھنے کتب شیعہ سے ظاہر ہے کہ اس وقت
پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق اور علی مرتضی تھے پس حضرت نے
اپنی ذات کے لئے نبی اور حضرت ابوبکر کی نسبت صدیق اور حضرت علی کے حق میں شہید
فرمایا اگر کوئی متعصب شیعہ کہے کہ امام کے اقوال سے اگرچہ حضرت ابوبکر کی نسبت لفظ
صدیق کا معلوم ہوتا ہے لیکن اس میں خیالات استہزاء اور تقیہ وغیرہ کے ہیں اس لئے ان سے
خاطر خواہ اطمینان نہیں ہوتا۔ اگر خدا کی کتاب سے ان کی نسبت اس خطاب کا ہونا ثابت
کر دیا جائے تو پھر کچھ شبہ نہ رہے چنانچہ ہم ایسے متعصب سخت کی بھی خاطر شکنی گوارا
نہیں کرتے اور اس کے لیطمئن قلبی ہتا کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے کے کہنے پر اسکا
ثبوت خدا کی کتاب سے بہ تصدیق مفسرین شیعہ کے پیش کرتے ہیں واضح ہو کہ تفسیر مجمع
البیان طبرسی میں جو نہایت معتبرین تفسیر شیعہ سے ہے۔ لکھا ہے کہ (قال اللہ تبارک و
وتعالی والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون) جو شخص آیا ساتھ صدق کے
اور جس نے تصدیق کی اس کی وہ ہی متقی ہیں اس کی تفسیر میں علامہ موصوف لکھتا ہے کہ
(قیل الذی جاء بالصدق رسول اللہ وصدق ابوبکر عن ابی العالیۃ والکلبی) کہ جو شخص

آیا ساتھ صدق کے اس سے مراد رسول خدا ہیں، اور جس نے تصدیق کی ان کی اس سے مراد ابوبکر ہیں فقط اور جس نے پیغمبر خدا کی سچے دل سے سب سے زیادہ تصدیق کی ہو اس کا لقب صدیق ہے پس بفضلہ تعالیٰ خدا کی کتاب سے بھی ابوبکر صدیق کا صدیق ہونا ثابت ہونا ثابت ہوگیا (والحمد للہ علیٰ ذالک) اب بھی اگر حضرات شیعہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صدیق نہ جانیں اور باوجود موجود ہونے ثبوت ان کی صدیقیت کے خدا کی کتاب اور رسول کے کلام اور امام کے اقوال سے ان کی صدیقیت کی تصدیق نہ کریں اور خدا کی کتاب اور رسول اور ائمہ کے روگردانی کریں تو اب سوائے اس کے کہ ہم بھی ان کی نسبت وہی کہیں جو امام نے فرمایا ہے کیا چارہ ہے اس لیے ہم اول تو نہایت منت اور عاجزی سے حضرات شیعہ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ اے بھائیو ابوبکر صدیق کو صدیق سمجھو ان کو پیغمبر صاحب کا دوست اور ثانی اثنین اذ ہما فی الغار جانو جس لقب سے ان کو ائمہ کرام علیہم السلام نے یاد کیا ہے اسی لقب سے تم بھی یاد کرو اگر اس پر بھی وہ کچھ نہ سنیں اور ان کو صدیق نہ کہیں تو ہم پھر امام کی وعید کو انہیں سنائے دیتے ہیں اور ان کو رسوائی دنیا و آخرت سے ڈرائے دیتے ہیں کہ ہزار برس پہلے سے امام فرما چکے ہیں کہ (من لم یصدقہ فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرۃ)

نویں شہادت بیان حضرت عمرؓ کے نکاح کا ساتھ جناب ام کلثومؓ کے

یہ بات از روئے کتب معتبرہ شیعہ و اہل سنت کے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ کا نکاح ساتھ ام کلثوم کے ہوا جو کہ خاص بیٹی حضرت فاطمہ علیہا السلام کی تھیں اس امر کے ثبوت سے چند فائدے ظاہر ہوتے ہیں۔

(اول) اس نکاح سے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ باہم حضرت علیؓ اور حضرت عمر فاروق کے کچھ عداوت نہ تھی بلکہ نہایت ہی دوستی تھی اگر دوستی نہ ہوتی تو حضرت علی اپنی بیٹی کا وہ بھی وہ بیٹی جو کہ خاص حضرت فاطمہ کے بطن سے تھیں نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ نہ کرتے اور دشمن کو اپنے خاندان میں نہ لیتے۔

(دوسرے) اس امر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمر کافر یا منافق یا مرتد نہ تھے ورنہ حضرت علی مرتضیٰ شیر خدا غالب علی کل غالب مطلوب کل طالب مظہر العجائب

وا نزنب اپنی ایسی پیاری بیٹی کا نکاح ان کے ساتھ نہ کرتے اور اگر ان کے ایمان اور اگر ان کے ایمان اور عبادت اور زہد اور پرہیزگاری پر اطمینان کامل حضرت امیر کو نہ ہوتا تو وہ کبھی ان کو اپنا داماد نہ بناتے۔

تیسرے) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کبھی کسی قسم کا رنج اور صدمہ جناب امیر کو یا حضرت فاطمہ کو دیا ہوتا تو اس نکاح کا ہونا کیسے جائز رکھتے۔ بہر حال یہ امر اخلاص اور اتحاد اور محبت پر باہم جناب امیر اور حضرت عمرؓ کے ایسا شاہد عادل ہے کہ کسی طرح بر بعد ثبوت اس امر کے شیعوں کی زبان پر عداوت کا نام نہیں آسکتا اور باوجود ہزار سعی باطل کے کوئی عذر و حیلہ ان کا اس معاملے میں پیش نہیں جاتا کسی معاملے میں ایسے دق اور زچ نہیں ہوئے جیسے کہ اس معاملے میں ہوئے ہیں حقیقت میں یہ بحث لائق غور سے دیکھنے کے ہے کہ حضرات شیعہ نے عبداللہ بن سبا کے زمانے سے لے کر جناب قبلہ وکعبہ کے وقت تک اس معاملے میں کیا کیا رنگ بدلے ہیں اور کیسی توجیہات لاطائل کی ہیں کسی نے اس نکاح کے ہونے ہی سے انکار کیا ہے کوئی ام کلثوم کے بنت مرتضیٰ ہونے ہی کا منکر ہوا ہے کسی نے نکاح پر غصب کا اطلاق فرمایا ہے کوئی بعد نکاح کے ہم بستر ہونے سے ساتھ حضرت عمرؓ کے منکر ہوا ہے کوئی کہتا ہے کہ جنیہ بشکل حضرات ام کلثوم کے حضرت عمرؓ کے پاس آتی تھی اور وہ ہم خواب ہوتی تھی کسی نے اس کو جناب امیر کے اعلیٰ درجے کے صبر کا نتیجہ کہا ہے کسی نے اس کو تقیے پر ٹالا ہے بہر حال ہر شخص کا جدا ترانہ اور ہر متنفس کا نیا فسانہ ہے جس کے سننے سے فقط ایک میں محو حیرت نہیں بلکہ ان کی نغمہ سرائی اور ترانہ سنجی کو سن کر ایک عالم اپنے قابو سے نکلا جاتا ہے اور وجد میں آ کر مرحبا اور احسنت پڑھتا ہے۔ شعر

اک ہم ہی تیری چال سے پستے نہیں صنم | پامال کبک بھی تو ہوئے کوہسار میں

اب میں علماء شیعہ کے اقوال مختلفہ کو بیان کرتا ہوں

(پہلا قول) بعض متعصب شیعوں نے اس نکاح کے ہونے ہی سے انکار کیا ہے اور اس روایت کو بے اصل محض کہہ کر اپنا دامن چھوٹا پایا ہے جیسا کے مجتہد صاحب قبلہ وکعبہ اپنے ایک رسالے میں لکھتے ہیں (۱) انتساب تزوج حضرت ام کلثوم با بن

---

(۱) عمر ابن خطاب۔ تام کلثوم بنت فاطمۃ الزہرا کے عقد ہونے کا ثبوت ہم درست نہیں ہوا اور الحمد منعقر ہیں۔ الفقہ الکلام

الخطاب بہ ثبوت نرسیدہ و مثل سید المرتضیٰ کہ قریب العہد زمان ائمہ معصومین بود وغیر ایشاں انکار بلیغ ازاں نمودہ اند) لیکن یہ دعویٰ مجتہد صاحب کا چند دلائل سے غلط معلوم ہوتا ہے

پہلی دلیل) جناب قبلہ و کعبہ کا یہ ارشاد فرمانا کہ جناب سید مرتضیٰ نے جو کہ ائمہ کے زمانے سے قریب تھے نکاح کے ہونے سے انکار کیا ہے صحیح نہیں ہے اس لئے کہ سید مرتضیٰ دو ہیں ایک ابو القاسم ثمانینی برادر رضی　　دوسرا سید مرتضیٰ رازی صاحب تبصرۃ العوام پہلے سید صاحب کو قدمائے متکلمین اور فقہائے شیعہ سے ہیں اور موافق تحریر شہید ثالث کے جو مجالس المومنین میں کی ہے ۳۵۵ھ ہجری میں پیدا ہوئے اور دوسرے میر صاحب ان سے بہت پیچھے ہوئے ہیں پس وہ سید مرتضیٰ جنکی نسبت مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ (قریب العہد از زمان معصومین بود) منکر روایت نکاح نہیں ہیں اور ان کی تالیفات مثل شافی اور تنزیہ الانبیاء والائمہ اس پر شاہد ہیں معلوم نہیں کہ ان کی طرف انکار روایت نکاح کو مجتہد صاحب نے کیونکر منسوب فرمایا اور اگر دوسرے سید مرتضیٰ مراد ہیں اور شاید انہوں نے انکار کیا ہو تو ان کی نسبت مضمون اس فقرے کا کہ (قریب العہد از زمان معصومین بود) صحیح نہیں ہوتا۔

اب ہم ان سید مرتضیٰ کی تالیفات کو جو کہ زمانۂ معصومین کے قریب تھے مجتہد کے قول کی تکذیب کے لیے پیش کرتے ہیں واضح ہو کہ سید صاحب موصوف نے دو کتابوں میں اس کا ذکر کیا ہے ایک کتاب شافی میں مفصلاً دوسرے تنزیہ الانبیاء و الائمہ میں مجملاً چنانچہ ہم نزہۃ اثنا عشریہ سے جو جواب تحفہ کا ہے ان کے قول کو نقل کرتے ہیں ۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ در کتاب تنزیہ الانبیاء میفرماید فاما انکاحہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن ہذا الباب مشروحا وبینا انہ علیہ السلام ما اجاب عمر الیٰ انکاح ابنتہ الا بعد توعد وتہدد و مراجعۃ و منازعۃ وکلام طویل ماثور اشفق معہ من سوء الحال و ظہور ما لا یزال یخفیہ یعنی نکاح عمرؓ کا ساتھ ام کلثوم کے جسکو اہلِ سنت عمرؓ کی فضیلت میں شمار کرتے ہیں ، جواب ہم نے اپنی کتاب شافی میں بہ تفصیل دیا ہے اور وہاں ہم نے بیان کیا ہے کہ حضرت امیر نے عقد اپنی بیٹی کا عمر کے ساتھ بہ طیب خاطر قبول نہیں فرمایا بلکہ یہ عقد بعد اس کے ہوا ہے کہ عمر نے بار بار حضرت امیر سے درخواست کی اور نوبت منازعت اور تخویف و تہدید کی پہنچی جب حضرت امیر نے دیکھا کہ کار دین و ملت فاش ہوتا ہے اور دامن تقیہ ہاتھ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۸۴ ۔ کے زمانہ سے قریب جناب سید مرتضیٰ وغیرہ نے اس نکاح کے وجود سے قطعی انکار کیا ہے

سے نکلا جاتا ہے اور حضرت عباس نے بھی بخیال فتنہ و فساد کے سمجھا یا تب بلا رضا اور بغیر اختیار کے جناب امیر نے یہ نکاح کر دیا فقط اس تحریر کو سید مرتضیٰ کی کوئی شخص جناب قبلہ و کعبہ کی تحریر سے ملا دے اور اس فقرے کو کہ مثل جناب سید المرتضیٰ کہ قریب العہد از زمان ائمہ معصومین بود انکار بلیغ از ان نمودہ تنزیہ الانبیاء کی عبارت مذکورہ سے مقابل کر کے جناب اجتہاد مآب کی صداقت کی داد دے۔ اگر کوئی شخص اس تحریر پر بھی مجتہد صاحب کی صداقت میں شبہہ نہ کرے تو خود ان کے والد ماجد کی زبان سے ان کی تکذیب ہم ثابت کرتے ہیں جناب مولوی سید دلدار علی صاحب قبلہ مواعظ حسینیہ میں فرماتے ہیں کہ سید مرتضیٰ نے فرمایا ہے کہ تزویج ام کلثوم حضرت امیر کے اختیار سے نہیں ہوئی اور بہت سی احادیث انہوں نے اس قول کے ثبوت میں بیان کی ہیں اور جب کہ باختیار حضرت امیر کے نکاح کا ہونا ثابت نہیں ہوا تو پھر محل اشکال باقی نہ رہا چنانچہ متصل کلام مواعظ حسینیہ کا کما نقل فی ازالۃ الغین یہ ہے کہ ”سید مرتضیٰ گفتہ است کہ تزویج ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نشد و احادیث بسیار مؤید قول خود ذکر کرد وہر گاہ باختیار حضرت امیر واقع نشد محل اشکال نیست“ پس ان تحریرات سے صاف ظاہر ہے کہ بیچارہ سید مرتضیٰ حضرت عمر کے نکاح کا منکر نہیں ہے بلکہ اس کا ہونا قطعی اور یقینی جانتا ہے ہاں اس کا ہونا بخوشی خاطر جناب امیر کے اور برضا مندی ان کے بیان نہیں کرتا اور یہ امر آخر ہے اور انکار وقوع اصل واقعہ سے دوسرا امر ہے مگر قربان صداقت پر جناب قبلہ و کعبہ کی کہ ایسے دعوی کے کرنے میں جس کا غلط ہونا محتاج بہ بیان نہیں ہے بایں تقدس و اجتہاد کچھ لحاظ وہ خیال نہ فرمایا۔ غرضکہ یہ قول مجتہد صاحب کا کہ سید مرتضیٰ نے وقوع نکاح سے انکار کیا ہے خود سید مرتضیٰ کی تحریر سے اور خود ان کے والد ماجد کی تقریر سے غلط ٹھہرا لیکن یہ قول ان کا کہ سوائے ان کے اوروں نے بھی انکار کیا ہے کس قدر صحیح ہے چنانچہ منجملہ منکرین اس قصے کے اگلے علماء شیعہ میں سے ایک قطب الاقطاب راوندی مؤلف خرایج و جرایح ہیں کہ انہوں نے دعوی کیا ہے کہ اس نکاح کا ہونا پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچا چنانچہ ان کے

تصانیف معصومین کے زمانہ کے قریب تھا۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا بیان ہے کہ حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت علی کی رضامندی سے نہیں ہوا جبرا ہے بیان کی تائید میں اکثر احادیث لکھی ہے اور جبکہ حضرت علی کی رضا مندی نکاح میں ہوا تو اب کوئی دقت بھی باقی نہ رہی۔

قول کو جناب مجتہد صاحب قبلہ نے کتاب مواعظ حسنیہ میں نقل کیا ہے اور ترجمہ اس کا یہ ہے جسکو ہم ازالۃ الغین سے نقل کرتے ہیں۔ (گفتہ عرض نمودم بخدمت حضرت صادق علیہ السلام کو مخالفین بر ما حجت می آرند و می گویند کہ چرا علی دختر خود را بخلیفہ ثانی داد و پس حضرت صلوات اللہ علیہ کہ تکیہ کردہ نشستہ بودند درست نشستہ فرمودند کہ آیا چنیں حرفہا مے گویند بدرستیکہ قومے چنیں زعم می کنند لایہتدون سواء السبیل) لیکن یہ دعویٰ قطب الاقطاب صاحب کا سراسر باطل ہے اور بروایات ائمہ کرام نکاح کا ہونا ثابت ہے چنانچہ ہم اس کو ان کے کتب احادیث اور فقہ اور کلام سے ثابت کرتے ہیں۔

ثبوت نکاح حضرت ام کلثوم کا ساتھ حضرت عمر فاروق کے

(پہلا ثبوت) قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں اس نکاح کا اقرار کیا ہے اور ان لفظوں سے اس کی صحت کو ظاہر فرمایا ہے (اگر نبی دختر بہ عثمان داد ولی دختر بہ عمر فرستاد)

(دوسرا ثبوت) شرائع جو مشہور کتب فقہیہ شیعہ سے ہے اس کا شارح ابو القاسم قمی شرح شرائع میں جس کا نام مسالک ہے صاحب شرائع کے اس قول کے نیچے کہ (یجوز نکاح العربیۃ بالعجمی والہاشمیۃ غیر الہاشمی وبالعکس) فرماتا ہے (زوج علی بنتہ ام کلثوم من عمر) کہ نکاح کیا علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا ساتھ عمر کے۔

(تیسرا ثبوت) ابو الحسن علی بن اسماعیل شیعی اثنا عشری جس کی نسبت امام اعظم امامیہ کے خلاصۃ الاقوال میں فرماتے ہیں کہ وہی پہلا شخص ہے جس نے موافق قاعدہ علم کلام کے مذہب اہل بیت کے اثبات میں گفتگو کی ہے وہ بھی اس نکاح کے ہونے کا مقر ہے چنانچہ اس کے اس قول کو قاضی نور اللہ شوستری نے مجالس المومنین میں نقل کیا ہے اور ہم ازالۃ الغین سے اس کو نقل کرتے ہیں (و در از چند امر پرسیدند کہ از جملہ مقدمہ

لہ میں حضرت جعفر صادق سے عرض کیا کہ سنی ہم پر حجت لاتے اور کہتے ہیں کہ حضرت علی نے اپنی بیٹی خلیفہ ثانی کو کیوں دی، تو علی جو کہ تکیہ لگائے ہوئے تھے سیدھے بیٹھے اور فرمایا کیا لوگ یہ باتیں کرتے ہیں باوجود اس صحت کے کہ قوم کو یہ گمان ہو گیا ہے کہ وہ راہ راست پر فلاح یافتہ نہ ہوں گے۔ اگر رسول اللہ نے اپنی بیٹی کا حضرت عثمان سے نکاح کیا تو حضرت علی نے بھی اپنی بیٹی (ام کلثوم) کا عقد عمر فاروق سے کیا۔

نکاح خلیفہ ثانی است جواب داد کہ دادن دختر بہ عمر کہ جناب امیر المومنین را اتفاق افتاد بایں جہت بود کہ اظہار شہادتین مینمود و زبان اقرار بر فضیلت رسول می کشود و دراں باب غلظت و فظاظت او نیز مسطور بود) (چوتھا ثبوت) مجالس المومنین میں لکھا ہے کہ بعد وفات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ام کلثوم کا دوسرا نکاح ساتھ محمد بن جعفر طیار کے ہوا وہذہ عبارتہ (محمد بن جعفر الطیار بعد از فوت عمر بن خطاب بشرف مصاہرت حضرت امیر المومنین مشرف گشتہ ام کلثوم را کہ از روی اکراہ در حبالہ عمر بود تزویج نمود)

پانچواں ثبوت) تہذیب میں جو نہایت معتبر کتاب حدیث کی مذہب امامیہ میں ہے لکھا ہے کہ حضرت عمر کی اولاد ام کلثوم کے بطن سے ہوئی اور ایک بیٹا پیدا ہوا جس کا نام زید بن عمر تھا اور یہ روایت بہ سند ائمہ کرام کے اس محدث نے بیان کی ہے کما قال (عن محمد بن احمد بن یحییٰ عن جعفر بن محمد القمی عن القداح جعفر عن ابیہ علیہم السلام قال ماتت ام کلثوم بنت علی علیہ السلام وابنہا زید بن عمر الخطاب فی ساعۃ واحدۃ ولا یدری ایہما ہلک قبل فلم تورث احد ہما من الآخر وصلے علیہما جمیعا) چھٹا ثبوت) قول سید مرتضیٰ کا جو شافی اور تنزیہ الانبیا میں لکھا ہے اور جس کو کشمیری نے اپنی کتاب نزہۃ میں جواب تحفہ کے اور مجتہد صاحب نے مواعظ حسنیہ میں نقل کیا ہے اور جس کو ہم اوپر بیان کر چکے (انہ علیہ السلام ما اجاب عمر الی نکاح ابنتہ الا بعد توعد وتہدد الخ) ساتواں ثبوت) کتاب کافی میں ملا یعقوب کلینی لکھتے ہیں کہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس نکاح کا حال پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ (ہو اول فرج غصبت منا) کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم اہل بیت میں سے غصب کی گئی ہے۔ آٹھواں ثبوت، مصائب النواصب میں لکھا ہے کہ محدثین کا اقرار ہے کہ یہ نکاح جبر اور اکراہ سے ہوا۔ غرضیکہ روایت نکاح حضرت ام کلثوم شیعہ کی کتاب احادیث اور اخبار اور فقہ اور کلام میں اس کثرت سے مذکور ہیں کہ کسی طرح پر اس سے انکار نہیں ہو سکتا اور ایسی متواتر خبر کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اہل انصاف اس فرقے کے تعصب و عناد کو دیکھیں اور ان کی کج مج بیانی کو ملاحظہ فرمائیں کہ باوجودیکہ خود ہی ائمہ کرام علیہ السلام سے اس روایت کی صحت کا اقرار کر کر

لے عمر بن خطابؓ کی شہادت کے بعد محمد بن جعفر طیار کو امیر المومنین کی داماد کی عزت حاصل ہوئی اور جناب ام کلثوم دختر فاطمۃ الزہراءؓ سے جن کا بجبر و اکراہ عمرؓ سے عقد ہوا تھا شادی کی۔

اور اپنی احادیث کی کتابوں میں سنداً اس کو روایت کریں اور اپنے فقہی مسائل کا اس سے استخراج فرمادیں اور نہ ایک شخص بلکہ خلفاً عن سلف وابا عن جد بطور میراث کے اس روایت کی صحت پر سند صحیح نقل کرتے آویں اور اس کی توجیہات سے سینکڑوں ورق سیاہ کریں اور پھر بھی بعض حضرات غیرت اور انصاف کو چھوڑ کر بیساختہ اس روایت کے غلط ہونیکا دعویٰ کریں اور اصل واقعہ کے منکر ہو جاویں اور یہ خیال کریں کہ اگر ایک دن یا ایک ہفتہ یا ایک مہینہ حضرت ام کلثوم نکاح میں حضرت عمر کے رہتیں اور کسی کو خبر نہ ہوتی اور اس کی شہرت بدرجہ تواتر نہ پہنچتی تو شاید کوئی موقع انکار یا تکذیب کا ہوتا لیکن جب سالہاسال حضرت ام کلثوم زینت افزائے خانہ فاروقی ہوئی ہوں اور تاحیات ان کی ان کے نکاح میں رہی ہوں اور ان سے اولاد بھی ہوئی ہو اور ان کے بیٹے کا نام بھی زید بن عمر خطاب رکھا گیا ہو اور بعد حضرت عمر کے مرنے کے ان کا نکاح جعفر طیار سے ہوا ہو تو ایسے متواتر اخبار کو کون چھپا سکتا ہے اور آفتاب روشن کو کف دست سے کون پوشیدہ کر سکتا ہے ہم نے یہ جو کچھ بیان کیا اس میں نہ اپنے عالموں کے اقوال کو نقل کیا ہے نہ اپنی کتابوں کی سند لائے ہیں جو کچھ حضرات شیعہ نے فرمایا اور جو کچھ ان کے محدثین اور علما نے تحریر کیا وہی ہم نے نقل کیا اور اسی سے ثبوت نکاح کا دیا پس اگر باوجود اس ثبوت کے بھی کوئی اس نکاح سے انکار کرے تو وہ تواتر کا منکر ہے۔ (دوسرا قول) جب کہ علماء اعلام شیعہ نے دیکھا کہ انکار کرنا اس روایت سے آفتاب پر خاک ڈالنا ہے اور اس کو غلط اور جھوٹ کہنا مقولہ (دروغ گویم بر روی تو) پر عمل کرنا ہے اس لئے اس کی توجیہ پر توجہ فرمائی اور دوسرے طور سے اس فضیلت کے ابطال پر کمر ہمت باندھی اگرچہ ان بزرگوں نے نہایت ہی سعی و کوشش کی اور ہر طرح کی توجیہ اور تاویل فرمائی لیکن اس سے بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوتا گیا اور بعوض قائم رہنے اصول مذہب تشیع کے اسمیں خلل ہی بڑھتا گیا کاش وہ انکار ہی کرتے جاتے اور گو ان کے محدثین و علما جھوٹے ہوتے بلا سے مگر کبھی اس کی صحت کا اقرار نہ فرماتے تو بہتر ہوتا اس لئے کہ جو توجیہات اس نکاح کے معاملے میں کی گئی ہیں ان کے دیکھنے سے ہر شخص مذہب تشیع سے نفرت کرتا ہے اور ان کے سننے سے ہر مسلمان کے دل میں ایک جوش غیرت کا پیدا ہوتا ہے اور طرفہ یہ ہے کہ جتنی زیادہ توجیہات کرتے ہیں اور جس قدر زیادہ تاویلات بیان فرماتے ہیں ان سے انھیں کے

اصول و عقائد کی برائی کا اور ثبوت ہوتا جاتا ہے شعر

مریض عشق پر رحمت خدا کی — مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

اور زیادہ تر تعجب اس پر ہے کہ باوجود اس کے کہ خود ان کے دلوں میں یقین اس کا ہے کہ یہ توجیہات باطل اور تاویلات لاطائل ان کے دین کی برائی ثابت کرنیوالی اور لوگوں کو ان کے مذہب سے نفرت دلانیوالی ہیں مگر باایں ہمہ علم و فضل اس سے باز نہیں رہتے اور باایں تقدس و اجتہاد ہل من مزید کہہ کر اور بڑھاتے جاتے ہیں اور اپنے معائب کو ظاہر کرتے جاتے ہیں ہم کو ان علماء اور فضلاء کی تقریروں اور تحریروں کو دیکھ کر نہایت ہی حیرت ہوتی ہے کہ بار خدایا ان کی عقل پر کیسا پردہ پڑ گیا ان کے حیاء و غیرت کو کون لے گیا کہ ایسے بے غیرتی کے کلمات زبان پر لانے سے شرم نہیں کرتے اور ایسی عار و ننگ کی باتوں کو ائمہ کی طرف منسوب کرنے سے لحاظ نہیں فرماتے دین محمدی کو تو خراب ہی کر چکے ایک اہل بیت رہ گئے تھے جن کی مزید محبت کا دعویٰ کرتے تھے جن کے فضائل کا اقرار فرماتے تھے اس کو بھی در پردہ کھو دیا ان کے فضائل کو بھی ایسی بے غیرتی کے کلمات کو ان کی طرف منسوب کر کے معائب سے بدل دیا اور سب کچھ تو کر چکے اور ہنوز ایمان کے دعوی میں ثابت قدم ہیں معلوم نہیں کہ انکا ایمان اور محبت کیا کیا نتیجے دکھلائے گی شعر

دل بردی و دین و جاں بتبرہی — دین طرفہ کہ باز درکمینے

اب ہم اس قول کو بیان کرتے ہیں جو حضرات شیعہ نے بعد قبول کرتے صحت نکاح کے ارشاد فرمایا ہے اور اس کو ائمہ کرام کی طرف (دحاشا جنابہم عن ذلک) منسوب کیا ہے وہ قول یہ ہے کہ حضرات فرماتے ہیں کہ نکاح ام کلثوم کا ساتھ حضرت عمرؓ کے جناب امیر کی رضا اور خوشی سے نہیں ہوا بلکہ عمر فاروق نے جناب امیر کو تنگ کیا اور ان کو ڈرایا اور ہر قسم کا خوف دیا اور ان پر نہایت درجہ تشدد کیا یہاں تک کہ قریب تھا کہ نوبت خون ریزی کی پہنچے تب حضرت عباس پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے چچا نے حضرت امیر علیہ السلام کو دبا کر بخیال نہ ہونے فتنہ و فساد کے یہ نکاح کر دیا پس اس نکاح سے برائی عمر کی ثابت ہوتی ہے چنانچہ اس قول کے ثبوت میں ہم چند سندیں علماء شیعہ کی بیان کرتے ہیں۔ (پہلی سند) سید مرتضیٰ علم الہدے کتاب تنزیہ الانبیاء میں فرماتے ہیں (فاما انکاحہ فقد ذکرنا فی کتاب الشافی الجواب عن ہذا الباب الخ) یعنی حضرت امیر علیہ السلام نے

اپنی بیٹی کا نکاح ساتھ عمر کے منظور نہیں کیا مگر بعد اس کے کہ عمر نے ان کو دق کیا اور ڈرایا اور جھگڑا مچایا جب حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ فتنہ و فساد ہوا چاہتا ہے تب حضرت امیر سے اس کام کو اپنے اختیار میں لے لیا اور ام کلثوم کا نکاح ساتھ عمر کے کر دیا اور ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ شریعت میں ہرگز ممنوع نہیں ہے کہ بجبر و اکراہ لڑکی کا نکاح اس شخص کے ساتھ کر دیا جاوے جس کے ساتھ حالت اختیار میں جائز نہ ہوتا خصوصاً عمر جیسے آدمی کے ساتھ کہ وہ اسلام بھی ظاہر کرتا تھا اور تمام شریعت کا پابند تھا۔

(دوسری سند) مواعظ حسینیہ میں مجتہد صاحب فرماتے ہیں کما نقل فی ازالۃ الغین ذکرہ، تزویجؔ ام کلثوم باختیار حضرت امیر واقع نشد ابی قولہ بالفرض اگر باختیار ہم باشد عقل این را قبیح نمی داند کہ نکاح با مخالفین جائز باشد بلکہ عقل تجویز می کند کہ حضرت حق تعالیٰ مباح سازد برای ما نکاح کردن را با کفار چہ قباحت نکاح با کفار عقلے نیست مثل، قباحت ظلم و قتل و امثال آں وچہ گونہ عقلے باشد و حالانکہ معلوم است کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم دختر خود را با کفار تزویج کردہ و ہر گاہ حقیقت حال چنیں باشد پس چہ قباحت است در نیکہ جناب امیر علیہ السلام تزویج نمایند دختر خود را با کسیکہ بہ ظاہر مسلمان باشد۔ (تیسری سند) قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں لکھتے ہیں کہ صاحب استغاثہ فرماتے ہیں کہ ایک مخالف نے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح عمر بن خطاب سے کر دیا ہم کہتے ہیں کہ ہم کو خبر دی ہے ایک جماعت نے ہمارے مشایخ ثقات سے جن میں سے جعفر بن محمد بن مالک کوفی ہیں، انہوں نے احمد بن فضل سے انہوں نے محمد بن ابی عمیر سے انہوں نے عبد اللہ بن سنان سے کہ میں نے سوال کیا امام جعفر سے بابت نکاح ام کلثوم انہوں

لہ حضرت ام کلثوم کی شادی جناب امیر۔ کے اختیار سے نہیں ہوئی۔ اور بالفرض اگر اختیار بھی مان لیا جائے تب بھی عقل اسے قبیح و ناز یبا نہیں جانتی کہ مخالفین سے نکاح جائز ہو۔ بلکہ عقلاً جائز ہے کہ اللہ نے ہمارے لئے کافروں سے نکاح کو مباح و درست قرار دیا ہے کیونکہ کفار کے ساتھ نکاح کرنے میں ظلم و قتل کی مانند کوئی قباحت عقلی نہیں ہے۔ اور قباحت عقلی کیونکر ہو سکتی ہے جبکہ رسول اللہ نے اپنی بیٹی کا عقد کافر سے کیا۔ اور جب کہ یہ امر واقع ہے تو پھر اسمیں کونسی قباحت ہے کہ جناب امیر نے اپنی صاحبزادی ام کلثوم کی ان سے شادی کی جو بظاہر مسلمان تھے۔

نے جواب دیا کہ (ھو اول فرج غصبت منا) کہ یہ پہلی فرج ہے جو ہم سے غضب کی گئی ہے اور یہ خبر مطابق اس خبر کے ہے جسکو ہمارے مشائخ نے بابت نکاح ام کلثوم کے ساتھ عمر کے روایت کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ عمر نے عباس کو حضرت علی علیہ السلام کے پاس بھیجا اور درخواست کی کہ نکاح ام کلثوم کا ان کے ساتھ کر دیا جائے حضرت امیر نے انکار کیا جب حضرت عباس یہ خبر عمر کے پاس لائے تب عمر نے کہا کہ اگر علی میرے ساتھ نکاح اپنی بیٹی کا نہ کریں گے تو ان کو قتل کر دوں گا تب پھر حضرت عباس علی کے پاس آئے انہوں نے تب بھی انکار کیا یہاں تک کہ آخر حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا کہ اگر تم نکاح نہیں کرتے ہو میں کہے دیتا ہوں اور تم کو قسم دیتا ہوں کہ میرے قول و فعل کے خلاف نہ کرنا اور یہ کہہ کر حضرت عباس عمرؓ کے پاس گئے اور کہا کہ نکاح تمہارا ام کلثوم کے ساتھ ہوا جاتا ہے پس عمرؓ نے آدمیوں کو جمع کیا اور کہا کہ یہ عباس چچا علی کے ہیں اور علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم پر ان کو اختیار دیا ہے اور ان کے نکاح کر دینے کو ساتھ میرے اجازت دی ہے پس حضرت عباس نے نکاح ام کلثوم کا ساتھ عمر کے کر دیا اور بعد تھوڑی مدت کے ان کو عمر کے گھر بھیج دیا فقط اس روایت کو لکھ کر قاضی صاحب اسی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اصحاب حدیث اس روایت کو قبول نہیں کرتے لیکن اس میں خلاف نہیں ہے درمیان ان کے کہ عباس نے ام کلثوم کا نکاح ساتھ عمر کے کر دیا بعد بہت سے جھگڑے قصے کے پس میں کہتا ہوں کہ جس کسی نے اس حکایت سے انکار کیا مگر بہ سبب اس کے کہ جس کو ہمارے مشائخ نے روایت کیا ہے اور مطابق اس روایت کے ہے جو کہ امام صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ حضرت امام نے فرمایا۔ (ھو اول فرج غصبت منا) کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے غضب کی گئی [1] الحاصل ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی نے اپنی خوشی سے نکاح

---

[1] یہ ترجمہ اردو ہے قاضی نور اللہ شوستری کے کلام کا اردو ترجمہ فارسی اس کا جو ماخوذ کور فی ازالۃ الغین یہ ہے وہ صاحب استغنا گفتہ کہ قائلے از اہل خلاف گفتہ کہ علت چیست در تزویج امیر المومنین علیہ السلام دختر خود را بعمر بن الخطاب وما میگوئیم کہ خبر داده اند ما را جماعتی از مشائخ ثقات از ایشان جعفر بن محمد بن مالک کوفی ست از احمد بن فضل از محمد بن ابی عمیر از عبد اللہ بن سنان گفت سوال کردم جعفر بن محمد صادق را علیہ السلام از تزویج عمر ام کلثوم پس گفت این اول فرجی است کہ غصب کرده شد از ما و این خبر شاکل آن خبریست کہ روایت کرده اند ما را مشائخ ما در تزویج عمر از ام کلثوم وآن

نہیں کیا بلکہ حضرت عباس نے زبردستی نکاح کر دیا لیکن یہ قول باطل ہے چند دلیلوں سے (پہلی دلیل) اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی نے خود نکاح نہیں کیا بلکہ حضرت عباس کو اختیار دے دیا اور انہوں نے نکاح کر دیا لیکن اس سے اصل نکاح کے ہونے میں کچھ شبہہ نہ رہا اگر حضرت امیر ام کلثوم کے باپ تھے تو حضرت عباس بھی ام کلثوم کے دادا ہوتے تھے اگر باپ نے نکاح نہ کیا نہ سہی ان کی اجازت سے دادا نے نکاح کر دیا اصل مطلب جو ہم ثابت کرتے ہیں وہ ثابت ہو گیا۔ (دوسری دلیل) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائق زوجیت ام کلثوم کے تھے یا نہ تھے اگر لائق زوجیت کے نہ تھے تو حضرت عباس پر جو کہ حضرت علی مرتضیٰ اور جناب سید الانبیاء کے چچا تھے ان پر معاذ اللہ سخت الزام عائد ہوتا ہے کہ انہوں نے فاطمہ کی بیٹی پیغمبر خدا کی نواسی کا نکاح ساتھ ایسے شخص

بقیہ حاشیہ: بدانست کہ و خبر ہست کہ عمر عباس را نزد علی فرستاد و سوال کرد کہ تزویج کند ام کلثوم با و پس آنحضرت امتناع کرد و چوں عباس باز گشت و خبر امتناع علی علیہ السلام بعمر رسانید پس عمر گفت ای عباس آیا انف می کند علی از تزویج من و اللہ اگر تزویج نکند او را خواہم کشت پس عباس باز آمد بسوئے علی و آں حضرت در مقام امتناع استاد پس خبر داد عباس عمر را او گفت اے عباس حاضر شو روز جمعہ مسجد و قریب بہ منبر باش و بشنو آنچہ مذکور خواہد شد پس خواہی دانست کہ من قادرم بر قتل او اگر ارادہ کنم پس حاضر شود عباس در مسجد چوں عمر فارغ از خطبہ شد گفت ای مردم دریں جا مردی از اصحاب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہست کہ زنا کردہ و او محصن ہست و مطلع شدہ براں امیر المومنین تنہا شما دریں باب چہ می گوئید پس مردم از ہر جانب گفتند کہ ہرگاہ امیر المومنین اطلاع یافتہ باشد چہ حاجت ہست کہ مطلع شود بر اں غیر او باید کہ امضا کند حکم خدا را در وے چوں از مسجد باز آمد بعباس گفت برو نزد علی و معلوم او کن آنچہ شنیدی پس واللہ اگر نکند من می کنم پس عباس نزد علی رفت و آنچہ شنیدہ بود بسمع آنحضرت رسانید علی فرمود من می دانم کہ ایں نزد او آساں ہست و من نیستم کہ بکنم انچہ او التماس می کند پس عباس گفت اگر تو نکنی من می کنم و قسم میدہم کہ ترا مخالفت قول و فعل ما نشاید پس عباس نزد عمر رفت و گفت کہ می کند آنچہ اراد کردہ پس جمع کرد عمر مردم را و گفت ایں عباس عم علی ابن ابی طالب است و او عمر ابنتہ خود ام کلثوم را باد راجع کردہ و امر کردہ او را کہ تزویج کند از برائے من پس تزویج نمود عباس و بعد از اندک مدتے نزد عمر فرستاد و اصحاب حدیث ایں روایت را قبول نکردہ لیکن خلافی ہست میان ایشاں در اینکہ عباس تزویج نمودہ ام کلثوم را بعمر بعد از طول مطالعہ و مدافعہ پس می گوئیم کسے را کہ انکار کردہ ایں حکایت را از فعل عمر آں کہ تزویج عباس ام کلثوم را نبود مگر از جہت چیزے کہ روایت کردہ اند از مشائخ ما بنا برانچہ حکایت کردیم و ایں مثل است کہ از صادق علیہ السلام کہ ماند کہ گفت کہ ایں اول فرجی است کہ از ما غصب کردہ اند ۱۲۔

سے کر دیا جو کہ صلاحیت زوجیت کی نہیں رکھتا تھا اور جو ایمان اور زہد و تقویٰ سے بھی بری تھا پس جو الزام حضرت علی کی ذات پر (حاشا جنابہ عن ذالک) بموافق اصول شیعہ کے ہوتا ہے وہی حضرت عباس ان کے چچا پر ہوگا۔

(تیسری دلیل) وکیل اور مختار ہونا حضرت عباس کا حضرت کی طرف سے معاملہ تزویج میں ان روایات سے بھی ثابت ہوتا ہے پس شرعاً و عرفاً فعل وکیل عین فعل موکل ہے اس لئے جو فعل حضرت عباس کا ہے وہی فعل حضرت علی کا سمجھنا چاہیئے پس گو یہ نکاح حضرت عباس نے کر دیا ہو مگر جب کہ وہ وکیل اور مختار جناب امیر کے ہوئے تو یہ نکاح باجازت امیر کی سمجھنا چاہیئے اور اگر حضرت علی نے حضرت عباس کو اجازت نہیں دی اور وکیل نہیں بنایا تو بلا اجازت ان کے حضرت عباس کا وکیل اور مختار ہونا جائز نہ ٹھہرا اور اس سے سخت الزام حضرت عباس پر آتا اور غصب کرنے میں معین اور مددگار ہونا ان کا ثابت ہوتا ہے اور پھر نکاح کا ہونا بلا اجازت ولی کے لازم آتا ہے۔ اور اس کا عدم جواز شرعاً و عرفاً ظاہر ہے اور اس سے جو کچھ نتیجہ حاصل ہوتا ہے وہ عقلاء کو معلوم ہے خدایا! حضرات شیعہ کو ذرا عقل و انصاف عطا فرما اور تھوڑی سی غیرت و شرم عنایت کر کہ وہ ان اقوال کے نتائج پر غور کریں اور جو جو خرابیاں ان میں ہیں ان پر نظر فرماویں بار خدایا یہ کیسے دوست اہل بیت کے ہیں اور ان کی فضیلت اور بزرگی کے کیسے قائل ہیں کہ ایسی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے ہیں اور محبت کے پردے میں ان کی برائیاں بیان کرتے ہیں خدا کے لئے کوئی انصاف کی آنکھ کھول کر دیکھے کہ وہ کیا کیا تہمتیں ائمہ کے اوپر کرتے ہیں اور ذرا گوش ہوش سے پنبۂ غفلت نکال کر سنے کہ یہ حضرات کیسی بلائیں اہل بیت اطہار کی بیان کرتے ہیں (نعوذ باللہ من ہفواتہم و من سوء عقیدتہم اللہم احفظنا من شرور انفسہم و من سیئات اعمالہم) (چوتھی دلیل) اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی دل سے راضی نہ تھے کہ نکاح ہو دے لیکن حضرت عباس کے سمجھانے سے راضی ہو دے اور وہ رضامندی بھی کچھ خوشی سے نہ تھی بلکہ مجبوری سے تو اس سے بھی وہی الزام حضرت علی پر عائد ہوتا ہے جس کے بچانے کے لئے یہ بناوٹ کی گئی ہے یعنی خوف سے جان کے حضرت عباس کے کہنے سے یہ مجبوری قبول کر لیا اور جان بچانے کیلئے عزت دینا گوارا فرمایا (نعوذ باللہ من ذالک) اور اگر خوف جان نہ تھا تو ایسے معاملے

ہیں جس میں عزت و آبرو کی ہتک ہووے اور جس سے خاندان اہل بیت کو بٹہ لگے کہنا حضرت عباس کا ماننا ضرور نہ تھا بلکہ لازم تھا کہ اپنے انکار پر اصرار فرماتے اور ہزار عباس سمجھاتے ایک بات بھی ان کی نہ سنتے بلکہ صاف کہتے کہ چچا تم کو بایں بزرگی کیا ہوا ہے جو ایسی سفارش کرتے ہو اور ہمیشہ کے لئے اہل بیت اطہار میں داغ لگاتے ہو عمر ایک کافر یا منافق یا مرتد یا غاصب یا خائن ہے کیونکر مجھ سے ہو سکتا ہے کہ اپنی بیٹی وہ بھی فاطمہ کے بطن سے جس کی اولاد کو پیغمبر خدا نے اپنی اولاد فرمایا ہے اور جس کے بیٹوں بیٹیوں کو سرور انبیاء نے اپنا بیٹا بیٹی کہا ہے ایک کافر یا منافق کو دے دوں اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم اور فاطمہ زہرا کی روح کو ایذا دوں اور اگر عمر فاروق رضی اللہ عنہ نہ مانتے اور جبر کرنے ہی پر آمادہ ہوتے تو لازم تھا کہ اسد اللہی دکھلاتے ذوالفقار کو میان سے باہر نکالتے عرش سے اتری ہوئی تلوار کے جوہر دکھلاتے مرحب و عنتر کی طرح غصب کرنیوالوں کے ایک، ایک وار میں دو دو ٹکڑے کرتے آخر وہ تلوار جس سے جبرئیل امین کے پر کاٹے اور وہ ذوالفقار جس نے جعفر جن کے دو ٹکڑے کئے کس دن کے لئے تھی اور وہ شجاعت و مردانگی جو بدر و حنین میں کفار کو دکھلائی اور وہ قوت جو جنگ خیبر میں ظاہر فرمائی کس روز کے واسطے رکھ چھوڑی تھی برائے خدا کوئی اس عقل کے دشمن فرقے سے پوچھے کہ اس سے زیادہ شیر خدا کے حق میں دوسری ہتک اور بے حرمتی کی کیا بات ہوگی کہ ان کی بنات طیبات کو بجبر و اکراہ کافر فاسق لینے پر مستعد ہوں اور شیر خدا سردار اولیا سند الاصفیا سید الاوصیا اسد اللہ الغالب امام المشارق والمغارب امیر المومنین علی بن ابی طالب کافروں کے قتل کرنے والے خیبر کے فتح کرنے والے ہزار جنوں کو ایک دو دستی میں زیر و زبر کرنے والے جن کی ذات خدا کی قدرت کی نشانی جن کا وجود اللہ کے جلال و عظمت کا نمونہ جن کے نام سے کفار عجم لرزاں جن کی صورت سے شجاعان عرب ترساں کیسے علی خدا کے شیر رسول کے بھائی بتول کے شوہر نامدار حسنین کے پدر بزرگوار۔ اشعار۔

وصی نبی جفت پاک بتول	فروزندۂ شمع دین رسول
فشانندۂ جاں براہ خدا،	نمایندۂ کفر از دین جدا
برآرندۂ عمرو مرحب زپائی	برآرندۂ باب خیبر زجائی
رہانندۂ موسیٰ اندر دو نیل،	دمانندۂ گل زنار خلیل،

بساحل رسانندۂ فلک نوح کشایندۂ با بہائے فتوح
ہواخواہ او جبرئیل امین بفرمان او آسمان و زمین
نہ کس جز نبی ہم ترازوے او قوی دست قدرت ز بازوے او

باایں ہمہ شجاعت و ہیبت اور باایں جلال و عظمت ایک عمرؓ کے ڈرانے سے ڈر جاویں اور کچھ چون و چرا نہ کریں اور عار و ننگ کو اپنے اوپر گوارا کر لیں اور بلا رضامندی اپنے اس کے گھر اپنی لخت جگر نور نظر کو جانے دیں تف ایسے عقیدے پر اور نفریں ایسی تہمت پر۔ شعر

گر مسلمانی ہمیں ست کہ حافظ دارد وای اگر از پس امروز بود فردائی

(پانچویں دلیل) دیکھنے سے کتب معتبرۂ شیعہ کے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ صلاحیت وکالت جناب امیر کی نہ رکھتے تھے کیونکہ وہ حضرت علی کے نزدیک خوار و ذلیل تھے اگرچہ ہمارا یہ لکھنا حضرات شیعہ کو ناگوار گزرے اور ناواقفوں کو باعث حیرت و تعجب ہوگا لیکن ہمارا قصور نہیں ہے ہم یا ہمارے علماء معاذ اللہ ان کی نسبت ایسا نہیں کہتے بلکہ حضرات شیعہ کے محدثین اور مجتہدین ان کا حضرت علی کے نزدیک خوار و ذلیل ہونا (۱) بیان کرتے ہیں چنانچہ علامہ طبرسی علمائے شیعہ سے اپنی کتاب احتجاج میں حضرت علی مرتضیٰ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ یہ کہتے تھے کنت اعتضد بہم علی دین اللہ اہلبیتی وبقیت بین حضرتین قریبی العہد بجاہلیۃ عقیل و عباس کہ وہ لوگ میرے اہلبیت کے جاتے رہے جن کی قوت کا خدا کے دین میں مجھ کو بھروسہ تھا اور اب صرف دو خوار و ذلیل قریب زمانہ جاہلیت کے رہ گئے ہیں یعنی عقیل اور عباس پس حضرت علی ان کو خوار و ذلیل کہتے اور ان کو جاہل سمجھتے تو کیونکر اپنا وکیل ایسے اہم معاملے میں کرتے اور کس لئے ان کی بات ایسے بڑے معاملے میں سنتے اور کیوں ان کے کہنے پر چلتے شاید حضرات شیعہ نے اسی واسطے حضرت عباس کے اوپر بار نکاح کرا دینے کا رکھ دیا ہے کہ وہ بقول مرتضیٰ خوار و ذلیل تھے اسی واسطے ایسی ذلت کی باتیں کیا کرتے مگر تعجب ہے کہ حضرت امیر علیہ السلام سے کہ انہوں نے ایسے ذلیلوں کی بات کیوں سنی اور کیوں ان کے کہنے پر عمل فرمایا یہ کوئی شیعہ خیال نہ کرے کہ فقط خوار و ذلیل کہہ دینے پر جناب امیر نے قناعت کی ہے بلکہ اگر ان کی کتب معتبرہ سے ڈھونڈھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امیر نے اپنے

حاشیہ (۱) احتجاج طبرسی جلد اول مطبع سلطانی صفحہ ۹ سطر ۳ مطبوعہ ۱۲۶۸ ہجری۔

اور پیغمبر کے چچا عباس کو صاف گالیاں سنائی ہیں اور معاذ اللہ معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نباشد جناب امیر نے حضرت عباس کو ولد الزنا بتایا ہے اگر کسی کو شک ہو تو وہ روضہ کافی اور حیوۃ القلوب کو ملاحظہ کرے۔ مولانا و بالفضل اولانا مولوی علی بخش خاں صاحب اپنے ایک رسالے میں اس کی نقل کرتے ہیں اس سے ہم منتخب کر کے مشتاقین کو سناتے ہیں وہو ہذا ملا باقر مجلسی نے حیوۃ القلوب میں لکھا ہے کہ ابو جعفر طوسی بہ سند معتبر روایت کردہ از امام صادق کہ فضیلہ مادر عباس کنیز مادر زبیر و ابو طالب و عبد اللہ ابنائے عبد المطلب بود و عبد المطلب با او مقاربت کردہ کہ عباس از آں بہم رسید زبیر با عبد المطلب دعویٰ کرد۔ بہ پرخاش برآمد کہ ایں کنیز از مادر ما بما میراث رسیدہ است تو بے رخصت او با مقاربت کردی وایں فرزندی کہ بہم رسید یعنی عباس بندۂ ماست پس عبد المطلب اکابر قریش را بہ شفاعت نزد وی فرستاد کہ تا آنکہ زبیر راضی شد کہ دست از عباس بردارد بشرطیکہ نامہ نوشتہ شود کہ عباس و فرزندانش در مجلسی کہ ما و فرزندان ما نشستہ باشند نہ نشینند و در ہیچ امری با ما شریک نشوند و حصہ نہ برند پس بایں مضمون نامہ نوشتہ شد و اکابر قریش مہر کردند وایں نامہ نزد ائمہ علیہم السلام بود۔ پس اس روایت سے صاف ثابت ہوا کہ حضرت عباس معاذ اللہ کنیزک زادے اور اور توبہ توبہ ولد الزنا تھے اور ان کی کنیزک زادگی وغیرہ کی سند مہری دست خطی ائمہ کے پاس موجود تھی شاید اسی سبب سے حضرت عباسؓ نے حضرت علی کو ایسا ذلیل کیا کہ ان کی بیٹی ام کلثوم کا بہ جبر و اکراہ نکاح عمر کے ساتھ کر دیا۔ اور جب کہ بروایت اہل تشیع حضرت

؎ ابو جعفر طوسی نے معتبر اسناد کے ساتھ بحوالہ امام جعفر صادق تحریر کیا ہے کہ عباس کی والدہ فضیلہ در اصل زبیر ابو طالب اور عبد اللہ فرزندان عبد المطلب کی والدہ کی کنیز (لونڈی) تھیں جن سے عبد المطلب نے ہم بستری کی اور ان سے عباس پیدا ہوئے زبیر نے اپنے والد عبد المطلب سے بطور پرخاش کہا اور اس لونڈی کو ہماری والدہ کے برابر میراث مل گئی اور آپ نے میری والدہ کی اجازت کے بغیر اس لونڈی سے مقاربت کی اور اس کا جو بیٹا عباس ہے وہ ہمارا غلام ہے اس پر عبد المطلب نے معززین قریش کو بیچ میں ڈالا تھا تا آنکہ زبیر اس امر پر راضی ہو گئے کہ وہ عباس سے دست بردار ہو جائیں گے بشرطیکہ ایک اقرار نامہ لکھ دیا جائے کہ جس مجلس میں ہم زبیر اور ہمارے فرزند بیٹھے ہوں وہاں عباس اور ان کے فرزند نہ بیٹھیں گے اور ہمارے (زبیر کے) کسی کام میں شریک و دخیل نہ ہوں گے اور کسی قسم کے حقہ کا مطالبہ نہیں کریں گے غرضیکہ اسی مضمون کا ایک اقرار نامہ عباس نے تحریر کیا جس پر معززین قریش نے مہر کی اور یہ اقرار نامہ آئمہ کے پاس تھا۔

عباس کی نسبت ولد الزنا ہونا و حاشا جنابہ عن ذلک ثابت ہوا تو لامحالہ ان کا دشمن اہل بیت ہونا بھی لازم ہوا اس لئے کہ ہزار ہا احادیث اور اقوال سے ثابت ہے کہ ولد الزنا کا کوئی عمل مقبول ہے نہ وہ کبھی دوستی ساتھ اہل بیت کے رکھے گا کما اس کو ہم بحار الانوار اور علل الشرائع اور احتجاج طبرسی اور تالیفات قاضی نور اللہ شوستری سے آئندہ ثابت کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ لیکن یہ بات ایسی مشہور ہے کہ عوام و خواص مومنین اس سے واقف ہیں ان کے بچوں کی زبان پر یہی کلمہ جاری ہے کما قال قائلھم۔ شعر۔

محبت شہ مردان مجوز بے پدرے ۔۔۔ کہ دست غیر گرفتہ است پای مادر او

کوئی صاحب مومنین سے یہ شبہ نہ کریں کہ یہی ایک روایت حضرت عباس کی نسبت ہوگی بلکہ علاوہ اس کے بہت سی احادیث و اخبار اُن کی شان میں موجود ہیں چنانچہ ملا باقر مجلسی حیٰوۃ القلوب میں بہ سند معتبر فرماتے ہیں۔ دکہ حضرت امام زین العابدین فرمود کہ در حق عبداللہ بن عباس و پدرش ایں آیہ نازل شد من کان فی ہذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ) پس اب تو صاف باپ بیٹے دونوں کا دنیا و عاقبت میں اندھا ہونا ان کی کتابوں سے نکل آیا بلکہ خدا کی شہادت سے ان دونوں یعنی عباس اور ان کے بیٹے عبداللہ کا اعمیٰ اور بے بصیرت ہونا ثابت ہوگیا استغفر اللہ استغفر اللہ تشیع بھی عجیب مذہب ہے جس کے تبرّ ملامت سے کوئی نہیں بچا اصحاب کو تو کافر اور منافق پہلے ہی بنا چکے اہل بیت رہ گئے تھے وہ بھی لعن و طعن سے نہ بچے خدایا تشیع دین و مذہب ہے یا الحاد و زندقہ ہے جس کے بانی نہ رسول کا خیال کرتے ہیں نہ اہل بیت کا لحاظ رکھتے ہیں نہ اصحاب کو برا بھلا کہنے سے چھوڑتے ہیں نہ حضرت کے قریبوں کو لعن و ملامت سے محفوظ رکھتے ہیں پس جو سامنے آیا اسی کو برا بھلا کہنا شروع کیا، جس کا ذکر آیا اسی پہ تبرا کرنے لگے کسی کو صراحتاً کافر بنایا کسی کو اشارتاً منافق کہا، کسی کو یقیناً فاسق ٹھہرایا کسی کو ولد الزنا کسی کو اندھا فرمایا واہ کیا دین ہے اور کیا مذہب جس کے طعن و تشنیع سے کوئی نہ بچا تو ایسے باحیا فرقے کی شکایت ہم صرف اصحاب کے برا کہنے پر کیا کریں۔ شعر

لہ امام زین العابدین کا بیان ہے کہ یہ آیت من کان فی ہذہ اعمیٰ فھو فی الآخرۃ اعمیٰ (جو دنیا میں اندھا آخرت میں بھی اندھا ہوگا) عبداللہ بن عباس اور ان کے والد کے حق میں نازل ہوئی ہے

گھائل ترے نظر کا نہ ع دگر ہر ایک　　زخمی کچھ ایک بندۂ درگاہ ہی نہیں

اگر کوئی مومن حضرت عباس کے اور فضائل اور کمالات کو اس روایت کے معارضہ میں پیش کرے اور اس زخم پر مرہم رکھے تو اس کو چاہیئے کہ اس خیال محال سے درگزرے اور ملا باقر مجلسی کے فیصلے کو جو حیٰوۃ القلوب میں انہوں نے کر دیا ہے دیکھ لے کہ وہ فرماتے ہیں (کہ بدانکہ در باب احوال عباس در مدح وذم او احادیث متعارض ست و اکثر علما بخوبی او میل نمودہ اند وانچہ از احادیث ظاہر میشود آں ست کہ او در مرتبہ کمال ایمان نبودہ است) پس ملا صاحب نے سب جھگڑا قصہ ہی طے کر دیا اور حضرت عباس کے ناقص الایمان ہونے پر فتویٰ دے دیا شاید ان کے نقص ایمان کا سبب سب سے زیادہ یہی تصور کیا گیا ہو کہ انہوں نے ام کلثوم کا نکاح حضرت عمرؓ کے ساتھ کرا دیا۔

(چھٹی دلیل) اگرچہ حضرات شیعہ نے واسطے جواز نکاح کے اسلام ظاہری سے حضرت عمرؓ کے اقرار کیا اور ان کو متمسک بکمال شریعت قرار دیا لیکن (ولا یصلح العطار ما افسدہ الدہر) جو رخنہ حضرت عمرؓ کے ایمان میں ان کے بزرگوں نے ڈالا ہے وہ اب ان کے بند کرنے سے بند نہیں ہوتا اور بغیر ترک مذہب تشیع کے اور اقرار فضیلت حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس نکاح کا جواز موافق اصول مذہب شیعہ کے ثابت نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ موافق عقائد شیعوں کے ایمان اور اسلام سے بے بہرہ تھے اور معاذ اللہ منافق اور مرتد تھے اور وہ دشمن اہل بیت کے اور ناصبیوں کے پیشوا تھے اور ناصبیوں کے ساتھ نکاح مومنہ کا جائز ہی نہیں ہے پس نکاح حضرت عمر کا کہ جو کفر و نفاق اور عداوت اہل بیت میں سب سے بڑھ کر تھے ساتھ ام کلثوم کے جو عفت اور زہد کی اور سیادت میں تمام جہان سے بہتر تھیں کیونکر جائز ہوتا چنانچہ ان دونوں امروں کو ہم کتب شیعہ سے ثابت کرتے ہیں۔ امر اول حضرت عمرؓ کا مومن نہ ہونا امر دوم ناصبی کے ساتھ نکاح مومنہ کا جائز نہ ہونا (امر اول) کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مطابق اصول شیعہ کے مومن نہ تھے، کافر اور منافق اور دشمن اہل بیت کے تھے ایسا صاف کھلا ہوا ہے کہ حاجت سند اور دلیل شاہد کی نہیں ہے لیکن عبرتاً للناظرین اور دو ایک روایتیں ان کے یہاں کی بیان کرتے ہیں

عباس کے حالات کے متعلق تعریف و مذمت دونوں طرح کی احادیث ہیں اکثر علماء نے بخوبی اس جانب توجہ نہیں کی۔

ان احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ عباس مکمل طور پر صاحب ایمان نہ تھے۔

(روایت اول) زاد المعاد میں ملا باقر مجلسی حذیفہ بن الیمان سے نقل کرتے ہیں کہ جب میں نے فضائل روز قتل عمر کے حضرت پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی زبان سے سنے تب سے میں ان کے کفر پر یقین رکھتا تھا چنانچہ عبارت اس کتاب کی بلفظہ یہ ہے (حذیفہ گفت[1] پس برخاست حضرت رسول خدا و بخانۂ ام سلمہ رفت و من برگشتم و صاحب یقین بودم در کفر عمر تا آنکہ بعد از وفات حضرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دیدم کہ او چہ فتنہا برانگیخت و کفر اصلی خود را اظہار کرد و از دین برگشت و دامان بے حیائی و وقاحت برائے غصب امامت و خلافت برزد و قرآن را تحریف کرد و آتش در خانۂ وحی و رسالت زد و بدعتہا در دین خدا پیدا کرد و ملت پیغمبر را تغییر داد و سنت آنحضرت را بدل کرد و نصاریٰ و مجوس را از خود راضی کرد و نور دیدۂ مصطفیٰ را بخشم آورد و تدبیر کشتن امیر المومنین کرد و جور و ستم در میانۂ مردم علانیہ کرد و ہر چہ خدا حلال کردہ بود حرام کرد و ہر چہ حرام کردہ بود حلال کرد۔

غرضیکہ اس روایت سے صاف کفر حضرت عمرؓ کا (نعوذ باللہ من ذالک) ثابت ہوا اور ان کا کفر اصلی کا ظاہر کرنا اور مرتد ہو جانا اور قرآن کا تحریف کرنا اور نصاریٰ اور مجوس کو راضی کرنا ثابت ہوا تو اب وہ دعویٰ جو بعض مجتہدین نے کیا تھا کہ وہ اسلام کے دائرے سے خارج نہیں ہوئے باطل ہوا۔

(روایت دوم) ملا باقر مجلسی رسالہ رجعیۃ میں لکھتے ہیں کہ امام مہدی علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں فرمایا کہ ابوبکر و عمر بظاہر کلمہ گو تھے اور بطمع دنیا اسلام کے مظہر ہوئے تھے جب انہوں نے دیکھا کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا نے ان کو کوئی حکومت نہ دی تب پیغمبر صاحب کے قتل و ہلاک پر آمادہ ہو گئے و ہو ہذہ عبارتہ بلفظہ[2] (اشان،

---

[1] حذیفہ کا بیان ہے کہ میں اور رسول اللہ اٹھے رسول اللہ تو ام سلمہ کے گھر میں چلے گئے اور میں واپس ہو گیا۔ مجھے عمر کے کافر ہونے کا یقین تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ کی وفات کے بعد میں نے دیکھا کہ عمر نے کیسے کیسے فتنے اٹھائے۔ اپنے اصلی کفر کو ظاہر کیا اسلام سے برگشتہ ہوا۔ امامت و خلافت کے غصب کرنے کے لئے بے حیائی کا دامن پھیلا کر قرآن میں تحریف کی فاطمہ کے گھر کو آگ لگائی، اللہ کے دین میں بدعتیں پیدا کیں۔ رسول اللہ کے طرز حکومت کو متغیر کیا ان کی سنتوں کو بدلا عیسائیوں اور آتش پرستوں کو اپنا ہمنوا بنایا حضرت فاطمہ کو غضبناک کیا امیر المومنین علی کو مار ڈالنے کی تدبیر کی عوام پر ظلم و جور و ستم کئے۔ اللہ کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام قرار دیا۔

[2] ابوبکر و عمر دونوں نے یہودیوں کے کہنے سے بظاہر کلمہ پڑھا تاکہ رسول اللہ ان کو حکومت و ولایت دے دیں اور یہ دونوں باطنی طور پر کافر تھے۔

(یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ) انزد دی گفتہ بودبہ ظاہر گفتنیں گفتند از برای ایں کہ شاید ولایتی حکومت حضرت با ایشاں بدہد و در باطن کافر بودند چوں در آخر مایوس شدند با منافقاں بر بالای عقبہ رفتند و دو ہنبای خود را بستند کہ کسی ایشاں را نشناسد و بہا اندا ختند کہ شتران حضرت رما اما دہند و حضرت را ہلاک کنند پس خدا جبرائیل فرستاد و پیغمبر خود را از شر ایشاں حفظ کرد) (ص ۲۹۰، ترجمہ) قول سے شیعوں کے امام مہدی کے ثابت ہوا کہ شیخین پیغمبر کے سامنے ہی بسبب مایوسی کے درپے قتل رسول ہوگئے تھے اور حضرت کے ہلاک کرنے کی تدبیر کر چکے تھے تو جو شخص پیغمبر خدا کے قتل پر مستعد ہوئے اس سے زیادہ کفر اور کس کا ہوگا اور جب یہ جرم حضرات شیخین پر امام مہدی فرضی کی زبان سے ثابت ہوگیا تو امام کے قول کو کون رد کر سکے گا۔ (روایت سوم) ملا باقر مجلسی نے بحار الانوار میں ایک حدیث کافی کی نقل کی ہے جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جو نص جلی امامت مرتضوی کا منکر ہے وہ کافر ہے اور واجب القتل ہے چنانچہ ہم اس حدیث کو استقصاء الافحام سے نقل کرتے ہیں (بیان قولہ علیہ السلام من ان یرتدوا عن الاسلام ای عن ظاہرہ والتکلم بالشہادتین فابقاءہم علی ظاہر الاسلام کان صلاحاً للامۃ لیکون لہم ولاولادہم طریق الی قبول الحق والدخول فی الایمان فی کرور الازمان وہذا لاینا فی مامر وسیأتی ان الناس ارتدوا الا ثلثۃ لان المراد فیہا ارتدادہم عن الدین واقتعاد ہذا محمول علی ابقاءہم علی صورۃ الاسلام وظاہرہ وان کانوا فی اکثر الاحکام الواقعیۃ فی حکم الکفار وخص ہذا بمن لم یسمع النص علی امیر المومنین علیہ السلام ولم یبغضہ ولم یعادہ فان من فعل شیئاً من ذلک فقد انکر قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکفر ظاہراً ایضاً ولم یبق لہ شیء من احکام الاسلام ووجب قتلہ) انتہی بلفظہ یعنی یہ فرمایا ہے حضرت امام ابوجعفر علیہ السلام نے کہ جناب امیر علیہ السلام نے دعویٰ امامت کا اس خوف سے نہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ اصحاب اس کو نہ قبول کریں اور اسلام چھوڑ دیں اور مرتد ہو جاویں اور مرتد ہو جانے سے غرض یہ ہے کہ ظاہر اسلام چھوڑ دیں اور کلمہ شہادت سے منکر ہو جائیں اس لئے ان کا اسلام ظاہری پر

(بقیہ حاشیہ ص) جب مایوس ہو گئے تو منافقوں کے ساتھ عقبہ کے بالائی حصہ میں اس طرح پہنچے کہ ڈھاٹا باندھ رکھا تھا تاکہ کوئی انہیں شناخت نہ کر سکے اور یہاں پہنچ کر رسیاں وغیرہ راستہ میں ڈالدیں تاکہ آپ کے اونٹوں کو تابو میں کر لیں اور اس طرح رسول اللہ کو ہلاک کر دیں اس نوبت پر اللہ نے جبرئیل کے ذریعہ آپ کو اطلاع دی اور آپ کو ان کی ایذا رسانی سے بچا لیا

باقی رکھنا امت کے حق میں بہتر تھا تاکہ شاید وہ یا ان کی اولاد میں سے کوئی حق کو قبول کر لے اور کسی آئندہ زمانے میں مومن ہو جاوے اور یہ مخالف اس روایت کے نہیں ہے کہ سب اصحاب مرتد ہو گئے تھے مگر تین اس لئے کہ مراد اس ارتداد سے ارتداد واقعی ہے اور ارتداد جس کا ذکر امام نے کیا نہ پھرنا ان کا ظاہری اسلام کی نظر سے ہے اگرچہ وہ اکثر احکام واقعی میں حکم کفار میں داخل تھے لیکن یہ اسلام ظاہری بھی صرف انہیں لوگوں کی کی نسبت ہے جنہوں نے نص امامت امیر المومنین علیہ السلام کو نہیں سنا اور ان سے دشمنی اور عداوت نہیں رکھی اور جس نے نص امامت سن کر اس سے انکار کیا یا عداوت رکھی تو اس نے پیغمبر خدا صلوات اللہ علیہ کے قول سے انکار کیا اور ظاہر میں بھی کافر ہو گیا اور کوئی حکم اسلام کا اس کے لیے باقی نہیں رہا اور اس کا قتل کرنا واجب ہو گیا انتہیٰ اور صاحب استقصاء الافحام اس حدیث کے لکھنے کے بعد خود یہ فرماتے ہیں کہ اگر غرض[ف] از نقل ایں عبارت محض اثبات ایں معنی ست کہ صاحب بحار ثلثہ و اتباع ایشاں را کافر و مرتد می داند پس البتہ ایں معنی بسر و چشم مقبول ست اصلا جائے استنکاف و انکار نیست پس باقرار صاحب بحار الانوار اور صاحب استقصاء کے کافر ہونا خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ثابت ہوا اور ان کا اسلام ظاہری بھی ان کے قول سے جاتا رہا تو اب درمیان ایمان و کفر کے کوئی واسطہ تیسرا جس کو اسلام کے نام سے تعبیر کرتے ہیں باقی نہ رہا اور جب کافر ہونا ان کا نعوذ باللہ ثابت ہوا تو نکاح ام کلثوم کا کافر کے ساتھ لازم آیا تو اب کہاں رہا قول سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کا جو انہوں نے شافی اور تنزیہ الانبیاء میں فرمایا ہے حضرت عمر مظہر اسلام اور متمسک بتمام شریعت تھے اسواسطے ان کے ساتھ نکاح کر دینے میں کچھ خلل دینی نہ تھا اور باطل ہو گیا قول صاحب نزہۃ اثنا عشریہ کا جو انہوں نے جواب میں تحفہ کے فرمایا ہے کہ کسی امامیہ کا قول نہیں ہے کہ حضرات علیہم السلام نے اپنی بیٹی کافر کو دی ہو بلکہ بدعتی اور مظہر اسلام اور منافق کو دی ہے اور ممنوع اور حرام نکاح کرنا ساتھ مشرک کے ہے نہ کہ بدعتی اور منافق کے اس لئے کہ ان کے امام فرضی کی زبان سے موافق روایت بحار الانوار کے صاف کفر خلفائے ثلثہ کا اور واجب القتل ہونا ان کا ثابت ہوتا ہے عجب حال

ف یہاں اس عبارت کی نقل صرف اس امر کے ثبوت کے لیے ہے کہ مؤلف بحار الانوار نے اصحاب ثلاثہ اور ان کے متبعین کو کافر و مرتد قرار دیا ہے اور یہ معنی ہمارے سر آنکھوں پر اس کے قبول کرنے میں کسی قسم کا ننگ و عار اور انکار نہیں ہے۔

ہے علماء شیعہ کا کہ جب جیسا موقع ہوتا ہے ویسا ہی کہنے لگتے ہیں جیسی ضرورت ہوتی ہے ویسی ہی حدیثیں بنا لیتے ہیں کبھی تو حضرت عمر کو کافر اور منکر اسلام اور واجب القتل کہتے ہیں کبھی ان کو مظہر الاسلام اور متمسک بشعائر الشریعت فرماتے ہیں جو کہ امر اول یعنی کفر حضرت عمر کا و نعوذ باللہ منہ موافق روایات صحاح اہل تشیع کے ثابت ہو گیا اب ہم کو اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہی کہ ہم اس مسئلے کو ثابت کریں کہ نکاح مومنہ کا ساتھ ناصبی کے گو وہ مظہر اسلام ہو جائز نہیں ہے لیکن تاکہ وہ لوگ جو ان روایات کو غلط سمجھیں اور کفر ظاہری کے قائل نہ ہوں اور اسلام کا حکم حضرت عمر پر جاری رکھیں موافق اپنے اصول کے اس نکاح کو جائز نہ سمجھیں ہم اس مسئلہ کو بھی بیان کرتے ہیں۔ امر دوم یعنی نہ جائز ہونا نکاح مومنہ کا ساتھ ناصبی کے (روی الکلینی عن الفضیل بن یسار قال سألت ابا عبداللہ عن نکاح الناصب فقال لا واللہ ما یحل قال فضیل ثم سألتہ مرۃ اخریٰ فقلت جعلت فداک ما تقول فی نکاحہم قال والمرأۃ العارفۃ قال العارفۃ لا توضع الا عند عارف) کلینی میں روایت ہے کہ فضیل کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ناصبی کا نکاح جائز ہے تو حضرت نے فرمایا کہ خدا کی قسم ہرگز حلال نہیں ہے پھر دوسری مرتبہ میں نے پوچھا تو امام نے فرمایا کہ عورت عارفہ ہے یعنی مومنہ ہے میں نے کہا ہاں تب امام نے فرمایا کہ عارفہ نہیں رہیگی مگر پاس عارف کے یعنی مومنہ کا مومن کے نکاح میں ہونا چاہیئے پس اس روایت سے صاف ثابت ہو گیا کہ حضرت امام کے ارشاد کے مطابق نکاح عارفہ کا نہیں جائز ہے مگر ساتھ عارف کے پس یا حضرت عمر کو مومن اور عارف کہیں یا حضرت ام کلثوم کو ایمان اور معرفت کے دائرے سے خارج کریں و نعوذ باللہ منہ غرض کہ اب موافق قول امام کے سوائے ان دو حالتوں کے تیسری حالت ملحوظ باقی نہیں رہی حقیقت یہ ہے کہ اس قول سے امام کے حضرت عمر کا عارف اور کامل الایمان ہونا ثابت ہوتا ہے اس لئے کہ اگر وہ ایسے نہ ہوتے تو ام کلثوم کا نکاح حضرت امیر ان کے ساتھ کسی حالت میں گو کہ اس کو حضرات شیعہ جبر و اکراہ سے تعبیر کریں نہ ہونے دیتے کیا جناب امیر اس آیت کے مضمون سے واقف نہ تھے اَلْخَبِيثَاتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثَاتِ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبَاتِ :- اور کیا حضرت علی اس حدیث سے جو امام جعفر صادق نے فرمائی منکر تھے کہ (العارفۃ لا توضع الا عند عارف) پس باوجود ہونے ایسی

آیت اور قول امام کے کیونکہ حضرت علی اس کے خلاف کرتے جب کہ ہم اس امر کو ثابت کر چکے کہ یہ نکاح بجبر واکراہ نہیں ہوا تو ہم کو ضرورت اس قول ناپاک سے بحث کرنے کی نہیں رہی جس کو علماء شیعہ نے امام کی طرف منسوب کیا ہے کہ امام نے فرمایا کہ (ہوا اول فرج غصبت منا) یہ پہلی شرمگاہ ہے جو غصب کی گئی لیکن عبرۃً للسامعین اس کو بھی بغیر بحث کے چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتے پوشیدہ نہ رہے کہ محدثین شیعہ روایت کرتے ہیں کہ امام صادق علیہ السلام سے کسی نے اس نکاح کی نسبت سوال کیا تو امام نے فرمایا کہ (ہوا اول فرج غصبت منا) صاحب تحفہ قدس سرہ اس بحث میں لکھتے ہیں (سبحان اللہ چہ کلمہ ایست کہ از زبان ایشاں برمے آید نزدیک ست کہ آسمان فرو افتد و زمین بشگافد اول در حق آں سیدہ پاک بضعۃ الرسول فلذۂ کبد البتول چہ فحش و سوء ادب ست و کلام غصاںت خلیثہ را بد امن پاک آں طاہرہ مطہرہ می بندند دیگر در حق حضرت امیر و حضرت حسنین چہ قدر بے حفاظتے و بے ناموسی ثابت می کنند در حق حضرت صادق کہ ایں کلمہ بر آنجناب تہمت می نمایند چہ قدر بے حمیتی و بے غیرتے اعتقاد دارند ایں لفظ را اول بزرگاں برزبان نمی آرند علی الخصوص ذکر ایں عضو مستور الاسم والمسمی از اقارب بلکہ بندگان خود امر ایست کہ ارازل و اوباش نیز احتراز واجب می دانند) اس کا جواب علامہ کشمیری نے تنزیہ میں چند طرح پر دیا ہے۔ کما قال (مردود ست بچند وجہ اول آں کہ بر تقدیر تسلیم صحت روایت و محفوظ بودن آں انچہ افادہ فرمودہ تسویل و تخویل بلیش نیست) اس عبارت سے علامہ کشمیری کی معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت کی صحت ان کے نزدیک مسلم نہیں ہے حالانکہ بر تقدیر تسلیم صحت کہنا عوام کو دھوکا دینا ہے اس لئے کہ یہ

۱؎ واہ! کیسی بات زبان سے نکالتے ہیں۔ قریب ہے کہ آسمان گر پڑے اور زمین پھٹ جائے۔ اس میں پہلی بات تو یہ کہ حضرت فاطمہ کی جگر گوشہ (ام کلثوم) کے بارے میں فحش و بے ادبی ہے اور دشمنی اس پاکیزہ سے کتنی بری خصلت منسوب کرتے ہیں اور دوسری بات یہ کہ جناب امیر و حسنین رضی کی بے غیرتی و عدم حفاظت ثابت کرتے ہیں اور حضرت صادقؒ کے حق میں تہمت لگاتے ہیں اور بے حمیتی و بے غیرتی کے معتقد ہیں۔ اس قسم کی گفتگو گزشتہ کے بزرگ اپنی زبان پر نہ لاتے خاص کر شرمگاہ کا لفظ تو انہوں نے کہا ہی نہیں۔ اور پھر نزدیکوں کا مستور رکھنا ادباش اور کمینوں سے خود بخود امر واجب و ضروری سمجھتے تھے ۲؎ یہ چند وجوہ سے مردود و باطل ہے اول یہ کہ بنا بر تسلیم و قبول صحت روایت اور پھر اس کا اس طرح محفوظ ہونا کہ افادیت پر مبنی تسویل و فریب اور مکاری ہے۔

حدیث مذکور دو وجہ سے موافق اصول شیعہ کے ثابت ہے اوّل یہ حدیث کافی کلینی میں جس کو حضرات شیعہ اصح الکتب کہتے ہیں انہیں الفاظ سے امام صادقؒ سے مروی ہے۔ دوسرے، قاضی نوراللہ شوستری نے مصائب النواصب میں اس حدیث کو چند جگہ نقل کیا ہے چنانچہ جہاں بحث فاروقؓ و ام کلثوم کی لکھی ہے اس کی بحث نہم میں چند جگہ اس کا ذکر کیا ہے۔ اور کسی جا اس سے انکار نہیں کیا۔ چنانچہ ترجمہ فارسی اس کا کما ہو منقول فی ازالۃ الغین یہ ہے (واما خاستنا بواسطہ آں کہ قول امام صادق علیہ السلام کہ ایں اول فرجی ست کہ غصب کردہ شد ما از ما مستلزم وقوع زنانیست) اور پھر اسی بحث میں قول صاحب استغاثہ کو نقل کر کے اس طرح فرماتے ہیں وترجمۃ فی الفارسیۃ ہکذا (خبر دادہ اند مارا جماعتے از مشائخ ثقات ما ایشاں جعفر بن محمد بن مالک کوفی ست از احمد بن فضل از محمد بن ابی عمیر از عبداللہ بن سنان گفت سوال کردم جعفر بن محمد صادق را علیہ السلام از تزویج عمرؓ از ام کلثوم پس گفت ایں اول فرجی است کہ غصب کردہ شدہ از ما) اور بعد اس کے پھر قاضی صاحب لکھتے ہیں کہ در مشاکل روایتی ست کہ از صادق علیہ السلام کردہ اند کہ گفتہ کہ ایں اوّل فرجی ست کہ از ما غصب کردہ اند) اور پھر جہاں جناب امیر علیہ السلام کے صبر اور تحمل بر وصیت رسول کا ذکر کیا ہے وہاں قاضی صاحب موصوف فرماتے ہیں وترجمۃ فی الفارسیۃ ہکذا (چوں عمرؓ خواستگاری ام کلثوم نمود علی متفکر شد و گفت اگر مانع شوم از غصہ قتل من خواہد کرد و اگر قصد قتل من کند و ممانعت کنم او را از نفس خود بیروں روم از اطاعت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پس تسلیم ابنتہ دریں حال اصلح بود از قتل او و بیروں رفتن از وصیت رسول خدا پس تفویض نمود امر را بخدا

سلہ یا تحریر یہ کہ امام صادقؒ کا یہ کہنا کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے زبردستی لی گئی ہے یہ واقعہ جناب ام کلثوم کو ظاہر کرتا ہے۔ معتبر بزرگوں کی ایک جماعت نے ہمیں بتایا ہے کہ جعفر بن محمد کوفی نے احمد بن فضل کے ذریعہ محمد بن ابی عمیر کے واسطہ سے عبداللہ بن سنان کی زبانی بیان کیا کہ ام کلثوم کا عمر سے شادی کرنے کے بارے میں جعفر بن محمد صادقؒ سے جو دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے زبردستی چھینی گئی۔ یہ مشاکل روایت صادقؒ سے ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے زبردستی چھینی گئی تھی۔ جب عمرؓ نے ام کلثوم کو مانگا تو علی متفکر ہوئے اور کہا کہ اگر منع کروں تو یہ مجھے قتل کر دیگا اور اگر میں اسے قتل کر دوں تو اپنے نفس کی خاطر رسول اللہ کی اطاعت سے خارج ہوتا ہوں اس حالت میں سر تسلیم خم کر کے اس کام کو اللہ کے حوالے کر دیا اور معلوم ہے کہ عمرؓ مسلمانوں کا مال غصب کیا حق کے بانٹنے سے انکار کیا رسول اللہ کی جگہ بیٹھا احکام الہی میں تغیر کیا اور یہ تمام امور اللہ کے نزدیک ایک شرمگاہ غصب کرنے کی بہ نسبت زیادہ قبیح ہیں اس لئے علی نے صبر کیا۔

نجا او دانستہ بود کہ آنچہ عمر غصب کرد از اموال مسلمانان خوار تر کا ہے کہ وار انکار حق اولاد و عود بجای رسول خدا و تغیر احکام الٰہی و تبدیل فرائض خدا چنانچہ گزشت اعظم ست نزد حق تعالیٰ و اقطع و اشنع ست از اغتصاب این فرج پس تسلیم کرد و صبر نمود) اور علاوہ اس کے اور طرق متکثرہ سے ثبوت ان الفاظ کا ہوتا ہے پس علامہ کشمیری کا بر تقدیر تسلیم صحت کہنا صرف دھوکہ دینا ہے جو کہ شعار قدیم علما متقدمین شیعہ کا ہے اگر یہ الفاظ امام نے نہیں فرمائے اور ان کی کتابوں میں مذکور نہ تھے تو چاہیے تھا کہ صاف انکار کرتے اور اگر مذکور تھے تو اس کا اقرار کرتے بر تقدیر تسلیم صحت کہنا کیا معنی۔ غرض اس حدیث کی صحت میں کچھ شک و شبہ نہ رہا اب ہم توجیہ اور تاویل علماء شیعہ کی جو اس لفظ کی نسبت ہے بیان کرتے ہیں علامہ کشمیری نزہہ میں لکھتے ہیں کہ (مراد آنحضرتؑ ازیں کلام آنست کہ این نکاح اول نکاحیست کہ از خاندان عالیہ بغیر طیب خاطر اولیا بطریق اجبار و اکراہ بنا بر مصلحت وقت واقع شدہ و سبب وقوع آں باجبار و اکراہ تعبیر از آں بغصب فرمودہ اند و دریں معنی ہیچ گونہ شناعتی نیست دمع وضوح المرام لا عبرۃ بالالفاظ عقد نکاحیکہ بغیر طیب خاطر باشد اصلاً مستلزم زنا نیست خلاصہ اس توجیہ کا یہ ہے کہ غصب بمعنی عدم رضا کے ہے اور مطلب (اول فرج غصب منا) جو امام نے فرمایا ہے یہ ہے کہ یہ پہلا نکاح ہے کہ خاندان اہلبیت اطہار سے بلا رضامندی ولی کے بجبر و اکراہ ہوا اور لفظ غصب مستلزم زنا نہیں ہے لیکن یہ توجیہ بجائے خود نہیں ہے اس لئے کہ اگر یہ معنی حضرت امام کے دل میں تھے تو چاہیے تھا کہ انہیں لفظوں میں ادا فرماتے نہ کہ ایسا لفظ کہ یہ ادحاشا جنابہ عن ذالک) زبان پر لاتے پس لفظ غصب کا فرمانا اور عدم رضا مراد لینا بلا وجہ الفاظ کو ان کے حقیقی معنی سے پھیرنا ہے۔ علاوہ بریں جو نکاح صحیح نہ ہو وہ مستلزم زنا ہے اور از روئے کتب معتبرہ امامیہ کے مثل غنیہ اور تبصرہ اور کنز العرفان اور غایۃ المرام وغیرہ کے ثابت ہے کہ نکاح مومنہ کا ساتھ ناصبی کے درست نہیں ہے پس جب ایک مومنہ کا نکاح ایک عام ناصبی کے ساتھ درست نہ ہو تو کیونکر نکاح قدوۂ مومنات بنت بضعۂ سرور موجودات کا ایک

۱؎ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ خاندان عالیہ میں یہ وہ پہلا نکاح ہے جو اولیا کی خوشی کے بغیر جبر کے سبب صرف وقتی مصلحت کے پیش نظر واقع ہوا اور اس جبر و ستم کو غصب کے الفاظ دیئے گئے ہیں اور یہ معنی مراد لینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ۲؎ توجیہ کے بعد الفاظ کا تکلف بیکار ہے اور مقصد کلام واضح ہے کہ رضامندی کا خوشی کے بغیر جو نکاح ہو اسے زنا نہیں کہا جا سکتا۔

کافر یا منافق کے ساتھ درست نہ ہوگا۔ یہ فرمانا علامہ کشمیری کا کہ در یں معنی ہیچ گونہ شناعتی نیست، انہیں کو زیبا ہے بلاشک نزدیک عبداللہ بن سبا یہودی کے مقلدین کے جو کہ لباس محبت اہل بیت میں چاہتے ہیں کہ اصول و فروع شریعت مصطفوی کو برہم کریں اور بیخ اسلام و دین محمدی کو اکھیڑ دیں اور خوارج اور نواصب سے بھی گوئے سبقت لیجاویں اور زخارف دنیوی پیرائیہ مداہنۃ اور تقربت میں تحصیل کریں بے شک یہ امر کب بعید، معلوم ہوگا کہ رسول کی نواسی فاطمہ زہرہ کی بیٹی حسن مجتبٰی کی بہن ایک رئیس مرتدین اور ہر گروہ منافقین کے گھر میں غصب سے جاوے اور وہ غاصب جو چاہے سو کرے اور پھر بھی نہ شیر خدا نہ حسن مجتبٰی نہ شہید کربلا کچھ چوں و چرا کریں اور ایسے واقعہ ہوش ربا کا تماشا دیکھتے رہیں ورنہ ہم سے ناقص ایمان والوں کے تو ایسے سانحے کے سننے سے ہوش حیران ہوتے ہیں اور ہمارے ضعیف دل زبان حال سے الاماں الاماں پکارتے ہیں ہم، حضرات شیعہ کیسی محبت کہاں سے لاویں کہ خود ہی امام کی زبان سے اوّل فرج غصبت منا، کی روایت کریں اور پھر خود ہی اسکی نسبت ہیچ گونہ شناعتے نیست کا کلمہ زبان پر لادیں اور ایسے الفاظ ناملائم اور نامناسب کو سن کر شادیانے خوشی اور فرحت کے بجادیں اور اپنے دین و ایمان کے دعوی میں ثابت قدم رہیں اور ہرگز اس کو خلاف شان ائمہ کے نہ سمجھیں اور اس سے ان کی فضیلت و عزت میں کچھ خلل کا خیال بھی نہ کریں فقط بعد اس کے علامہ کشمیری فرماتے ہیں کہ اہر گاہ جابرے شخصے را در طلاق دادن زوجہ اش اجبار نماید در عرف می گویند غصبت زوجۃ باوصف آں اگر جابر بعقد نکاح بآں زن بکند نزد امام اعظم ابو حنیفہ کوفی زنا متحقق نمی شود و آں جابر زانی نیست، معلوم نہیں کہ علامہ کشمیری نے بایں علم و عقل اس جملے کے لکھنے سے جواب عبارت تحفہ کا کیا تصور فرمایا ہے اس لئے کہ الزام شاہ صاحب قدس سرہ کا مطابق اصول شیعہ کے ہے نہ موافق اصول حنفیہ کے پس ان کو اپنے اصول پر جواب دینا چاہیئے امام ابو حنیفہ کے اصول پر نظر کرنے سے کیا حاصل اگر وہ فقہی مسائل میں ابو حنیفہ کے قول پر چلنا چاہتے ہیں اور سوا اُس کے دوسرا چارہ اس بلائے جانکاہ سے نکلنے کا نہیں دیکھتے تو دل ما شاد چشم ما روشن و فروع حنفیہ کو اختیار کریں اور اس پر عمل فرمادیں لیکن صرف فروع کو لینا اور اصول

لہ جبہ کوئی ستم گر کسی شخص کو مجبور کرے کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو ان سے موقع پر کہتے ہیں کہ اس کی بیوی غصب کرلی گئی۔۔۔ وہ ستمگر اس عورت سے نکاح کرنے تو امام اعظم ابو حنیفہ کوفی کے نزدیک یہ زنا نہیں ہے اور وہ ستمگر زانی نہیں کہلائیگا

وعقائد کو چھوڑنا کار آمد نہیں ہے پس ایک کلمہ کہہ کر حنفیہ کے شریک ہو جاویں اور خلافت فاروقی کا اقرار کرنے لگیں پس نہ کچھ جھگڑا رہے نہ قصہ نکاح کے ہونے کو بھی تسلیم کرلیں اس کے نسبت الطیبات للطیبین پڑھنے لگیں ورنہ جب کہ موافق مذہب امامیہ کے نکاح مومنہ کا ساتھ نواصب کے جائز ہی نہیں ہے تو بیچارے ابو حنیفہ کے قول سے ان کو کیا فائدہ ہوگا بلکہ اگر کوئی روایات حضرت شیعہ کو دیکھے تو اس کو شناعت اس فعل قبیح کی جس کو ہم اول فرج غصبت منا سے تعبیر کیا ہے معلوم ہووے کہ شیخ صدوق نے معانی الاخبار وغیرہ میں معاذ اللہ معاذ اللہ توبہ توبہ نقل کفر کفر نباشد حضرت عمر کو ولد الزنا قرار دیا ہے اور اس کی سند امام تک پہنچائی ہے کما قال فی معانی الاخبار (حدثنا علی بن احمد بن موسیٰ رضی اللہ عنہ قال حدثنا محمد بن ابی عبد اللہ الکوفی عن موسیٰ بن عمران النخعی عن عمہ الحسین بن یزید النوفلی عن علی بن ابی حمزہ عن ابی بصیر قال سالتہ عما روی عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ان ولد الزنا شر الثلثۃ قال علیہ السلام عنی بہ الاوسط انہ شر من تقدمہ وممن تلاہ) یعنی ابی بصیر روایت کرتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حضرت اس حدیث پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کیا معنی ہیں کہ (ولد الزنا شر الثلثۃ) کہ ولد الزنا تینوں میں سے بدتر ہے امام نے فرمایا کہ مراد اس سے عمر ہے کہ وہ اپنے پہلے یعنی ابو بکر سے اور اپنے پچھلے یعنی عثمان سے بھی بدتر ہے اور تینوں سے زیادہ برا ہے پس جب ایسے ناپاک مذہب کے معتقدین ائمہ کی طرف ایسی تہمت کریں اور ان کی زبان سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اولاد زنا سے ہونا بیان کریں ونعوذ باللہ منہ تو اگر بنت فاطمہ کا ایسے شخص کے ساتھ نکاح ہونے کو امام کی زبان سے بالفاظ (اول فرج غصبت منا) کے لفظوں سے ادا کر کے مصداق سواد الوجہ فی الدارین نہ ہوں تو کیا کریں لیکن ہم اس امر کو بھی تسلیم کریں کہ موافق اصول شیعہ کے لفظ کفر کا اطلاق حضرت عمر پر نہیں ہوتا اور ان کا مظہر اسلام اور متمسک بہ تمام شریعت ہونا ثابت ہوتا ہے اور اس بات کو بھی فرض کرلیں کہ ان کے مذہب میں نکاح کر دینا ساتھ ناصبی کے مومنہ اور عارفہ کا بھی جائز ہے لیکن حضرات شیعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نفاق وبدعت سے کیونکر انکار کریں گے اور ان کے مومن اور مخلص اور تابع سنت ہونے کو کیونکر قبول کریں گے اگر وہ یہ قبول کرلیں کہ حضرت عمر منافق تھے نہ بدعتی بلکہ سچے مومن اور پکے تابع سنت تھے فنعم الوفاق اگر اس کو نہ مانیں تو سب توجیہات جو معاملہ نکاح ام کلثوم میں کی ہیں عبث اور فضول اور بیکار ہوئی جاتی

ہیں اس لئے کہ جو شناعت نکاح میں ساتھ کافر کے ہے اس سے بڑھ کر قباحت نکاح
میں ساتھ منافق کے ہے چنانچہ خود صاحب تحفہ اثنا عشریہ نے اس کا اقرار کیا ہے
اس مضمون کو ان لفظوں سے ادا فرمایا ہے (قال الفاضل الناصب[1] چہارم آنکہ گویند کہ
حضرات بنات واخوات خود را بکفرۂ فجرہ بزنی میدادند مثل حضرت سکینہ کہ در نکاح مصعب
بن زبیر بود وعلی ہذا القیاس دیگر قریبان خود را در عقد کفرہ ونواصب در آوردند چنانچہ در
در کتاب الٰہیات بہ تفصیل شروح است اقول وبہ نستعین اگر مراد از کافر دو قول را گویند
حضرات بنات واخوات خود را بکفرہ فجرہ می دادند مشرک ست ایں قول کذب محض ست
چہ ہیچک از امامیہ قائل بایں قول نیست واگر مراد از ان متبدع ست بہ بدعتے کہ منجر بہ کفر صاحبش
نشود کہ اورا کافر تناول گویند یا منافق کہ مظہر اسلام ومتمسک بہ سائر شریعت باشد مسلم
ومحذوری ندارد بہ فحوای ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا الآیۃ ممنوع ومحرم النکاح با مشرک
ست وبر حرمت مطلق النکاح بمتبدع کذائے وتزویج با منافق دلیلی قائم نیست قیاس یکی
بر دیگری مع الفارق چہ منافق اگرچہ جرمش در حقیقت عظیم ترست وفسادش در شریعت
شدید تر وبہ فحوای ان المنافقین فی الدرک الاسفل در عقبیٰ بعقوبت الیم گرفتار ست لیکن،
حکمت الٰہیہ داعی ومقتضے آں شد کہ احکام مشرکین ومنافقین در دار دنیا از ہم ممتاز باشد
واز انجاست کہ مشرکین را بہ فحوای فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم معاقب وما خوذ گردانیدہ

[1] فاضل ناصب نے کہا ہے کہ ائمہ نے اپنی بیٹیاں اور بہنیں کافروں اور فاسقوں کو دیں جیسے حضرت سکینہ کی شادی مصعب
بن زبیر سے کی وغیرہ وغیرہ اور اپنے دوسرے رشتہ داروں کا کافروں اور سنیوں سے عقد کیا جس کی تفصیل کتاب الٰہیات میں ہے اس
کا جواب میں یہ دیتا ہوں کہ اگر کافر سے مراد دو قول آدمی تو ائمہ نے اپنی بیٹیاں اور بہنیں کافروں وفاجروں کو دیں اور ایسے
اور ایسے لوگوں کا مشرک ہونا بالکل غلط ہے کیونکہ کوئی شیعہ امام اس کا قائل نہیں اور اگر کافر سے ایسا بدعتی مراد لیا
جو بدعتوں کی وجہ کا فرنہ ہوا ہو تو ایسے شخص کو کافر تناول یا منافق کہتے ہیں جو بظاہر مسلمان اور احکام شریعت بجالاتا ہو
صرف مشرکین سے نکاح کرنا حرام ہے اور بدعتی یا منافق کیساتھ نکاح حرام ہونے کی کوئی دلیل نہیں ان میں سے
ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا قیاس فارق ہے اگرچہ منافق بہت بڑا اور شریعت میں اس کی فساد انگیزی سخت بڑا
کام ہے اور منافق آخرت میں دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ لیکن حکمت خداوندی نے مشرکین ومنافقین کے
احکام دنیا میں علیحدہ مقرر کئے ہیں اور مشرکین کی بابت حکم الٰہی ہے کہ انہیں جہاں پاؤ قتل کر دو اس کے بر
خلاف منافقوں کو اس حضور سے نجات دی ہے۔

منافقین رالازیں ورطہ نجات بخشیدہ ، اس تحریر پر علامۂ کشمیری کی ہم ان کا دل و جان سے شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی ممنونی ظاہر کرتے ہیں کہ جو بات ہم کو لکھنی چاہیے تھی وہ خود علامہ ممدوح نے لکھ دی اور جو تکلیف ہم کو کرنی پڑتی وہ خود گوارا فرمائی اور ان فقروں کو لکھ کر کہ (منافق[1] اگرچہ جرمش در حقیقت عظیم تر است و فسادش در شریعت شدید تر) ہماری طرف سے خود ہی جواب دے دیا لیکن ہم محو حیرت ہیں کہ علامہ ممدوح نے صاحب تحفہ قدس سرہ کے اعتراض کے جواب میں اس تحریر سے کیا فائدہ خیال کیا اس لئے کہ ان کا اعتراض اس پر ہے کہ شیعوں کے نزدیک حضرات علیہم السلام نے اپنی بیٹیاں کافر کو دی ہیں علامہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ نہیں کافروں کو نہیں دیں بلکہ منافقوں کو اس پر ہمارا یہ جواب ہوتا ہے کہ نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے حرام ہونے پر کوئی دلیل عقلی نہیں ہے بلکہ صرف قباحت شرعی ہے اور وہ قباحت منافق کے ساتھ نکاح کرنے میں بھی موجود بلکہ کچھ زیادہ ہے وہ خود حضرت نے فرما دیا پس اب اہل انصاف غور کریں کہ اعتراض صاحب تحفہ کا اس سے اور مدلل ہو گیا یا ان کا اعتراض اس جواب سے اٹھ گیا۔ باقی رہا یہ امر کہ احکام منافقین کے بہ نسبت کافروں کے ظاہر شریعت میں سخت نہیں ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ منافق ظاہر میں اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور احکام شریعت ظاہر پر جاری ہیں اس لئے وہ قتل وغیرہ سے محفوظ ہیں اور اس کا سبب یہ ہے کہ کوئی شخص سوائے خدا کے علم غیب نہیں رکھتا جو دل کا حال جانے پس شریعت نے نظر بر ظاہر اسلام ان کے قتل کا حکم نہیں دیا لیکن موافق اصول شیعہ کے ائمہ کرام کو علم ما کان وما یکون حاصل ہوتا ہے اور امور پوشیدہ ان پر روشن ہوتے ہیں اور حالات قلوب بنی آدم ان پر ظاہر ہوتے ہیں پس ان کو منافقوں سے احتراز کرنا اور ان کو ذلت دینا اور ان سے عداوت رکھنا اور ان سے قرابت نہ کرنا بلکہ اگر وہ کسی دینی کام میں مدد کرنا چاہیں تو ان سے اعانت نہ لینا اور ان کو کسی دینی کام میں شریک نہ کرنا واجب و لازم ہے چنانچہ جن منافقوں کا نفاق پیغمبر صاحب کے سامنے کھل گیا تھا یا جن کے نفاق کی خبر خدائے جلشانہ نے حضرت کو دے دی تھی ان کے ساتھ اسی طرح پر برتاؤ کرنے کے لئے آیات قرآنی نازل ہوئیں اور ان کے لئے سخت احکام صادر ہوئے بلکہ جس طرح پر جہاد کرنے کا حکم اوپر کفار کے ہوا اسی طرح پر اوپر منافقوں کے ہوا جیسا کہ اللہ جل شانہ فرماتا

---

[1] منافقین کے کرتوت اگرچہ در حقیقت بہت برے اور شریعت میں اس کی فساد انگیزی شدید ترین جرم ہے۔

یٰایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم وماواھم جہنم وبئس المصیر کہ اے پیغمبر جہاد کر کافروں کے اور منافقوں کے اور نہایت سختی کر اوپر ان کے اور جگہ ان کی جہنم ہے۔ غرض جب ان منافقوں کا جن کا نفاق کا حال معلوم ہو گیا حال مثل کفار کے ہوا اور جہاد بھی ان پر غلظت اور شدت بھی مثل کفار کے کرنے کا حکم ہو تو پھر نکاح میں درمیان کفار کے اور ان منافقوں کے کیا فرق رہا اب سوائے اس کے کہ یا حضرات شیعہ حضرت عمر کو منافق نہ کہیں یا ور پھر اس کلمہ مکفر کے کہنے سے باز آویں یا اس نکاح کو حرام جانیں دوسرا کوئی علاج نہیں ہے۔

اور یہ علماء شیعہ نے اس معاملے میں عوام کے فریب دینے کو اور جاہلوں کے سمجھانے کو بہت ہی فریبی کی تقریر کی ہے اور حضرت عمر کو مظہر اسلام کہہ کر اس نکاح کا جواز ثابت کیا ہے لیکن فریب ذرا سی بات میں کھلا جاتا ہے اور یہ سب تو رطبہ ان کا ایک ادنیٰ بات میں ہباءً منثورا ہو جاتا ہے یعنی ہم ایک استفتا کرتے ہیں اس کا فتویٰ لکھ دیں اور جو بات ہم پوچھتے ہیں اس کے جواب میں صرف لا یا نعم فرما دیں وھو ہذہ (کیا فرماتے ہیں جناب قبلہ و کعبہ ان دو مسئلوں میں جن میں سے پہلا یہ ہے کہ ایک منافق جس نے خدا کی کتاب میں تحریف کی جس نے پیغمبر کی سنت کو بدلا جس نے حضرت فاطمہ علیہا السلام کا حق غصب کیا جس نے معصومہ کے جسم پر ایسا صدمہ جسمانی پہنچایا کہ اس سے معصوم بچہ شہید ہوا اور جس نے سیدۃ النساء کا حق نہ دیا اور ان کو جھوٹھا جانا اور ان کا دعویٰ ارث پدری کا نہ سنا اور جس نے امیر المومنین علی علیہ السلام کا حق غصب کیا اور جس نے ان پر جبر و ظلم کیا وہ ایک مومنہ عارفہ کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہے جائز ہے یا نہیں۔

(دوسرا مسئلہ) ایک مومنہ نے جس کو خدا نے ذاتی شجاعت و شرافت میں یکتائے روزگار پیدا کیا اور جس کے بازو کو قوت اور طاقت قلعہ شکنی کی دی اور جس کو جرأت دس ہزار جنگی سوار کے ساتھ لڑنے کی دی ہے اپنی بیٹی مومنہ عارفہ کا نکاح ایک منافق مرتد غاصب خائن کے ساتھ صرف اس کی تہدید بد زبانی پر کر دیا اس کی نسبت کیا حکم شرعی ہے آیا وہ گنہگار ہوا یا نہیں اور اگر ایسے استفتاء پر فتویٰ دینے میں بھی چوں و چرا کو جناب قبلہ و کعبہ دخل دیں اور صاف جواب نہ دیں تو ان سے ہم ایک صاف مسئلہ پوچھتے ہیں اسی کو لکھ دیں (کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع متین کہ نکاح مومنہ کا ساتھ سنی ناصبی کے جائز ہے یا نہیں) پس جو کچھ جواب اس کا لکھ دیں وہی تمام اس بحث کے طے کرنے کے لئے کافی ہے پھر نہ

کیسی توجیہ کی حاجت ہے نہ کسی تاویل کی ضرورت ہے ایک دو حرفی فتوے پر مدار اس تمام قصے جھگڑے کے فیصلے کا ہے پس اے حضرات شیعہ بنظر عنایت اس سوال کا جواب لکھ دو اور اس جھگڑے قصے کو مٹیو شعر۔

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا ۔۔۔ بس ایک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

بعد اس کے علامہ کشمیری بجواب تحفہ کے فرماتے ہیں لا استبعاد ذکر فرج مستور الاسم والمسمی برزبان اکابر در کمال استعجاب ست و در واقع تراشخاشیست کہ ہیچ خرنہ نماید چہ در کلام الٰہی کہ چند جا ذکر ایں عضو مستور الاسم والمسمی جاری شدہ و حضرت عائشہ صدیقہ در مجالس و محافل نام عضو مخصوص حضرت سرور عالم علیہ السلام کہ مستور الاسم ست بزبان می برند الخ۔ اس تقریر سے مطلب علامہ کشمیری کا یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ فرمانا کہ لفظ فرج کا زبان پر امام کے آنا خلاف شان بزرگی ہے موجب تعجب ہے اس لئے کہ خدا کے کلام میں یہ لفظ مذکور ہوا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عضو مستور الاسم کا نام لیا ہے تو پھر امام نے اگر لیا تو کیا گناہ کیا فقط جواب اس کا یہ ہے کہ یہ نافہمی اور نادانی حضرت علامہ کی ہے اس لئے کہ آیات اور حدیث میں اگر نام اس عضو کا ہے تو مسائل شرعیہ کے بیان میں یا ستائیش مومنین کے مقام پر ہے نہ کہ ایسے موقع محل پر جو محل نزاع ہے اور مسائل شرعیہ کے بیان میں ایسے الفاظ کی ضرورت ہوتی ہے تو اس کے بیان کا ایک سبب خاص ہے ہاں اگر شاہ صاحب ان احادیث و اخبار امامیہ پر طعن کرتے جن میں واسطے بتانے مسئلہ شرعی کے اس عضو کا نام لیا گیا ہے تو یہ معارضہ یا تمثیل صحیح ہوتا حالانکہ صدہا احادیث امامیہ میں ائمہ کرام کی زبان سے اس عضو کا نام مذکور ہے اور شاہ صاحب نے کسی پر کچھ اعتراض نہ کیا اور اس محل خاص پر جو اعتراض کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اراذل عوام کو بھی اس قدر غیرت اور حیا ہوتی ہے کہ اگر کوئی ان کی جورو یا بیٹی کو لے جاوے تو وہ ایسا لفظ زبان پر نہ لاتے تھے اور اپنی جورو یا بیٹی کی نسبت شرمگاہ کے غصب کر لینے کا لفظ زبان پر نہیں لاتے تو کیونکر ممکن ہے کہ جناب امام نے ایسا لفظ زبان سے نکالا ہو بلکہ اگر فی الواقع یہ نکاح بجبر و اکراہ ہوا تھا اور بوجہ مظہر اسلام اور متمسک بہ شریعت

لہ شاہ صاحب کا یہ قول کہ امام کی زبان پر لفظ فرج آنا بعید از قیاس ہے اور ہمیں شاہ صاحب کے اس قول پر تعجب ہے اور یہ بیہودہ بکواس ہے جسے کوئی گدھا تک نہیں کہتا واقعہ یہ ہے کہ قرآن میں کئی جگہ لفظ فرج ذکر آیا ہے اور حضرت عائشہ نے اپنی زبان سے رسول اللہ کے عضو مخصوص کا کئی مجلسوں اور محفلوں میں ذکر کیا ہے۔

ہونے عمر کے شرعاً ایسا نکاح کر دینا جائز تھا نہ کہ اس عبارت والفاظ کو چھوڑ کر ایسا گرِ یہ لفظ جس کے ہزار معنی بنائے جاویں مگر سمجھنے والے اور ہی کچھ سمجھتے ہیں زبان پر لاتے اور اس تقریر کا جواب خدا کے کلام میں اس لفظ کے ہونے یا حضرت عائشہ کے بنظر ضرورت مسئلہ شرعی کے اس لفظ کو زبان پر لانے سے نہیں ہوتا ایں ہذا من ذالک (تمیر اقول) بعض علماشیعہ نے یہ خیال کر کے کہ نکاح کے ہونے سے انکار کرنا اپنی احادیث واخبار کی کتابوں پر خط نسخ کھینچنا ہے اور روایت۔ ذالک فرج غصب منا کہ جو خاص کلینی نے کافی میں امام صادق علیہ السلام کی حدیث کر کے لکھی ہے غیر صحیح کہنا امام کو جھٹلانا ہے اور اس کو بغیر توجیہ و تاویل کے تسلیم کرنا عقل اور ایمان اور عزت سے ہاتھ اٹھانا ہے اس لئے اس کے معنی بنانے اور الفاظ کو حقیقت سے مجاز کی طرف پھیرنے پر آمادہ ہوتے جب اس کو بھی بے سود دیکھا اور اس سے بھی کچھ مطلب حاصل نہ ہوا تب دوسری طرح کی تاویلات دور از کار کے جانب توجہ فرمائی اور صبر، ود وصیت اور تقیہ سے پناہ لی چنانچہ ہم ہر ایک تاویل کو بہ تفصیل بیان کرتے ہیں۔ (پہلی تاویل صبر) بعض علماشیعہ نے فرمایا ہے کہ جو معاملہ جناب امیر کو پیش آیا اکثر انبیا اور اولیا کو ایسے معاملے پیش آئے ہیں اور انہوں نے صبر فرمایا ہے اور اس سے ان کے درجات خدا نے بڑھائے ہیں جیسا کہ حضرت لوط پر بھی ایسا ہی واقعہ گزرا ہے چنانچہ حضرت لوط کے پاس جب فرشتے آدمی کی صورت ہو کر آئے اور ان کو کچھ شبہہ ہوا تو انہوں نے اپنی بیٹیاں ان کے سامنے کر دیں اور کہا کہ یا قوم ہولاء بناتی ہن اطہر لکم کہ یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں تمہارے واسطے اور یہ اچھی ہیں تمہارے لئے اور کہ صاف فرمایا کہ ہولاء بناتی ان کنتم فاعلین کہ یہ میری بیٹیاں موجود ہیں اگر تم کو کچھ کرنا ہے کر د پس تعجب ہے کہ جب حضرت لوط پیغمبر خدا نے اپنی بیٹیاں سامنے کر دیں اور ایسا کلمہ اپنی زبان سے کہا کہ اگر کرنا ہے تو یہ بیٹیاں حاضر ہیں اور اس کا ثبوت آیات قرآنی سے ہوتا ہے تو پھر ناصبیوں کا یہ اعتراض کہ حضرت امیر نے کیوں اپنی بیٹی عمر کو دے دی تھی اس پر بیجا ہے جو جواب ناصبی حضرت لوط کے معاملے کا دیں گے وہی ہم مومنین کی طرف سے خیال کریں فقط چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری نے مصائب النواصب میں اور علماء شیعہ نے اپنی کتابوں میں اس کو لکھا ہے اور علاوہ اس کے حضرت ابراہیم اور حضرت آسیہ زن فرعون کی بھی مثالیں دی ہیں چنانچہ ہم ان سب کو لکھ کر اس کا جواب دیں گے۔

بالفعل بہ نسبت صبرِ جناب امیر کے جو کچھ حضرات نے فرمایا ہے اس کو ہم ایک کتاب سیفِ صارم سے جو بعد ملاحظہ جناب مجتہد صاحب کے ۱۲۶۷ھ ہجری میں مطبع جعفریہ یعنی مطبع اثنا عشریہ میں چھپی ہے نقل کرتے ہیں گویا مولف نے اپنے تمام مجتہدین و علما کے اقوال کا خلاصہ اس میں لکھا ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ اس کو غور سے دیکھیں اور اس بیچارے مولف کی اور ان کے مجتہدین و علما کی حیا و شرم کی داد دیں اور ان کے حق میں احسنت و آفرین کہیں وہو ہذہ بلفظہ (تواب کالشمس فی وسط النہار ظاہر و ہویدا ہے کہ ایسی صغیر سن معصومہ کا نکاح ایسے شخص مظہر الاسلام اور مظہر اور مقرر کلام مرقومہ سے قربت و وصلت کا بھی مفید نہیں صرف ظہور اجبار شیخ فانی تھا اور اذیت رسانی اور مضطر کرنا اور بظاہر تہتک پہنچانا نفس رسول کو اور مظہر اتمام حجت اور ثبوت غلبہ غالب کل غالب تھا نفس پر کہ اگر چہ در حقیقت قربت معصومہ طاہرہ یعنی وقوع اتصال و مواصلت جو کہ ظاہر میں غایت مناکحت ہے بموجب اقرار شیخ فانی اور ہم بسبب صغیرہ ہونے معصومہ کے ممتنع الوجود یقینی تھا اور بلحاظ ظاہر کے بھی اور باعتبار باطن کے از روئے علم باطنی کے بھی حضرت متولی پر ہویدا تھا اور مظہر الاسلام بظاہر مقرر رسالت و شرائع رسول انام سے قطع نظر اس کے بھی مناکحت ممنوع شرعی نہیں تھی لیکن باعتبار ظاہر حال بنظر خواص و عوام البتہ کمال ہتک حرمت ولی خدا ظاہر کہ ایک سنگین بیٹی ایسی صغیرہ کا باوصف دامادی اور ابن عمی رسول اور ملقب ہونے ساتھ نفس رسول کے اور خیبر گیر اور غالب کل غالب ہونے کے اور مخاطب بہ لافتی الا علی لاسیف الا ذوالفقار ہونے کے ایک شیخ فانی سے نکاح کرنا اور باوجود در پیشی استعداد اعتدال و تکرار کے ایسے سید عرب و عجم امیر المومنین کہ اس لقب کے خود صدیق و فاروق و صدیقہ تواصب تک گواہ ہیں لوگوں کی نظر میں ایک شیخ نو مسلم ظاہری سے مغلوب دکھائی دینا اور مجبور کہلا دیں حتی کہ بیٹی حوالہ کر دیں کہ نفس سرکش کسی بشر کا ہرگز باوصف ظہور علیے اباحت شرعی کے بھی اس ہتک کو نہیں گوارا کر سکتا سوائے انبیا و اوصیا کے کہ صبر و رضا حضرات علیہم التحیۃ والبرکات بہ عطائے حضرت کبریا انھیں پر ختم ہے کہ باوصف عطائے قوت و معجزہ صبر و تحمل بھی ایسا ہی ان کو عطا ہے یہ استعداد اور حوصلہ کسی اور بشر کو نہیں حاصل کہ نفس پر اتنا غلبہ ہو سکے کہ انتہائے مرتبہ اور غایت کمال ہے غالب کل غالب ہونے کا) اے مسلمانوں کہاں ہو کس نیند میں سو رہے ہو ذرا چونکو ہوش میں آؤ اٹھو کر

بیٹھو اس بچہ نادان مؤلف سیف صارم اور اس کے پیران نابالغ یعنی مجتہدین و علمائی عقل و حیا پر توجہ کرو ان کے ایمان اور انصاف کے جانے پر مرثیہ پڑھو ان کے حال زار پر رحم کرو دیکھو کہ کیسی عقل و حیا ان کی جاتی رہی ہے کہ عیب کو ہنر کرکے دکھلاتے ہیں اور پردے میں محبت اہلبیت کے ان کی شان میں کیا کچھ بکتے ہیں جس کے سننے سے بدن میں رعشہ جس پر خیال کرنے سے دل کو لرزہ ہوتا ہے خیال کرو کہ بے عزتی کو شجاعت کہتے ہیں بے حیائی کو صبر سے تعبیر کرتے ہیں اے یارو یہ کیسے دوست اہل بیت کے ہیں کہ ان حضرات عالی درجات پر جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی جن کی عصمت و عفت پر پاک نے قسم کھائی ان کی نسبت کیا کیا کہتے ہیں اے بھائیو صبر اسی کا نام ہے ایک منافق بیٹی کو غصب کرے اور بجبر و اکراہ نکاح ناجائز کرا لے اور حضرات علیہم السلام بیٹھے بیٹھے دیکھا کریں اور سوائے سکوت کے زبان سے بھی کچھ نہ فرماویں اور باوصف عطائے قوت معجزہ و کرامات کے صبر و تحمل کو کام فرماویں خدا کی قسم ہے کہ میں تعصب کو دخل نہیں دیتا اپنے مذہب پر خیال نہیں کرتا بلکہ صرف عقل و حیا سے پوچھتا ہوں کہ جس کا نام حضرات شیعہ نے صبر رکھا ہے اور جس حالت کو صبر و تحمل سے تعبیر فرمایا ہے حقیقت میں وہ صبر و تحمل ہی ہے یا اس کی اور کچھ حقیقت ہے میری سمجھ میں تو یہی آتا ہے کہ انہوں نے وقاحت اور بے عزتی کا نام صبر و تحمل رکھا ہے اور محبت کے حیلے سے اہل بیت اطہار کو ذلیل کیا ہے نعوذ باللہ یہ کیا خرافات ہے جو شیعہ لکھتے ہیں ابھی کسی ادنیٰ عامی کے گھر جا کر کوئی شخص گر وہ شجاعت میں بے نظیر اور قوت میں لاثانی اور مال و دولت میں لاجواب ہے اس کی بیٹی سے بجبر و اکراہ نکاح کرنے کا قصد کرے پھر تماشہ دیکھے کہ وہ عامی چپ چاپ رہتا ہے یا اپنی جان و عزت پر قربان کرتا ہے معلوم نہیں کہ حضرات شیعہ نے امیر المومنین یعسوب الدین صاحب ذوالفقار جد ائمہ اطہار کی عزت اور ہمت اور شجاعت کو ادنیٰ آدمی کے برابر بھی خیال نہیں کیا اور وقاحت کو نام صبر و تحمل کے قرار دیا ہے اور طرفہ ماجرا یہ ہے کہ ایسی وقاحت کی باتیں ان کی طرف منسوب کرتے جاتے ہیں اور ایسے الزام ان کو دیتے جاتے ہیں اور پھر بھی ان کو غالب کل غالب مطلوب کل طالب امیر البررة قاتل الکفرة والفجرة سید الابرار مخاطب بہ لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار کہتے ہیں جاتے ہیں نہ خدا سے شرماتے ہیں نہ رسول کا لحاظ کرتے ہیں حقیقت میں دین و ایمان کو حضرات شیعہ نے بگاڑا اور شریعت محمدی کو انہوں نے درہم و برہم کیا اور شیطان کا نام

بدنام ہوا یہ باتیں شیطان کے دادا کو بھی نہ سوجھی ہوں گی جو ان حضرات کو سوجھی ہیں۔ شعر

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں ، مصلحت را تہمتے برآہو چیں بستہ اند

اب میں قصہ لوط کا بھی مختصر جواب لکھتا ہوں اور آیہ کریمہ کی تفسیر بیان کرتا ہوں!
پوشیدہ نہ رہے کہ آیہ مذکور کے یہ معنی نہیں ہیں جو حضرات شیعہ نے تصور کیے ہیں کہ حضرت لوط نے ویسے ہی بلا نکاح اپنی بیٹیاں زنا کرنے کے لئے کسی کے سامنے کر دی ہوں، بلکہ مراد حضرت لوط کی پیش کرنے سے یہ تھی کہ تم ان سے نکاح کر لو اور چونکہ اس وقت نکاح کافر کے ساتھ جائز تھا اس لئے اس میں کوئی قباحت شرعی نہ تھی اسی واسطے حضرت لوط کی طرف سے خدا نے یہ الفاظ فرمائے ہیں ہن اطہر لکم کہ حضرت لوط نے یہ فرمایا کہ میری بیٹیاں تمہارے واسطے پاک و پاکیزہ ہیں اور طہارت بے نکاح کے نہیں ہوتی۔ اگر کوئی شیعہ کہے کہ ہم اس امر کو نہیں مانتے لفظ نکاح کا آیہ میں نہیں ہے یہ جواب اس کے ہم نہیں دیں گے وہ تفسیروں کو ملاحظہ کریں اور سنیوں کی تفسیروں کو نہ دیکھیں اپنی ہی تفاسیر سے اس کی سند لیں چنانچہ امین الدین طبرسی مجمع البیان میں جو کہ نہایت معتبر تفاسیر شیعہ سے ہے اور طہران دار السلطنت ایران میں چھپی ہے اسی آیہ کے ذیل میں فرماتے ہیں (قال یا قوم هولاء بناتی هن اطهر لكم وكان يجوز في شرعه تزويج المومنة من الكافر) کہ حضرت لوط کی شریعت میں نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے جائز تھا۔

اگر کوئی دانشمند شیعہ یہ کہے کہ گو اس آیہ کے ان الفاظ سے مطلب نکاح کا ہو لیکن دوسری آیہ میں تو صاف فعل کرنا مذکور ہے کہ (هؤلاء بناتی ان کنتم فاعلین) کہ حضرت لوط نے کہا کہ یہ میری بیٹیاں ہیں اگر تم کرنے والے ہو تو کر لو اس کے جواب میں بھی ہم انہیں کی تفسیروں پر رجوع کرتے ہیں اور جو ان آیات کا مطلب انہوں نے بیان کیا اس کو نقل کرتے ہیں چنانچہ تفسیر مجمع البیان مذکور میں علامہ موصوف فرماتا ہے (قوله ان كنتم فاعلين كناية عن النكاح اى ان كنتم متزوجين) کہ فعل سے مراد نکاح ہے یعنی اگر تم نکاح کیا چاہو تو یہ میری بیٹیاں حاضر ہیں۔ اگر حضرات شیعہ کو ایک تفسیر پر اطمینان نہ ہو تو دوسری تفسیر کی عبارت بھی سنیں کہ فاضل کاشانی علماء شیعہ سے خلاصة المنہج میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ (گفت[1] لوط ای گروہ من این ہا دختران من اند ایشاں

---

[1] لوط نے ان فرشتوں سے جو آدمیوں کی شکل میں آئے تھے کہا اے لوگو! یہ میری بیٹیاں ہیں تو اور یہ تمہارے (بقیہ اگلے صفحہ)

رانخواہید کہ ایشاں پاکیزہ اند شمار او تزویج دختران بشرط ایمان بودہ یا در شریعت او تزویج مومنات بکفار جائز بود) الحاصل قصہ لوط سے اور واقعہ نکاح ام کلثوم سے کیا مناسبت ہے دونوں میں بڑا فرق ہے حضرت لوط کی شریعت میں نکاح مومنہ کا ساتھ کافر کے جائز تھا اور ان کا کہنا زنا کے لیے نہ تھا بلکہ نکاح کے واسطے تھا اور پیغمبر خدا کی شریعت میں پیغمبر کو نکاح ساتھ کافر کے حرام ہو گیا تھا اور مطابق اصول شیعہ کے دشمن اہل بیت اور ناصبی کے ساتھ بھی نکاح حرام تھا علاوہ بریں حضرت لوط کی بیٹیوں کو کوئی غصب کر کے لے نہیں گیا نہ ان کی عفت و عصمت میں خلل آیا اور یہاں تو معاملہ بر عکس ہے کہ حضرت عمر نے نکاح بھی بجبر کرا لیا جو کہ شرعاً جائز نہ تھا اور پھر ام کلثوم کو اپنے گھر لے گئے اور چند سال تک رکھا اور ان سے اولاد پیدا ہوئی پس دونوں شخصوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اے حضرات شیعہ کہاں تک باتیں بناؤ گے کیا کیا تاویلیں کرو گے جو کچھ کہو گے اس میں جھوٹے ٹھہرو گے جو کچھ تاویل کرو گے اسی سے اہل بیت پر الزام دو گے اس بحث کو اول سے آخر تک دیکھ لو کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں وہ سچ ہے یا جھوٹ اب لاف محبت نہ مارو اور صاف صاف ان کی دشمنی کا اقرار کرو اور اپنے ہر عقیدے اور ہر مسئلے پر غور کر کے انصاف کرو کہ اس سے محبت اہل بیت کی ظاہر ہوتی یا عداوت اگر محبت اہل بیت ہوتی تو کیا ان کے جناب پاک کی نسبت ایسی ایسی وقاحت کی باتیں منسوب کرتے انکی شان میں ایسی ایسی بے غیرتیاں کرتے استغفر اللہ استغفر اللہ۔ شعر

جامی چہ لاف میزنی از پاک دامنی بر خرقۂ تو ایں ہمہ داغ شراب چیست

جو کہ حضرت لوط کے قصے کا بھی جواب بخوبی ہو چکا اب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کا کچھ بیان کرتا ہوں بعض حضرات شیعہ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی سارہ کو بھی ایک بادشاہ نے زبردستی چھین لیا تھا اور اس وقت حضرت ابراہیم سے سوائے صبر و دعا کے کچھ نہ ہوا چنانچہ مولف سیف صارم اس مضمون کو اس عبارت سے بیان کرتا ہے وہو ہذہ بلفظہ (علاوہ اس کے تفسیر عزیزی سے ایک اور مختصر مضمون مقام حاجت ہم لکھتے ہیں زیادہ تفصیل تفسیر مذکور میں وہ دیکھ سکتے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۱۶) سلئے اچھی ہیں مطلب یہ کہ لڑکیوں کی شادی ان لوگوں سے بشرط ایمان لازم کی گئی۔ یہ کہ اس زمانہ میں کافروں سے مومن خواتین کی شادی جائز تھی۔

ہیں کہ ان کے پیر عزیز کی ہے المختصر کہ سارا بی بی حضرت ابراہیمؑ کی کہ بہت خوبصورت تھیں بسبب ظلم و جور اشقیا کے اپنے خاوند ابراہیم کے ساتھ بہ ہجرت نکلیں جب مصر میں پہنچیں تو وہاں کا بادشاہ بہت جبار تھا اس کی عادت تھی کہ جو عورت خوش رو ہوتی تھی اس کے خاوند کو مار ڈالتا تھا اور بھائی بند ہوتا تو اس سے چھین لیتا تھا غرض ان پر بھی وہی نوبت پہنچی کہ پیادے ظالم کے حضرت کے پاس آئے اور پوچھا کہ یہ عورت تمہاری کون ہے حضرت نے کہا کہ بہن ہے یعنی مراد حضرت کے دل میں تھی کہ دینی بہن ہے اور اولاد آدم منصف فہم اس جگہ سے طریقۂ تقیہ اور شعار انبیاء ایسے مقام مجبوری و اضطرار میں خیال کر سکتا ہے کہ اوصیا کو اسوۂ و اقتدا با انبیاء ہوتی ہے اور مومنین کو اسوۂ ان سے تو ناصح صاحب کو اگر کچھ بھی قوت منفعلہ ہو تو سوچیں اور شرم کریں کہ ان کے پیر عزیز خود کیا لکھتے ہیں غرض پیادگان ــــ شاہ مذکور نے ابراہیم کو تو چھوڑ دیا اور حضرت سارہ، خاتون کو زبردستی لے گئے حضرت ابراہیم نے یہ حال دیکھا تو نماز و دعا میں مشغول ہوئے اور حضرت سارا جب اس شقی کے پاس پہنچیں وہ شقی عاشق ہو گیا اور چاہا کہ بے ادبی کرے بالجملہ حضرت سارہ نے دعا کی کہ اس کا حال یہ ہوا کہ دونوں ہاتھ خشک ہو گئے بدحال ہوا انجام کو حضرت سارہ نے دعا کی اچھا ہو گیا پھر بد ذاتی کی پھر وہی حال ہوا غرض، تیسری دفعہ حضرت سارہ کو رخصت کیا اور ہاجرہ حوالہ کیں، ہم اس تحریر پہ بھی آفرین و مرحبا کہتے ہیں اور اس قصے کے اس موقع پر ذکر کرنے پر شاباش شاباش کہہ کر مؤلف کا دل بڑھاتے ہیں کہ اس نے ایسے قصے کو چھیڑا جس سے ہمارا مطلب حاصل ہوتا ہے اور ہم کو ایک حجت ان پر ہوتی ہے لیکن سخت حیرت ان کی عقل اور سمجھ پر ہے کہ اس میں انہوں نے اپنا کیا فائدہ تصور کیا ہے یعنی خلاصہ اس قصے کا یہی ہے کہ حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ کو اس بادشاہ جابر کے آدمی پکڑ لے گئے اور جب اس شقی نے بے حرمتی کرنا چاہی حضرت ابراہیم نے خدا سے دعا کی خدا نے اس کا ہاتھ خشک کر دیا اور ان کی بی بی کی عصمت کو بچا دیا بلکہ ایسا معجزہ دکھایا کہ جس کے سبب سے اس نے ایک لونڈی ہاجرا نذر کی اب کوئی اس قصے کو حضرت ام کلثوم کے حال سے ملا دے کہ مطابق ہے یا مخالف اگر حضرات ام کلثوم کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہوتا کہ جب حضرت عمر ان کو اپنے گھر لے گئے تھے تب حضرت علی خدا سے دعا کرتے اور اللہ جل شانہ حضرت ابراہیم

کی طرح ان کی عصمت بچانے کے لئے عمر کا ہاتھ خشک کر دیتا اور ان کو ڈرا دیتا اور وہ معجزہ دیکھ کر صحیح سالم ام کلثوم کو حضرت علی کے گھر بھیج دیتے بلکہ اپنی طرف سے ایک لونڈی اور پیشکش کرتے اور تقصیر اپنی معاف کراتے تو بیشک قصہ ابراہیم وسارہ کا مطابق ان کے حال کے ہوتا حالانکہ برخلاف اس کے حضرت عمر نے زبردستی ام کلثوم کا نکاح کرالیا اور اپنے گھر آٹھ دس برس تک ان کو رکھا اور ایک بیٹا اور ایک بیٹی بھی ان سے پیدا ہوئی اور ان کے جیتے جی حضرت ام کلثوم ان کے گھر رہیں اور بعد ان کی وفات کے حضرت جعفر طیار کے بیٹے کے ساتھ ان کا نکاح ہوا پس تعجب ہے کہ خدا نے حضرت سارہ کی عصمت بچانے کے لئے تو معجزات دکھلائے بادشاہ جابر کا ہاتھ خشک کر دیا اور حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ بنت رسول کے غصب کا جب ایک منافق مرتد نے ارادہ کیا تو نہ خدا کے دریائے غیرت کو جوش ہوا نہ اس کا قہر و جلال ظاہر ہوا نہ اس نے کوئی معجزہ دکھلایا نہ اس غاصب کا ہاتھ خشک کیا نہ کسی اور طرح پر اپنے رسول کی نواسی کو بچایا پس سوائے اس کے کیا کہا جاوے کہ شیعوں کا خدا بھی عمر سے ڈر گیا اور اس نے بھی خوف کے مارے کچھ دم نہ مارا یا اینکہ اپنے رسول کے وصی کی طرح اس نے بھی صبر کیا اور تحمل فرمایا چونکہ ادنیٰ آدمیوں کو ایسے معاملات میں بے صبری ہو جاتی ہے اور وہ جان دینے پر آمادہ ہو جاتے ہیں مگر چونکہ امام اور وصی کا رتبہ اور درجہ سب سے بڑا ہوتا ہے اس لئے انہوں نے ایسے معاملے میں بھی صبر کیا (نعوذ باللہ من ہفواتہم ومن سوء عقیدتہم)، اس قصے میں ایک شبہ جاہلانہ اور رہا جاتا ہے جس کا رفع کرنا بھی مناسب ہے وہ یہ ہے کہ تواریخ وسیر سے ثابت ہے کہ جب حضرت ابراہیم کی بی بی کو اس جابر شقی نے پکڑ بلایا حضرت ابراہیم نے خدا سے دعا کی اس دعا پر خدا نے معجزہ دکھلایا اور اس کا ہاتھ خشک کیا اور حضرت علی نے بعد جاتے ام کلثوم کے دعا نہیں کی کہ خدا اس کو قبول کرتا اور معجزہ دکھلاتا فقط بے شک یہ سچ ہے کہ حضرت علی نے دعا نہیں کی اور یہ بھی درست ہے کہ جب خود حضرت امیر حق کی بیٹی غصب کی گئی خاموش ہو گئے تو خدا کیا کرتا وہ بغیر دعا و سوال کے کیوں اپنا قہر نازل کرتا لیکن حضرت امیر کو دعا کا مانع کون تھا انہوں نے کیوں سکوت فرمایا اور دعا کے لئے انہوں نے اپنے گھر میں رات کے وقت کیوں دروازہ بند کر کے ہاتھ نہ اٹھایا اگر مقابلہ کرنے میں خوف جان کا اور لڑنے میں اندیشہ قتل کا تھا تو خیر ایک مجبوری تھی جس کے باعث سے خاموش ہو گئے لیکن گھر

میں رات کے وقت کس کا ڈر تھا جس کے سبب سے دعا تک نہ مانگی شاید خیال حضرت عمر کا ہوگا کہ وہ اکثر رات کو بھی گشت کے لئے نکلا کرتے اور لوگوں کی خبر لیا کرتے تھے اگر کہیں حضرت امیر کو دعا کرتے سن لیتے تو شاید ان کو تکلیف دیتے اور پھر وہی امر پیش آجاتا جس کے لحاظ سے حضرت امیر ساکت ہو گئے تھے یعنی خوف قتل مگر خیال اس وقت کرنا ضرور تھا جب کہ دعا کے لئے چلانا ضرور ہوتا حالانکہ جہر دعا کے لئے ضرور نہیں ہے خدا، دل کی دعا کو بھی ویسا ہی سن لیتا ہے جیسا کہ زبان سے چلانے کو سنتا ہے پس دل ہی سے دعا کرتے اور زبان سے کچھ نہ فرماتے غرض تو مطلب حاصل ہونے سے تھی پس حضرت امیر کے مقابلہ نہ کرنے کا سبب تو ہم نے مانا کہ خوف جان کا تھا اور آواز سے دعا نہ کرنے کے لئے بھی ہم نے معذور تصور کیا کہ اندیشہ عمر کے سن لینے کا تھا لیکن دل سے دعا نہ کرنے کا کوئی سمجھ میں نہیں آتا کاش کوئی شیعہ ہم کو بتا دے اور ہمارا شبہ دور کر دے۔ اگر کوئی دانشمند یہ فرما دے کہ جب نکاح کر دیا تو پھر دعا مانگنے کی کیا ضرورت تھی معاذ اللہ عمر زانی اور فاسق نہ تھے جن کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کرنے سے حضرت علی کچھ لحاظ فرماتے تو بس یہی قول ہمارا ہے پھر روایت داول فروع غصبت منا کو کیا کریں گے اور ان صدہا اوراق کو جو اس نکاح کی توجیہ کے لئے ہیں کس آنکھ کے پانی سے دھو دیں گے اگر نفس الامر یہی ہے کہ حضرت علی حضرت عمر سے راضی اور حضرت عمر حضرت علی سے خوش تھے اور دونوں ایمان اور اخلاص میں ایک دوسرے پر بھروسہ رکھتے تھے اس لئے اپنی خوشی سے نکاح کر دیا تو بس جھگڑا طے ہوا لیکن مذہب تشیع کا بطلان کالشمس فی نصف النہار ثابت ہوا اگر حقیقت میں یہ بات جو ہم نے بیان کی، حضرات شیعہ تسلیم کر لیں تو ان کو سوائے اپنے مذہب کے چھوڑنے کے دوسرا چارہ نہیں اور اسی واسطے ان کے علما نے ہزاروں قسم کی تاویلات فرما دیں جن کی ضرورت نہ تھی لیکن اصل حقیقت کے بیان کرنے سے چشم پوشی کی کسی نے عذر خوف جان کا بیان کیا کسی نے اس کو صبر و تحمل پر محمول کیا کسی نے اس کے معارضے میں حضرت لوط کے قصے کو پیش کیا کسی نے حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ کے پکڑے جانے پر بطور نظیر کے بیان کیا کسی نے حضرت ام کلثوم کی شکل پر جنیہ کی متشکل ہونے کا دعویٰ کیا بہر حال سب نظیریں اور مثالیں اور حکایتیں بیان کرنا اور اس کے عذرات اور وجوہات پیش کرنا بلکہ اس

نکاح کو مثل مردار کے کھانے کے جو ضرورتاً شرعاً حلال ہو جاتا ہے سمجھنا کس لئے ہے اس لئے تاکہ یہ ثابت نہ ہو کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ لائق زوجیت حضرت ام کلثوم کے تھے اور حضرت علی نے خوشی سے ان کے ساتھ نکاح کیا پس ایک حضرت عمرؓ کی فضیلت سے انکار کے واسطے کیا کیا توجیہات کی ہیں اور کیسے کیسے الزام حضرات اہل بیت پر دھرے ہیں کہ کچھ ہو خواہ اہل بیت بدنام ہوں خواہ ان کی بنات طیبات مغصوبہ ٹھہریں خواہ ان کے اولیا پر وقاحت کا الزام آوے سب کچھ منظور اور قبول ہے لیکن حضرت عمر کی ؓ فضیلت کا اقرار نہ کیا کرتے ہیں نہ کریں گے۔

(دوسری تاویل وصیت) جو کہ اوپر صبر و تحمل کی تاویل سے جواب دے چکے اب دوسری تاویل کو بیان کر کے اس کا رد کرتے ہیں۔ جب کہ حضرات شیعہ نے خیال کیا کہ صبر کی تاویل درست نہیں ہے اور بغیر کسی وجہ خاص کے ایسے نازک معاملے میں تحمل کا عذر صحیح نہیں اس لئے اس کی تائید دوسری طرح سے کی اور اس کے لئے ایک وجہ خاص پیدا کی یعنی وصیت کرنا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کا کہ حضرت سرور کائنات اپنے وصی اور امام اول کو وصیت فرما گئے تھے کہ وہ سوائے صبر کے کچھ نہ کریں اور جو جو ظلم و ستم خلفاء جور کریں ان سب کی برداشت کریں اور جو جو واقعے پیش آنے والے تھے سب حضرت صلے اللہ علیہ والہ وسلم جناب امیر سے کہہ چکے تھے اور ہر ایک واقعہ پر صبر و تحمل کی وصیت کر گئے تھے تو پھر کیونکر ممکن تھا کہ وصی نبی کے حکم کے خلاف کرتے اور صبر کو چھوڑ دیتے چنانچہ اس مضمون کو قاضی نور اللہ شوستری نے اپنے مصائب میں بیان کیا ہے جس کا ترجمہ فارسی ازالۃ الغین میں مذکور ہے کہ اس کو ہم نقل کرتے ہیں وہو ہذہ رد بمقتضائے جہال ایشاں گفتہ اند کہ چہ گنجائش دارد کہ علی تسلیم نکاح کند ابنۃ خود لا بریں کہ شما وصف کردید و میگویم کہ این سخن جہل ست بہ وجود تدبیر و بیان ایں آنست کہ چوں رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ

لہ جیسا کہ صاحب تزہہ نے لکھا ہے کہ تجویز تزویج در مقام ضرورت و اضطرار از باب رخصت ست چنانچہ تجویز تناول میتہ در حالت مخمصہ و اضطرار ۱۲۔ سہ بعض جاہل کہتے ہیں کہ جبکہ اس شخص کے اوصاف تم نے گنائے ہیں تو ایسے کے ساتھ اپنی بیٹی کی شادی کر دینے کو مان لینا علی کو نا ممکن تھا اس کا جواب ہمارے پاس یہ ہے کہ اس قسم کی گفتگو جہالت ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ رسول اللہ نے علی کو امور ضروری کی وصیت کی اور اپنی وفات کے وقت حضرت علی کو لفظاً بلفظ وہ سب کچھ بتا دیا۔ جو ان کے بعد ہو گا اس پر علی نے کہا آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟

وسلم وصیت کرد علی را بانچہ محتاج بود در وقت وفات و معلوم او گردانید جمیع آنچہ جاری
خواہد شد از امر مستولین واحدا بعد واحد پس علی گفت مرا بچہ امر می کنی آنحضرت فرمود صبر
کن تا مردم رجوع کنند بسوی تو از روی طوع پس آں ہنگام قتال کن با ناکثین وقاسطین
ومارقین وبا احدی از ثلثہ منازعت مکن تا خود را بدست خود بہلکہ نیندازی و مردم از
نفاق وشقاق بر کردند پس علی علیہ السلام حافظ وصیت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
بود بواسطہ حفظ دین تا مردم بہ جاہلیت بر نگردند وچوں عمر خواستگاری ام کلثوم نمود علی
متفکر شد وگفت اگر مانع شوم او قصد قتل من خواہد کرد واگر قصد قتل من کند وممانعت
کنم او را از نفس خود بیروں روم از اطاعت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ومخالف وصیت
او می کنم وداخل میشود در دین آنچہ مذکور می کرد آں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پس
تسلیم انبہ دریں حال اصلح بود از قتل او و بیروں رفتن از وصیت رسول خدا پس تفویض
نمود امر او بخدا ودانستہ بود کہ آنچہ عمر غصب کردہ از اموال مسلماناں وارتکاب کردہ از انکار
حق او وقعود بجای رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتغیر احکام آلہی وتبدیل فرائض خدا
چنانچہ گذشت اعظم ست نزد حق تعالی واقطع واشنع است از اغتصاب ایں فرج
پس تسلیم کرد وصبر نمود چنانچہ رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم امر نمودہ بود (خلاصہ اس
کا یہ ہے کہ حضرت امیر کو پیغمبر خدا نے وصیت کی تھی کہ تم خلفاء ثلثہ کے عہد میں کچھ نہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲۱) ارشاد ہوا اس وقت تک صبر کرو جب کہ لوگ تمہاری جانب بحیثیت اطاعت وفرمانبرداری رجوع ہوں
اور پھر اس وقت معاہدہ شکن ظالموں اور دین سے خارج ہو نیوالی جماعت سے جنگ کرنا اور خلفائے ثلثہ میں سے کسی سے
تنازعہ نہ کرنا تاکہ خود ہلاک نہ ہو اور لوگوں کے نفاق وبدبختی سے محفوظ رہو حضرت علی در اصل رسول اللہ کی وصیت کے
بلحاظ حفاظت اسلام ایک نگہبان تھے تاکہ لوگ جاہلیت وکفر کو دوبارہ اختیار نہ کریں اور جب عمر نے ام کلثوم کے لئے پیام
بھیجا تو علی متفکر ہوئے اور کہا اگر میں اس میں مانع ومزاحم ہوں تو یہ مجھے قتل کر دے گا اور اگر خود کو قتل کرانے سے باز رہتا ہوں
تو رسول اللہ کی اطاعت سے خارج ہوا جاتا ہوں اور ان کی وصیت کے خلاف عمل کرتا ہوں اور یہ سوچ کر قتل اور وصیت
رسول کے خلاف ورزی نہ کرے اپنی بیٹی دینا مناسب خیال کیا۔ اور یہ کام اللہ کے حوالے کر دیا دراں حالیکہ
واقف تھے کہ عمر نے مسلمانوں کا مال غصب کیا حق علی سے انکار کرتے ہوئے رسول اللہ کی جگہ بیٹھنے
احکام الہی میں تبدیلی وتحریف کی اور ان تمام امور قبیحہ کی موجودگی میں جیسا کہ رسول اللہ نے ارشاد
فرمایا تھا صبر سے کام لیا اور اپنی بیٹی کلثوم کی شادی کرنے پر بھی صبر کیا۔

کہنا اور نہ کچھ کرنا جو ظلم و ستم وہ چاہیں کریں سر نہ ہلانا جو کچھ چاہیں وہ غصب کر لیں کچھ نہ بولنا اس واسطے حضرت علی نے اصل معاملہ امامت و خلافت میں کچھ دم نہ مارا اور سکوت کامل اختیار فرمایا حالانکہ عمر کے خلیفہ ہونے سے جو کچھ خرابیاں ہوئیں وہ ظاہر ہیں پس خلافت کا غصب کرنا اور مسلمانوں کے مال پر متصرف ہونا اور جناب امیر کو الگ کر کے خود پیغمبر خدا کی جگہ پر بیٹھنا خدا کے نزدیک بہت قبیح اور شنیع تھا بہ نسبت غصب کرنے فرج ام کلثوم کے پس جب ایسے بڑے قبیح اور شنیع معاملہ میں یعنی غصب خلافت میں حضرت پیغمبر خدا کی وصیت کے سبب سے حضرت علی نے صبر کیا تو پھر ایک بیٹی کی شرمگاہ غصب کرنے پر صبر فرمایا تو کیا تعجب ہے[1] اور اس تقریر پر لطیف کے بعینے لکھتے قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں اپنے حیا و شرم کے جوہر دکھلاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ دعویٰ کرنا خلافت کا جو عمر نے کیا اور بیٹھنا مسند رسول پر خدا کے نزدیک ہزار فرج کے غصب کرنے سے بھی زیادہ برا تھا چہ جائے فرج واحد کما ذکر ترجمۃ فی ازالۃ الغین دو آنچہ دعوی کرد از برای خود امامت ازروی ظلم و جور و تعدی و خلاف بہ خدا و رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم و بدفع امامے کہ نصب کردہ او را خدا و رسول خدا و استیلای او برا مور مسلمانان پس حکم برخلاف خدا و رسول اعظم است نزد حق تعالی از اغتصاب ہزار فرج از زنان مومنہ چہ جائے فرج واحد) اے مومنین باحیا اور اے شیعیان باصفا تم کو اپنی حیا اور صفا کی قسم ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس تقریر لطیف کی لطافت دیکھو اور اس کے الفاظ اور مضامین کو سوچو کہ ائمہ اطہار اور بنات طیبات کی نسبت کیا کچھ فرمایا ہے اور نکاح ام کلثوم کو کن لفظوں سے تعبیر کیا ہے سبحان اللہ جناب سیدۃ النسا فاطمہ زہرا کی محبت کا دعویٰ بھی کرنا اور ان کی بنات طاہرات پر ایسی تہمت بھی کرنا اور ایسی بے ادبی کے الفاظ ان کی شان میں زبان سے نکالنا قریب ہے کہ زمین شق ہو وے آسمان سے بجلی قہر کی گرے کہ کس منہ سے کس کی شان میں کیا کہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ ام کلثوم اس معصومہ کی بیٹی ہیں جس کی صورت کسی نے نہیں دیکھی جس کی عفت کی عصمت نے قسم کھائی جب قیامت کے دن میدان محشر میں ان کا گزر ہو گا تب منادی ندا کرے گا کہ غضوا ابصارکم (یعنی سب اپنی

[1] عمر نے ظلم و ستم کے ذریعے اپنی خلافت و امامت کا دعویٰ کیا۔ اللہ و رسول کے حکم کی خلاف ورزی کی اور اس امام کو جس کے اللہ اور رسول نے مقرر کیا تھا غصب کر کے مسلمانوں پر قبضہ جمایا یہ تمام امور اللہ کے نزدیک ہزار شرمگاہوں کے غصب کرنے کی بہ نسبت ایک ام کلثوم کی شرمگاہ حاصل کرنے کے تعلق سے زیادہ برے تھے۔

آنکھیں بند کر لو کہ رسول کی بیٹی عفیفہ معصومہ گزرتی ہے کسی کی اس پر نظر نہ پڑے غرض کہ جس کی ماں کی عصمت کی خدا کے نزدیک یہ قدر و منزلت ہووے اس کے جگر گوشہ کی حضرات امامیہ ایسی فضیحت و رسوائی بیان کریں اور جو باتیں ایک عامی کی نسبت کسی کی زبان سے نہ نکلیں۔ ان کو ایسی جناب کی شان میں بیان کریں رہا وصیت رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا کا یہ ایسا عذر ہے کہ نہ عقلاً لائق تسلیم ہے نہ نقلاً عقلاً اس لئے کہ پیغمبر خدا خدا واسطے ہدایت خلق کے مبعوث ہوتے تھے ان کا کام تھا خود وہ کام کرنا جس میں لوگ گمراہی سے بچیں اور اوروں سے خصوصاً اپنے جانشینوں اور وصیوں سے وہ کام کرنا جس میں خلق خدا ضلالت سے محفوظ رہے پس کیونکر عقل قبول کرے کہ پیغمبر خدا نے یہ وصیت حضرت امیر کو کی ہو کہ گو خلفاء ثلثہ خلافت غصب کریں اور تمہارا حق چھین لیں اور لوگوں کے مال پر متصرف ہوویں اور خدا کی کتاب میں تحریف کریں اور میری سنت کو بدلیں اور تمہاری بیٹیوں کو چھین لے جاویں مگر دم نہ مارنا اور چپ رہنا اور یہ سب جور و ستم اپنے نفس پر گوارا کرنا بھلا کسی کی سمجھ میں یہ بات آوے گی کہ پیغمبر خدا نے ایسا فرمایا ہو نعوذ باللہ منہ اس سے بڑھ کر اور کیا تہمت پیغمبر خدا پر ہوگی رہا یہ عذر کہ اس واسطے پیغمبر خدا نے فرمایا تھا کہ لوگ ظاہر اسلام نہ چھوڑ دیں اور علانیہ کفر و شرک نہ کرنے لگیں تو یہ امر بھی عقل کے خلاف ہے اس لئے کہ اگر وہ لاکھ آدمی جنہوں نے برسوں پیغمبر خدا کی صحبت پائی ہو اور جنہوں نے ابتدائے اسلام سے اس کی ترقی کے وقت تنگ وقتاً فوقتاً ایمان قبول کیا ہو اور جنہوں نے جہاد اور لڑائیوں میں اپنی جان دینے میں دریغ نہ کیا ہو اور جنہوں نے اپنی آنکھ سے ہزارہا معجزات دیکھے ہوں اور جن کی شان میں خدا نے آیات فضیلت نازل کی ہوں وہ سب کے سب الا قلیلاً منہم ایسے منافق اور ناقص الایمان ہوں کہ وہ صرف حضرت علی کے مقابلہ کرنے سے ساتھ خلفاء ثلثہ کے ظاہری اسلام کو بھی چھوڑ دیں اور اپنے کفر اصلی کو ظاہر کر دیں اور علانیہ مشرک ہو جاویں اور باوجودیکہ حضرت امیر حق پر ہوں اور صرف مسلمانوں کی جانوں اور مالوں کو ان کے دست تعدی سے محفوظ رکھنے اور خدا کے دین کو تغیر و تبدل سے بچانے اور لوگوں کے گمراہ نہ ہونے کے واسطے وہ ان کا مقابلہ اور ان سے مقاتلہ کریں اور پھر بھی کوئی مسلمان ان کا ساتھ نہ دے بلکہ ساتھ دینا کیسا اسی قصور میں حضرت علی کو چھوڑ دیں اور ظاہری اسلام سے ہاتھ اٹھا کر بت پرستی اختیار کر لیں تو ایسی جماعت کے ایمان کا

اندا اسلام سے کیا: امر تھا اور بلکہ ان کا مسلمان رہنا اور کافر ہو جانا برابر تھا تو پھر پیغمبر خدا
علیہ التحیۃ والثنا کا وصیت فرمانا اور حضرت علی کو سنبھال کا فرض ہونے ان لوگوں کے صبر پہ
تاکید کرنا کیا ضرور تھا اس لئے کہ جس امر کا اندیشہ تھا کہ لوگ ایمان و اسلام سے نہ پھر جاویں،
وہ موجود ہی تھا اور وہ سب کے سب ایمان و اسلام سے ہاتھ اٹھائے ہوئے تھے ورنہ خیال
کرنا چاہیئے کہ اگر حضرت علی اس بات پر کہ ان کی خلافت خلفاء مجوزنے غصب کی اور لوگوں کے
مالوں پر تصرف کیا اور سنت نبوی کو تغیر کر دیا اور رسول کی نواسی کو غصب کر لے گئے ان خلفاء
سے مقابلہ کرتے اور اصحاب رسول سے مدد چاہتے تو وہ بجائے مدد دینے کے کلمہ شہادت سے
بھی منکر ہو جاتے اور خدا کی توحید اور رسول کی رسالت کا بھی انکار کرنے لگتے تو پھر ان کے
اسلام کا لحاظ کیا ضرور ہی تھا اگر ایسے دلی کافر ظاہری مسلمان ظاہر میں کلمہ گو رہتے تو کیا اور
بت پرست ہو جاتے تو کیا صرف ان کے ظاہری اسلام کے لحاظ سے اس قدر ظلم و ستم اٹھانا
اور خدا کے دین کو غارت ہونے دینا اور بیٹیوں کو چھین لے جانے دینا کیا معنی اور ایسے،
لوگوں کی خاطر وصیت کرنا پیغمبر خدا کا اور صبر و تحمل پر ثابت قدم رہنے کی اپنے وصی کو تاکید
کرنے سے کیا حاصل تھا۔ اے حضرات یہ معاملہ نکاح ام کلثوم کا ایسا نہیں کہ ادا [illegible]
غنیمت [illegible] کو ٹال دو اور اس کو ایسی پوچ لچر باتوں میں بہلا دو [illegible] بلکہ وہ
کہ اگر کسی شخص کا غلام یا خدمتگار یا ملازم جس نے چند روز اپنے آقا کا نمک کھایا ہو وہ
دیکھے کہ بعد مرنے اس آقا کے کوئی شخص اس کے مال کو غصب کرتا ہے یا اس کے خاندان
کی کسی لڑکی کی عزت لیتا ہے یا کہ غصب کرنا کس کا عزت لینا کیا وہ یہ سمجھ کے کہ ایسے ارادہ ہو
رکھتا ہے تو اگر وہ نمک حلال ہوگا تو ضرور اپنی جان دینے پر مستعد ہوگا اور اپنے جیتے جی اپنے
آقا کی حرمت و عزت میں داغ نہ لگنے دے گا پس کیا چار لاکھ اصحاب رسول میں ایک بھی
ایسا نہ تھا کہ وہ حضرت علی کا شریک ہوتا اور پیغمبر خدا کے خاندان کی عصمت و عفت،
بچاتا اصحاب رسول کو جانے دو ان [illegible] کو [illegible] سمجھو کیا بنو ہاشم میں بھی کوئی،
شخص نہ تھا جو اپنی بیٹیوں کی عزت بچاتا اور [illegible] ایک [illegible] کے ان کو [illegible]
رکھتا شاید اس کا جواب حضرات شیعہ یہ دیں کہ پیغمبر خدا نے وصیت صبر کی کی تھی اور فرمایا
تھا کہ کوئی شخص کتنا ہی ظلم کرے اور گو تمہاری لڑکیوں کو غصب کر لیوے اور جو چاہے
سو کرے مگر کوئی دم نہ مارنا تب ہم کہیں گے کہ وہ وصیت جنگ شام اور صفین میں کیوں بھلا

دی گئی اور کس لئے ہزاروں آدمی کا خون کرایا تب شاید فرمادیں کہ اس وصیت میں یہ بھی تھا کہ خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں کچھ ذکر نہ کرنا مگر معاویہ سے لڑنا تب ہم کہیں گے کہ وصیت پیغمبر خدا کی کیا ٹھہری مرزا دبیر اور میر انیس کا مرثیہ ٹھہرا کہ جو مضمون ان کے ذہن میں آیا اسی وقت ایک روایت اپنی طرف سے جھوٹی سچی بنالی اور اپنی شاعری دکھلا دی آخر اس وصیت کا کچھ سبب کوئی وجہ بھی ہے یا نہیں اگر یہ وجہ ہو کہ نوبت خون ریزی کی نہ پہنچے تو جنگ معاویہ میں وہ وجہ موجود تھی کہ ہزارہا آدمی کے قتل کی نوبت آئی اور اگر یہ سبب ہو کہ کوئی اصحاب میں سے شریک نہ ہوگا ناحق علی کی جان جاوے گی تو اس کا حال جنگ معاویہ میں کھل گیا کہ تمام مہاجرین اور انصار اور اہل حل وعقد اور بزرگان دین حضرت علی کے ساتھ تھے اور ہزاروں ان کی اعانت میں شہید ہوگئے تو کیا وہ لوگ جنہوں نے حضرت کو پیچھے مدد دی پہلے مدد نہ دیتے اور جس طرح معاویہ کے ساتھ لڑے اس طرح خلفاء کے ساتھ نہ لڑتے پس صاف ظاہر ہے کہ یہ وصیت کا مضمون صرف بنایا ہوا اور ناحق تہمت رسول خدا علیہ التحیۃ والثنا پر ہے اگر شک ہو تو ہم اس کو نقلا بھی ثابت کرتے ہیں پوشیدہ نہ رہے کہ قطع نظر دلائل عقلی کے جس سے بطلان اس وصیت کا ثابت ہوتا ہے اگر ہم احادیث واخبار پر کتب شیعہ کے غور کرتے ہیں تو اس سے بھی غلط ہونا اس کا معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ ماحصل وصیت کا یہ ہے کہ حضرت علی خلفاء ثلاثہ کے زمانے میں صبر وتحمل کریں اور ان کے کسی ظلم وستم پر کچھ نہ بولیں پس اگر حضرت علی ان کے زمانے میں صابر اور شاکر رہے ہوں اور ان کے ساتھ سختی اور درشتی کے ساتھ پیش نہ آئے ہوں اور ان کا مقابلہ نہ کیا ہو۔ تو بیشک ہم بھی تسلیم کر سکتے ہیں کہ شاید ایسی وصیت ہوئی ہو لیکن اگر یہ امر ثابت ہو جاوے کہ حضرت علی نے اپنے جلال وقہر کو کام فرمایا اور خلفاء ثلاثہ سے بہ سختی پیش آئے اور ان سے مقابلہ کیا اور ان کو ہر طرح پہ ڈرایا اور ان کے قتل پہ آمادہ ہوئے تو کیونکر ہم قبول کریں کہ پیغمبر خدا نے وصیت کی تھی اس لئے کہ اگر وصیت کرتے تو ضرور حضرت علی اس پر عمل کرتے اور کسی امر میں چوں چرا نہ فرماتے لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں تو حضرت امیر ان کا مقابلہ کریں اور مرنے مارنے پر مستعد ہو جاویں اور وصیت نبوی کو بھلا دیں اور ایسے بڑے معاملے میں مثل غصب ام کلثوم کے صبر وتحمل کریں اور وصیت پر عمل فرمادیں یہ امر ہماری ناقص فہم کی سمجھ سے بالاتر ہے اس دقیق مضمون کو حضرات شیعہ ہی سمجھتے ہوں گے۔ اب ہم چند احادیث وہ

اخبار کتب معتبرۂ شیعہ کے نقل کرتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی ذرا ذرا سی بات پر مقابلہ خلفا کا کرتے اور ان کے قتل پر مستعد ہوتے تھے۔ پہلی روایت کشف الغمہ میں محمد بن خالد سے ایک روایت لکھی ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ایک روز حضرت عمر نے اثنائے خطبے میں لوگوں سے کہا کہ اگر میں چاہوں کہ تم کو معلومات دینیہ اور معتقدات یقینیہ اور احکام شرعیہ محمدیہ سے پھیر دوں اور یہ کہوں کہ اس کو چھوڑ کر ان قاعدوں پر چلو جو جاہلیت کے زمانے میں تھے تو تم میری اطاعت کرو گے یا نہیں کسی نے کچھ جواب نہ دیا جب تین مرتبہ اسی طرح پر حضرت عمر نے پوچھا تو حضرت علی نے فرمایا کہ اگر یہ حالت تمہاری ہم دیکھیں اور تم کو خدا کے دین سے پھرا ہوا پائیں تو دوسرا تائب ہم طلب کریں اور اگر تم توبہ کرو تو تمہاری توبہ قبول کریں اگر توبہ نہ کرو تو ہم تمہاری گردن ماریں حضرت عمر نے یہ سن کر کہا کہ الحمد للہ کہ ہمارے دین میں ابھی ایسے آدمی ہیں کہ اگر میں منحرف ہو جاؤں تو وہ مجھے راہ راست[1] پر لا سکتے ہیں فقط پس جب حضرت علی حضرت عمر کے پوچھنے پر ایسا جواب دیں اور ان کے قتل کرنے اور گردن مارنے پر اپنی مستعدی ظاہر کریں تو اگر حقیقت میں حضرت عمر دین سے پھر جاتے اور احکام شرعیہ محمدیہ کو بدلتے تو حضرت علی اپنے قول کو پورا کرتے اور ضرور ان کو مار ہی ڈالتے پس حضرت علی سے مستبعد کیونکر حضرت عمر کو اپنی بیٹی لیجانے دیتے اور کچھ چون و چرا نہ کرتے اصل ترجمہ بلفظہ اس حدیث کا یہ ہے روایت ست از محمد بن خالد الضبی کہ روزے عمر بن خطاب در اثنا خطبہ از حاضران سوال کرد کہ اگر من خواہم کہ شمارا از معلومات دینیہ و معتقدات یقینیہ و احکام شرعیہ محمدیہ منصرف نمایم و گویم کہ از معتقدات برگردید

---

[1] محمد بن خالد ضبی کا بیان ہے کہ ایک دن عمر بن خطاب نے اثناء خطبہ میں لوگوں سے پوچھا اگر میں تم کو امور مذہبی، اعتقادات یقینی اور احکام شریعت محمدیہ سے روگرداں کر کے کہوں کہ اپنے اعتقادات اسلامی چھوڑ کر زمانہ جاہلیت کے قواعد و رسوم کرو تو بتاؤ تم اس وقت کیا کرو گے؟ میرے کہنے پر چلو گے یا نہیں؟ یہ سن کر سب لوگ خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ عمر نے پھر دوبارہ اور سہ بارہ یہی پوچھا اس پر شاہ ولایت علیؑ نے کہا اگر تمہاری یہ حالت دیکھی جائے اور دین اسلام و محمدی سے روگرداں پایا جائے تو دوسرا نائب طلب کریں گے اور اگر تم توبہ کرو گے تو تمہاری توبہ قبول کریں گے اور اگر توبہ نہ کرو گے تو ہم تمہاری گردن اڑا دیں گے شاہ اولیا کا یہ کلام سن کر عمر نے کہا الحمد للہ ہمارے دین میں جوانمرد موجود ہیں اگر میں دین سے روگرداں ہو جاؤں تو لوگ مجھے راہ راست پر قائم و ثابت کریں گے۔

در جوع نمائید بقواعد کہ در زمان جاہلیت بود شما با من چہ خواہید کرد آیا تابع من در آں خواہید
شد یا مخالف من مردماں ہمہ خاموش شدند و ہیچکس جواب نگفت عمر دیگر بار ہمیں سخن را اعادہ کرد
از ہیچکس جوابے نشنید پس دیگر بار ہمیں مقالہ اعادہ کرد شاہ ولایت فرمود کہ ہرگاہ از تو ایں حالت
مشاہدہ کردہ و ترا از دین مصطفیٰ منحرف یابیم تائب دیگر طلب کنیم و اگر توبہ کنی توبہ ترا قبول کنیم و اگر
نکنی ترا گردن زنیم عمر چوں ایں سخن از شاہ اولیا شنید گفت کہ در دین ما مرداں ہستند کہ اگر
منحرف شویم مارا بطریق مستقیم مقیم و ثابت دارند) انتہے بلفظہ۔

دوسری روایت) ملا باقر مجلسی نے جلاء القلوب میں ایک حدیث طویل نقل کی ہے
جس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمر فاروق کے دل میں اسقدر خوف اور ہیبت شاہ مرداں کی تھی کہ
بمجرد دیکھنے کے لرزہ آجاتا تھا چنانچہ بعد لکھنے ایک قصہ طول طویل کے اس مضمون کو ان
لفظوں سے ادا کیا ہے (علی بن ابراہیم از ابوذر ثلثہ روایت کردہ است کہ گفت روزی با
عمر بن خطاب براہی می رفتم ناگاہ اضطرابے در راہ یافتم و صدای از سینہ او شنیدہ نشد مانند
کسی کہ از ترس مدہوش شود گفتم چہ می شود ترا ای عمر گفت مگر نہ بینی شیر بیشہ شجاعت را و معدن
کرم و فتوت را کشندہ اہل طغیان و باغیان و زنندہ شمشیر را و عمر را صاحب تدبیر را چوں نظر کردم علی بن
ابی طالب را دیدم (الی قولہ) تا ایں ساعت ترس او از دل من بدر نہ رفتہ است و ہرگاہ کہ او را
بینم چنیں ہراساں می شوم) فقط پس اب اس حدیث سے زیادہ اور کیا سند چاہیئے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر حضرت علی کی صورت دیکھنے سے ڈرتے جاتے تھے اور ان کے
بدن پر ہیبت سے لرزہ ہونے لگتا تھا اور بہت دیر تک ہوش و حواس ان کے درست نہ
ہوتے تھے پس جب کہ حضرت علی کے دیکھنے سے یہ حال حضرت عمر کا ہوتا ہو اور ان کے
ہوش و حواس ان کی صورت دیکھنے سے جاتے رہتے ہوں تو کیوں کر قیاس میں آوے کہ پھر
ان کی بیٹی سے بجبر نکاح کرلیا ہو شاید حضرات شیعہ یہ فرمادیں کہ اس وقت حضرت علی کا
جلال جاتا رہا تھا بلکہ معاملہ بر عکس ہو گیا تھا۔

ﮦ علی بن ابراہیم نے ابوذر کے ذریعہ بیان کیا کہ ایک دن میں عمر بن خطاب کے ساتھ جا رہا تھا اثنا راہ میں انکو بیقرار دیکھا اور انکے سینے
سے ہی آواز سنی جو خوف سے مدہوش ہو جاتا ہے کہ میں نے کہا اے عمر تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم شیر بیشہ شجاعت کرم و جوانمردی کی کان سرکشوں
اور باغیوں کو کھینچنے والے، جبیہ شمشیر صاحب تدبیر کو نہیں دیکھتے اتنے میں حضرت علی بن ابی طالب مجھے دکھائی دیئے (تا ختم
عبارت) اس وقت سے اب تک ان کا خوف میرے دل سے دور نہیں ہوا اور جب کبھی میں انہیں دیکھتا ہوں حیران و پریشان ہو جاتا ہوں۔

تیسری روایت: جناب مولوی سید دلدار علی صاحب قبلہ عماد الاسلام میں لکھتے ہیں کہ کتب امامیہ میں لکھا ہوا ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے پیغمبر کو حکم کیا کہ سب کے دروازے مسجد سے بند کریں سوائے اپنے اور علی کے دروازے کے بعد چند روز کے حضرت عباس نے عرض کی کہ میرے لئے بھی خدا سے عرض کیجئے کہ میرا دروازہ کھول دیا جاوے آپ نے کہا ممکن نہیں تب حضرت عباس نے کہا کہ ایک میزاب ہی کے لئے دعا کیجئے حضرت خاموش ہوگئے اور خدا نے حضرت عباس کی درخواست ثانی کو منظور کیا پس حضرت خود اٹھے اور حسب خواہش حضرت عباس کے سقف خانہ پر پرنالہ نصب کیا چنانچہ وہ پرنالہ تئیس برس تک زمانہ خلافت عمر میں قائم تھا ایک روز اس پرنالے کا پانی بہتا تھا کہ عمر کے کپڑوں پہ گرا انہوں نے حکم دیا کہ یہ پرنالہ اکھاڑ دیا جائے چنانچہ وہ اکھاڑ دیا گیا اور عمر نے غیظ و غضب میں آکر کہا اگر کوئی اس کو پھر لگائے گا تو میں اس کی گردن ماروں گا حضرت عباس اپنے لڑکوں پر تکیہ کر کے اسی شدت مرض میں حضرت امیر کے پاس فریاد کو آئے اور کہا کہ میں دو آنکھیں رکھتا تھا ایک تو جاتی رہی یعنی پیغمبر خدا دوسری باقی ہے یعنی علی بن ابی طالب میں نہ جانتا تھا کہ تمہارے جیتے جی مجھ پر یہ مصیبت ہوگی حضرت امیر نے فرمایا تم اپنے گھر میں آرام سے بیٹھو دیکھو میں کیا کرتا ہوں (ثم نادی یا قنبر علی بذی الفقار فتقلدہ ثم خرج الی المسجد والناس حولہ وقال یا قنبر اصعد ورد المیزاب الی مکانہ فصعد قنبر فردہ الی موضعہ وقال علی وحق صاحب ہذا القبر والمنبر لئن قلعہ قالع لاضربن عنقہ وعنق الآمر لہ بذلک ولاصلبنہما فی الشمس حتی یتقددا فبلغ ذلک عمر بن الخطاب فنہض ودخل المسجد ونظر الی المیزاب وہو فی موضعہ فقال لا یغضب احد ابا الحسن فیما فعلہ ونکفر عنہ عن الیمین فلما کان من الغداۃ مضی علی بن ابی طالب الی عمہ العباس فقال لہ کیف اصبحت یا عم قال بافضل النعم ما دمت لی یا ابن اخی فقال لہ یا عم طب نفسک وقر عینا فواللہ لو خاصمنی اہل الارض فی المیزاب لخصمتہم ثم لقتلتہم بحول اللہ وقوتہ ولا ینالک ضیم ولا غم فقام العباس فقبل بین عینیہ وقال یا ابن اخی ما خاب من انت ناصرہ فکان ہذا فعل عمر بالعباس عم رسول اللہ وقد قال فی غیر موطن وصیۃ منہ فی عمہ ان عمی العباس بقیۃ الآباء والاجداد فاحفظونی فیہ کل فی کنفی وانا فی کنف عمی العباس فمن اذاہ فقد اذانی ومن عاداہ فقد عادانی فسلمہ سلمی وحربہ حربی وقد اذاہ عمر فی ثلث مواطن ظاہرۃ غیر خفیۃ منہا قصۃ المیزاب ولولا خوفہ من علی علیہ السلام لم یترکہ علی حالہ) انتہی بلفظہ پس حضرت امیر نے قنبر کو آواز دی اور کہا کہ ذوالفقار لانا چنانچہ وہ ذوالفقار لایا اور

حضرت علی نے اس کو حمائل کیا اور ہمراہ آدمیوں کے مسجد میں آئے اور قنبر سے کہا کہ پرنالے کو جہاں تھا وہاں لگا دے۔ چنانچہ قنبر نے لگایا بعد اس کے حضرت امیر نے فرمایا کہ قسم ہے مجھ کو صاحب قبر و منبر کی کہ اگر کسی نے اس پرنالے کو اکھیڑا تو میں اس کی گردن مار دوں گا یہ خبر عمر کو پہنچی تب وہ مسجد میں آئے اور پرنالے کو اپنی جگہ دیکھا اور کہا کہ کوئی ابوالحسن یعنی امیر کو غضب میں نہ لاوے وقت صبح کے حضرت امیر نے حضرت عباس سے پوچھا کہ کیسے کیا ہوا حضرت عباس نے کہا کہ جب تک تم زندہ ہو چین و آرام سے گزرتی ہے حضرت امیر نے فرمایا کہ قسم ہے خدا کی کہ اگر تمام اہل زمین مجھ سے بخصومت پیش آویں سب کو قتل کر دوں فقط اس روایت کو مطاعن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں لکھ کر مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ اگر عمر کو علی کا خوف نہ ہوتا تو کبھی پرنالے کو اپنی جگہ پر لگانے نہ دیتے۔ غرضیکہ ایک خفیف بات یعنی پرنالے کے لگانے پر جناب امیر اسقدر غیظ و غضب میں آجاویں اور قنبر سے ذوالفقار منگا کر مسجد میں آویں اور اپنے سامنے کھڑے کھڑے پرنالہ نصب کرا دیں اور باوجودیکہ حضرت عمر کو تین برس گزر چکے تھے اور ان کی خلافت کا زمانہ شباب پر تھا اور پھر بھی ان سے نہ ڈریں اور ان کے قتل کرنے پر مستعد ہو جاویں بلکہ تمام دنیا کے قتل کا بحالت مخالفت دعویٰ کریں تو کیوں کر قیاس قبول کرے کہ پیغمبر خدا نے ان کو وصیت صبر کی ہوگی اگر واقعی حضرت نے وصیت کی ہوتی تو اس واقعہ میزاب میں جناب امیر کیوں اس کو بھول جاتے اور کس لیے ذوالفقار لے کر باہر آتے اور اگر حضرت علی سے حضرت عمر ڈرتے نہ ہوتے تو کیوں وہ چپ ہو جاتے اور کس لیے ان کے لگائے ہوئے میزاب کو اکھڑا نہ دیتے عجب حال ہے حضرات شیعہ کا کہ کبھی تو حضرت علی کو شیر دلیر بنا دیتے ہیں کہ ذرا ذرا سی بات پر ان کے قہر و جلال کے قصے بیان کرتے ہیں اور خفیف خفیف معاملات میں ان کا قتل و قتال پر مستعد ہو جانا ثابت کرتے ہیں اور کبھی ان کو ایسا خائف اور کمزور کر دیتے ہیں کہ بڑے بڑے معاملات میں ان کو صابر شاکر کہتے ہیں کیا حضرات شیعہ کے نزدیک حضرت ام کلثوم کا غصب ہونا حضرت عباس کے گھر خانہ کے میزاب کے برابر بھی نہ تھا کہ اس پر اسقدر غیظ و غضب ہوئے اور اس پر صبر و سکوت کیا کیا جاوے۔ کاش جناب امیر میزاب کے معاملے میں سکوت فرماتے اور حضرت ام کلثوم کے معاملے میں اپنے جلال و قہر کو ظاہر کرتے اور قنبر سے ذوالفقار لے کر باہر آتے اور عمر کے قتل کرنے اور گردن مارنے پر مستعد ہوتے تو یہ قہر و غضب بجائے خود ہوتا۔ معلوم نہیں کہ حضرت

شیعہ اس نکاح کو قبل از واقعہ میزاب کے روایت کرتے ہیں یا بعد اس کے اگر نکاح قبل از واقعہ میزاب تھا تو حضرت عباس کا جناب امیر کے پاس معاملہ میزاب میں فریاد کو آنا بعید از قیاس ہے اس لئے کہ حضرت عباس خوب جانتے تھے کہ حضرت عمر کے ڈر سے انہوں نے بیٹی کو دیدیا اور کچھ بھی نہ بولے تو کیونکر حضرت عباس پھر اپنے میزاب کے معاملے میں ان کے پاس فریاد کو جاتے کیونکہ جب جناب امیر لڑکی کے معاملے میں نہ بولے اور صبر کیا تو پھر ایسے خفیف معاملے میں کیا بولتے اور اگر یہ نکاح بعد از واقعہ میزاب ہوا تو جب حضرت عباس حضرت علی کو سمجھانے گئے تھے کہ عمر آمادۂ فساد ہے تم نکاح ہونے دو ورنہ وہ تم کو تکلیف دے گا تب اگر حضرت عباس اس قصے کو بھول گئے تھے تو جناب امیر یاد دلاتے کہ چچا تم کو یاد نہیں ہے۔ کہ تمہارے میزاب کے معاملے میں میں نے کیا کیا اور عمر کو کیسا ڈرا دیا پس کیونکر ایسے بڑے معاملے میں اس سے ڈر جاؤں اور اسیوقت قنبر سے تلوار منگا کر عمر کے پاس آتے اور ان کو میزاب کے معاملے کی طرح ڈرا دیتے اگر ایسا کرتے تو پھر کیا مجال عمر کی کہ وہ کچھ بولتے غرضیکہ اب تو حضرات شیعہ ان روایات کو دیکھیں اور صبر یا وصیت کا نام زبان پر نہ لاویں اس لئے کہ ان روایات سے ان کا ابطال ایسا نہیں ہوا ہے کہ کسی کو کچھ کہنے کی گنجائش رہی ہو اور تیسری تاویل تقیہ؛ اگرچہ جو کچھ ہم نے صبر اور وصیت کی تاویل میں بیان کیا اس کا بھی بطلان بخوبی ہو گیا لیکن خاص اس لفظ سے ہم کچھ بحث کرتے ہیں بعض علمائے شیعہ نے فرمایا ہے کہ حضرت امیر کو حکم تقیہ کرنے کا تھا اس لئے وہ معذور و مجبور تھے اور نکاح کر دینے میں وہ بجا آوری فرمان الہی کی کرتے تھے اور، امتثال امر الٰہی مستحق اجر ہے چنانچہ اسی مضمون کو بایں الفاظ صاحب تنزیہ اثنا عشریہ نے بجواب تحفہ کے ادا کیا ہے (قال ملخصًا) بہ تقیہ میگوئیم کہ شارع فعلے را کہ بطریق تقیہ واقع شود مقام مامور بہ قرار داد پس در نیج آوردن آں امتثال امر الٰہی است و ایں معنی مقتضی اجر ست) اور اسی طرح پر سید مرتضیٰ ملقب بہ علم الہدیٰ اور ابن مطہر حلی نے بھی فرمایا ہے کہ یہ تقیہ اس سے زیادہ نہیں ہے جو کہ در باب امامت کے جناب امیر نے کیا اور صاحب تنزیہ کی یہ عبارت بعینہ ترجمہ مصائب النواصب کے اعتراض چہارم کا ہے غرضیکہ ان روایات سے یہ امر ثابت ہے کہ جناب امیر نے تقیے کے سبب سے نکاح کرا دیا اور چونکہ حضرت امیر مامور بہ تقیہ تھے اس لئے اس،

ف بعض لوگ حضرت علی کی بابت کہتے ہیں کہ انہوں نے تقیہ کیا اور شارع نے جس کام کو بطور تقیہ واقع ہو مقام مامور بہ قرار دیا ہے ام کلثوم کی شادی کرنے کے بارے میں اللہ کے احکام بجا لائے اور حکم الٰہی کی تعمیل موجب ثواب ہے۔

نکاح میں مستحق اجر ہوئے لیکن تاویل تقیے کی باطل ہے چند وجوہ سے۔

درجہ اول، تقیہ خود تہمت حضرات شیعہ کی ہے اہل بیت کرام پر اور کبھی کسی امام نے تقیہ کیا نہ وہ مامور بتقیہ تھے کہ اس کو ہم بحث تقیہ میں ثابت کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دوم وجوہ تقیہ کرنے کے دو سبب خیال میں آتے ہیں یا خوف جان یا خوف عزت تو اس نکاح کے کر دینے سے جاتی ہی رہی پس اسکا خوف تو باقی ہی نہ رہا جس کے لئے حاجت تقیہ کی ہوتی رہی، خوف جان اس کے سبب سے جناب امیر مامور بتقیہ نہ تھے اس کو علماء شیعہ نے خود تسلیم کیا ہے جیسا کہ تقلیب المکائد میں علامہ کنتوری لکھتے ہیں کہ۔ «شیعیان[1] ہرگز نمی گویند کہ حضرت امیر المومنین بسبب خوف ہلاکت جان خود ترک قتل و قتال ابوبکر کردہ بود بلکہ می گویند کہ حضرت امیر المومنین ہیچ یک از فرائض و واجبات را ترک نکردہ و تقیہ بجہت خوف ہلاکت بر نفس خود نبود بلکہ بجہت خوف ہتک عرض و ناموس بود»۔ دوم ہم سردست اگر ہم تسلیم کریں کہ حضرت علی کو خوف جان کا تھا تو خود معشر شیعہ اس کو قبول نہ کریں گے اس لئے کہ ان کے مذہبی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت امیر کے قتل کا ارادہ کیا تھا لیکن وہ بسبب شجاعت حضرت امیر کے پورا نہ ہوا جیسا کہ ملا باقر مجلسی حق الیقین[2] میں لکھتے ہیں کہ جب حضرت علیؓ نے معاملہ فدک میں ابوبکرؓ و عمرؓ کو بہت سخت و سست کہا اور ان سے معارضہ کیا تب حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ کو بلایا اور کہا کہ تم نے دیکھا کہ آج علی نے کیا کیا اگر ایک دفعہ اور ایسا ہی وہ کریں گے تو ہمارے سب کام درہم برہم ہو جاویں گے یہ سن کر عمرؓ نے کہا کہ میری صلاح یہ ہے کہ علی قتل کر دیئے جاویں اور اس خدمت پر خالد بن الولید کو متعین کیا اور صبح کی نماز کا وقت ان کے قتل کا مقرر ہوا چنانچہ جب صبح کی نماز کو حضرت علی مسجد میں آئے اور براہ تقیہ ابوبکر کے پیچھے نماز کو کھڑے ہوئے اور خالد تلوار باندھ کر حضرت علی کے برابر کھڑے ہوئے مگر جب ابوبکر تشہد کے لئے بیٹھے تب ان کو ندامت ہوئی اور فتنہ و فساد سے ڈرے اور شدت اور سطوت اور شجاعت حضرت امیر کی انکو معلوم تھی تب ایسا خوف ابوبکر پر غالب ہوا نماز ختم نہ کرسکے بار بار تشہد پڑھتے تھے اور خوف کے مارے سلام نہ پھیریں آخر خالد سے کہا کہ جو کچھ

---

[1] شیعہ کبھی یہ نہیں کہتے کہ جناب امیر نے اپنی جان جانے کے خوف کے پیش نظر ابوبکر سے جنگ و جدال ترک کی بلکہ شیعہ یہ کہتے ہیں کہ جناب امیر نے کوئی فرض و واجب ترک نہیں کیا اور آپ کا تقیہ کرنا اپنی جان جانے کے خوف کی وجہ نہ تھا بلکہ اس کا سبب ہتک عزت و ناموس تھا۔

[2] اصل عبارت بحث تقیہ میں نقل ہوگی ۱۲ منہ۔

میں نے تم سے کہا ہے وہ نہ کرنا چنانچہ بعد نماز کے حضرت علی نے خالد سے پوچھا کہ تم سے ابوبکر نے کیا کہا تھا انہوں نے کہا کہ تمہارے قتل کو کہا تھا اور اگر وہ مجھے منع نہ کرتے تو ضرور میں تم کو مار ڈالتا کہ حضرت علی نے غصے میں آکر خالد کو پکڑ لیا اور زمین پر دے مارا جب عمر چلانے لگے اور لوگ جمع ہو گئے تب حضرت امیر نے خالد کو تو چھوڑ دیا اور گریبان عمر کا پکڑا اور کہا کہ اگر وصیت رسول خدا کی اور تقدیر الٰہی نہ ہوتی تو تم اس وقت دیکھتے کہ کون ضعیف ہے ہم یا تم اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضرت امیر نے خالد کو ایک انگلی پر اٹھا لیا اور ایسا دبایا کہ اس کی جان نکلنے کے قریب ہو گئی اور خالد نے پاخانہ پھیر دیا اور پاؤں میں رعشہ پڑ گیا اور بات زبان سے نہ نکل سکی اور جو کوئی نزدیک جاتا کہ خالد کو چھڑا دے اس کی طرف شیر خدا ایسی غضب کی نگاہ سے دیکھتے کہ وہ ڈر کے مارے لوٹ جاتا آخر حضرت عباس آئے اور انہوں نے قسم دے کر خالد کو چھڑایا فقط اے حضرات شیعہ اس روایت کو دیکھو اور شیر خدا وصی رسول کی شجاعت اور مردانگی پر خیال کرو اور معاملہ نکاح ام کلثوم پر نظر کرو اور سوچو کہ اگر نکاح بجبر و اکراہ ہوتا اور حضرت امیر کو منظور نہ ہوتا تو عمر کی یا کس شخص کی مجال تھی کہ وہ جناب امیر کو ڈرا کر انکی بیٹی لے لیتا اور حضرت علی قتل کے خوف سے کچھ نہ کہتے اگر حضرت امیر کو حضرت عمر نے خوف دلایا تھا اور ان کے مارنے کی دھمکی دی تھی تو کیوں حضرت علی خاموش ہو گئے اور کس لئے عمر کو ایک انگلی پر اٹھا کر زمین پر نہ دے مارا اور اگر کوئی انکا حامی ہوا تھا تو کیوں اس کی طرف غضب کی نگاہ سے نہ دیکھا ہم اگر اس روایت کو ملا باقر مجلسی کی قبول کریں تو بھی کبھی ہمارے ذہن میں یہ بات نہیں آسکتی کہ حضرت علی ام کلثوم کے نکاح میں ایسے خوف زدہ اور مضطر ہو جاویں کہ کچھ نہ فرماویں اور اپنی بیٹی کا غصب ہونا پسند کریں اگر اس روایت پر بھی خاطر جمع نہ ہو تو ہم دوسری سند شجاعت علی مرتضیٰ کی بیان کرتے ہیں کہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ بعد از غصب فدک حضرت امیر المومنین بہ ابوبکر نامہ نوشت در نہایت شدت و حدت و تہدید و وعید بسیار دراں درج نمود چوں ابوبکر نامہ را خواند بسیار ترسید و خواست کہ فدک را و خلافت را ہر دو رد کند الخ اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی ایک خفگی کے خط سے حضرت ابوبکر صدیق ایسا ڈر گئے کہ فدک اور خلافت چھوڑنے پر مستعد ہو گئے تو حضرت علی کو کون مانع تھا کہ حضرت ام کلثوم کے معاملے میں بھی حضرت عمر کو ایک نامہ لکھتے اور اپنی شجاعت اور مردانگی کی یاد دلاتے اور جو تہور اور سطوت پہلے حضرت نے ظاہر کی تھی اس کا ذکر کر کے

ڈراتے حالانکہ یہ بھی کسی روایت سے شیعوں کے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علی نے کوئی خط لکھا ہو یا حضرت عمر کو ڈرایا ہو اگر اور کچھ نہ ہوتا تو حجت تو تمام ہو جاتی لیکن جناب امیر کے سکوت اور خاموشی کا سبب ایسے نازک معاملے میں ہماری سمجھ میں نہیں آتا اور تقیہ کرنے کی کوئی وجہ ایسے بڑے عظیم امر میں ہم کو معلوم نہیں ہوتی شاید اس معاملے میں کوئی سر اسرار امامت سے ایسا ہوگا جو ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا اسلئے کہ اسرار امامت کو سوائے ملک مقرب اور پیغمبر مرسل کے اور مومن کامل کے دوسرا سمجھ ہی نہیں سکتا ہے جیسا کہ ملا باقر مجلسی حق الیقین میں لکھتے ہیں کہ در غالب[1] احوال و خفایای اسرار ایشان را خلق نمیدانند و تاب شنیدن آں ہا ندارند مگر ملک مقرب یا پیغمبر مرسلے یا مومن کاملی کہ حق تعالیٰ دل او را امتحان کردہ باشد بنور ایمان منور گردانیدہ باشد۔ مجھے اس مقام پر ایک حدیث امام محمد باقر علیہ السلام کی یاد آتی ہے جو کہ کلینی نے بسند معتبر لکھی ہے کہ امام کی دس نشانیاں ہیں منجملہ ان نشانیوں کے نشانی نہم میں وہ لکھتے ہیں کہ جو فضلہ امام سے جدا ہوتا ہے اس سے مشک کی بو آتی ہے اور زمین کو خدا نے موکل کر دیا ہے کہ وہ اس فضلے کو نگل جاتی ہے فقط پس نہایت تعجب ہے حضرات شیعہ سے کہ بار جو یکہ امام کے فضلے کی نسبت تو یہ اعتقاد کریں کہ اس کو زمین نگل جاتی ہے اور اس میں بدبو نہیں ہوتی بلکہ مشک کی بو اس سے آتی ہے اور پھر اسی امام کے جگر کے پارے اور بدن کے ٹکڑے کی نسبت یہ کہیں کہ اس کو ایک غاصب نے غصب کر لیا اے حضرات شیعہ ذرا تو سوچو کہ فضلہ امام کا کس لئے زمین کو سپرد ہوا اور خدا نے کیوں اس میں مشک کی خوشبو رکھی اس واسطے کہ فضلہ ایک نجس اور ناپاک چیز ہے اگر وہ زمین پر رہے گا کیڑے پڑیں گے بدبو پھیلے گی لوگ دیکھ کر نفرت کریں گے اور چونکہ اس کو ایک تعلق امام سے ہے گو وہ تعلق نہایت تعلقات بعید سے ہے اس لئے خدا نے امام کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے فضلے کو زمین کے سپرد کیا کہ وہ نگل جاوے تو کیا حضرت ام کلثوم جو حضرت سیدۃ النساء کی ایک تجزو تھیں اور حضرت علی کے جسم کی ایک ٹکڑا تھیں خدا کے نزدیک ایسی بے قدر تھیں کہ خدا نے ان کی کچھ بھی حفاظت نہ کی اور ان کو ایک غاصب کے پنجے سے نہ بچایا کیا ان کو کچھ بھی نسبت حضرت علی سے نہ تھی اور کیا ان کو کچھ تعلق سیدۂ پاک سے نہ تھا اور کیا ان کی ایسی بے عزتی سے کچھ لوٹ؟

---

[1] حضرت علی کے حالات اور معنی اسرار کو مخلوق جانتی ہی نہیں اور آپ کے پوشیدہ حالات و اسرار سننے کی سکت لوگوں کو نہیں البتہ صرف مقرب فرشتے پیغمبر و رسول اور کامل مومن ہی جانتے ہیں کیونکہ ان دلوں کا اللہ نے امتحان لیکر انہیں نور ایمانی سے درخشاں و تابناک کر دیا۔

دامن پاک پر جناب امیرؓ کے نہ آتا تھا اور کیا ان کے غضب سے کوئی داغ ائمہ اطہارؓ کی شان میں نہ لگتا تھا اے بھائیو ذرا سوچو اور شرماؤ اور انصاف کو دخل دو کہ سوائے اس کے کہ تم اقرار کرو کہ حضرت عمرؓ صلاحیت زوجیت کی رکھتے تھے اور کسی طرح پر یہ الزام رفع ہو سکتا ہے یا نہیں (پچھتا قول) جب کہ حضرات شیعہ نے دیکھا کہ نہ تاویل صبر کی درست ہوتی ہے نہ وصیت اور تقیہ کی توجیہ سے کچھ مطلب حاصل ہوتا ہے اس لئے بعضوں نے ان سب کو چھوڑ کر اور ہی دعویٰ کیا اور صحبت اور ہم بستری سے انکار کیا چنانچہ صاحب سیف صارم فرماتے ہیں (کہ اگرچہ در حقیقت قربت معصومہ طاہرہ یعنی وقوع اتصال و مواصلت جو کہ ظاہر میں غایت مناکحت ہے بموجب اقرار شیخ فانی اور ہم بسبب صغیرہ ہونے معصومہ کے ممتنع الوجود و یقینی تھا اور باعتبار ظاہر کے ہیں اور باعتبار باطن کے اور روئے علم باطنی کے بھی حضرت مولیٰ پر ہویدا تھا اور پھر بعد چند اوراق کے مؤلف مذکور لکھتے ہیں کہ (مواعظ حسینیہ جناب غفرانمآب وغیرہ ہا کتب حقہ میں جو اہل ایمان تصریح دیکھا چاہیں تو وہاں رجوع کر سکتے ہیں صاف واضح ہوگا کہ وصیت و قربت زن و شوئی ہرگز نہیں وقوع میں آئی بلکہ بطریقۂ اہل بیت طاہرہ روایات صحیحہ مخبر ہیں اس بات کے کہ ظاہر میں یہ رنج و صعوبت بے شک مولائے مومنین نے اپنے سر لیا لیکن حقیقت میں قربت و مواصلت با معصومہ ہرگز وقوع میں نہیں آئی بلکہ از راہ اعجاز بہ عنایت کریم کارساز ایک جنیہ مشکل بشکل جناب معصومہ حوالہ کی گئیں اور جناب معصومہ تا حیات شیخ فانی نظر سے لوگوں کے غائب کی گئیں وزید التصریح فی المبسوطات) انتہی بلفظہ جو کہ مؤلف سیف صارم نے بعد اس عبارت کے بڑی بڑی کتابوں پر حوالہ دیا ہے اس سے مشتاقین کو اشتیاق ان کے دیکھنے کا بھی پیدا ہوگا تاکہ معلوم ہو وے کہ ان کے بڑوں نے کیا نکات اسرار لکھے ہیں اسلئے میں انکے علماء اعلام کے قول کو بھی نقل کرتا ہوں اور سامعین کے لئے حالت منتظرہ باقی نہیں رکھتا ہوں واضح ہو کہ قطب الاقطاب راوندی مؤلف خرائج جرائح نے یہ دعویٰ کیا ہے اور جناب مولوی دلدار علی صاحب قبلہ نے مواعظ حسینیہ میں اس کو ان لفظوں سے بیان فرمایا ہے (گفتہ عرض نمودم

ہ دیوبندی شد میں نے امام جعفر صادق سے عرض کیا لوگ ہم سے حجت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علی نے اپنی بیٹی کی خلیفہ ثانی سے کیوں شادی کی؟ امام جو تکیہ کے سہارے بیٹھے ہوئے تھے سیدھے کھڑے ہو کر بیٹھے اور کہا کیا لوگ اس قسم کی بکواس کرتے ہیں اور اس شادی کا یقین کرتے ہیں یہ ہرگز ہرگز واقعہ نہیں ہوا اس نے اپنی بیٹی کو عمر کے حوالے نہیں کیا اگر کیا جناب امیر کو یہ قدرت نہ تھی کہ وہ خلیفہ ثانی اور اپنی بیٹی کے درمیان حائل ہو جاتے۔ کہنے والے سب

بخدمت حضرت صادق علیہ السلام کہ مخالفین برما حجت می آرند و می گویند کہ چرا علی دختر خود را بخلیفہ ثانی داد پس حضرت صلوات اللہ علیہ کہ تکیہ کردہ نشستہ بودند درست نشستند فرمودند کہ آیا چنیں حرفہا می گویند بدرستیکہ قومی کہ چنیں زعم می کنند لا یہتدون سواء السبیل سبحان اللہ حضرت امیر را ایں قدر قدرت نبود کہ حائل شود میان خلیفہ و دختر خود دروغ می گویند کہ ہرگز چنیں نبود بدرستیکہ چوں خلیفہ ثانی پیغام عقد را بحضرت امیر داد حضرت انکار نمودند پس خلیفہ ثانی بعباس گفت کہ اگر دختر علی را بمن عقد نمیکنی سقایت و زمزم از دست تو می گیرم پس عباس بخدمت حضرت امیر آمدہ حقیقت حال را گفت حضرت انکار نمودند چوں عباس بازا لحاح نمود حضرت امیر باعجاز خود جنیہ را از اہل نجران طلبیدند و او یہودیہ بود پس از امر جناب امیر بصورت ام کلثوم متمثل گردید و حضرت امیر ام کلثوم را باعجاز خود از نظرہا مستور گردانیدہ اند پس تا مدتے و او جنیہ پیش او ماند تا ایں کہ یک روز بعضے از قرائن دریافت نمود کہ زن او ام کلثوم نیست بلکہ بنی آدم ہم نیست گفت ندیدہ ام ساحر تر از بنی ہاشم کسی را و چوں خواست کہ ایں امر را اظہار نماید خود کشتہ شد پس جنیہ بخانہ خود رفت و ام کلثوم ظاہر گردید انتہی) اے حضرات شیعہ اپنے قطب الاقطاب اور اپنے قبلہ و کعبہ کے علم و عقل و فہم کی داد دو اور شکریان کے احسان کا ادا کرو کہ ایک نکتے میں سب مشکلیں حل کر دیں اور سنیوں ناصبیوں کے اعتراض کو ایک لطیفے میں ہوا کر دیا اور معصومہ کی عصمت و عفت بچانے کے لئے ان کی منافرت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۵) جھوٹے اور بے جا لطیفے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ خلیفہ ثانی نے جناب امیر کو جب شادی کا پیغام بھیجا تو آپ نے انکار کر دیا۔ اس پر خلیفہ ثانی نے جناب عباس سے کہا اگر علی کی لڑکی سے میری شادی نہ کراؤ گے تو پانی پلانے اور آب زمزم کا حق تمہارے قبضہ سے لے لوں گا اس پر عباس جناب امیر کے پاس آئے اور حقیقت حال ظاہر کی۔ جناب امیر نے انکار کر دیا اور پھر جناب عباس کی عاجزی والتماس پر جناب امیر نے بطور معجزہ ایک دیو کی لڑکی اہل نجران سے طلب فرمائی جو یہودن تھی اور اس دیوزادی یہودن نے جناب امیر کے حکم کی تعمیل میں ام کلثوم کی صورت اختیار کر لی اور جناب امیر نے اپنے معجزے کے ذریعہ ام کلثوم کو لوگوں کی نظر سے چھپا دیا اس طرح وہ دیوزادی یہودن ایک عرصہ تک خلیفہ ثانی کے پاس رہی۔ ایک دن کسی قرینہ سے خلیفہ ثانی نے معلوم کر کے کہ یہ ان کی بیوی ام کلثوم نہیں اور لطف یہ کہ انسان بھی نہیں ہے کہا میں نے بنو ہاشم سے زیادہ کسی اور کو جادوگر نہیں دیکھا۔ اور خلیفہ ثانی نے جب اس امر کا اظہار کرنا چاہا تو خود مارے گئے اور وہ دیوزادی یہودن اپنے گھر چلی گئی اور ام کلثوم ظاہر ہو گئیں اے اللہ تو شاہد ہے کہ ان تمام تراجم میں ہمارے اعتقادات حقہ کا کوئی دخل نہیں فقط استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ۔ (مترجم)۔

بیہ ساختہ حضرت عمر کے انکار کیا اور حضرت امیر کی قدرت اور معجزہ دکھلانے کے واسطے ایک جنیہ کا بشکل ام کلثوم کے متشکل کر دینے کا دعویٰ کیا حقیقت میں اس تقریر سے تمام اعتراض نواصبیوں کے باطل ہو گئے اب نہ کوئی معصومہ کی عصمت پر حرف رکھ سکتا ہے نہ کوئی حضرت امیر کو عاجز کہہ سکتا ہے نہ کوئی خلیفہ دوم کی فضیلت بیان کر سکتا ہے نہ اہل بیت کے ننگ و ناموس پر کوئی انگشت اٹھا سکتا ہے لیکن اس جواب میں یہ امر لائق عرض کرنے کے ہے کہ اگر جنیہ بشکل ام کلثوم کے بنا کر خلیفہ دوم کے پاس بھیج دی گئی تھی تو اولاد بھی اس سے پیدا ہوئی تھی یا کہ وہ ام کلثوم سے اور زید بن عمر جو بالغ ہو کر مرا ماں اس کی وہی جنیہ تھی یا ام کلثوم ؟ ٭

تمت

یہ کتاب دوسری بار مطبع مصطفائی لکھنؤ میں سنہ ۱۳۰۱ھ چھپی تھی جس کا قطعہ تاریخ مولوی مجیب اللہ مرحوم نے یہ لکھا تھا

از فیض طبع مہدی دین المعی عصر — مطبوع شد رسالۂ بے مثل لاجواب

تام کتاب و نیز سن طبع اے مجیب — آیات بینات رقم ساز با کتاب

۸۷۵ — سنہ ۱۳۰۱ھ — ۴۲۶

پھر پاکستان میں تیسری مرتبہ یہ کتاب بجنسہ دار الاشاعت کراچی کے زیر اہتمام شائع ہوئی تھی

اب چوتھی مرتبہ اس کا ایڈیشن بعد تصحیح شائع ہوا

جون سنہ ۱۹۷۵ء

آیاتِ بینات

حصہ دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

چونکہ ہم بحث نکاح کو حضرت ام کلثوم کی نہایت تفصیل کے ساتھ لکھ چکے اس لئے اب ہم پھر فضائل صحابہ لکھنا شروع کرتے ہیں لیکن جس قدر فضائل از روئے کتب معتبرۂ شیعہ کے اب تک ہم نے لکھے ان سے قدرت خدا کی نظر آتی ہے کہ باوجودیکہ حضرات شیعہ حد سے زیادہ دشمن صحابہ سے رکھتے ہیں اور پھر بھی انہیں کی کتابوں میں اس کثرت سے فضائل صحابہ کی روایتیں موجود ہیں اور جب تک کہ لفظ بہ لفظ اس کی نقل نہ کی جاوے اور کتاب کھول کر نہ دکھلائی جاوے تب تک حضرات امامیہ اُسکا اقرار ہی نہیں کرتے اور جہاں تک ہو سکتا ہے انکار ہی کرتے رہتے ہیں چنانچہ جناب سلطان العلما مولوی سید دلدار علی صاحب اپنی صوارم میں فرماتے ہیں کہ[1] اما تحقیق احادیث فضائل صحابہ از طرق امامیہ باوجود کثرت احادیث مختلفہ در ہر امر جزئی از جزئیات اصلیہ و فرعیہ اگر تمام کتب احادیث امامیہ ورقاً ورقاً بہ نیت تفحص مطالعہ در آرند مظنون آن ست کہ زیادہ از سہ چہار حدیث کہ سر دیا درست نداشتہ باشد دست بہم نہد اما احادیث مثالب ایں ہا پس بلا اغراق ایں ست کہ متجاوز از ہزار حدیث باشد، لیکن اس قول کی تصدیق ہماری اس چھوٹی سی کتاب سے ہوتی ہے کہ بلا مبالغہ سو روایت سے زیادہ فضائل صحابہ میں بروایت کتب معتبرہ شیعہ کے پہلے ہی حصہ میں موجود ہیں چنانچہ کچھ تو اب ہم لکھ چکے اور کچھ اب لکھتے ہیں۔ حضرات شیعہ کو اگر سو تک گننا آتی ہو تو وہ شمار کر لیں کہ سو سے زیادہ روایتیں فضیلت میں صحابہ کی موجود ہیں یا نہیں اور

---

[1] عبارات صوارم مطبوعہ کلکتہ ۱۲۶۲ھ پشت ورق ۲ سطر ۸ فضائل صحابہ کی احادیث بطریقہ فرقہ امامیہ جو اصلی و فروعی جزئیات میں مختلف ہیں اگر ایسی تمام کتب احادیث امامیہ بنظر تحقیق ورق ورق کر کے دیکھی جائیں تو یقین ہے کہ صرف تین احادیث مل سکیں گی جن کا سر و پا بھی درست نہ ہوگی اور انکی تنقیص کی احادیث بلاشک و شبہ ہزار سے زیادہ ہیں

پھر اگر حضرات شیعہ انصاف کریں۔ اپنے علماء کے جوابات پر بھی خیال فرماویں اور خدا کو حاضر
و ناظر جان کر عقل کی ترازو میں ہماری تقریر کو اور انکے جواب کو تول لیں اور اپنے تئیں اہل عدل سمجھ کر حق حق فرماویں
کس کا پلہ بھاری ہے اور کس کا ہلکا اور بغض و عناد کا تو کچھ علاج ہی نہیں ہے جو کہ حضرات شیعہ دلی
عداوت صحابہ سے رکھتے ہیں اسلئے انکی فضیلت کا کسی طرح پر اقرار نہیں کرتے اور کیا خدا کے کلام کو کیا رسول
کی احادیث کو کیا ائمہ کے اقوال کو جہاں تک ہو سکتا ہے تحریف لفظی و معنوی کر کے چاہتے ہیں کہ انکی بزرگی ثابت نہ ہو مگر بموجب
آیت ویابی اللہ الا ان یتم نورہ ولو کرہ الکافرون[1] خدا اپنے دوستوں کی بزرگیوں کو دشمنوں[2] کی زبان
سے ظاہر کر دیتا ہے اور بمقتضائے (الفضل ما شہدت بہ الاعداء) اس سے انکی فضیلت کو ثابت
کرتا ہے چنانچہ ہم نے اپنی اس کتاب میں اس کا التزام کیا ہے کہ اپنی کتاب کے اس حصے کو
صحابہ کے فضائل سے بروایات امامیہ بھر دیں گے اور شیعوں ہی کی کتابوں سے انکی سندیں
دیں گے کہ آخر کار وہ سنتے سنتے اور دیکھتے دیکھتے تھک جاویں اور کلمہ شہادت میں ہمارے
شریک ہو جاویں اور پھر اپنے فضلا اور مجتہدین کے انصاف کی داد دیں کہ باوجود موجود ہونے ایسی
روایتوں اور حدیثوں کے انہوں نے فضائل صحابہ سے کیسا انکار کیا ہے اور جس مجتہد نے سنیوں کی
کتابوں کے جواب لکھے ہیں اس میں بغض کو کتنا دخل دیا ہے خصوصاً پچھلے مجتہدین نے سوائے
گالیوں کے حقیقت میں کسی بات کا کچھ بھی جواب نہیں دیا اور جاہلوں کی سی باتوں سے اپنی کتابوں
کو بھر دیا ہے اگر کسی کو شک ہو وہ مولوی دلدار علی صاحب کی تالیفات کو دیکھے کہ وقت تحریر جواب
کیسے عامی بن گئے ہیں اور خلاف شان علما کے بات بات پر گالیاں دی ہیں مگر حقیقت میں یہ
قصور ان کے متبحر ہونے اور تقدس کا نہیں ہے بلکہ یہ قصور اس تہذیب کا ہے جو عمر بھر پاک لوگوں کی
شان میں کہا کئے اور رات دن لعنت لعنت کہتے رہے جس نے موافق حدیث کے انہیں پر رجعت
کی میں نے بہت سی کتابیں اس فن میں شیعوں اور سنیوں کی دیکھیں اور میری نظر سے بہت سے رسالے
علم کلام کے گزرے اور اکثر لوگوں کے کلام میں شوخی بھی پائی لیکن وہ خوبی جو تالیفات میں جناب قبلہ
و کعبہ مولوی سید دلدار علی صاحب کے ہے وہ کسی میں نہ دیکھی حضرت کی داب تالیف کیا ہے کہ
گالی تو دل بھر کے مؤلف کو جس کا جواب لکھتے ہیں گالیاں دینا اور پھر اس پر تبرا کرنا بعدہ کچھ تعریف
اپنے تبحر اور فضیلت اور تقدس کی فرمانا اور خود ہی اپنی زبان سے اپنی تالیف کی نسبت یہ کہنا

---

[1] پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۵ ترجمہ اور اللہ نہ رہے بن پوری کئے اپنی روشنی اور پڑے برا مانیں منکر ۱۲۔

[2] القرآن شاہ عبدالقادر دہلوی۔

[1] که گمان فقیر چنیں ست که دریں جز و زماں چشم روزگار نظیر ایں کتاب نه دیده باشد و گوش چنیں بریں نشنیده، جب اس سے فارغ ہوں گے تب خارج از بحث گفتگو کریں گے اور ورق کے ورق ان باتوں کے لکھنے سے رنگین کر دیں گے جن کو اس بحث سے کسی طرح کا کچھ بھی تعلق نہیں ہے صوفیوں کی برائیاں بیان کرنے لگیں گے اولیاء اللہ کی شان میں جو دل چاہے گا فرماویں گے اور مؤلف کتاب کے کلام کے نقض کی طرف متوجہ ہوں گے تب کسی معتزلی یا کسی تشیعی یا کسی گمنام کو فاضل سنی قرار دے کر اس کے اقوال کو معارضہ میں پیش کریں گے جس کسی کو شک ہو وہ ذرا ذوالفقار اور صوارم وغیرہ کو اٹھا کر دیکھے اور غور کرے کہ فقیر کے کلام کی تصدیق ہوتی ہے یا نہیں ذوالفقار میں صوفیوں کو گالی دینے کا کیا موقع تھا اور ان لوگوں کی شعروں اور مثنوی کی بیتوں کی نقل کرنے سے جن کو علمائے کلام اپنے مناظرے میں آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور اپنے کسی اصولی فروعی مسئلے پر ان کو سند نہیں لاتے کیا حاصل تھا بجز اس کے کہ کتاب کو بڑھائیں اور اپنے رسالے کو ایسی پوچ باتوں کے لکھنے سے موٹا کریں اور کیا نتیجہ نکلتا ہے صوارم کو دیکھئے کہ اس کا کیا حال ہے کوئی ورق اور کوئی صفحہ اس کا ایسا نہیں ہے کہ جس میں مغالطات نہ ہوں سطریں کی سطریں گالیوں اور لعنت سے سیاہ ہیں اور صفحے کے صفحے پوچ اور بیہودہ باتوں سے بھرے ہوئے ہیں اور جہاں حضرت سند اور دلیل لائے ہیں وہاں اکثر اپنے استاد اور پیر ابن ابی الحدید معتزلی شیعی کے اقوال مردودہ کو نقل کیا ہے کہ اگر کوئی بیچارہ جاہل سنی اتنا بڑا نام جس میں دس حرف سے بھی زیادہ ہیں سنے اور عربی زبان میں بڑی لمبی چوڑی عبارت اس کی دیکھے اور سراسر مخالف اپنے مذہب کے اور مطابق حضرات شیعہ کے پاوے تو اس کو حیرت ہووے اور یہ خیال کرے کہ شاید یہ کوئی بڑا عالم اور فاضل سنیوں کا ہے اور اس کا کلام بھی مستند بین العلماء ہے دھوکے میں آکر ان مسائل میں شک کرنے لگے حالانکہ جناب قبلہ و کعبہ نے یہ خیال نہ فرمایا کہ جو ادنیٰ درجے کے طالب علم ہیں اور مکتب میں شرح عقائد اور شرح مواقف پڑھتے ہیں وہ بھی اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ ابن ابی الحدید معتزلی ہے اور اپنے اعتزال کے ساتھ تشیع کو ملائے ہوئے ہے اس کے کلام کو اہل سنت کے معارضے میں پیش کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ حضرات زرارہ اور ہشام ابن حکم کے قولوں کا حوالہ دینا اس لئے کہ سنیوں کے نزدیک دونوں برابر ہیں اور بمقتضائے

---

[1] فقیر کا خیال ہے کہ اس عہد میں زمانہ کی آنکھوں نے اس جیسی کتاب دیکھی نہ ہوگی اور چرخ بریں کے کانوں نے اس قسم کے مضمون سماعت نہ کئے ہوں گے [2] عبارت صوارم مطبوعہ بندر کلکتہ سنہ ۱۲۱۰ھ صفحہ ۲ سطر ۱۲۲۵۔

الکفر ملۃ واحدۃ کے بوجہ ترک سنت کے ابن ابی الحدید اور زرارہ ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور باوجودیکہ حضرت کی کتاب صوارم اسی کے اقوال مردودہ سے بھری ہوئی ہے پھر اس کتاب پر آپ کو اس قدر ناز ہے کہ اس کی خوبیوں کے بیان کرنے کے لئے الفاظ ہی میں اس کی تعریف لکھتے لکھتے کاغذ میں جگہ نہیں رہی اور صرف اپنی کتاب ہی پر ناز نہیں کرتے بلکہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے طرف مقابل بننے پر بھی اپنا عار سمجھتے ہیں اور اس پر بھی افسوس ظاہر کرتے جاتے ہیں چنانچہ خطبے میں صوارم کے فرماتے ہیں کہ جب میں نے امام رازی کی کتاب نہایۃ العقول کا جواب لکھ لیا تو پھر مجھے دوسرے جواب لکھنے کی خواہش نہیں رہی[1] اگرچہ معلوم ست و پیدا و ظاہر ست و ہویدا کہ چون شاہ باز طبیعت بقید سمرغ مضامین عالیہ خو گرفتہ باشد دیگر مخالیب ہمت خود را بہ خون کرگس کندیدہ نیالاید و کسیکہ ابکار افکار را بحبالہ خود در آوردہ باشد نگاہ التفات بہ طرف عجوزہ شوہا نفرماید لیکن از آنجا کہ روزگار ناہموار نمی گزارد کہ ارباب ہمم عالیہ از دست سفلۂ ناس و بیخبردان حق ناشناس نجات یافتہ دمے باستراحت بگذرانند و ابادر شیاطین نمیشود کہ از اضلال بنی آدم دمے تغافل نمایند قبل ازیں تقریباً پنج شش سال باب دوازدہم از کتاب بعضی ذوی الالباب در نقض مذہب عترت جناب رسالت مآب دریں بلدہ کہ بالفعل محل اقامت فقیر ست بہ دریافت و شبہات مموہہ و نہ بیانات ملعہ او دلہائے عوام مومنین را منقبض ساخت جہال سنیان را سر باوج مباہات رسید و آں صحیفہ

[1] یہ امر ظاہر و عیاں ہے کہ جب شہباز طبیعت نے سیمرغ مضامین عالیہ کی عادت بنائی ہے تو پھر اپنی ہمت کے پنجوں سے کرگس کا خون بہانا نہیں چاہتا اور جو نادرہ یا کرہ افکار کو اپنے عقد میں لئے آئے وہ بوڑھی عورت کی جانب التفات نہیں کرتا۔ اس کے باوجود زمانہ ناہموار ارباب ہم عالی کو اپنے دست سفلہ پرور حق ناشناس بے عقلوں کو نجات دے کر ایک لمحہ کے لئے بھی استراحت لینے نہیں دیتا۔ اور انسانوں کو بہکانے سے شیطان ایک لمحہ تغافل نہیں کرتا اب سے تقریباً پانچ چھ سال قبل بعض کم مرتبہ لوگوں نے بارہواں باب عترت رسالت مآب کے بارے میں اسی بلدہ حیدرآباد دکن میں جہاں یہ فقیر مقیم ہے ظاہر کیا ان موہومہ شبہات و نہ بیانات نے قلب مومنین کو منقبض کیا کہ جس کی وجہ جاہل سنیوں کے مدارج مباہات تک پہنچے اور یہ ملعون کتاب ان عقل کے اندھوں کے ان کے لئے عصائے نابینا ثابت ہوئی نظر برآں سنیوں کے امام کو ایک معقول دستاویز کے ساتھ جواب دینے کا خیال دامن گیر ہوا تاکہ ان کی کتاب کو سراسر باطل ثابت کروں لیکن اس کتاب میں بے ہودہ کلام اول سے آخر تک اہل بیت کی عداوت کے سوا جو کچھ اور نہ تھا اس سے میرا دل اس طرف متوجہ نہ ہوا اور میں نے ایسے جاہلوں سے گفتگو پسند نہیں کی اور اس رسالہ کے اندر میں نے خود سے مخاطب ہو کر کہا ایسے جاہل و غبی سے تم کو جو مجادلہ درپیش ہے وہ جدید نہیں

عوضہ بلا شبہ خصاصی کوری این کور باطنان گم دیدوا حقر دریں باب چوں بدل خود رجوع می نمود نظر
باینکہ مثل کتاب نہایۃ العقول امام سفیان را جواب گفتہ واز سرتا پا متنقض و باطل ساختہ ہرگز بہ نقض
کلام نا فرجام ناصب عداوت اہل بیت کہ از اول تا آخر آثار غباوت و غوایت ازاں پیدا و امارات
بغض و عداوت عترت رسول ظاہر و ہویدا التفات نمیگیرید و طرف گفتگو شدن با چنیں جاہلے مدعی عار
دانستہ ہرگز بر خود نمی پسندید چوں حال بریں منوال مشاہدہ نمودم دل خود را مخاطب ساختہ گفتم
کہ ایں مجادلہ و معارضہ کہ ترا با چنیں جاہل غبی پیش آمدہ لیس اول قارورۃ کسرت فی الاسلام و طرف
گفتگو شدن تو با امثال چنیں نادرستان لیس ما عجب من مجادلۃ الانبیاء الکرام والاوصیاء الفخام مع
معاصریہم من الکفرۃ الفجرۃ اللئام چرا نظر نمی نمائی و نگاہ التفات نمی فرمائی بحال جناب حضرت ابراہیم
و حضرت موسیٰ و جناب ہارون علیہ السلام کہ باآں علوم و کمالات مبتلا گردیدند بہ مجادلہ نمودن
با نمرود مردود و فرعون ملعون کہ از کمال جہل و غباوت باوجود ظہور آثار مخلوقیت و بلوغ امارات افتقار
دعوے خدائی می کردند و ہم چنیں نگاہ کن بہ طرف جناب سید المرسلین صلعم کہ بالاتفاق افضل واکمل
خلائق ست چگونہ مبتلا گردید بہ مجادلہ جہال مشرکین قوم خود کہ بسبب فرط جہالت جمادات چندرا
کہ خود می تراشیدند عبادت و پرستش می نمودند و ہم چنیں اند کہ از خواب غفلت بیدار شو و چشم ا
بکشا و بہ بیں جناب باب مدینۃ علم رسول را کہ بالاتفاق اعلم ناس بود بعد رسول خدا صلعم چہ قسم مبتلا
گردید بہ معارضہ و مجادلہ چند ناکس منافقین قریش و ہرگاہ حقیقت حال بریں منوال باشد ناچار عنان
التفات عالی خود را بہ نقض کردن کلام مورد ملام او منعطف باید ساخت و برائے استیصال ہذیانات

(بقیہ حاشیہ صفحہ) بلکہ اسی قسم کی شیشیاں اسلام میں توڑی جا چکی ہیں۔ اور ایسے ناکارہ لوگوں سے مجادلہ و معارضہ بالکل ویسا
ہی ہے جیسا کہ انبیاء کرام اور معزز اوصیا نے اپنے ہم عصر کافروں فاجروں اور ملعونوں سے کیا ہے اسلئے تم بالکل بھی
ان کی طرف نظر نہ کرو اور متوجہ نہ ہو خاص حالات میں جناب ابراہیمؑ و موسیٰؑ و ہارونؑ نے اپنے علوم و کمالات کی
موجودگی میں مردود نمرود اور ملعون فرعون سے جو دعوائے الوہیت کرتا تھا مجادلہ کیا۔ اسی طرح افضل واکمل خلائق سید
المرسلینؐ نے اپنی جاہل مشرک قوم سے مجادلہ کیا جو اپنی جہالت سے پتھروں کو خود تراش کر ان کی پوجا کرتے تھے اور
خواب غفلت سے بیدار ہو کر آنکھیں کھول کر باب مدینۃ العلم کو دیکھو جو تمام لوگوں سے زیادہ عالم تھے وہ بھی منافق و ناکارہ
قریش سے مجادلہ کے لئے مبتلا کئے گئے اور اگر یہی حالات درپیش ہوئے تو مجبوراً ہم اپنی بلند و بالا توجہ ان سنی علماء کے
کلام کی تردید و تنقیص میں منعطف کریں گے اور ان کے بیہودہ بکواس کا استیصال کریں گے یہ ہیں صوارم کے خطبہ
کے الفاظ جو خلاصہ کے طور پر لکھے گئے ہیں۔

یہ بیہودہ او ہمت والا نہمت خود را باید گماشت انتہی لفظہ ملخصاً، غرضکہ یہ چند سطریں آصفیہ
کے تقدس اور تہذیب اور اجتہاد اور وقار کی نمونہ ہیں باقی کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے لیکر
ان سے بحث نہیں کرتے اور اس کے جواب میں ہم جاہل اور عامی بن کر گالی کا جواب گالی سے
نہیں دیتے ہاں حضرت کی لن ترانیوں اور خودستائی پر کبھی کبھی یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر کاش قبلہ و
کعبہ جواب بھی ایسے ہی دیتے جیسی گالیاں دی ہیں اور شاہ صاحب کے اعتراضات کو بھی اس
بات سے رد فرماتے جس خوبی سے اپنی تعریف فرماتے ہیں تو یہ تعریف بجا و خود ہوتی اور اس تہذیب اور شائستگی پر بھی،
یہ کم پڑھائی یعنی یہ عیب بھی کچھ چھپ جاتا لیکن افسوس ہے کہ کسی مسئلے کے جواب میں حضرت نے
اپنے وقار طبیعت کے جوہر نہ دکھلائے اور کسی عقیدے کے اثبات میں اپنے اجتہاد اور تبحر کو
ظاہر نہ فرمایا وہی پرانی باتیں جو ان کے پیشوا لکھتے آئے ہیں لکھ کر سکوت اختیار کیا اور انہیں قصے،
کہانیوں کو جو پشت در پشت سے سنتے آتے تھے نقل کرکے کتاب کو ختم کیا بس ہم کو افسوس اسی بات
کا ہے کہ حضرت نے اپنے آپ کو انبیاء اولوالعزم کے ساتھ مشابہ بھی بنایا اور حضرت موسیٰؑ اور
حضرت سید الانبیاء علیہ التحیہ والثنا کا عہدہ بھی اپنے ذمے لیا اور سید الاوصیا باب مدینۃ العلم کی
نیابت کا بھی دعویٰ کیا اور ہدایت خلق کی اور ایک منافق جاہل کا مثل مولوی شاہ عبدالعزیز
صاحب کے جن کی کم علمی اور بے بضاعتی اور جہالت سے نہ ہندوستان بلکہ عرب اور عجم کے لوگ
واقف ہیں طرف مقابل بننا نہایت مجبوری سے گوارا کیا اور ایسے بڑے عار و ننگ کو صرف
ایمان پاک کے دین و ایمان کی خاطر سے اختیار کیا مگر افسوس ہے کچھ کر کے نہ دکھلایا اور جتنا
دعویٰ کیا تھا اسے پورا نہ کیا اور اپنے آپ کو ان علماء کے زمرے میں داخل کیا جن کی صفت جناب
امیر علیہ السلام اپنے ایک خطبے میں کرتے ہیں۔ وان ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ رجل قمش علماً
فی اغباش الفتنۃ سماہ اشباہ الناس و ارذالہم عالماً ولم یعش فی العلم یوماً سالماً
تبکر فاستکثر مما قل منہ خیر مما کثر حتی اذا ارتوی من ماء آجن واکثر من غیر طائل
جلس للناس مفتیاً لتخلیص ما التبس علی غیرہ فان نزلت بہ احدی المبہمات ہیأ لہا
من رائہ حشو الرأی فہو من قطع الشبہات فی مثل نسج العنکبوت لا یدری اخطأ ام اصاب
رکاب جہالات خباط عشوات یعتذر ربما لا یعلم فیسلم ولا یعض علی العلم بضرس قاطع فیغتنم
تبکی منہ الدماء و تستحل بقضائہ الفرج الحرام لا ملئ واللہ باصدار ما ورد علیہ ولا ہو اہل
لما فوض الیہ اولئک الذین حلت علیہم المثلات وحقت علیہم النیاحۃ والبکاء ایام الحیٰوۃ الدنیا۔

کہ سب خلق سے زیادہ تر دشمن خدا کے نزدیک وہ آدمی ہے جو ادھر ادھر سے علم کو جمع کر کے فتنہ و فساد کی تاریکی میں جلد جلد دوڑتا ہے اور جس کو ایسے لوگ جو آدمیوں کی صورت رکھتے ہیں اور حقیقت میں انسانیت سے بے بہرہ ہوتے ہیں عالم فاضل کہنے لگتے ہیں حالانکہ وہ ایک دن بھی علم سے سروکار نہیں رکھتا صبح ہوئی اور اس چیز کے جمع کرنے پر متوجہ ہوا جس کی قلت بہتر ہے اس کی کثرت سے یعنی مال یہاں تک کہ جب سڑے نجس پانی سے پیٹ بھر لیا وہ مفتی بن کر بیٹھا اور اپنی پوچ لچر رائے سے مشکلات اور شبہات کے حل کرنے پر آمادہ ہوا جس کی رائے ان کے حل کرنے میں وہی قوت رکھتی ہے جو کہ مکڑی کے جالے کو ہوتی ہے یہ بھی نہیں جانتا کہ خود اس نے خطا کی یا صحت وہ اندھوں کے موافق چلتا ہے اور ہر بات میں بے بصیرت ہوتا ہے اپنی لاعلمی کا عذر نہیں کرتا تاکہ آفت سے بچ جاوے اور علم کو مضبوطی سے نہیں پکڑتا کہ فائدہ پاوے اس کے فتوے سے ناحق خون بہائے جاتے ہیں جو کہ اسی کو روتے ہیں اور اس کے علم سے بہت سی حرام فرجیں حلال ہو جاتی ہیں نہ وہ اس لائق ہوتا ہے جو اس سے پوچھا جاتا ہے نہ وہ اس کام کی اہلیت رکھتا ہے جو اس کے سپرد کیا جاتا ہے پس وہ اس میں ہے جس پر عذاب حلال ہو جاتا ہے اور اور جس پر نوحہ و بکا کرنا زندگی بھر واجب ہوتا ہے۔

میں نے جو کچھ کہا اس کا ثبوت خود جناب والا کی تالیفات اور جوابات سے ہوتا ہے چنانچہ میں نے اپنی اس کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ ان کی ساری تالیفات سے جو یہ جواب تحفہ کے ہے بحث کروں گا اور کیا ذوالفقار اور کیا صوارم اور کیا حسام سب ان کی تلواروں کے وار انہیں کے ہاتھ سے انہیں کے منہ پر ماروں گا اور جو کچھ انہوں نے ان کتابوں میں لکھا ہے اس کو جس بحث کے متعلق ہے بالاستیعاب نقل کر کے اس کی خوبیاں ان کی پیروی کرنے والوں پر ظاہر کروں گا تاکہ مخالف بھی شہادت دینے لگیں اور زبان سے نہیں مگر دل میں تو ضرور سنیوں کا کلمہ پڑھنے لگیں اور وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل کان زهوقا کا شور آسمان تک پہنچا دیں۔

وہا ان اشرع فی بیان ماکتب فی صدرہ

جو کچھ میں نے اب تک لکھا یہ بیان میں فضائل صحابہ کے تھا کہ جس کو میں نے نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا اور خود شیعوں ہی کی کتابوں سے اس کو ثابت کیا اور جو کچھ جواب

ــــــــــــــــ

لہ پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۹ ترجمہ اور کہہ آیا سچ اور نکل بھاگا جھوٹ اور بے شک جھوٹ ہے نکل بھاگنے والا ۱۲

ان کے عالموں نے دیئے ہیں ان کو موقع موقع پر نقل کیا اب میں ان اقوال کو شیعوں کے بیان کرتا ہوں جو تمام آیات اور احادیث و فضائل صحابہ سے دیتے ہیں اور اسی کے ضمن میں بہت کچھ روائتیں ان کے فضائل کی بھی موقع بہ موقع لکھتا جاؤں گا۔

جواب شیعوں کا بہ نسبت آیات فضیلت صحابہ کے

جو آیات قرآن مجید کی شان میں صحابہ کے ہیں اور جن میں سے چند آیتوں کو اوپر میں نے بیان کیا ہے ان کی نسبت شیعوں کی طرف سے عام جواب یہ ہے۔

جو آیتیں مہاجرین کی شان میں اور ان کی بزرگیوں میں خدا نے نازل کی ہیں اور اپنی رضامندی کا اظہار ان کی نسبت فرمایا ہے اس سے حضرات شیعہ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہجرت کی صحت میں اور اس پر مستحق ثواب ہونے میں ایمان اور صحت نیت شرط ہے چنانچہ تقلید اپنے بزرگوں کی جناب مولوی ولدار علی صاحب قبلہ بھی ذوالفقار میں اس مقام پر جہاں کہ مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب نے والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار الخ[1] کا ذکر کیا ہے فرماتے ہیں دیگر بباید دانست کہ باتفاق اہل اسلام در صحت ہجرت و ترتب ثواب بران ایمان شرط ست و از ینجاست کہ دلیل پیغمبر خدا کہ درین ہجرت شریک ابوبکر بود مشرک بود چنانچہ در کتاب طبقات واقدی تصریح بآں واقع مقبول الہجرت نخواہد بود زیرا کہ باتفاق ایمان بشرط صحت عبادت است و ہم چنیں باتفاق فریقین شرط ترتب ثواب بر ہجرت صحت نیت ست چنانچہ دلالت میکند بران حدیث متواتر۔ انما الاعمال بالنیات و لکل امرء ما نوی و من

[1] پارہ ۱۱ سورہ توبہ رکوع نمبر ۲ ترجمہ اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے ۱۲ منہ [2] جاننا چاہیئے کہ ہجرت و ثواب کے پیش نظر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ اس کے لئے ایمان شرط ہے۔ اور پیغمبر خدا کی دلیل یہاں یہ ہے کہ ابوبکر جو ان کے ساتھ شریک ہجرت تھے مشرک تھے جیسا کہ طبقات میں واقدی نے صراحت کی کہ انکی ہجرت مقبول نہیں کیونکہ یہ مسئلہ متفق علیہ ہے کہ ہجرت کیلئے ایمان اور صحت عبادت شرط ہے نیز فریقین کے نزدیک یہ امر مسلمہ ہے کہ ہجرت کیلئے صحیح نیت اور حصول ثواب شرط ہے [3] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لودھیانہ ۱۲۹۰ھ صفحہ ۲۵ سطر ۲۳-۲۰ ۱۲ منہ [4] جب کہ اس پر حدیث متواتر شاہد ہے کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے الخ۔ اور یہ سب بخاری وغیرہ میں لکھا ہوا ہے سو جب تک ہم کو ابوبکر کی صحت نیت کا ثبوت نہ ملے اس وقت تک ان پر آیت سابقون الاولون کا اطلاق نہیں ہوتا اور جب تک یقین نہ ہوا اس وقت تک انکو عبد رتبہ پر اس آیت کے تحت نہیں لا سکتے۔

كانت هجرته الى الله ورسوله [1] وہمہ اینہا در اوائل صحیح بخاری وغیرہ مسطور ست پس
ما دامیکہ ما را علم بہ صحت نیت ابی بکر بہ ثبوت نرسد دخول او در مدلول این آیہ متیقن نمی شود
وتا متیقن نشود احتجاج باین آیہ بر علو مرتبہ او نمی تواند شد اور نیز اسی کتاب میں ایک دوسرے
مقام پر جہاں کہ مولانا صاحب نے آیۃ لِلْفُقَرَاءِ الْمُهَاجِرِينَ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ کا ذکر کیا تھا
مجتہد صاحب فرماتے ہیں (کہ بر فرض تسلیم فضیلت ہجرت وامثال آن از اعمال مشروط ست
بر ایمان بہ اجماع واتفاق اہل اسلام و درستی نیت چنانچہ بخاری در صحیح خود از لیث روایت
نمودہ است کہ گفت شنیدم عمر خطاب را کہ بر منبر می گفت کہ شنیدم رسول خدا را کہ می فرمود
انما الاعمال بالنیات وانما لکل امرء ما نوی فمن کانت ہجرتہ الی اللہ فہجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن
کانت ہجرتہ الی دنیا یصیبہا او الی امراۃ ینکحہا فہجرتہ الی ما ہاجر الیہ وایں ہر دو فیما نحن فیہ در
معرض عدم تسلیم ست) اور پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ ایضاً احتجاج باین آیت موقوف
ست کہ بہ ثبوت رسد کہ ہجرت ابوبکر باجازت حضرت نبوی واقع شدہ وشیعہ این را قبول ندارند
اور پھر ایک جگہ اسی کتاب میں لکھتے ہیں (کہ ہجرت ونصرت ممدوح امری ست کہ تعلق بہ
صحت نیت دارد وآن امری ست باطنی) اب میں اس قول کو چند طرح سے رد کرتا ہوں۔

اول جو سند احادیث بخاری کی قبلہ وکعبہ لائے ہیں اس سے سوائے اظہار فضیلت
کے اور کچھ فائدہ نہیں ہے اس لئے کہ ہر عمل میں نیت شرط ہے اور تمام فرقے اسلام کے
بلکہ سارے اہل مذہب اس پر متفق ہیں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ کوئی عمل بغیر نیت کے
مقبول ہے تو اس حدیث کی نقل کرنے سے بجز بڑھانے حجم کتاب کے کیا فائدہ ہاں شاید
مجتہد صاحب کی یہ غرض ہو کہ اس حدیث کو سن کر بعض جہلا شبہ میں پڑ جاویں اور یہ وہم
کرنے لگیں کہ یہ حدیث انہیں ہجرت کرنیوالوں کی نسبت ہے جو کہ پیغمبر صاحب کے ساتھ
یا آگے پیچھے چند روز کے ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ کو آئے اور جن کی شان میں خدا نے آیتیں
نازل کی ہیں تو اگر وہ سب کے سب مستحق ثواب ہوتے تو پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا ایسی حدیث
نہ فرماتے اور صحت نیت کی شرط ترتب ثواب پر نہ کرتے پس ظاہر ہوتا ہے کہ شاید بعض
اصحاب ایسے بھی تھے کہ جن کی نیت ہجرت میں بخیر نہ تھی تو یہ شبہ ان کی اس تدلیس سے

---

[1] پارہ ۲۸ سورہ حشر رکوع ۱ ترجمہ واسطے ان مفلسوں کے وطن چھوڑنے والوں کے جو نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے منہ
عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لودیانہ ۱۲۸۳ھ صفحہ ۴۳ سطر ۱۱ و ۱۲ منہ عہ ایضاً صفحہ ۔ سطر ۱۹ منہ عہ ایضاً صفحہ ۸۶
سطر ۱۲ منہ

کسی کو نہیں ہو سکتا اس لئے کہ سب جانتے ہیں کہ ہجرت ختم نہیں ہوگی اور پیغمبر صاحب کی قید حیات تک جاری رہے گی اور سب لوگ مثل مہاجرین اولین کے خاص خدا و رسول ہی کے لئے ہجرت نہ کریں گے بلکہ بعض بعض دنیا اور عورتوں کے پیچھے اپنے گھر چھوڑ جاویں گے جیسا کہ آج کے زمانے میں ہم لوگ اپنی آنکھ سے دیکھتے ہیں کہ کوئی عورت کے پیچھے اپنا وطن چھوڑ دیتا ہے کوئی رنڈی کی خاطر سے مسلمان ہو جاتا ہے یعنی مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے لگتا ہے تو اس حدیث کا مضمون انہیں لوگوں کے حق میں صادق ہوگا علاوہ اسکے جناب قبلہ و کعبہ کو چاہیے تھا کہ شان نزول اس حدیث کا احادیث کی شرحوں میں دیکھتے اور اس بات کو دریافت فرماتے کہ یہ حدیث کس کے حق میں اور کس کے لئے حضرت نے فرمائی ہے اور مہربانی کر کے اسی میں لکھ دیتے تاکہ ہم بھی ان کی دیانت کی داد دیتے اور ان کو اہل عدل کہتے مگر وہ اسے کیوں لکھتے اس لئے کہ اس سے تو ان کا مطلب ہی ہاتھ سے جاتا ہے چونکہ حضرت نے اس کو نہیں لکھا اس لئے میں شرح مشکوٰۃ شیخ عبد الحق محدث دہلوی سے اسے لکھتا ہوں واضح ہو کہ ایک شخص مدینے میں آیا تھا ایک عورت کی طلب کے لئے جس کا نام ام قیس تھا اس کے حق میں یہ حدیث پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمائی چنانچہ اس کو مہاجر ام قیس کہتے تھے کہ اس نے ہجرت عورت کے پیچھے کی تھی) اب اے حضرات شیعہ اپنے قبلہ و کعبہ کی تقدس اور دیانت کی داد دو اور جو کچھ انہوں نے لن ترانیاں فرمائی ہیں اس پر غور کرو چنانچہ خود حضرت نے صوارم میں نسبت شاہ صاحب قدس سرہ کے فرماتے ہیں دکرمی تابیدہ ہرگاہ شعور داشتہ باشد ارادہ تصنیف و تالیف نماید مادامیکہ قابلیت آں بہم نرساند بالجملہ بامتحان رسیدہ کہ ناصب عداوت اہل بیت ہرگاہ مسئلہ علیہ کہ اند کے وقتی داشتہ باشد در انشائی تحریر آں دست و پا گم می کند از انجملہ است ایں مقام کہ دراں کمال انتشار و پراگندگی بکار بردہ لیکن نہ فہمید کہ ہرگاہ آتش قہر الٰہی مورود مستوقد گردید ہمہ تر و خشک او خواہد رسید و بباد فنا خواہد داد ہیچ حیلہ و مکر دراں وقت مفید نخواہد

لہ جب شعور آیا ہوگا اور قابلیت پیدا ہوئی ہوگی اسوقت لکھا ہوگا اور امتحان و تجربہ سے معلوم ہوا ہے کہ اہل بیت کے دشمنوں کے معمولی مسائل کی تحریر سے بھی ہاتھ پاؤں بھول جاتے ہیں ان مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس پر ان کی سٹی گم ہوگئی اور وہ یہ نہیں سمجھے کہ جس وقت آتش قہر الٰہی بھڑکے گی تو ان کے خشک و تر کو جلا کر باد فنا میں اڑا دیگی اور اسوقت کوئی حیلہ و فریب کام نہ آئیگا ۱۲ منہ عبارت صوارم مطبوعہ بند کلکتہ سنہ ۱۲۱۸ھ پشت ورق ۸۴ سطر ۸ ۱۲ منہ

افتادوانتہی بلفظہ ملخصاً) اب کوئی مومن منصف انصاف کرے کہ یہ مضمون خود جناب قبلہ وکعبہ پراس روایت میں کتنا صادق ہے کہ انہوں نے کلام کو کتنا منتشر کیا ہے اور دھوکہ دینے کے لئے بیچ میں کی حدیث کا ذکر فرمایا ہے مہاجرین کو اس سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے حقیقت میں قبلہ وکعبہ نے سچ فرمایا (کہ مخفی[1] نباید انسان ہرگا شعور داشتہ باشد ارادہ تصنیف وتالیف نہ نماید مادامیکہ قابلیت آن بہم نرساند) دوسرے یہ فرمانا حضرت کا کہ (باتفاق[2] اہل اسلام در صحت ہجرت وترتب ثواب بران ایمان شرط ست) یہ بیان بھی سچ اور بالکل اور بالکل ٹھیک ہے نہ اس کے لئے کسی آیت کی سند لانے کی حاجت ہے نہ کسی حدیث کے نقل کرنے کی ضرورت ہے لیکن یہ فرمانا کہ (پس[3] مادامیکہ مارا علم بہ صحت نیت ابی بکر بہ ثبوت نرسد وخول او در مدلول این آیت متیقن نمی شود) میں ہم کو جرح ہے چند طرح سے اول جناب صاحب تحفہ قدس سرہ نے اس آیت کو صرف شان حضرت صدیق اکبرؓ ہی کے نہیں فرمایا بلکہ سب مہاجرین کے فضائل میں اس کو نقل کیا ہے پس حضرت نے سب کا ذکر تو چھوڑ دیا صرف نام حضرت صدیق اکبرؓ کا لکھا یہ خلاف داب مناظرہ کے ہے اگر شاہ صاحب اس آیت کو خاص نسبت صدیق اکبرؓ کے بیان کرتے تو ان کو بھی جواب میں انہیں کے نام کی قید کرنی مناسب تھی واذلیس فلیس دوسرے اگر بہ خیال اس کے کہ حضرت صدیق اکبرؓ مہاجرین میں بھی اول درجہ رکھتے ہیں اور ان کی نسبت اس قضیہ کی ابطال سے اوران کے قضیہ کا بطلان خود اسی دلیل سے ہوگا حضرت قبلہ وکعبہ نے ان کا نام لکھا ہے تو خیر ہم اس سے بحث نہیں کرتے اسی کا جواب دیتے ہیں کہ آپ کو صحت نیت کا علم کیونکر ہووے اور کس طرح آپ اس علم کو حاصل کرنا چاہتے ہیں اگر یہ خیال کرکے (کہ آن[4] امر نیت باطنی) سوائے خدا کے دوسرا نہیں جانتا تو ہم تسلیم کرتے ہیں اور آپ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں یقین ہے کہ خدا نے اب آپ کو اس کا حال قبر میں بتلایا ہوگا اور ابوبکر صدیق کی صحت نیت کا اب حال آپ پر کھل گیا ہوگا

---

[1] جب تک انسان میں قابلیت پیدا نہ ہو اس وقت تک تالیف وتصنیف نہ کرے بلکہ شعور حاصل کرنے کے بعد سلسلہ تالیف وتصنیف آغاز کرے [2] تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ہجرت کی صحت اور حصول ثواب کے لئے ایمان لانا شرط ہے [3] اور جب تک ابوبکر کی صحت نیت کا ثبوت ہمیں نہ مل جائے اس وقت تک یہ آیت ان پر چسپاں نہیں ہوتی [4] کہ وہ ایک باطنی امر ہے [2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۹۰ھ صفحہ ۵۶ سطر ۲ [3] ایضاً صفحہ ۵۷ سطر ۵ ۱۲ منہ۔

اور اگر آپ نیت کا حال ان کے اعمال سے جو ہجرت کے انہوں نے کئے دریافت کرنا چاہتے ہیں تو اپنے ہی علما کے اقوال سے دریافت کر لیجئے اور پیغمبر خدا کا ان کے گھر جانا اور اپنے ساتھ لے کر غار کو چلنا اور راہ میں ابوبکر صدیق کا حضرت کو دوش پر چڑھانا اور اپنے گھر سے کھانا پہنچانا ان سب باتوں کا اپنی ہی کتابوں سے ثبوت دیکھ لیجئے کہ اس کو ہم نہایت تفصیل کے ساتھ آیۂ غار کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں جس کو دیکھنا ہو اس کتاب کے چند ورق الٹ کر اس ساری بحث کو جس پر حقیقت میں یہ مضمون صادق ہے اگر در ہیں جز و زمان چشم روزگار نظیر ایں بحث یعنی فضیلت صدیق اکبر از آیۂ غار ندیدہ باشد و گوش چرخ بریں نشنید، تو اس کے لئے اس مقام پر بھی ہم ایک روایت لکھتے ہیں جسے صاحب تحفہ نے ملا عبد اللہ کی کتاب اظہار الحق سے نقل کیا ہے کہ وہ خود اپنے ہم مذہبوں کے اس انکار کو لوچ اور بیہودہ کہتا ہے کما قال کہ اجواب گفتن ایں سخن بہار لکاب آنکہ در سبق ہجرت ونصرت ایمان شرط است و آں شخص یعنی ابوبکر معاذ اللہ ہیچ وقت ایمان نہ داشتہ چنیں فعل از سنوح ناخوشی با امیر المومنین از انصاف دور است) مجتہد صاحب قبلہ اپنی ذوالفقار میں اس روایت کی نسبت فرماتے ہیں کہ پس معلوم است کہ یا ملا عبد اللہ از امامیہ نبودہ یا ایں کہ جامع کلمات ایں مزخرفات را از پیش خود داخل نمودہ و یا مراد او از ایمان، دریں مقام اسلام ست و معلوم ست کہ خلیفہ اول از اول امر از ایمان بہرہ نداشت باتفاق من علماء الامامیہ، اس جواب میں تین امر مجتہد صاحب نے لکھے ہیں اول انکار کرنا ملا عبد اللہ مشہدی کے امامیہ ہونے سے جس پر ہم ابھی زیادہ بحث نہیں کرتے اگر مجتہد صاحب اپنے سارے علما کے امامیہ ہونے سے منکر ہو جائیں ہمارا کچھ حرج نہیں ہے اگرچہ سارے علما

لہ اس زمانہ تک کبھی کسی آنکھ نے اس بحث میں ایسی مثال یعنی صدیق اکبرؓ کی فضیلت کو آیۂ غار نہ دیکھی ہوگی اور آپ کی افضلیت آسمان کے کانوں نے کبھی نہ سنی ہوگی۔ لہ اس امر کے جواب دینے میں کہنا لازم ہے کہ ہجرت ونصرت اسلام میں ایمان لانا شرط ہے اور ابوبکر کسی وقت بھی ایمان نہیں لائے یہ کبائر گناہ اور امیر المومنین کی ناخوشی کا باعث ہے نیز انصاف سے بھی دور ہے لہ معلوم ہے کہ ملا عبد اللہ یا تو شیعہ نہ تھے یا پھر ان تمام لغویات کو انہوں نے اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے یا پھر ایمان سے یہاں اسلام مراد ہو اور یہ بات معلوم ہے کہ خلیفہ اول باتفاق علمائے شیعہ ابتدا میں اسلام نہیں لائے تھا۔ لہ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۳۶ سطر ۱۹۔ ۱۲ منہ۔

نے ملا عبداللہ کے امامیہ ہونے پر بہت کچھ ثبوت دیا ہے مگر ہم مجتہد صاحب ہی کی بات کو
مانتے ہیں اور اس کے امامیہ ہونے کا ثبوت دینا لغو سمجھتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ صرف اس
لئے مجتہد صاحب نے اس کے امامیہ ہونے سے انکار کیا ہے کہ وہ صحابہ کے ایمان کا
قائل ہے تو اس کا ثبوت ان علمائی امامیہ کے اقوال سے بھی ہوتا ہے جو کہ مجتہد صاحب
کے پیشوا ہیں اور جن کے قول کو کالوحی المنزل من السماء جانتے ہیں چنانچہ قاضی نوراللہ
شوستری مجالس المومنین میں فرماتے ہیں (کہ اما آنکہ[1] تکفیر ابوبکر و عمر بہ شیعہ نسبت نمودہ
است سخنی ست بے اصل کہ در کتب اصول ایشاں ازاں اثرے نیست و مذہب ایشان
ہمیں ست کہ مخالفان علی فاسق اند و محاربان او کافر اند) اس کا جواب جب مجتہد صاحب
نے کچھ نہ دیکھا اور قاضی نوراللہ شوستری کے امامیہ ہونے سے انکار کرنا خلاف ایمان
جانا تو دوسری طرح سے اس قول کو باطل کرنا چاہا چنانچہ اس کے جواب میں ذوالفقار
میں فرماتے ہیں (کہ پوشیدہ[2] نماند کہ ایں کلام بر تقدیر صحت و صدور آں را فاضل تا درج
مقصود ما و مفید مطلوب او نمی شود زیرا کہ سابق گزشتہ کہ فاسق در مقابلہ مومن اطلاق
شدہ) اب کوئی اس دھوکہ دینے کو خیال کرے کہ قاضی نوراللہ سا مؤلف اور مجالس المومنین
سی مشہور کتاب پر بھی جناب علامی فہامی فرماتے ہیں (کہ بر[3] تقدیر صحت و صدور آن از
فاضل) گویا ان لفظوں میں اس کا بھی انکار کرتے ہیں مگر صاف انکار کرنے سے کچھ تقدس
کا لحاظ فرماتے ہیں اگر حضرت کو دیانت کا دعویٰ تھا تو چاہیے تھا کہ ایسا دھوکہ نہ دیتے اور
مجالس المومنین کی اصل عبارت کو جس میں کچھ تحریف نہ ہوئی ہوتی نقل کر دیتے چنانچہ بجز
اس کے کہ شاہ صاحب لکھتے ہیں (کہ نسبت[4] تکفیر بجناب شیخین کہ اہل سنت و جماعت

---

۱ شیعوں کی طرف یہ نسبت کرنا کہ یہ ابوبکر و عمر کو کافر کہتے ہیں یہ وہ قول ہے جس کا کوئی ثبوت شیعوں کی کتب
میں موجود نہیں البتہ شیعوں کا مذہب یہ ہے کہ علی کے مخالف فاسق اور ان سے جنگ کرنے والے کافر ہیں۔
۲ واضح رہے کہ فاضل شستری کا یہ بیان ہمارے مقصود و مقصد پر ضرب اور ان کے مطلب کے لئے مفید
نہیں کیونکہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ مومن کا لفظ فاسق کے مقابلہ میں آیا ہے ۳ بربنا صحت و بیان فاضل
شستری ۴ شیخین کو کافر کہنے کی نسبت شیعوں کی جانب اہل سنت سے جو بتاتے ہیں یہ ایک بے اصل
اور لغویات ہے کیونکہ اسکا ثبوت شیعوں کی کتب اصول میں نہیں ہے ۔ ۵ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع
مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۹۱ھ صفحہ ۷۰ سطر ۲۰ ۱۲ منہ ۶ ایضاً صفحہ ۲۸ سطر ۲۳ - ۱۲ منہ

بہ شیعہ نمودہ اند سخنی ست بی اصل کہ در کتب اصول ایشاں اثناں اثری نیست) انتہی بلفظہ عبارت مجالس المومنین کی وہ ہے جو او پر ہم نے نقل کی اگر کسی کو شک ہو وہ مجالس المومنین کو دیکھ لے اور مجتہد صاحب کے (بر تقدیر صحت وصدور آن از فاضل) لکھنے پر داد دے اور سب سے زیادہ مجھے یہ حیرت ہے کہ ایسے مجتہد فاضل نے (بر تقدیر صحت) اس عبارت کی نسبت کیونکر فرمایا اس لئے کہ مجالس المومنین میں نہایت شد ومد سے ملا نور اللہ شوستری نے تکفیر حضرات شیخین سے انکار کیا ہے اور صرف انہیں چند لفظوں سے اپنے انکار کو ثابت نہیں کیا بلکہ بہت لمبی چوڑی تقریر کی ہے چنانچہ مجلس سوم میں فرماتے ہیں۔

(کہ از ابعاد ایں مقدمہ دفع توہمی ست کہ در او ہام عامہ استقرار یافتہ کہ شیعۂ امامیہ تکفیر جمیع یا اکثر صحابہ می نمایند وایں معنی را مستبعد یافتہ عوام اہل مذہب خود را بہ تقریر آں از مذہب حق متنفر نمودہ از راہ بردہ اند وچگونہ چنیں باشد وحالانکہ افضل المحققین خواجہ نصیر الدین طوسی در کتاب تجرید فرمودہ کہ محاربوا علی کفرۃ ومخالفوہ فسقۃ وظاہر ست کہ اکثر صحابہ با آنحضرت محاربہ نہ کردہ اند بلکہ بہ قوت کثرت خیل وحشم بے نیت استعمال سیف وعلم در مقام مخالفت در آمدہ بہ استقلال غصب منصب عزت رسول متعال نمودہ اند انتہی بلفظہ) غرضکہ اس عبارت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری نے بہ دلیل قطعی تکفیر سے ان صحابہ کے جنہوں نے حضرت علیؓ سے لڑائی نہیں کی بلکہ صرف مخالفت کی ہے انکار کیا ہے اس لئے کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ اس مقدمے کے لکھنے سے ہماری غرض

شد بہ بنا صحت انتساب فاضل شوستری۔ ۲ بہ بنا صحت۔

سکہ اس مقدمہ کا مطلب ان باطل اوہام کا دفعیہ ہے جو عام لوگوں کے ذہن نشین ہے کہ شیعہ لوگ تمام صحابہ یا اکثر صحابہ کو کافر کہتے ہیں اور اس وہم کی وجہ عام لوگ مذہب حق سے نفرت کرنے لگے ہیں اور راہ سے دور ہو گئے ہیں حالانکہ صحابہ کافر نہیں ہو سکتے خواجہ طوسی نے اپنی کتاب تجرید میں لکھا ہے کہ علی سے لڑنے والے کافر اور مخالفت علی کرنے والے فاسق ہیں اور یہ امر واضح ہے کہ صحابہ نے حضرت سے جنگ نہیں کی بلکہ قوت شان وشوکت اور سواریوں کے ذریعہ آپ کی امداد کی اور مخالفین اسلام کے مقابلہ میں شمشیر و پرچم اپنے ہاتھ میں لئے اور عزت رسول اللہ قائم رکھنے میں استقلال دکھایا ہے اور حضرت علی سے جنگ نہیں کی بلکہ بغیر لڑائی وجنگ وجدال کے رسول اللہ کے پر عزت منصب خلافت کو غصب کر لیا (بہ تمہ پورے الفاظ)

یہ ہے کہ جو وہم سنیوں کو ہے کہ شیعہ امامیہ سب صحابہ کو کافر کہتے ہیں اور اسی سے عوام کو ترغیب کر
دہ شیعوں کے مذہب کی برائی ان کے دل میں پیدا کر کے امامیہ مذہب سے ان کو نفرت دلاتے
ہیں حالانکہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم امامیہ مذہب کے لوگ سب اصحاب کو کافر کہیں،
حالانکہ افضل المحققین خواجہ نصیر الدین نے تجرید میں صاف لکھا ہے کہ علی کے مخالف فاسق
ہیں اور لڑنے والے کافر اور پھر قاضی نور اللہ شوستری اسی پر قناعت نہیں کرتے بلکہ اس قول
کو لکھ کر آپ اپنے دعوے عدم تکفیر اصحاب کے ثبوت میں یہ لکھتے ہیں کہ یہ ظاہر ہے کہ اکثر
اصحاب نے حضرت علی کے ساتھ لڑائی نہیں کی بلکہ بغیر لڑائی کے خلافت کو غصب کر لیا پس
باوجود ایسی مدلل تحریر کے جو قاضی نور اللہ شوستری نے کی ہے جناب مجتہد صاحب اول تو
(بر تقدیر صحت) فرماتے ہیں تاکہ عوام کو شبہ ہو کہ یہ روایت ہی مجالس المومنین میں نہ ہوگی
اور بر تقدیر صحت فرما کر اس کے یہ معنی لکھتے ہیں کہ (قادح مقصود و مفید مطلوب او نمی شود زیرا
کہ سابق گزشتہ کہ فاسق در مقابلہ مومن اطلاق شدہ) یعنی اس سے کچھ ہمارے مطلب میں،[1]
قدح اور شاہ صاحب کے دعوے کو فائدہ نہیں ہوتا اس لئے کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ فاسق
بہ مقابلہ مومن کے آیا ہے جس کے معنی کافر کے ہوتے ہیں سبحان اللہ مگر بریں عقل و دانش
بباید گریست کیا فہم و ذکا خدا نے حضرت کو دیا تھا کہ اپنے دعوے تکفیر صحابہ کو قاضی نور اللہ
شوستری کے دعوے عدم تکفیر سے ملاتے ہیں اور پھر کیا شوخی اور بے باکی ہے کہ فرماتے ہیں
کہ ہمارا ان کا مطلب ایک ہے در حقیقت وجود و عدم اور اسلام و کفر کو ایک سمجھنا حضرت
کی فہم و فراست سے کچھ بعید نہیں ہے آپ کی سمجھ پر خیال کر کے ہم بھی کہتے ہیں کہ بیشک
جو آپ فرماتے ہیں وہی درست و بجا ہے شاہ صاحب جاہل اور نادان تھے جنہوں نے
قاضی نور اللہ شوستری کی عبارت کو عدم تکفیر صحابہ پر محمول کیا اے حضرات امامیہ یہ حال ہے
تمہارے مجتہدین و علما کے علم و فضل کا غرض کہ ثابت ہوا کہ قاضی نور اللہ شوستری اور محقق،
نصیر الدین طوسی عدم تکفیر صحابہ کے معتقد ہیں اور سوائے محاربین کے کسی کو کافر نہ جانتے تھے[3]
اب سنیے کہ مجتہد صاحب کیا فرماتے ہیں جناب قبلہ و کعبہ اپنی ذوالفقار میں فرماتے ہیں کہ (استنا[2]

---

[1] یہ ہمارے مقصد کی شکست اور خود انکے مطلب کیلئے مفید نہیں کیونکہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ یہاں فاسق کا لفظ مومن کے مقابلہ میں ہے۔ [2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۲ھ صفحہ ۵ سطر ۵۔ [3] نتیجہ نکالنا اس امر پر موقوف ہے کہ جب کہ کتب اصول شیعہ کے لحاظ سے صحابہ اول سے مومن ہیں اور یہ جملہ و کلام ممنوع ہے باقی اگلے صفحہ پر

تمیہ مسطورہ موقوف ست برین کہ بنا بر اصول شیعہ باثبات رسانی کہ اصحاب ثلاثہ اول امر مومن اند وایں از جملہ ممتنعات و محالات ست چہ علمای ایشا بدلائل بسیار واخبار بے شمار کفر ونفاق پیشوایان شمارا در کتب خود باثبات رسانیدہ اند وہرگاہ حقیقت حال چنین باشد پس کلام تو از محل اعتبار ساقط باشد) اب اے حضرات شیعہ تم کو اپنے دین وایمان کی قسم ہے اور تم کو اپنے دین وایمان کی قسم ہے اور تم کو اپنے غفران مآب کے تقدس واجتہاد کی کی قسم ہے کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس عبارت کو کہ (آنکہ تکفیر ابوبکر وعمر بہ شیعہ نسبت نمودہ است سخنے ست بے اصل کہ در کتب اصول ایشاں ازاں اثرے نیست) جناب قبلہ وکعبہ کی اس عبارت سے کہ (علمای ایشاں بدلائل بسیار واخبار بے شمار کفر ونفاق پیشوا یان شمارا در کتب خود باثبات رسانیدہ اند) ملاؤ اور ذرا کلمہ حق زبان پر لاؤ اور انصاف فرما دو کہ ان میں سے کون صاحب سچے ہیں اور کون صاحب جھوٹے اور ہم بیچارے جاہل سنی قاضی نور اللہ شوستری کے قول کو مانیں جو کہ نہایت زور شور سے فرماتے ہیں کہ یہ بات، ایسی بے اصل ہے کہ ہماری کتابوں میں اصول کی اس کا اثر و نشان بھی نہیں ہے یا کہ جناب قبلہ وکعبہ کی بات کو سنیں جو کہ نہایت مضبوطی سے فرماتے ہیں کہ ہمارے علما نے ان کے کفر کو بدلائل بسیار اور اخبار بے شمار سے ثابت کیا ہے اے حضرات یہ حال ہے تمہارے علما کا کہ خود ہی اپنی ایک بات پر قائم نہیں رہتے اور ایک دوسرے کے کلام کو نقض کرتا ہے اور سبب اس کا یہ ہے کہ جہاں جیسا موقع ہوتا ہے وہاں ویسی ہی بات کہنے لگتے ہیں اور ہر نکتہ مقامی دارد پر عمل کرتے ہیں جہاں دیکھا کہ صحابی کی تکفیر کرنے کا موقع ہے وہاں ایسی دھوم دھام سے ان پر کفر کا اطلاق کریں گے کہ امام اول سے لے کر امام آخر تک کی زبان سے ان کا کفر ثابت کریں گے اور جہاں دیکھا کہ اس سے اصول دین کے برہم ہوئے جاتے ہیں اور اسلام ہی ہاتھ سے جاتا ہے وہاں اس زور و شور سے انکار کرینگے کہ کانوں پر ہاتھ دھریں گے اس کو سنیوں کی تہمت اور افترا کہیں گے اور تمام اپنے علما کو نسبت سے

(بقیہ حاشیہ) و محال ہے اس لیے کہ ہمارے علمانے بدلائل بسیار و ثبوت بے شمار صحابہ و پیشوایان مذہب کو فاسق و کافر کہا ہے۔ اگر حقیقت حال یہ ہے تو تمہاری بات ساقط الاعتبار ہے عہ عبارت ذوالفقار رصہ سطر ۱۲ منہ

سلہ ابوبکر وعمر کو شیعوں کی زبانی کافر کہنا ایسی بے اصل بات ہے جسکا شیعوں کی اصولی کتاب میں کوئی تذکرہ نہیں جسکہ ہمارے علمانے بدلائل کثیرہ و ثبوت بسیار سنیوں کے پیشواؤں کو منافق و کافر ہونیکا اچھی طرح ثبوت دیا ہے ۱۲ منہ

تکفیر کی برمی کریں گے عجب حال ہے ان حضرات کا کہ ان کے اقوال اور روایات اور جوابات کو دیکھ کر عقل حیران ہے اور مجتہد صاحب صرف تکفیر شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر قناعت نہیں فرماتے اور اسی پر کفر کا دامن نہیں چھوڑتے بلکہ یہاں تک کفر کے پیچھے پڑے ہیں کہ ایک مقام پر صاف فرماتے ہیں کہ (قال الصادق علیہ السلام من شک فی کفر اعدائنا فهو کافر یعنی ہر کہ در کفر اعدای ما شک کند کافر ست)[1] اے حضرات شیعہ اس عبارت پر غور کرو اور اپنے مجتہد صاحب کے اس ارشاد کو سنو اور بے چارہ محقق نصیر الدین، طوسی اور قاضی نور اللہ شوستری وغیرہ اپنے مذہب کے علمائے اعلام پر شوق ذوق سے تبرا بھیجو اور ان کو کافر کہو اس لئے کہ ان کو کفر میں مخالفین علی مرتضیٰ کے شک ہے وہر کہ در کفر شان شک کند کافر ست۔ افسوس ہے کہ جب مجتہد صاحب نے کتاب تالیف کی تھی اور اپنے اجتہاد کا نقارہ بجایا تھا اور یہ حدیث امام صادق علیہ السلام کی لکھی تھی دونوں بیچارے محقق اور قاضی مر مٹ چکے تھے ورنہ ضرور وہ اس ارشاد کو قبلہ وکعبہ کے سن کر انہیں کو کافر کہتے اور ہر کہ ایشاں را کافر گوید کافر ست۔ کہہ کے ہم سنیوں کا ساتھ دیتے اس مقام پر میں جناب مجتہد صاحب کی دیانت کو اور بھی ثابت کرتا ہوں اور ان کے تبحر اور تقدس کو ظاہر کرتا ہوں کہ حضرت نے قاضی نور اللہ شوستری کی تکذیب اس روایت میں نہیں کی ہے بلکہ اور مقامات پر بھی در پردہ توبہ توبہ در پردہ کیسا صاف اور صریح احمق بنایا ہے یا اپنی دانش مندی کو ظاہر فرمایا ہے چنانچہ صاحب تحفہ قدس اللہ سرہ اسی باب دوازدہم میں ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ قاضی نور اللہ شوستری در مجالس المومنین خود آوردہ[2] کہ مفہوم تشیع آنست کہ خلیفہ بلا فصل بعد از حضرت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتضیٰ علی است ولعن وسب در دو معتبر نیست میگنجد کہ نام حضرات خلفائے ثلاثہ بر زبان شیعہ جاری شود واگر جاہلان[3]

---

[1] یعنی جو شخص ہمارے دشمنوں کے کافر ہونے میں شک کرے وہ کافر ہے کہ اور جو انہیں کافر کہے وہ خود کافر ہے [2] نور اللہ شستری نے مجالس المومنین میں لکھا ہے شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد خلیفہ بلا فصل حضرت علی ہیں۔ اور خلفائے ثلاثہ پر لعنت ملامت کرنا درست نہیں ہے ہو سکتا ہے کہ اسی سلسلہ میں خلفائے ثلاثہ کا نام شیعوں کی زبان پر آئے ۱۲ منہ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین ۱۲۹۱ھ صفحہ ۵ سطر ۱۲۔ [3] اگر لعن کو جاہل شیعہ واجب جانتے ہیں تو ان کا قول (باقی اگلے صفحہ پر)

شیعہ حکم بہ وجوب لعن کردند سخن ایشاں معتبر نیست وآنچہ خبث و فحش در بادہ ام المومنین
عائشہ نسبت بہ شیعہ می کنند حاشا ثم حاشا کہ واقع باشد چہ نسبت فحش بکافہ آدمیان
حرام است چہ جائے حرم حضرت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم وبعد ازاں متصل ہمیں
کلام گفتہ است کہ ایں ضعیف حدیثے در کتاب حدیث از کتب شیعہ دیدہ بایں مضمون
کہ عائشہ در خدمت امیر از حرب توبہ کردہ ہر چند قصہ حرب متواتر است وحکایت توبہ
خبر واحد اما بنا بریں طعن کردن در حق وے جائز نیست) اب ذرا گوش ہوش مجتہد صاحب
کے کلام سننے پر متوجہ کیجئے کہ حضرت ذوالفقار میں بہ جواب اس کے کیا ارشاد
فرماتے ہیں (کہ اما آنچہ از السید نور اللہ شوستری نوشتہ پس البتہ در نقل تدلیس وتلبیس
نمودہ بالجملہ سب وشتم البتہ نزدیک امامیہ در حق ہیچ کس از کفار و مسلم جائز نیست اما
تبرا و بیزاری از اعدائے دین واجب ولازم گو بحسب اتفاق اگر از زبان نگوید قباحت
نباشد لیکن اگر گناہ دانستہ نگوید البتہ گنہگار بلکہ بہ نسبت ناکثین وقاسطین ومارقین اگر
گناہ دانستہ نگوید از ایمان بیرون می شود چہ او درینصورت منکر ضروری مذہب امامیہ است)
ناظرین اہل انصاف غور فرمائیں کہ یہ تدلیس وتلبیس صاحب تحفہ تو صاف صاف قاضی نور اللہ شوستری
کے کلام کو بیان کرتے جاتے ہیں اور مجتہد صاحب مجالس المومنین اٹھا کر ملاحظہ نہیں فرماتے
اور صرف اپنی تدلیس وتلبیس کے ظاہر کرنے پر بلا مقابلہ کتاب کے ان پر تدلیس کی تہمت
کرتے ہیں اے حضرات امامیہ اپنے مجتہد صاحب کی تدلیس کے کیا اب بھی قائل نہ ہوگے

ترجمہ حاشیہ: غیر معتبر ہے اور ام المومنین حضرت عائشہ کے بارے میں فحش کلامی کو شیعوں کی جانب منسوب کیا جاتا
ہے تو بہ ان کی جانب کوئی برائی نہیں کہی جا سکتی جب کہ دوسرے آدمیوں کو گالیاں دینا حرام ہیں تو حرم محترم رسول اللہ
کو گالیاں کیسے دی جا سکتی ہیں اس کے فوراً ہی بعد ایک ضعیف حدیث شیعوں کی کتب حدیث کی لکھی ہے کہ عائشہ نے
جنگ کرنے سے خدمت علی میں توبہ کی، اگرچہ جنگ کا واقعہ متواتر ہے لیکن توبہ کرنے کی حکایت خبر واحد ہے لیکن اس بنا پر عائشہ
پر لعن کرنا جائز نہیں ہے لہ قاضی نور اللہ شوستری کے حوالے سے جو لکھا گیا ہے اس کے نقل کرنے میں مکر وفریب
اور الٹ پلیٹ سے کام لیا گیا ہے اور فرقہ شیعہ کے نزدیک کسی کافر و مسلم کو سب وشتم اور گالیاں دینا جائز نہیں البتہ دشمنان
دین سے بیزاری وتبرا کرنا واجب ولازم ہے اگر زبان سے تبرا نہ کہا جائے تو کوئی قباحت نہیں لیکن اگر مجرم کو گنہگار جان کر
نہ کرے تو ایسا شخص خود گنہگار رہا قطع المعاہدہ ظالم اور دین سے خارج ہے اور اگر گناہ کو دانستہ نہ کہے تو ایمان سے
خارج ہوتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں وہ ضروریات مذہب امامیہ کا منکر ہے عہ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین
مجمع البحرین لدھیانہ [illegible] صفحہ سطر ۱۰

اور ان کے اجتہاد میں اس طرح کی برائیوں سے بھی کچھ شک نہ کرو گے خیال کرو کہ مجالس المومنین ملا عبد اللہ کی اظہار الحق نہیں ہے کہ جو نہ ملے یا اس کے انکار کرنے سے پیچھا چھوٹ جائے یا وہ کتاب ایسی نادر الوجود نہیں ہے کہ مجتہد صاحب کے پاس نہ ہو گی اور قبلہ و کعبہ کا کتب خانہ اس سے خالی ہوتا تو اگر شاہ صاحب نے اپنی طرف سے ان کی نسبت کچھ تہمت کی تھی اور جو قاضی صاحب نے نہ لکھا تھا اور نہ کہا تھا وہ ان کی طرف منسوب کیا تھا تو کیا مشکل تھا کہ مجالس المومنین کو اٹھا لیتے اور اصل عبارت اس کی صاف صاف نقل کر دیتے یہ عجیب قسم کی تدلیس ہے کہ کتاب تو نہیں دیکھتے نادیدہ و دانستہ اس سے اغماض کرتے ہیں اور صاحب تحفہ کو برا بھلا کہتے ہیں بیشک یہ پیروی ان کی تو ضرور ہے کہ انہوں نے ایسی روایت جو مخالف عقیدہ امامیہ کے ہے ایسے عالم کی کتاب سے نکال دی جو رکن اعظم شیعوں کا ہے اور جس نے جان بھی اپنی اس مذہب پر قربان کر دی ہے لیکن اس اجمال پر کفایت کرنے کا یہ سبب ہے کہ اگر صاف لکھیں کیونکر اصل عبارت کو نقل کریں اگر کچھ فرق ہو یا کچھ اپنی طرف سے شاہ صاحب نے ملا دیا ہو تو اسے لکھیں اور اگر اس کا صاف صاف اقرار کریں تو پھر جواب میں کیا خاک بلا لکھیں اس لئے شیطان الطاق کے وتیرے پر چلے اور نہ اقرار اور نہ انکار کر کے پہلو بچا گئے مگر افسوس ہے کہ اسی عبارت کے بعد دو لفظ ایسی حضرت کے قلم سے نکل گئی ہیں کہ اس سے تصدیق اس مضمون کی ہوتی ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ [1](مراد سید نور اللہ ہر جا کہ گفتنہ باشد اگر گفتہ باشد تمیمہ است و عبارت ایشاں ہرگز بانچہ فقیر گفتہ مخالفت ندارد) اس عبارت کو دیکھ کر بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ جناب غفران مآب کی شان میں کچھ لکھوں مگر سوائے ایں گل دیگر شگفت کے کچھ نہیں لکھتا اور یہی کہہ کے ان کے مقلدین سے پوچھتا ہوں کہ بھائیو شاید میری سمجھ کی غلطی ہے جو میں دونوں مضمونوں کو مخالف پاتا ہوں کوئی بھی مجھے یہ سمجھا دے کہ قاضی نور اللہ شوستری کی اس عبارت کا کہ [2](مفہوم تشیع آں ست کہ خلیفہ بلا فصل بعد از حضرت مرتضیٰ علی ست و سب و لعن درد معتبر نیست) مضمون کیونکر اس عبارت سے مجتہد صاحب

---

[1] سید نور اللہ شوستری نے جہاں کہیں جو کچھ لکھا ہے اسی سے مراد وہی ہے جو ہماری ہے اور ان کی کوئی عبارت میری عبارت کے مخالف نہیں ہے شیعوں کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ کے بعد علی مرتضیٰ بغیر کسی فصل کے خلیفہ ہیں اور درمیانی خلفاء پر لعن طعن جائز نہیں ہے۔

[2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مجمع البحرین لدھیانہ ۱۳۵۱ھ صفحہ ۷۶ سطر ۲۱۔

کے مطابق ہے کہ (امامیہ تبرا و بیزاری از اعدائے دین واجب[1]) اور نیز قاضی نور اللہ صاحب
کے اس فقرہ کو کہ (اگر جاہلاں شیعہ حکم بوجوب لعن کردن سخن ایشاں معتبر نیست[2]) کس طرح
تلو دیکھو کہ اس فقرہ کے مطابق ہے کہ گو یجتنب[3] الاتفاق اگر از زبان نگویند قباحت نباشد
لیکن اگر گناہ دانستہ نگویند البتہ گنہگار بلکہ بہ نسبت ناکثین و قاسطین و مارقین اگر گناہ دانستہ
گویند از ایمان بیرون می شود) میں قاضی صاحب کی تقریر کا یہ مطلب سمجھتا ہوں کہ ان کے
نزدیک سب و لعن تشیع کے لئے معتبر اور ضروری نہیں ہے اور حکم بوجوب لعن جاہلوں کی بات[4]
اور مجتہد صاحب کے قول سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک سب و لعن تشیع
کے لئے ضرور ہے بلکہ جو تبرا نہ کرے وہ مومن نہیں ہے اور پھر باوجود ایسی مخالفت مضمون
کے مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ (عبارت ایشاں ہرگز بآنچہ فقیر گفتہ مخالفت ندارد[5]) اب
اس پر کیا کہا جاوے حقیقت میں جو کچھ ناز و افتخار ذوالفقار کی تالیف پر حضرت کو ہوا ہے وہ
بجا ہے اگر حضرت خود اس کی تعریف اپنی زبان سے نہ کرتے اور بقول صائب شعر

ثنائے خود بخود کردن نمی زیبد ترا صائب
چو زن پستان خود مالد حظوظ نفس کے یابد

خودستائی سے احتیاط کرنی تب تھی جبکہ خود کتاب حضرت کی ثنا و صفت کرتی اور
اب تو خدا کے فضل سے حضرت کی ستائش کی تصدیق ہوتی ہے اور جو کچھ خود بدولت
نے اپنے شبیہ اور اپنی کتاب کی نسبت فرمایا ہے اس کا ثبوت ہوتا جاتا ہے دیکھو حضرات
امامیہ وہ کتاب ذوالفقار ہے جس میں حکیمانہ تقریریں بھری ہوئی ہیں اور جس کی نسبت حضرت
نے صوارم میں فرمایا ہے کہ جب باب دوازدہم تحفہ کا ہم نے ملاحظہ فرمایا تو بہ خیال اس
کے کہ ایک جاہل عامی آدمی کی طرف مقابل بننا موجب عار و ننگ ہے دل جواب لکھنے پر
متوجہ نہ ہوا مگر یہ خیال کر کے کہ بڑے بڑے پیغمبر اور اماموں کو زمانہ نے مجبور کر دیا ہے اور
ان کو کافروں اور جاہلوں کا جواب دینا پڑا ہمیں نے اس کا جواب لکھا (چنانچہ بحمد اللہ[6]

---

[1] لیکن دشمنان دین سے بیزاری اور ان پر تبرا کرنا دینی واجبات میں سے ہے [2] اگر جاہل شیعہ لعنت ملامت کو واجب جانتے ہوں تو ان کی بات معتبر نہیں ہے [3] اتفاقاً اگر زبان سے تبرا نہ کریں تو کوئی قیامت نہیں لیکن یہ بجا ہے اگر گناہ کو دانستہ تبرا نہ کرے تو ایسا شخص خود گنہگار بلکہ ساقط العدالہ ظالم اور دین سے خارج ہے اور اگر گناہ کو دانستہ نہ کہے تو ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔ [4] ایضاً ص سطر ۱۹ ۱۲ منہ [5] ایضاً ص سطر ۲۱ منہ [7] ان کی عبارت میری عبارت کے متضاد نہیں [8] چنانچہ بحمد اللہ اسی زمانہ میں دس بیس ورق کے

بقیہ اگلے صفحہ پر

تعالی ورجہان اداں سعادت توامان درعرصہ دہ بست روز بصرف قلیلے از اوقات بہ نقض آن پرداختم وبیہودہ گوئی او را بہ بیان واضح بر ہرکس وناکس ظاہر ولائح ساختم ورسالہ مذکور را باسم ذوالفقار اختصاص دادہ مع جلد کتاب عماد الاسلام پیش آن ناصب مولف کتاب تحفہ اثنا عشریہ مرسل داشتم تا شاید از خواب غفلت بیدار شود واز سرمستی جہل مرکب ہوشیار گردد وللہ الحجۃ البالغۃ کہ مدت پنج شش سال منقضی گشتہ کہ آں رسالہ در اطراف بلاد شائع ومنتشر گردیدہ واز نظر بسیارے از فضلائے سنیان گذشتہ نظر بمتانت واستحکام کلام کہ در اثنائے نقض شبہات وکشف عیوب موہات اوربلا در کتاب تکلفات وتعسفات مذکور ساختہ ام ہیچ کس چہ آن ناصب عداوت اہل بیت مصنف کتاب مذبور وچہ غیر او از فضلائے مذہب مسطور مجال این نیا فتہ اند کہ بہ نقض آں پردازند ودر جواب آں چیزی بر نگارند وبمقتضائے این کہ الحق یعلوا ولا یعلی انتہی بلفظہ ملخصاً حقیقت میں جو کچھ حضرت نے اس ذوالفقار کی نسبت فرمایا وہ سب بجا اور درست ہے عبارت بھی اس کتاب کی فصاحت اور متانت سے بھری ہوئی دلائل بھی اس کے سب حکیمانہ دیانت اور امانت اس کی سطر سطر سے عیاں اور تکلف اور تعسف کا تو ذکر ہی نہیں ہے جو کچھ حضرت نے لکھا ہے صاف صاف سچ سچ بیان کر دیا ہے اور اپنی فضیلت اور تبحر کو بخوبی ظاہر کر دیا ہے مگر قصور اتنا ہو گیا کہ اس کے لکھنے میں جلدی بہت کی تھی اور صرف بیس روز میں اس کو ختم کر دیا تھا حالانکہ ایسی کتاب کو سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے تھا اور فضیحت اور رسوائی کا خیال بھی کرنا لازم تھا اگر صوارم کی طرح پانچ چھ برس میں اس کو بھی لکھتے اور کسی ایرانی سے عبارت بھی اس کی درست کرا لیتے تو شاید عبارت بھی درست ہو جاتی تقریر میں بیہودگی بھی کم ہوتی تب البتہ جس طرح صوارم کا جواب ایک بیچارے ملتانی نے لکھ دیا اور حضرت

اور تھوڑے سے اوقات میں اس کتاب کی تنقید کرتے ہوئے اس کی بیہودگیاں ظاہر کیں تاکہ ہر ایک پر واضح ہو جائے کہ ان کی بیہودگیاں کیا ہیں اور ایک رسالہ کی صورت دے کر اس کا نام ذوالفقار رکھا اور وہ کتاب عماد الاسلام کے ساتھ جو نام مولف کتاب تحفہ اثنا عشری ارسال کی تھا کہ خواب غفلت سے بیدار ہو اور جہل مرکب کی سرمستیوں سے ہوشیار ہو جائے حجۃ البالغۃ اللہ ہی کے لئے ہے کہ پانچ چھ سال کی مدت میں میرے اس رسالہ کا جواب اس ناصبی سنی وغیرہ کسی نے نہیں دیا کیونکہ بحکم الہی حق بلند ہوتا ہے اور سرنگوں کبھی نہیں ہوتا۔ ختم شد بلفظہ خلاصہ عبارت صوارم مطبوعہ بندر کلکتہ ۱۸۳۶ء صفحہ ۴ سطر ۱

کی متانت کو سفاہت سے مرادف ہونا ثابت کر کے اس جواب کا نام تنبیہ السفیہ رکھ دیا تو مجتہد صاحب کے حق میں کوئی طالب علم اٹھ کر جواب لکھ دیتا اور بندگان والا کی خدمت میں تحفہ بھیج دیتا حضرت نے اس کتاب کی تالیف میں جلدی کو کام فرمایا اور شیخ سعدی کے اس مصرعہ پر جسے لڑکے بھی جانتے ہیں خیال نہ کیا ع کہ تعجیل کار شیاطین بود۔ میں جب ذوالفقار اور صوارم کو مطالعہ کرتا اور حضرت کی گالیوں اور فحش اور خودستائی کو دیکھتا تو اپنے دل میں کہتا کہ جناب والا نے جس قدر حصہ اپنی اوقات عزیزہ کا گالیوں اور فحش میں میں صرف کیا ہے بہتر ہوتا کہ جواباً ایسے کے سوچنے اور تامل اور غور کر کے لکھنے میں صرف کرتے مگر آخر اس کا جواب خود ہی حضرت کے قول سے جو انہوں نے صوارم میں لکھا ہے میں نے پالیا کہ میری سخت گوئی اور طعن و تشنیع پر کوئی اعتراض نہ کرے اس لئے کہ شاہ صاحب اس کے عادی ہیں اور پھر ہم تو شیعہ ہیں۔ دیگر آنچہ جناب نظر باینکہ شیوہ شیعیان تبرا نمودن ست از اعدائے دین زیادہ از آنچہ نوشتہ اند بعمل آید مستبعد نباشد۔ اب میں پھر شروع کرتا ہوں جناب قبلہ و کعبہ کے جواب کو جو قاضی نور اللہ شوستری کی تقریر کا دیا ہے کہ اما آنچہ جسم از سید نور اللہ نقل نمودہ کہ این ضعیف حدیثی در کتاب حدیث از کتب شیعہ دیدہ باین مضمون کہ عائشہ در خدمت امیر علیہ السلام از حرب توبہ کردہ الخ اقول ہر چند این قبیل سخنان ہرگز بر مسلک جناب سید نور اللہ شوستری نمی زیبد کہ آنچہ ایشان در تصرف حدیث امامیہ بدل جہد نمودہ اند و جہاد بسنان قلم و سیف زبان کہ افضل از جہاد سیف و سنان باشد کردہ اند اظہر من الشمس ست دیگر بر حسب اتفاق روایتی باین مضمون بنظر ایشان رسیدہ باشد ہرگاہ در مذہب اہل اسلام روایات متضمن جسم بودن خدا و مکانی بودن او تعالی شانہ مروی

لہ اور نظر بایں کہ تبرا کرنا شیعوں کا شیوہ ہے تو دشمنان دین نے جو کچھ لکھا ہے دیا عمل بعید نہیں ہے سید نور اللہ شستری کے حوالہ سے جو نقل کیا گیا ہے کہ یہ ضعیف حدیث شیعوں کی کتب حدیث میں اس طرح ہے کہ عائشہ نے خدمت امیر میں اگر جنگ کرنے سے توبہ کی الخ اس کا جواب میرے پاس یہ ہے کہ اس قسم کی باتیں سید نور اللہ شوستری کو زیبا نہیں کیونکہ انہوں نے احادیث شیعہ میں دل و جان سے کوشش کی ہے قلم کی برچھی اور زبان کی تلوار کا جہاد شمشیر و سناں کے جہاد سے افضل ہے جو انہوں نے انجام دیا اور یہ بالکل ظاہر ہے۔ اور حسب اتفاق روایات یہ مضمون ان کی نظر سے گزرا ہو گا کہ ۔ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لودھانہ ۱۲۸۳ھ صفحہ ۷ سطر ۳، ۲۳، ۱۲۰ منہ عبارت صوارم مطبوعہ بند کلکتہ ۱۲۱۵ھ سطر ۱۔ مولانا اکبر

شدہ باشد لاکن چوں مخالف ضروری دین ست محل اعتبار نباشد پس چنیں روایت ہم باشیعیاں ضرر نخواہد رسانید زیراکہ اگر روایت توبہ او صحیح می بود جناب ائمہ از و تبرا نمی نمودند و معلوم ست کہ جناب صادق علیہ السلام بعد ہر نماز عبادت دانستہ او و دو از غیر اوکہ اعدائے دین می بودند تبرا می فرمودند) اس قول میں بھی حضرت نے دیانت کو کام فرمایا کہ صرف اس خیال سے کہ سید نور اللہ بڑے مجاہد تھے اور آخر تشیع کی بدولت شہید بھی ہو گئے وہ کیونکر ایسی روایت لکھیں گے اس روایت کو صاف قبول نہ کیا لیکن الحمد اللہ کہ اس سے انکار بھی نہ فرمایا اور مجالس المومنین سے نقل کر کے اس میں کچھ تعریف شاہ صاحب کی ثابت نہ کی پس ہم حضرت کے خیال کو صرف وسوسہ شیطانی سمجھتے ہیں اور جو کچھ بہ نسبت منقول ہونے روایت جسم اور مکان باری تعالی کے حضرت نے لکھا اس میں بھی تدلیس کو دخل دیا یعنی فرماتے ہیں کہ مذہب اہل اسلام میں ایسی روائتیں ہیں تاکہ لوگوں کو دھوکہ ہو کہ شاید سنیوں کے یہاں ایسی روائتیں ہیں حالانکہ اس تعجب ہے بیچارے سنی محروم ہیں یہ دولت صرف حضرات شیعہ کے قدما اور علما کے حصے میں ہے اس لئے بجائے اہل اسلام کے اہل تشیع لکھنا چاہیئے تھا تاکہ لوگ دھوکے میں نہ پڑتے اور سمجھ جاتے کہ حیث باری تعالی کی جسمیۃ اور مکان کی روائتیں مذہب تشیع میں موجود ہیں اور اس سے باوجودیکہ اس کے اعتقاد رکھنے والے اور ان روائتوں کو احادیث ائمہ میں نقل کرنے والے علما شیعہ تھے اور صرف علما نہ تھے بلکہ نائب ائمہ اور نہ فقط نائب ائمہ بلکہ جان اور جگر ائمہ کے کہ اس کو ہم خاص ایک بحث میں ثابت کریں گے اور پھر ان روائتوں سے متاخرین امامیہ منکر ہوں گے تو پھر کیا تعجب ہے کہ حضرت عائشہ کی روائیت توبہ کے اگلے مقر تھے اور اب پچھلے منکر ہیں علاوہ بریں اس قول کو مجتہد صاحب کے دیکھنا چاہیئے کہ وہ معاذ اللہ حضرت امام جعفر صادق کی نسبت تبرا کرنے کی تہمت کرتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ وہ ہر نماز کے بعد عبادت سمجھ کر حضرت عائشہ اور خلفائے پر تبرا کرتے تھے حالانکہ قاضی نور اللہ شوستری اسکے وجوب کو چاہا

(بقیہ حاشیہ) مذہب اسلام میں اللہ کا جسم ہونا اور اللہ کا کسی مکان و مقام میں ہونا لکھا ہے لیکن چونکہ اس عقیدے سے انحراف کرنا دین کے لئے ضروری ہے اس لئے ایسی روایات ناقابل اعتبار ہیں اسی لئے اسی قسم کی روایات شیعوں کے لئے نقصان رساں نہیں اس لئے کہ اگر ان کی توبہ کی روایت ہوتی تو ائمہ ان سے بیزاری نہ کرتے اور یہ امر معلوم ہے کہ جناب صادق ہر نماز کے بعد بطور عبادت ان سے اور دوسرے دشمنان دین پر تبرا کرتے تھے۔

کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس کو تشیع کے مفہوم میں معتبر نہیں جانتے دیکھو نوراللہ شوستری نے کچھ ایمان کا پاس کیا اور کہا کہ (نسبت فحش بہ کافہ آدمیان حرام ست چہ جائے حرم حضرت پیغمبر خدا) اور مجتہد صاحب اسی کو امام کی طرف منسوب کرتے ہیں وحاشا جنابہم عن ذالک۔

حقیقت میں مجتہد صاحب در پردہ قاضی نوراللہ کو جھٹلاتے ہیں اور ایسے لفظ لکھنے پر جس سے وجوب تبرا ثابت نہ ہو خفا ہوتے ہیں مگر تقدیر کے لکھے کو امکان نہیں دھوتا جو کچھ وہ لوگ لکھ گئے سو لکھ گئے جف القلم بما ہو کائن اب بات بناتے اور نوحہ وبکا کرتے ہیں کیا ہوتا ہے سچ لکھا ہے منشی سبحان علی خاں صاحب نے مولوی نورالدین کے خط میں کہ (البتہ مشکل ست کہ علمائے ما وقت تحریر کار بدور اندیشی وحفظ از اعتراض، حریف بہ بعض جاہا نکردہ اند) اور ایک خط میں جناب منشی صاحب موصوف ان لفظوں سے اپنا افسوس کرتے ہیں (کہ غرض کہ متعصبین جفا پیشہ را حق تعالیٰ ذائقہ عدل خود چشانہ کہ ازیں تعصبات میدان مناظرہ بسیار تنگ شدہ و تناقض اخبار رگ جان را می خراشد اور پھر کہتے ہیں کہ (تحقیق الحال این کہ بندہ بیشتر ملاحظہ اختلاف مضامین احادیث وقصور فہم امثال ما ہیچ مدانان از اسرار تفسیر اکثر آیات مصحف مجید مروی بطریق فرقہ حقہ اثنا بطریق فرقہ حقہ اثنا عشریہ بر خود می لرزید کہ اگر مخالف دست گشت بذیل ایں مرویات می زند تخفظش مشکل خواہد بود ہماں پیش آمد) الحاصل جو کچھ ہم نے لکھا اس سے بخوبی ثابت ہوا کہ قاضی نوراللہ شوستری کے نزدیک مخالفان علی مرتضیٰ کافر نہیں ہیں بلکہ فاسق ہیں اور وہ اپنے اس قول پر محقق نصیر الدین طوسی کے قول کو سند لاتے ہیں جو کہ انہوں نے تجرید میں کہا ہے کہ (مخالفوہ فسقۃ ومحاربوہ کفرۃ) اب ہم بہ تفصیل اس جواب

۱؎ فحش بکنا تمام انسانوں کے لیے حرام ہے چہ جائیکہ حرم محترم رسالتمآب کو گالیاں دی جائیں ۱۲ ۲؎ البتہ مشکل یہ ہے کہ ہمارے علماء نے اپنی تحریرات کے وقت دشمنوں کے اعتراضات سے محفوظ رہنے کے لیے بعض مقامات پر دور اندیشی سے کام نہیں لیا ۱۲ ۳؎ غرض کہ ظالم تعصب کرنے والوں کو اللہ اپنے عدل وانصاف کا خود مزہ چکھائے گا ان تعصبات کی وجہ سے میدان مناظرہ بہت تنگ ہو گیا ہے اور متضاد اخبار واحادیث کی وجہ جان مشکل میں ہے ۱۲۔ ۴؎ مکاتیب سبحان علیخان میں جو مطبوعہ شرف المطابع دہلی ۱۲۶۳ھ ہے صفحہ ۴۲ سطر ۱۵ دیکھو ۱۲ منہ ۵؎ ایضاً صفحہ ۶۵ سطر ۱ میں دیکھو ۱۲ منہ ۶؎ مکاتیب سبحان علی خان کی صفحہ ۱۰۱ سطر ۲ میں دیکھو ۱۲

کو مجتہد صاحب کے بیان کرتے ہیں جو انہوں نے ذو الفقار میں دیا ہے اور جس میں حضرت
نے اپنی وقادِ طبیعت کے جوہر دکھائے ہیں فرماتے ہیں کہ "برتقدیر مطلب عبارت محقق
طوسی علیہ الرحمہ کہ چیزے باشد کہ بذہن قاصر او رسیدہ وجہ استحقاق لعن ایشا منحصر در
محاربہ حضرت امیر المومنین نیست چہ بر تو سابق بریں ظاہر گشتہ و ہم عنقریب واضح خواہد
شد کہ ہر کہ منکر یکے از اصول دین و یا منکر یکے از ضروریات دین و یا مذہب باشد ملعون
ست گو محارب نباشد و محقق طوسی علیہ الرحمۃ نگفتہ کہ کل من لا یکون محاربا لا یکون ملعونا
کافرا لجواز ان یکون المحمول اعم" اس حکیمانہ تقریر کے شروع میں جو لفظ برتقدیر کا ہے۔
اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس سے پایا جاتا ہے کہ مخالفوہ فسقۃ و محاربوہ کفرۃ کا مطلب،
جو شاہ صاحب سمجھے ہیں وہ گویا غلط سمجھتے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں
ہے کہ مخالفانِ علی فاسق ہیں اور محاربانِ علی کافر پھر معلوم نہیں کہ اس کا مطلب کیا
ہے اور ان لفظوں کے اور کیا معنی ہیں۔ اگر شاہ صاحب نے اس کے معنی سمجھنے میں غلطی کی
اور خطبہ شقشقیہ کی طرح بغیر قاموس اور صحاح جوہری کے دیکھنے کے اس کا مطلب سوائے
مجتہد صاحب کے دوسرا نہیں سمجھ سکتا تو جو کچھ قاضی نور اللہ شوستری اس کا مطلب سمجھے
ہیں اور انہوں نے فارسی میں اس کو بیان کیا ہے وہ بھی تو یہی ہے چنانچہ بلفظہ نقل اس کی
ہم اوپر لکھ چکے ہیں پس معلوم نہیں کہ باوجود ایسی سلامت الفاظ اور صراحت معنی کے لفظ برتقدیر
مجتہد صاحب کے قلم سے کیونکر نکلا ہے۔ اب مجتہد صاحب کے معنی سنیے کہ وہ جو کچھ اس کا مطلب
سمجھے ہیں اس کو خود ہی بیان کرتے ہیں کہ "اما قولہ ان مخالفوہ فسقۃ فمعناہ انہ لابد من ان یکون،

ا؎ محقق طوسیؒ کی عبارت کا مطلب جو برتقدیر کے ساتھ شاہ صاحب کے ذہن قاصر میں آیا وہ کچھ اور ہے
حالانکہ ان پر لعنت وملامت کی وجہ امیر المومنین سے جنگ کرنا نہیں بلکہ وہ ہے جس کا تم سے پہلے اظہار
کیا جا چکا ہے اور پھر عنقریب واضح ہو جائیگا کہ جو کوئی اصول دین یا کسی ضرورت دین و مذہب کا انکار
کرے تو وہ ملعون ہے اگرچہ اس نے جنگ نہ کی ہو۔ محقق طوسی نے یہ نہیں کہا کہ جو جنگ نہ کرے وہ ملعون
و کافر نہیں بلکہ جائز ہے اس پر بھی صادق آئے ۱۲ ؎ محقق طوسی کا مطلب ظاہر ہے کہ مخالف علی
بن ابی طالب جب ضروریات دین کا منکر ہو گا ہو گا تو وہ لازماً فاسق ہے جیسا کہ تمام دیگر مخالفین یعنی دنیا میں
ان پر احکام اسلام جاری ہوں گے اور آخرت میں وہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے ۱۲ ؎ عبارت ذو الفقار
مطبوعہ مطبع البحرین لدھیانہ ۱۲۶۱ھ ص ۲۵ سطر ۱۱ ۱۲ منہ ؎ ایضاً ص ۲۳ سطر ۲-۳ ۱۲ منہ۔

فاسقا لانہ لایکون الا فاسقا فانہ من ضروریات مذہبنا ان بعض انواع مخالفہ ینجر الی الکفر و مستلزم للفسق، کہ معنی اس کے یہ ہیں کہ ضرور ہے کہ مخالف علی فاسق ہوں نہ یہ کہ مخالف ان نہ ہوگا مگر فاسق اس لئے کہ ہمارے مذہب کی ضروریات سے ہے کہ بعض اقسام مخالفت علی رضی کے منجر بہ کفر مستلزم فسق ہوتے ہیں اور بعد اس کے فرماتے ہیں کہ (ہم میتوانند شد کہ مراد محقق ایں باشد کہ مخالف علی ابن ابی طالب علیہ السلام مادامیکہ منکر یکے از ضروریات دین نباشد مسلم فاسق ست چنانچہ سائر مخالفین اعنی دردار دنیا احکام اسلام برآنہا جاری می شود مگر در دار آخرت مخلد بنار خواہند بود) اس معنی پر مثل مضمون المعنی فی بطن الشاعر بلکہ مقولہ توجیہ القول بمالا یرضی بہ قائلہ کا یاد آتا ہے اب ہم اس سے بحث کرتے ہیں کہ حضرت مجتہد صاحب قبلہ آگے چل کر فرماتے ہیں کہ (اکثر اوقات استعمال فسق در خصوص معنی خروج عن طاعۃ اللہ مع الایمان می شود و ازیں لازم نمی آید کہ ہر جا کہ لفظ فاسق مستعمل شود ہمی معنی مراد باشد کیف و جناب حق سبحانہ تعالیٰ میفرماید وَلَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ ۚ وَمَا یَکْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ [1] فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ [2] وظاہر ست کہ او سبحانہ تقدس وتعالیٰ درینجا لفظ فاسق بر مرتد اطلاق کردہ و امثال ایں آیات در کلام مجید بسیار است و ازیں مبرہن می شود کہ ایں متعصب کلام محقق علیہ الرحمہ را دریں مقام محض بر سبیل تدلیس و مغالطہ ذکر نمودہ بر کلام سخافت نظام خود آں را دلیل شمردہ و حالانکہ کلام محقق علیہ الرحمہ درغایت جودت و متانت ست اس ساری تقریر کا جس میں حضرت نے بہت بحث کر کے دو جا آیتیں

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) ایضاً صفحہ ۹ سطر ۳۰۔ خلاصہ کہ اکثر اوقات فسق کا استعمال اپنے خاص معنوں یعنی ایمان کے ساتھ اللہ کی اطاعت سے خارج ہو جانے کے معنی میں استعمال ہوا ہے اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ جہاں لفظ فاسق استعمال ہو وہاں یہی معنی کیسے لئے جا سکتے ہیں اللہ نے کہا ہے ہم نے واضح آیتیں اتاریں اب ان سے وہی لوگ انکار کریں گے جو فاسق اور بے حکمے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہاں فاسق کا لفظ مرتد کے لئے اللہ ہی نے کہا ہے اس قبیل کی آیتیں قرآن کریم میں بکثرت ہیں اور ان سے واضح ہوتا ہے کہ اس متعصب شخص نے محقق طوسی کے کلام کو یہاں بطور مغالطہ بیان کیا ہے اور اپنے بیہودہ کلام کو خود ہی ثبوت میں پیش کیا ہے۔ حالانکہ محقق طوسی کا کلام نہایت خوب و متین ہے [1] سلسلہ پارہ اول سورہ بقرہ رکوع ۱۲۔ ترجمہ ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں واضح اور منکر نہ ہوں گے ان سے مگر وہی جو بے حکم ہیں ۱۲ موضح القرآن [2] پارہ ۴ سورہ آل عمران رکوع ۹۔ ترجمہ تو وہی لوگ ہیں بے حکم ۱۲ موضح القرآن

ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۹ سطر ۱۰۔ ۱۲ منہ۔

بھی کسی ہیں یہی مطلب ہے کہ لفظ فاسق کبھی معنی مرتد اور کافر کے لئے استعمال کیا جاتا ہے
سو ہم تسلیم کرتے ہیں لیکن قرینہ اور سیاق عبارت کا ہونا ضرور ہے کہ وہ آیات قرآنی میں موجود اور
کلام محقق طوسی میں مفقود بلکہ کلام طوسی میں کسی طرح پر لفظ فاسق سے کافر کے معنی لینا درست
ہی نہیں ہو سکتا بلکہ مطلب ہی اس کا فوت ہوا جاتا ہے اس لئے کہ اگر کہیں موقع و محل پر صرف
اتنا کہتے کہ مخالفوہ فسقۃ اور اس کے مقابل میں محاربوہ کفرۃ نہ فرماتے تو گنجائش اس کی ہوتی
کہ مراد فاسق سے کافر ہے لیکن وہ دو فریق کا حال بیان کرتے ہیں اور دونوں کے احکام کو بھی جدا
جدا ذکر کرتے ہیں تو بحالت اتحاد معنی محمول کے تو اس مقام پر اتحاد معنی موضوع میں ضرور لازم
ہے پس جب انہوں نے دو فریق قائم کئے ایک وہ جنہوں نے حضرت علی سے مخالفت کی
دوسرے وہ جنہوں نے ان سے لڑائی کی اور ان دونوں کی نسبت دو حکم قائم کئے مخالف کو فاسق
قرار دیا اور محارب کو کافر تو اگر یہاں فاسق کے معنی کافر کے لئے جاویں تو مطلب ہی فوت ہوجاتا
ہے بلکہ یہ جملہ ہی خبط ہوا جاتا ہے اور محقق طوسی سے علامہ کا کلام وہ بھی تجرید سی کتاب کا جو
باعتبار الفاظ معنی کے نہایت ہی متین ہے مہمل ہوتا ہے اس لئے کہ اگر مراد ان کی فاسق سے
کافر تھی تو بجائے مخالفوہ فسقۃ و محاربوہ کفرۃ کے اتنا ہی کہہ دیتے کہ مخالفوہ کفرۃ تاکہ محارب
بھی اس میں آجاتے یا اگر بہت تصریح کرتے تو مخالفوہ و محاربوہ کفرۃ فرماتے یا اگر کفر ہی
پر ان کو قناعت ٹھہرتی اور بغیر لفظ فسق کے ان کو صبر نہ آتا تو یہ کہتے کہ مخالفوہ و محاربوہ کفرۃ
فسقۃ پس محقق کا ان سب عبارتوں کو چھوڑنا اور پھر جملے کے جداگانہ موضوع کے لئے جدا
ہی محمول لانا صاف اس پر دلالت کرتا ہے کہ دونوں کے معنی علیحدہ علیحدہ ہیں اور مجتہد
صاحب جو ان دونوں کے ایک معنی بیان کرتے ہیں یہ صرف خوش فہمی حضرت کی ہے قطع
نظر اس کے مجتہد صاحب کو قاضی نوراللہ شوستری کے قول پر بھی غور کرنا چاہیئے تھا کہ
وہ صاف تکفیر سے شیخین کی انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ [1] نسبت تکفیر حضرت شیخین کہ اہلسنت
وجماعت بہ شیعہ نمودہ اند سخنی ست بی اصل کہ در کتب اصول ایشان ازاں اثری نیست
اور اپنے اس قول کے ثبوت میں نصیر الدین طوسی کے اس قول کو سنداً بیان کرتا ہے کہا قول
[2] چنانچہ نصیر الدین طوسی در تجرید آوردہ مخالفوہ فسقۃ و محاربوہ کفرۃ) تو اگر معنی فاسق کے

---

[1] سنیوں کا یہ بیان کہ شیعہ جماعت شیخین کو کافر کہتی ہے یہ بات بالکل بے اصل ہے کیونکہ کتب شیعہ میں اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے [2] جیسا کہ نصیر الدین طوسی نے اپنی تجرید میں لکھا ہے کہ علی کے مخالف فاسق اور ان سے جنگ کرنیوالے کافر ہیں۔

کافر کے لئے جائیں تو ساری تحریر قاضی اللہ شوستری کی گوز شتر ہو جاوے اور ترہات مجانین میں داخل سمجھی جاوے اگر اس پر بھی مجتہد صاحب کے ذہن مبارک میں نہ آیا تھا تو قاضی نور اللہ شوستری کی اگلی عبارت کو دیکھتے کہ وہ کہتا ہے۔ (زیرمقتضای حدیث حربک حربی وسلمک سلمی واقع ست وظاہر ست کہ حضرت شیخین با امیر المومنین علیہ السلام حرب نہ نمودہ اند) کہ اس سے کیسا صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں مراد فاسق ہے کافر نہیں ہے بلکہ خروج عن طاعۃ اللہ مع الایمان مراد ہے اب گو اس پر بھی مقلدین مجتہد صاحب کے ان کے اجتہاد کے رتبہ پر خیال کر کے ان کو سفیہ نہ کہیں اور ان کی سمجھ پر افسوس نہ کریں اور ذوالفقار کی متانت اور استحکام کا دعویٰ ہی کرتے جاویں تو بس ان کے حق میں سوائے اس کے کیا کہے کہ شعر

ہیچ آدابے و ترتیبے مجو ۔ ہر چہ می خواہد دل تنگت بگو

اور فقط مجتہد صاحب کو لفظ فاسق کے اطلاق سے یہ معنی مرتد یا کافر کے جو قرآن مجید میں شبہہ ہوا ہے تو ہم پوچھتے ہیں کہ کیا جہاں لفظ فاسق بولا جاویگا مراد اس سے کافر ہوگا اگر یہ ہے تو ہم ان سے استفتاء کرتے ہیں کہ ایک مجتہد نے شراب پی ہے یا زنا کیا ہے یا عمداً نماز نہیں پڑھی ہے وہ کافر ہے یا فاسق اگر جواب دیں گے کہ فاسق ہے تو ہم کہیں گے کہ مجتہد کافر ہو گیا اس لئے کہ خدا نے قرآن مجید میں فرمایا ہے وما یکفر بہا الا الفاسقون قسم اس خدا کی جس نے مجھے پیدا کیا ہے کہ میں مبالغہ سے نہیں کہتا ہوں اور مطلق تعصب کو دخل نہیں دیتا کہ جو تحریر مجتہد صاحب نے اس مقولہ طوسی کی کی ہے وہ ایسی لوچ اور لچر اور سفاہت سے بھری ہوئی ہے کہ حضرت تو مجتہد اور علامہ اور فخر العلما اور سلطان العلما ہیں ان کی نسبت کیا کہوں چھوٹا منہ بڑی بات ہے لیکن اگر کسی ادنیٰ شخص عامی کے قلم سے نکلی ہوتی تو میں دو حرف بھی اس کے جواب میں نہ لکھتا اور اس کی تردید میں ایک لمحہ بھی اپنی عمر عزیز کا ضائع نہ کرتا کیوں کہ یہ تقریر ایسی لوچ لچر ہے کہ اسکی تردید میں جو کاغذ صرف ہوا اس کی قیمت بھی وصول نہیں ہوتی بار خدایا یہ کیسے مجتہد تھے اور ان کی فضیلت اور تبحر پر شیعوں کو کیسا ناز تھا اور کیسے پاک باحیا تھے کہ ایسی تقریروں پر ناز کرتے تھے

لہ اور بلحاظ حدیث کہ تم سے جنگ مجھ سے جنگ اور تم سے صلح مجھ سے صلح ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حضرت شیخین نے امیر المومنین سے جنگ نہیں کی۔

اور ایسی بیہودہ باتوں کے لکھنے پر جامے سے نکلے جاتے تھے استغفر اللہ استغفر اللہ اب میں اس امر سے بحث کرتا ہوں کہ جو کچھ مجتہد صاحب نے فرمایا ہے کہ سارے ضروریات دین میں سے کسی کا بھی منکر بیہودہ کافر ہے پس اس سے مقولہ محقق طوسی کے کچھ معنی نہ بدل جاویں گے اور جو کچھ اس نے فرمایا ہے اس میں فرق نہ ہوگا اس لئے مجتہد صاحب کو چاہیے تھا کہ بجائے اس کے کہ گڑھ گڑھ کے اس کے کلام کے معنی بتاتے اور اس کے لفظوں سے وہ معنی نکالتے جو اس نے خواب میں بھی نہ خیال کئے ہوں گے اور اگر وہ زندگی میں اپنے کلام کے ایسے معنی سنتا تو معنی بنانے والے کے سر پر پٹکتا صاف یہ کہہ دیتے کہ گو نصیر الدین، طوسی یا قاضی نور اللہ شوستری نے یہ لکھا ہے مگر چونکہ مخالف احادیث ائمہ اور جمہور علمائے، امامیہ کے ہے اس لئے ان سے غلطی ہوئی ہے ہم اسے تسلیم نہیں کرتے جس طرح ہم ملا عبداللہ کے کلام نہ ماننے سے مجتہد صاحب پروا دگیر نہیں کرتے اسی طرح اسکو سن کر چپ ہو جاتے اور حقیقت میں یہ امر بیجا نہیں ہے اسلئے کہ یہ ضرور نہیں ہے کہ اہل مذہب کو ہر مجتہد اور ہر عالم کے سب قولوں اور سب باتوں کا ماننا ضرور ہے حضور سادہ بات جو کہ صرف اپنی رائے سے کسی نے لکھی ہو یا کہی ہو بلکہ قرآن و حدیث کا ماننا ضرور ہے پس اگر مذہب شیعہ کے عالم ہوں یا سنیوں کے جس کا کلام مطابق قرآن و حدیث کے ہوگا اس کلام کو ماننا اس مذہب والے کو ضرور ہے ورنہ کچھ ضرور نہیں چنانچہ ہم صرف علامہ طوسی کے اسی قول پر تکیہ کرکے نہیں بیٹھے بلکہ جس راہ پر مجتہد صاحب چلیں چلنے کو حاضر ہیں اور جسکو جمہور کا مذہب کہیں اور جس پر اپنے اجتہاد کا مدار رکھیں اسی پر جرح کرنے کو مستعد ہیں شعر۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

جناب قبلہ و کعبہ شروع کتاب میں فرماتے ہیں کہ (پوشیدہ و مخفی نماند کہ ایں عبارت ناصب کہ او درینجا التزام نمودہ کہ یا نچہ درین اجزا بر شیعیان احتجاج نماید در عدم استحقاق لعن اصحاب ثلثہ و احزاب آنہا از اصول مقررہ پیش شیعہ باشد و اصلا قول اہل سنت را

ــہ واضح رہے کہ ناصبی دشمن نے یہ عبارت اس جگہ اس لئے لکھی ہے کہ ان اجزا کے ذریعہ شیعوں سے احتجاج کرے کہ اصحاب ثلثہ اور ان کے ساتھیوں کو لعنت ملامت کرنا تمہارا اصول ہے اور اس میں کسی سنی کو شامل نہ کرے ضرور جاننا چاہیئے کہ پانچ امور کے ماننے والوں شیعوں کا اصول دین میں دین وہ ہے جس میں توحید، عدل، نبوت، امامت۔ اور قیامت داخل و شامل ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اصول مذکورہ میں سے کسی اصول کا جو کوئی انکار کرے وہ شیعوں کے نزدیک مومن نہیں ہے بلکہ ایسے شخص کو ملعون گردانتے ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو کوئی امامت کا انکار کرے اور توحید و نبوت و معاد کا اقرار کرے تو ایسے شخص کو کافر نہیں جانتے لیکن کافروں والے احکام ایسے شخص پر دنیا میں جاری نہیں کرتے۔

دران دخل نہ دارد پس آنکہ از جملہ اصول مقررہ پیش شیعہ اثنا عشریہ اصول دین ست کہ عبارت اند
توحید و عدل و نبوت و امامت و معاد باشد پس شکی نیست کہ امامیہ منکر یکی از اصول مذکورہ را
مومن نمیدانند و او را از جملہ ملاعین می انگارند آرے منکر امامت را با وجود اقرار او بتوحید و نبوت و معاد
کافر نمیدانند یعنی احکام کفار را در دنیا بر آں ہا جاری نمی سازند، اور پھر ایک مقام پر یہ بھی لکھتے ہیں
(از کلام بعضے معلوم می شود کہ کفر واقعی ایشاں را اجماعی میدانند[1]) بعد اس کے فرماتے ہیں
کہ ہرگاہ ایں دانستہ شد پس بنا بریں می گویم کہ غشا می تبرا از اصحاب ثلثہ و عائشہ و حفصہ و طلحہ
و زبیر و معاویہ و احزاب آنہا مخالفت ہر یکی از اصول معتبرہ مقررہ نزدیک شیعہ امامیہ انست
چہ باتفاق معلوم است کہ ایشاں و تبعہ ایشاں بامامت ائمہ اثنا عشریہ قائل نبودند و نیستند
بنحو دیگر شیعہ قائل اند و ایں نیز ثابت است کہ ائمہ ما علیہم السلام ازاں ہا تبرا فرمودہ اند و
رعیت خود را حکم نمودہ اند کہ تبرا از انہا نمایند و حکم بنفاق اینہا کنند[2]) اور حضرت والا مقدمہ
چہارم کے جواب میں فرماتے ہیں (بباید دانست کہ تنازع عامہ با خاصہ باں ماند کہ زن با مرد
مخاصمہ نماید زیرا کہ معلوم ست کہ صد دشنام زن بیک دشنام مرد مقاومت نمی تواند کرد
مصداق ایں حرف ایں است تطویلات بلا طائل کہ بکار بردہ بیک حرف کہ عدم ثبوت ایمان
اصحاب ثلثہ و نظرای ایشاں از جہت عدم اعتراف بامامت ائمہ اثنا عشر ست کافی ست
و باز ہرگز احتیاج گفتگو باقی نمی ماند[3]) پھر ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ (محقق طوسی علیہ الرحمۃ

---

[1] بعض کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے کافر ہونے کو وہ اجماعی طور پر مانتے ہیں سے عبارت ذوالفقار طبع مجمع البحرین لدھیانہ صفحہ ۱۰ سطر ۱۵ سے [2] جب یہ معلوم ہو گیا تو میں صاف صاف کہتا ہوں کہ اصحاب ثلثہ عائشہ، حفصہ، طلحہ، زبیر، معاویہ اور انکے ساتھیوں پر تبرا کرنا اسلئے ہے کہ یہ امامیہ شیعوں کے مقررہ معتبرہ اصول کے مخالف تھے اور متفقہ طور پر معلوم ہوا ہے کہ یہ اور ان کے پیرو بارہ اماموں کی امامت کے قائل نہ تھے اور جس طرح شیعہ مانتے ہیں یہ نہیں مانتے تھے۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ ہمارے اماموں نے ان سب سے بیزاری کی اور اپنے ماننے والوں کو ان پر تبرا کرنے اور انکے منافق ہونیکا حکم دیا ہے [3] جاننا چاہیئے کہ عام و خاص کا تنازعہ ہے جو اس کے لئے مصداق ہے کہ عورت اپنے خاوند سے جھگڑتی ہے اور ظاہر و معلوم ہے کہ عورت کی سو گالیاں مرد کی ایک گالی کے مقابلے کی تاب نہیں لا سکتیں اور بے کار و لا طائل گفتگو بے سود ہے۔ اصحاب ثلثہ اور انکے ساتھیوں کے مومن نہ ہونے کے لیے یہی حرف کافی ہے کہ وہ بارہ اماموں کی امامت کے قائل و معترف نہ تھے [4] محقق طوسی نے رسالہ قواعد العقائد میں لکھا ہے کہ شیعوں کے نزدیک اصول ایمان تین ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ اپنی صفات و ذات میں واحد ہے۔ دوسرے پیغمبر کے پیغمبری کی تصدیق کا ضروری

در رسالہ فوائد العقائد گفتہ اصول ایمان نزد شیعہ سہ چیز است تصدیق بواحدنیت خدا در ذات او و در افعال او و تصدیق بہ پیغمبری پیغمبران و تصدیق بامامت ائمہ بعد از پیغمبران انتہی کلام المحقق رحمہ اللہ واین کلام برہان قاطع ست بر فساد ذہن و اعوجاج طبع این معاند مجادل کہ از عبارت تجرید محقق میخواہد کہ کفر را مخصوص بمحاربین گردانیدہ خلفای ثلثہ را خود را از ان نجات دہد و نجات مقصود نیست) جو کچھ قبلہ و کعبہ نے فرمایا مثل اسی کے اور علمای متاخرین امامیہ نے بھی ارشاد کیا ہے چنانچہ بڑے بھائی جناب مفتی سبحان علی خاں کے جواب میں ایضاح لطافۃ المقال کے فرماتے ہیں کہ (حالانکہ بجواب معارضہ کہ حضرت مخدومی فرمودہ اند بر ہر حاضر طبع ماہر ست گزارش می رود و آں این ست کہ لمحض معارضہ جناب این کہ قدمای امامیہ قاطبۃ معتقد کفر منکران امامت بودہ اند و از کلام خواجہ نصیر الدین طوسی و علامہ حلی

بقیہ حاشیہ) تصدیق اور تیسرے یہ کہ پیغمبروں کے بعد امامت حق ہے اور یہ کلام اس دشمن کے فساد ذہن و کجروی طبیعت پر دلیل قاطع ہے اس دشمن کی خواہش محقق طوسی کے کلام کے بیان سے یہ ہے کہ علی سے جنگ کرنے والوں ہی کو کافر قرار دے اور خلفاء ثلثہ کو کفر سے چھٹکارا دلادے حالانکہ نجات نہیں ہے۔ ؎ ایضاً صفحہ ۵ سطر ۱۰ ؎ ایضاً صفحہ ۹ سطر ۲

؎ ایضاً صفحہ ۲۲ سطر ۱۷۔ ۱۲ منہ

؎ جناب محترم کے کتابی مقابلہ کے جواب میں عرض ہے کہ جناب کا خلاصہ جواب یہ ہے کہ اعتقاداً منکرین امامت کو متقدمین امامیہ نے قطعاً کافر کہا ہے اور خواجہ نصیر الدین طوسی علامہ حلی و نور اللہ شوستری کے کلام سے منکرین امامت کا فاسق ہونا ظاہر ہے اور خادم عرض کرتا ہے کہ بارہ اماموں کے ماننے والے متقدمین ہوں یا متاخرین سب کے نزدیک یہ کہ امیر المومنین علی ابن طالب سے چاہے کوئی جنگ کرے یا نہیں ان کا مخالف کافر ہے اور ایسے شخص پر کافر کا اطلاق نہ یا آخرت ہے کہ وہاں اس کا نتیجہ خراب ہے دنیا میں ان کے ساتھ کافروں جیسا برتاؤ نہیں کیا کہ ان کے ساتھ نکاح نشست و برخاست وغیرہ جائز ہے۔ اس عقیدہ کی وجہ سبب نہیں جو جناب نے خیال فرمایا ہے جیسا کہ وہ حدیثوں ہی ہے کہ رسول اللہ کی رحلت کے بعد بجز چار کے تمام صحابہ مرتد ہو گئے اور جناب نے اس حدیث کو جزم خود بکثرت آیات و احادیث کے مخالف تصور فرمایا ہے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے اور یہ حدیث حسب موقع لکھی جائے گی اور بہتر بات یہ ہے کہ علی بن ابی طالب کی بلا فصل امامت دوسرے ائمہ کی امامت فرقہ امامیہ کے نزدیک اصول دین میں سے اسی طرح ہے جیسے کہ توحید و نبوت کا اصول ہے اور اقرار امامت ایک رکن دین ہے یہ جزو اسلام نہیں ہے اور کافر ہونا باعتبار آخرت کے ہے یعنی جو کوئی ان کا انکار کرے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور ایسے منکر کو چونکہ وہ کلمہ شہادتین پڑھتا ہے اس سے مومنیاوی طور پر نہیں کہتے ہاں گرچہ وہ مومن بھی نہیں ہے

و میر نور اللہ شوستری فسق ایشان مستفاد می گردد و بندہ عرض می کنم کہ مختار جمہور امامیہ اثنا عشریہ خواہ از متقدمین باشد یا از متاخرین ہمیں ست کہ مخالف جناب امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام اعم من ان یکون محارباً لہ ام لا کافر است لیکن اطلاق کافر بر او نظر الی دار الآخرۃ و سوء مآل او ست نہ باعتبار در دار دنیا مثل جواز مناکحت یا مجالست و امثال آن و وجہ این عقیدہ شان آن ست کہ ملاز مان خیال فرمودہ اند اعنی در دو حدیثیکہ مضمونش این ست کہ بعد رحلت حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم ہمگین صحابہ مرتد شدند بجز چہار کس و جناب بزعم خود این حدیث را منافی آیات کثیرہ احادیث شہیرہ فہمیدہ اند مع ان الامر لیس کذالک چنانچہ بوجہ وجیہ این حدیث بر موقع مناسب خواہد آمد بلکہ احسن این کہ امامت بلا فصل علی بن ابی طالب علیہ السلام و ہم چنیں امامت سائر ائمہ نزد امامیہ از اصول دین مثل توحید و نبوت ست و رکنی از ارکان ایمان نیز و اسلام ست و این ہمہ ملت باعتبار دار آخرت ست یعنی منکر ہر یکی از ینہا مخلد بجہنم ست نہ باعتبار این دار چہ معترف بر شہادتین را در دار دنیا کافر نمی گویند گو مومن نباشد۔ غرض کہ ان ساری تقریروں کا خلاصہ یہ ہے کہ اصحاب ثلثہ اور ان کے تابع امامت ائمہ اثنا عشر سے منکر تھے اس لئے وہ کافر ہیں اور دنیا میں ان پر سب احکام کفر کے جاری نہیں ہیں بسبب اقرار توحید اور نبوت کے ان پر اسلام کا اطلاق ہے لیکن قیامت میں ان پر سب احکام کافروں کے جاری ہوں گے اور وہ مخلد فی النار ہوں گے اب ہم چند طرح سے اس کا جواب دیتے ہیں۔

اول مجتہد صاحب قبلہ نے خلفاء ثلثہ اور حضرت طلحہ و زبیر اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت فرمایا کہ ذاتیشان و تبعہ ایشان بامامت ائمہ اثنا عشر قائل نبودند مگر یہ خیال نہ فرمایا کہ ان بیچاروں کے زمانہ میں ائمہ اثنا عشریہ کہاں تھے اور سوائے حضرت علی کے اور بہت آخری زمانہ میں سوائے حسنین کے نو امام پیدا تک نہ ہوئے تھے اور بعد ان سب لوگوں کے مرنے کے ان کا ظہور ہوا تھا تو اگر وہ ائمہ اثنا عشر پر ایمان نہ لائے تو یہ قصور ان کا ہے یا معاذ اللہ خدا کا کہ کیوں اس نے سب اماموں کو ان کے سامنے پیدا نہ کر دیا۔ سبحان اللہ کیا عقل و دانش ہے حضرت قبلہ و کعبہ کی کہ لکھنے کے وقت لفظوں کا خیال بھی نہیں فرماتے اور اپنے کمال کے نشے میں ایسے مدہوش ہو جاتے ہیں کہ پھر نظر ثانی بھی نہیں فرماتے۔ اے

لہ یہ اور ان کے ماننے والے بارہ اماموں کی امامت کے ماننے والے نہ تھے۔

مومنین خدا کے لئے انصاف کرو کہ اللہ جل شانہ تو فرماتا ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا[1] کہ خدا طاقت بشری سے خارج کسی امر کی کسی کو تکلیف نہیں دیتا اور جناب قبلہ و کعبہ صحابہ رسول کو اس حکم سے مستثنیٰ کرتے ہیں اور ان کو اس وجہ سے کافر بتلاتے ہیں کہ ذالیشان یا امامت ائمہ اثنا عشر قائل نبودند[2] آفرین ایسی سمجھ پر شاباش ایسے فہم پر۔

دوسرے اگر مجتہد صاحب کا یہ مطلب ہو کہ ائمہ اثنا عشر سے مراد صرف ذات علی مرتضیٰ ہے اس لئے کہ ان کی امامت کا اقرار اسوقت میں گویا ائمہ اثنا عشر کی امامت کا اقرار تھا اور اس سے صحابہ منکر تھے خیر ہم اس عذر کو بھی قبول کرتے ہیں اور ایسی لوچ توجیہ کو بھی مانتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ خدا نے جب مہاجرین اور انصار کی شان میں آیتیں نازل کیں اور جب ان کی ہجرت اور نصرت جہاد پر ان کی ثنا و صفت کی کبھی فرمایا کہ والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار[3] کبھی ارشاد کیا الذین آمنوا و ہاجروا و جاہدوا فی سبیل اللہ[4] کبھی فرمایا کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ[5] کبھی کہا کہ لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ[6] تو اس وقت میں جب یہ آیتیں نازل ہوئیں کیا سوائے توحید اور نبوت کے امامت بھی اصول دین سے تھی اور علی مرتضیٰ کی امامت کا منکر کافر کہلاتا تھا اگر کوئی آیت قرآن مجید میں ہو تو فدا لو کھلا دیجے جب یہ آیتیں نازل ہوئیں اسوقت کچھ ذکر بھی امامت کا نہ تھا۔ اس لئے کہ امامت کہتے ہیں خلافت کو اور خلافت کی بنیاد ہے بعد وفات پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے تو ان لوگوں کو جو کہ پیغمبر صاحب کے سامنے ایمان لائے اور ان کے ساتھ ہجرت کی اور ان کے ساتھ جہاد کیا اور ان کی شان میں خدا نے آیتیں نازل کیں قبل شروع ہونے زمانہ خلافت کے اور قبل قائم ہونے ایک نئے اصول امامت کے کافر کہنا حقیقت میں پیش از مرگ واویلا کرنا ہے۔ ہاں موافق اصول شیعہ کے ان لوگوں کے حق میں اطلاق کفر کا ہو سکتا ہے جنہوں نے زمانہ خلافت کا پایا اور جنہوں نے انکار امامت علی مرتضیٰ کا کیا۔

---

[1] پارہ ۳ سورہ بقرہ رکوع ۴۰۔ ترجمہ۔ اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی شخص کو مگر جو اس کی گنجائش ہے ۱۲ موضح القرآن
[2] بارہ اماموں کی امامت کے یہ قائل نہ تھے [3] پارہ ۱۱ سورہ توبہ رکوع ۱۳۔ ترجمہ اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنیوالے موضح القرآن ۱۲ [4] پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۳۔ ترجمہ۔ جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں ۱۲ موضح [5] پارہ ۷ سورہ مائدہ رکوع ۱۶ ترجمہ اللہ راضی ہاتھ اور وہ راضی اس سے موضح ۱۲۔ [6] پارہ ۲۶ سورہ فتح رکوع ۳ ترجمہ اللہ خوش ہوا ایمان والوں سے جب ہاتھ ملانے لگے تجھ سے اس درخت کے نیچے ۱۲ موضح القرآن

تیسرے اگر کوئی شیعہ کہے کہ جن لوگوں نے زمانہ خلافت علی مرتضیٰ کا پایا اور جنہوں نے ان کی امامت سے انکار کیا ان میں خلفا ثلثہ داخل ہیں اسی واسطے ہم ان کو کافر کہتے ہیں اور ان کو ان آیات کی فضیلت سے مستثنیٰ کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ ان کا کفر بھی موافق اس اصول شیعہ کے کہ منکر امامت کافر ہے اس زمانہ سے شروع ہوا ہے جبکہ خلافت علی مرتضیٰ سے وہ منکر ہوئے اور خود خلیفہ بن بیٹھے کہ یہ زمانہ بعد پیغمبر صاحب کی وفات کے شروع ہوا ہے اور قرآن مجید بھی پیغمبر صاحب کے سامنے اترا ہے اور ہجرت اور نصرت[۱] اور جہاد کو کچھ مہاجرین نے کیا ہے وہ پیغمبر صاحب کے سامنے اور انہیں کاموں اور خدمتوں کو خدا نے قبول کرکے ان کی تعریف میں آیتیں نازل کیں ہیں تو جب تک ان بیچاروں نے خلافت کو غصب نہیں کیا اور امامت سے امام اول کی منکر نہیں ہوئے وہ کس قصور میں ان آیتوں کی فضیلت سے محروم کئے جاتے ہیں اور کس جرم میں باوجود مہاجر اور انصار ہونے کے والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار کے زمرے سے خارج کئے جاتے ہیں۔

چوتھے بعد خدا یا کوئی قابل اٹھ کر اگر یہ فرماوے کہ پیغمبر صاحب نے اپنے ہی سامنے حضرت علی کو خلیفہ کر دیا تھا اور انکا خطبہ پڑھ دیا تھا اور من کنت مولاہ فعلی مولاہ کہکر سب سے ان کی امامت کا اقرار لے لیا تھا اور صحابہ پیغمبر صاحب کے سامنے ہی منکر امامت ہو گئے تھے اس لئے وہ کافر ہیں اس کا ہم دو طرح سے جواب دیتے ہیں اول یہ کہ خلافت علی مرتضیٰ کی پیغمبر خدا نے کس وقت سے ظاہر کی آیا شروع اسلام کے زمانے سے جب کہ اپنی نبوت کو اظہار کیا اسی وقت حضرت علی کی امامت کو قائم کیا اگر خدا نے ایسا کیا ہے تو ذرا اس کا نشان دیجئے ہم جہاں تک سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک کوئی۔ دانشمند اگرچہ مولوی دلدار علی صاحب قبلہ بھی کیوں نہ ہوں ایسی بات زبان سے نہ نکالے گا اور آخر یہی کہیگا کہ حجۃ الوداع میں خم غدیر پر خطبہ خلافت کا پڑھا اس کا جواب یہ ہے کہ اخیر زمانہ وفات پیغمبر خدا کا ہے اور بعد اس کے بہت ہی کم آیتیں نازل ہوئی ہیں اور الیوم اکملت لکم دینکم[۲] موافق قرار شیعہ کے دین کے کامل ہونے پر شاہد ہے اور جو آیتیں فضائل میں صحابہ کے ہیں وہ یا مکی ہیں یا مدنی اور حجۃ الوداع سے برسوں پہلے نازل ہو چکی ہیں تو اس سے بھی ان آیتوں کی مصداق سے صحابہ کبار خارج نہیں ہو سکتے دوسرے پیغمبر

۱؎ اسکا ترجمہ صفحہ میں دیکھو ۲؎ سے پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱ آج میں پورا دے چکا تم کو دین تمہارا ۱۲ موضح القرآن

صاحب کے سامنے بقول شیعوں کے کسی نے امامت کا انکار نہیں کیا اور سب نے اس کو ظاہر میں قبول کر لیا تو اس وقت میں بھی انکار صریح زبان سے کسی نے حضرت علی کی خلافت پر نہیں کیا اور جب تک زبان سے کوئی شخص انکار توحید اور نبوت سے نہ کرے وہ کافر نہیں ہوتا ظاہر میں تو جو شخص امامت سے ظاہر میں انکار نہ کرے وہ کیونکر کافر ہوگا۔ غرض کہ مجتہد صاحب کا یہ قول کہ (اصحاب[1] ثلثہ وعائشہ وطلحہ وزبیر وغیرہم بامامت ائمہ اثنا عشر قائل نبودند) اور نیز حضرت کا یہ ارشاد کہ (عدم[2] ایمان اصحاب ثلثہ ونظرای ایشاں از جہت عدم اعتراف بامامت ائمہ اثنا عشر ست کافی ست) ایسا پوچ اور بیہودہ ہے کہ بعد اس تقریر کے جو میں نے کی ہے اس پر کوئی اتہیں کے اس مقولہ کو کہ تنازع عامہ یا خاصہ باں مانند کہ زن با مرد مخاصمہ نماید زیرا کہ معلوم ست کہ صد دشنام زن بیک دشنام مرد و مقاومت نمی تواند کرد انہیں پر اعادہ کرے اور یہ کہے کہ تنازعہ خاصہ یعنی حضرات شیعہ با عامہ یعنی سنیاں بآں مانند کہ زن با مرد مخاصمہ نماید زیرا کہ معلوم ست صد دشنام زن بیک دشنام مرد مقاومت نمی تواند کرد۔ تو کیسا ٹھیک اور درست ہے لیکن ہم اپنی زبان سے کچھ نہیں کہتے اور گالی گلوچ نہیں لڑتے۔ اے حضرات شیعہ اپنے غفران مآب کے تقدس اور تہذیب اور متانت کو دیکھو کہ حضرت قبلہ وکعبہ مثال بھی دیتے ہیں تو گالی گلوچ ہی کی کاش بجائے اس کے دوسری مثال دیتے اور اپنی تہذیب اور متانت کو کام فرماتے تو لوگوں کے سامنے شرمندگی نہ ہوتی۔

دیکھو کہ ذوالفقار میں ورق کے ورق اس اصول کی تصدیق میں کہ علمای شیعہ کے نزدیک امامت کا منکر کافر ہے سیاہ کئے ہیں اور ناحق کتاب کا حجم بڑھایا ہے تاکہ لوگ سمجھیں کہ بڑی موٹی کتاب لکھی ہے حالانکہ سب کا مطلب یہی ہے کہ شیعوں کے نزدیک امامت اصول دین سے ہے اور منکر اس کا کافر لیکن اس سے کچھ جواب صاحب تحفہ کے کلام کا نہیں ہوتا اس کے لئے وہ تمام سنیوں کے ایمان ثابت کرنے پر بحث نہیں

---

[1] اصحاب ثلثہ، عائشہ، طلحہ اور زبیر وغیرہ ائمہ اثنا عشر کی امامت کے قائل نہ تھے۔ [2] اصحاب ثلثہ اور ان کے حبیبوں کا صاحب ایمان نہ ہونا اس لئے کافی ہے کہ وہ سب بارہ اماموں کی امامت کے معترف نہ تھے کہ سنیوں اور شیعوں کا جھگڑا بالکل ویسا جیسا کہ عورت اپنے مرد سے جھگڑتی ہے۔ اور یہ امر واضح ہے کہ عورتوں کی سو گالیاں مرد کی ایک گالی کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

کرتے کہ جس پر موافق اصول شیعہ کے بسبب انکار امامت ائمہ اثنا عشر کے عدم ایمان یا کفر کا اطلاق ہو بلکہ وہ صرف صحابہ سے بحث کرتے ہیں اور اس امر کا دعویٰ کرتے ہیں کہ اصحاب رسول پر کفر کا اطلاق نہیں ہوتا اور اس کے ثبوت میں آیتیں جو شان میں صحابہ کے نازل ہوئی ہیں پیش کرتے ہیں اور ملا نصیر الدین طوسی اور نور اللہ شوستری وغیرہ کے کلام کو اسکی تائید میں لاتے ہیں اور مجتہد صاحب اس فرق بین کو تو ملاحظہ نہیں کرتے اور صاحب تحفہ کی تحریر کا مطلب تو نہیں سمجھتے دونوں امروں کو خلط ملط کر کے عامیوں کی طرح جواب دیتے ہیں کہ ہمارے اصول سے یہ ہے کہ منکر امامت ائمہ اثنا عشر کافر ہے اے صاحب آپ کے اصول دین میں منکر امامت ائمہ اثنا عشر کافر کیا اگر آپ کے اصول میں آپ کے تقدس اجتہاد کا منکر بھی کافر ہو صاحب تحفہ اس سے بحث بھی نہیں کرتے پس حقیقت میں جو کچھ مجتہد صاحب نے لکھا اس سے صرف یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ منکر امامت کافر ہے اور چونکہ انکار امامت اصحاب نے نہیں کیا مگر بعد وفات پیغمبر خدا کے اس لئے انکا اس، اصول سے کافر ہونا حالت حیات نبوت میں ثابت نہ ہوا اور جب انکا کفر ثابت نہ ہوا تو جو آیتیں مہاجرین وانصار کی شان میں نازل ہوئی ہیں ان میں بدرجہ اولیٰ انکا داخل ہونا واقع ہوا اس لئے کہ ایمان اور ہجرت اور جہاد اور نصرت اور بیعت وغیرہ جو باتیں آیتوں میں خدا نے بیان کی ہیں ان صفات کا مہاجرین وانصار خصوصاً خلفاء ثلثہ میں بدرجہ کامل ہونا ثابت ہے پس کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ اس سے خارج ہوں اور اگر یہی خارج ہوں گے تو پھر سوائے ایک حضرت علی اور دو تین ان کے خاص احباب کے کون رہے گا اور ساری آیتوں کا اطلاق صرف حضرت علی ہی کی شان میں کہنا اور سب مہاجرین و انصار کو اس سے خارج کرنا حقیقت میں صاف قرآن مجید کی تحریف کرنی ہے۔

میں اس موقع پر اس قول کو بھی بغیر باطل کئے چھوڑنا مناسب نہیں سمجھتا جو کہ مجتہد صاحب نے محقق طوسی کا ان کے رسالہ قواعد العقائد سے نقل کیا ہے جس کو اوپر ہم لکھ چکے ہیں اور جس سے انہوں نے اس امر کو ثابت کیا ہے کہ محقق موصوف، امامت کو اصول دین سے سمجھتا ہے سو وہ کیوں کر کفر کو مخصوص محاربین سے کرے گا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اول تو محقق کا یہ قول جو انہوں نے رسالہ قواعد العقائد میں لکھا ہے بہت سے علماء شیعہ کے مخالف ہے اس لئے کہ وہ لکھتے ہیں کہ۔

(اصول ایمان نزد شیعہ سہ چیز ست تصدیق بہ واحدانیت خدا و تصدیق بہ پیغمبری و تصدیق بامامت) اور اکثر علماء نے لکھا ہے کہ اصول دین کے پانچ ہیں چنانچہ خود قبلہ و کعبہ نے اپنی کتاب ذوالفقار میں فرمایا ہے کہ (از جملہ اصول متقررہ پیش شیعہ اثنا عشریہ اصول دین ست کہ عبارت از توحید و عدل و نبوت و امامت و معاد باشد) پس محقق صاحب نے دو اصول یعنی عدل اور معاد کو تو اڑا ہی دیا اور پانچ کو چھوڑ کر تین کو اختیار کیا تو جب ان کو تین سے ایسی محبت تھی کہ اصول دین کے بھی تین ہی لکھے تو اگر تینوں خلیفاؤں کو انہوں نے مخالفوہ فسقہ کہہ کر کفر سے خارج کر دیا تو کیا عجب ہے۔

علاوہ بریں یہ قول محقق صاحب کا جو انہوں نے رسالہ قواعد العقائد میں لکھا ہے درحقیقت ان کے اس مقولے کو جو تجرید میں لکھا ہے کچھ باطل نہیں کرتا اس لئے کہ یہ قول کہ (اصول ایمان نزد شیعہ سہ چیز ست) یہ عام ہے اور وہ قول کہ (مخالفوہ فسقۃ و محاربوہ کفرۃ) خاص ہے۔ (اما من عام الا وقد خص) پس گویا وہ صحابہ جنہوں نے مخالفت کی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اگر کوئی کہے کہ جب تم مجتہد صاحب کی توجیہ کو نہیں مانتے جو انہوں نے مخالفوہ فسقۃ کی نسبت کی ہے تو تم کیوں ایسی توجیہ کرتے ہو اس کا جواب یہ ہے کہ اس توجیہ کی ہم سند رکھتے ہیں اور ایک دوسرے محقق شیعی کے قول سے اس کی تائید ہوتی ہے یعنی قاضی نور اللہ شوستری مقولۂ محقق طوسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ (حضرت شیخین با امیر المومنین علیہ السلام حرب نہ نمودند بلکہ بے زحمت قتال و تکلف استعمال سیف القتال و کثرت خیل الرجال حق او را ابطال نمودند و غصب خلافت رسول متعال انو نمودند) پس اگر ان کے نزدیک غصب کرنا خلافت کا موجب کفر خلفائے ثلثہ ہوتا تو وہ کیونکر غصب خلافت کو بے جنگ و جدال کے ثبوت میں عدم کفر مخالفین جناب امیر کے بیان کرتے ہیں اگر مطلب قاضی نور اللہ شوستری کا اس عبارت سے اور کچھ ہو تو بیان فرمائیے۔

؎ شیعوں کے نزدیک ایمان کے تین اصول ہیں ایک واحدانیت خدا کی تصدیق دوسرے پیغمبر کی تصدیق اور تیسرے امامت کی تصدیق۔ ؎ بارہ اماموں کے ماننے والے شیعوں کے نزدیک جملہ اصول متقررہ دین یہ ہیں۔ توحید، عدل و انصاف، نبوت، امامت، اور آخرت ؎ عبارت ذوالفقار مطبوعہ طبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۰ھ صفحہ ۵ سطر ۱۲ و ۱۳۔ ؎ شیعوں کے نزدیک اصول ایمان تین ہیں ؎ حضرات شیخین نے امیر المومنین سے جنگ نہیں کی بلکہ بغیر شمشیر زنی کے لوگوں کو اپنا کر علی کا حق باطل کر دیا اور خلافت رسول کا حق علی سے غصب کر لیا۔

فعلیکم البیان وعلینا دفعہ بالبرہان۔ اگر کوئی کہے کہ جس طرح پر تم اپنی توجیہ کے لئے دوسرے محقق کی سند لائے اسی طرح پر جناب قبلہ وکعبہ بھی سند لائے ہیں بلکہ تم تو دوسرے شخص کی لائے قبلہ وکعبہ تو محقق طوسی ہی کی دوسری کتاب سے سند لائے ہیں اس کا جواب یہ کہ بیشک ہم دونوں اپنی اپنی توجیہ پر سند لائے ہیں مگر دونوں میں فرق ہے ہماری توجیہ مطابق لفظ اور عبارت اور معنی ظاہری محقق کے ہے اور سند سے اس کی تائید بصراحت ہوتی ہے اور قبلہ وکعبہ کی توجیہ مخالف اور عبارت اور ظاہری معنی محقق کے ہے اور سند سے بھی اس کی تائید بصراحت نہیں ہوتی۔ ہم نے جو معنی کہے وہ کھلے ہوئے ہیں اور صاف ظاہر ہیں اور قبلہ وکعبہ نے جو معنی بنائے ہیں وہ ایسے پیچ دار ہیں کہ قواعد صرف ونحو سے اس کی مطابقت نہیں ہوتی۔ اگر شک ہو تو کسی طالب علم عربی خوان کے سامنے دونوں کے معنی رکھدو اور طالب العلم بھی وہ ہو جو نہ سنی ہو۔۔ نہ شیعہ اور اس سے پوچھو کہ کون سے معنی صحیح ہیں تو ضرور وہ یہ کہے گا کہ یہی معنی صحیح ہیں جو یہ سنی کہتا ہے اور جو معنی مجتہد صاحب فرماتے ہیں وہ ان لفظوں سے نہیں نکلتے ایسے دقیق مضمون کو شاید امام سمجھیں گے اس لئے سر من رائے جاکر امام صاحب سے پوچھو لیں جب تک امام ظاہر نہ ہوں اور مجتہد صاحب کی فہم وفراست اور جودت طبع کی تعریف کر کے ان کے بنائے ہوئے معنی کی تصدیق نہ کریں تب تک کوئی بھی ان کے معنی کو تسلیم نہ کرے گا۔

جبکہ اس بحث کو ہم لکھ چکے اس لئے اب اس قول سے بحث کرتے ہیں کہ اطلاق اسلام کا صحابہ کبار اور خلفائے ابرار پر موافق اصول شیعہ کے ہوتا ہے نہیں چنانچہ مجتہد صاحب اس کا اقرار کرتے ہیں اور فرماتے کہ منکر امامت کافر نہیں ہے یعنی احکام کفر کے دنیا میں اس پر جاری نہیں ہیں چنانچہ اس قول کو اوپر ہم نقل کر چکے اور جواب ایضا اللطافۃ المقال سے اس کی تائید کر چکے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ علمائے شیعہ کے نزدیک موافق قول مجتہد صاحب کے تین درجے ہیں ایک ایمان جو پانچوں اصول توحید نبوت امامت عدل معاد کا قائل ہو دوسرے کفر جو ان پانچوں اصول کا یا سوائے امامت کے ایک کا بھی منکر ہو کہ نہ اس پر ایمان کا اطلاق ہوگا نہ اسلام کا تیسرا اسلام جو فقط امامت کا منکر ہو کہ وہ قیامت میں تو مثل کافر کے ہوگا مگر دنیا میں احکام کفر کے اس پر جاری نہیں ہیں۔

اور غرض ان تینوں درجوں کے قائم کرنے سے یہ ہے کہ صحابہ کو کافر بھی کہنے کا موقع رہے اور مسلمان کہنے کا بھی یعنی جب ان کو توحید اور نبوت کے اقرار میں سچا اور اعمال حسنہ میں کامل اور دین میں پکا دیکھتے ہیں اور کسی طرح کا نقص ظاہری اعمال میں ان کے نہیں پاتے تو کہتے ہیں کہ وہ مسلمان تھے اور جب ان کو آیات فضیلت کے مصداق سے خارج کرتے ہیں اور ان کو برا کہتے ہیں تب فرماتے ہیں کہ وہ مومن نہ تھے یعنی اصول دین میں سے ایک اصول یعنی امامت کے منکر نہ تھے اسی واسطے درمیان کفر اور ایمان کا ایک نہیں ہے۔ تیسرا واسطہ قائم کیا اور اس کا نام اسلام رکھا۔

اب آگے سنیے کہ جب یہ خیال کیا کہ جو شخص اس تفرقہ کو سنے گا وہ ہنسے گا اور ایسے اصول قائم کرنے والوں کو احمق کہے گا اس لئے کہ دین کے پانچ اصول تو قائم کئے اور پانچوں کو برابر درجہ دیا اور پھر چار اصول تو ایسے ہیں کہ اگر ان میں سے چاروں کا یا ایک کا بھی کوئی انکار کرے وہ اسلام سے خارج ہو جاوے اور کفر کا اس پر اطلاق ہو جائے اور ایک اصول امامت ایسا ہو کہ جس کا منکر نہ کافر ہو نہ مومن بلکہ مسلم رہے اور وہ دائرے اسلام سے خارج نہ ہووے گویا تو یہ اصول امامت حقیقت میں اصول دین سے نہیں ہے فروع سے ہے یا اگر اصول دین سے ہے تو اس کا منکر بھی کافر ہے تو اس سفاہت کے جتانے کے لئے اس کی وجہ اور علت تحریر کرنے پر بحث کی اور اس کا سبب خاص بیان فرمایا جس سے سوائے اس کے کہ سفاہت پر پردہ پڑے بے ہودگی اسکی اور دوبالا ہو گئی چنانچہ اب میں اس وجہ کو بیان کرتا ہوں اور اپنے قول کی تائید کرتا ہوں کہ جناب قبلہ وکعبہ ذوالفقار میں فرماتے ہیں کہ (ﷺ) بر وجود احادیث بسیار

لے بکثرت احادیث کے حوالے سے شیعہ محققین نے اپنی کتابوں میں صراحت کی ہے کہ مخالفین علی بلحاظ آخرت کافر ہیں جو دوزخ سے ہرگز باہر نہ نکل سکیں گے۔ اور اس دنیا میں بھی وہ کفار کے احکام میں شریک ہیں اور خدا کو معلوم تھا کہ امام صاحب الزماں کے ظہور سے پہلے حکومت حق پر باطل کی حکومت غالب آئے گی۔ اور شیعوں کی اپنے مخالفین سے معاملات معاشرتی کرتے پڑیں گے اس لئے باطل حکومت کرنے والوں کو مسلمان کہنے کے احکام جاری کر دیئے کہ شیعوں کی جان و مال محفوظ رہے اور ان سنیوں کو پاک کہیں ان کے ذبیحہ کو حلال سمجھیں۔ انکی لڑکیوں سے شادی کریں ان کو میراث دیں اور ورثہ لیں اور دوسرے احکام اسلام ان پر جاری رکھیں تاکہ شیعوں پر سنیوں کی حکومت میں دنیا کا کاروبار تنگ نہ ہو اور جب امام صاحب الزماں کا ظہور ہو تو سنیوں پر بت پرستوں جیسا ہی حکم لگائیں

محققین امامیہ در کتب خود تصریح نمودہ اند کہ مخالفین در عقبیٰ حکم کفار دارند و ہرگز از جہنم بیرون نمی آیند و دریں دنیا نیز در احکام کفار شریک اند اما چوں علام الغیوب می دانست کہ دولت حق پیش از ظہور قائم آل محمد غالب نخواہد گردید و شیعیان را معاشرت و مواصلت و معاملت با مخالفاں ضرور خواہد شد دریں دولت ہائے باطل احکام اسلام را بر ایشاں جاری گردانید کہ جان و مال ایشاں محفوظ بودہ باشد و حکم بہ طہارت ایشاں بکنند و ذبیحہ ایشاں را حلال دانند و دختر از ایشاں بخواہند و میراث با ایشاں بدہند و از ایشاں بگیرند و دیگر احکام اسلام بر ایشاں جاری کنند تا بر شیعیاں کار تنگ نہ شود و در دولت ایشاں و ہر گاہ حضرت صاحب الامر ظاہر شود حکم بت پرستاں را بر ایشاں جاری کند و در ہمہ احکام مثل سائر کفار باشند و ایں بفضل خدا است بسبب بحال شیعیاں زیرا کہ فرق کفار بسیار اند اگر بر سنیاں نیز دریں ایام احکام کفار جاری می کرد دید در امور مسطور عسرتے بر شیعیاں می شد کہ مزیدی براں متصور نیست) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحیثیت اس کے کہ خدا کو معلوم تھا کہ شیعی بیچارے ذلیل و خوار رہیں گے اور عزت اور دولت سنیوں کو ملے گی پس اگر سنیوں پر حکم کفار کا جاری کیا جائے تو بیچارے شیعی روٹی کہاں سے پاویں گے اور ان کو کھانا کون دے گا اور چونکہ شیعوں کو بمجبوری سنیوں کی خدمت گذاری کرنی پڑے گی اور سنیوں کے دست نگر رہیں گے۔ اگر سنیوں پر کفر کے احکام جاری کر دیئے جائیں اور شیعی ان کو کافر کہنے لگیں تو سارے شیعیان پاک بھوکوں کے مارے مر جائیں گے اور سنی ان کا نان نفقہ بند کر دیں گے بلکہ غصے میں آکر کافر کہنے پر ان کو جان ہی سے مار ڈالیں گے۔ اور اگر ایسا ہوا تو دین جعفری جاتا رہے گا۔ اور کوئی خدا اور رسول کا نام لینے والا دنیا میں نہ رہے گا گویا خدا کی عبادت حضرات شیعہ کے فنا ہوتے ہی دنیا سے موقوف ہو جائے گی اور چونکہ بیچارے شیعوں کی مظلومیت اور غربت پر خدا کو بڑا رحم ہے۔ اور ان کے حال زار پر اس کو بہت توجہ ہے اس لیے کہ حضرات شیعہ کے طفیل میں خدا نے سنیوں کو دنیا میں کفر سے بچایا اور ان کو مسلمان رکھا مگر یہ اسی وقت تک ہے بنظر عنایت و مہربانی جب

(بقیہ حاشیہ) کے احکام جاری کریں اور اس وقت سنیوں پر تمام کافروں کی طرح احکام جاری ہوں۔ شیعوں پر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے۔ کیونکہ کافروں کے فرقوں کی اکثریت ہے۔ اگر اس زمانہ میں سنیوں پر کافر ہونے کا حکم لگایا جائے تو شیعوں پر عرصہ حیات دنیاوی استقدر تنگ ہو جائے گا جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

تک کہ امام صاحب الزماں پیدا ہوں جب کہ امام شیعوں کے غار سر من رای سے ظہور فرمائیں گے اور بعد چندین ہزار سال سنیوں کے خوف سے نجات پاویں گے اسی وقت پر کیا ہی طار مدار شیعوں کا ہے سلطنت اور حکومت ان کی ہے کسی کے ہاتھ میں حضرت عباس کا علم ہوگا کسی کے دوش پر امام کا شدار کھا ہوگا کوئی ذوالفقار چومنے کے لیے دوڑا جاتا ہوگا کوئی صوارم د صمصام اپنی کھولتا ہوگا کوئی زرارہ کے غول میں بھاگتا ہوگا کوئی ہشام اور شیطان الطاق کو ڈھونڈتا ہوگا پس اس وقت وہ دھوم دھام شیعوں کی ہوگی کہ لوگ محرم کی دسویں کو بھول جاویں گے اور یا امام کا غل آسمان پر پہنچاویں گے تو جب ایسے زور شور کا امام شیعوں کا ہوگا اور کچھ بھی غرض شیعوں کی ان سے نہ رہے گی پس اس وقت امام شیعوں کے پکار کر کہہ دیں گے کہ آج اسلام کا حکم تو موقوف ہوا کفر کے علانیہ اطلاق کرنے کا زمانہ آگیا۔ اب ہمارے شیعوں کو کچھ کام سنیوں سے نہیں رہا اس لیے کوئی آج سے کسی سنی کو مسلمان نہ کہے اور لفظ اسلام کا بھی زبان پر نہ لائے اب ان کو کافر مطلق جانو اور نجس سمجھو اور بت پرستوں کے احکام ان پر جاری کرو نہ ان کے ہاتھ کا ذبیحہ کھاؤ نہ ان کے ہاتھ کا پانی پیو بلکہ اپنی اپنی ذوالفقار اور حسام نکال کر خوب ان کو قتل کرو بہت دنوں تک انہوں نے ہمارے شیعوں کو دبایا اور صدہا برس تک ان سے تقیہ کرایا انہیں کمبخت سنیوں کے سبب سے ہمارے شیعوں کو جھوٹھ بولنا پڑا بلکہ شیعہ کیسے خود ہم اماموں کو سچ بولنا مشکل ہو گیا اور یہ مجبوری اور جہین بنا پڑا بہت کچھ تکلیف ان کمبختوں نے ہم کو اور ہمارے شیعوں کو دی ہے اب خوب بدلا لو اور مزے سے چین کرو حکومت کا نقارہ بجاؤ ذوق شوق سے سلطنت کرو اور اپنے ہزار برس کے دلی غبار سنیوں سے نکالو۔

پس اے سنیو خدا کے واسطے شیعوں کا شکر ادا کرو کہ انھیں کی بدولت تم کفر سے بچے اور انھیں پر رحم کر کے خدا نے تم کو تا ظہور امام کافر نہ کہا جاتا اور احکام اسلام کے تم پر جاری کئے اگر شیعہ نہ ہوتے تو یہ لطف تمہارے حق میں خدا ہرگز نہ کرتا۔ یہ وجہ جناب جو قبلہ و کعبہ نے عدم اطلاق لفظ کفر کی نسبت سنیوں کے تا ظہور امام بیان فرمائی اس سے بیشک سارے اعتراض دفع ہو گئے سب شیخی سنیوں کی جاتی رہی بھلا کس سنی کی مجال ہے کہ اس پر کچھ اعتراض کرے اور اسی وجہ کو جو دلائل فلسفیہ سے بڑھ کر مدلل ہے رد کر سکے بے شک ہم ہارے اور مجتہد صاحب جیتے۔

اس تقریر کا جس کی متانت اور استحکام پر اس کے الفاظ و معانی خود شاہد ہیں ہمارے پاس کچھ جواب نہیں ہے اے حضرات امامیہ تم غور سے سنو اور اس وجہ کو دل میں جگہ دو کہ بہت بڑی باریک بات قبلہ وکعبہ نے فرمائی اور نہایت حکمت کی تقریر تم کو سکھائی ہے مجتہد ہوں تو ایسے اور محقق ہوں تو ایسے کہ جن کی تقریر پر ہر شخص کی زبان سے آمنا و صدقنا کے سوا دوسرا کلمہ نہ نکلے اور جن کی بات کو سوائے بجا اور درست کے کوئی رد نہ کر سکے۔ ؎

اذا قالت حذام[1] فصدقوہا فان القول ما قالت حذام

جب میں نے صوارم میں مجتہد صاحب کی دیکھا تھا کہ انہوں نے ذوالفقار پر بڑا ناز کیا ہے اور اس کی تقریر و تحریر کو لاجواب تصور فرمایا ہے اور اس کی نسبت یہ بھی ارشاد کیا کہ اب تک کسی نے جواب نہیں لکھا تو مجھے ذوالفقار کے بالاستیعاب دیکھنے کا شوق، ہوا تاکہ دریافت ہو کہ وہ حکیمانہ دلیلیں اور فلسفی تقریریں کیا حضرت نے اس کتاب میں بھردی ہیں کہ کسی نے اس کا جواب نہ لکھا جب اس کو اول سے آخر تک دیکھا تو خدا آگاہ ہے کہ میں مبالغے سے نہیں کہتا ہوں کہ اس کے برابر کیا باعتبار عبارت کے اور کیا بلحاظ مضمون کے اور کیا بخیال انتشار مطالب اور کیا بوجہ غلط مبحث اور تقریر لاطائل کے میں نے کسی عالم کی کتاب کو اس سے زیادہ پوچ لچر نہیں پایا اور نظر اٹھا کر دیکھنے کے لائق بھی اسے تصور نہ کیا اس واسطے شاید اسوقت تک کسی نے اسکا جواب نہ لکھا ہوگا اگر کسی کو شک ہو تو، جس قدر تقریریں اس کتاب کی میں نقل کر چکا ہوں ان کو بخوبی دیکھے اور میرے کلام کی تصدیق کرے۔

اب میں خاص اس وجہ پر جو عدم اطلاق کفر کی نسبت سنیوں کے مجتہد صاحب نے بیان کی ہے کچھ دو ایک لطیفے لکھتا ہوں اور شیعوں کو سناتا ہوں جو شائق ہوں وہ سنیں کہ میں جو کہتا ہوں وہ بڑے کام کی بات ہے اور بمقتضائے۔ کما تدین تدان۔ قابل سننے کے ہے بس ایہا المومنین غور سے سنو کہ۔ ؎

---

[1] حذام ایک عورت تھی عرب میں کہ جب وہ کچھ بات کہتی اس کے عاشق سنا کرتے اور کچھ زبان سے نہ کہتے، اسی عورت کے حال میں کسی شاعر نے یہ شعر کہا ہے کہ جس کے معنی یہ ہیں کہ جب کوئی بات حذام کہے اس کی تصدیق کرو اور کچھ نہ بولو کیونکہ بات تو وہی ہے جو وہ کہتی ہے اس کی بات کو کون رد کر سکتا ہے ۱۲۔

سخن ما شنیدنی دارد — جلوہ مفت ست دیدنی دارد

اول یہ۔ کہ خدا نے سنیوں پر اطلاق اسلام کے لئے صرف یہی وجہ قرار دی ہے کہ (تا بر شیعیاں کار تنگ نشود) تو اس خدا نے ان کے حال پر ذرا زیادہ رحم کیوں نہ کیا اور سارے بت پرستوں اور کافروں کو ان کا بھائی کیوں نہ بنا دیا اور ان کی خاطر سے جس طرح ایک اصول امامت کے انکار سے باوجودیکہ وہ صریح کفر ہے سنیوں پر اطلاق اسلام کا کیا کس لئے ان کی خاطر سے پانچوں اصول کے منکر پر لفظ اسلام کا اطلاق نہ فرمایا اس لئے کہ اب اسلام کے معنی وہ تو باقی ہی نہیں رہے جو کہ قرآن و حدیث میں مذکور ہیں بلکہ یہ ایک اصطلاح جدید مقرر ہوئی ہے۔ ولا مساحتہ فی الاصطلاح۔ تو پھر جس طرح پر کہ باوجود کفر کے اور مخلد فی النار ہونے ان کے شیعوں کے اوپر مہربانی کر کے ان کے اوپر اسلام کا لفظ اطلاق کیا اسی طرح پر اور کافروں پر بھی اسکی اطلاق کی اجازت دیتا تا شیعوں کا دائرہ کار اور بھی زیادہ وسیع ہو جاتا۔

دوسرے شیعوں کی خاطر سے تا ظہور امام محرمات کو حلال کیوں نہ کر دیا (تا کار بر شیعیاں تنگ نشود) جب ان کی خاطر ہی پر کفر اور اسلام کا اطلاق ٹھہرا اور خدا نے اپنے آپ کو انہیں کے اختیار میں دے دیا تو مناسب تھا کہ ان کے سب حرام چیزوں کو حلال کر دیتا کہ وہ خوشی سے شراب ارغوانی کے جام کے جام اڑاتے اور زنان مہ پارہ کے ساتھ ہمبستر ہو کر خوب ذوق شوق سے حرام کرتے سارے دنیا کے مال و متاع کو ان کے لئے حلال کر دیتا کہ جس کے گھر سے جو چاہتے لے جاتے اور خوب لوٹ مار کر کے اپنے معیشت کے دائرے کو وسیع کرتے سب جانوروں کو اگرچہ خوک ہی کیوں نہ ہوں ان کے لئے حلال کر دیتا تا کہ وہ خوب مزے سے نوش فرماتے اور بیچارے کسی بات کی ذرا بھی تکلیف نہ پاتے نماز کو ان پر سے ساقط کر دیتا روزے کو ان پر واجب نہ فرماتا تا کہ بیچارے کسی بات کی ذرا بھی تکلیف نہ پاتے اگرچہ میں نے اس کو اپنے نزدیک نہایت ہی عجیب اور غیر ممکن تصور کر کے لکھا ہے۔ مگر حقیقت میں بہت سی باتوں کو حضرات شیعہ نے اپنے لئے حلال کر رکھا دیکھو پانچ نماز کے بدلے تین ہی وقت پڑھتے ہیں۔ دو وقت کی تکلیف سے محفوظ ہیں نکاح کی قید سے آزاد ہی ہو گئے ہیں متعہ کی بدولت خوب چین سے جس کو چاہتے ہیں رات بھر

لے تا کہ شیعوں پر عرصہ حیات تنگ نہ ہو۔

کے تا کہ شیعوں کے کاروبار بند نہ ہوں۔ اور وہ تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔

کی اجرت دے کر اپنے صرف میں رکھتے ہیں اور خدا کا شکر ادا کرتے ہیں لیکن بہتر ہو کہ وہ تا ظہور امام کے سبب تغیرین شریعت کی جو تھوڑی بہت رہ گئی ہیں اٹھا دیں اور خاصے ملحدین جائیں اور اگر کوئی اعتراض کرے تو اپنے قبلہ و کعبہ کا قول نقل کر دیں (کہ آیں تفضل خدا است نسبت بحال شیعیان)۔

تیسرے۔ اگر حقیقت میں خدا نے صرف شیعوں کے حال پر رحم کر کے سنیوں کو ظاہری کفر سے بچایا تو قید زمانہ ظہور امام کی بیجا ہے بلکہ ظہور مجتہد کی قید کافی تھی اور خدا کو یہ کہہ دینا چاہیئے تھا کہ جب تک کسی مجتہد کا ظہور نہ ہووے تب تک یہ حکم ہے ورنہ جب کسی خطہ میں زمین کے اس قدر عزت شیعوں کی ہو جاوے کہ مجتہد صاحب مسند اجتہاد پر بیٹھ جاویں اور دو چار ہزار دنیا طلب ان کے گرد حاضر ہوں اور وہ سنیوں کی رد میں کتابیں لکھنا بھی شروع کر دیں تب یہ حکم موقوف کر دیا جائے اس لئے کہ اذا فات العلۃ فات المعلول۔ پس تعجب ہے کہ لکھنؤ اور ایران میں یہ حکم کیوں اب تک جاری نہ ہوا اور ظہور امام کے لئے وہاں کس کا انتظار رہا جب کہ مجتہد صاحب نے ذوالفقار کو دارالسلطنت لکھنؤ میں بلند کر کے مشتہر کیا اس وقت تو ان کو ایسی بات لکھنی زیبا نہ تھی اس لئے کہ جو زور و شور تشیع کا ان کے وقت میں وہاں تھا۔ اس سے زیادہ ہونا تو کبھی ممکن ہی نہیں ہے اس لئے ان کو لکھنؤ میں یہ حکم جاری کر دینا تھا۔ لیکن حقیقت میں انہوں نے جاری کر دیا تھا، گو کتاب میں صاف نہیں لکھا مگر سنیوں کے کفر اور نجاست کا فتویٰ دے دیا تھا یہ حال لکھنؤ میں ہو گیا تھا کہ اگر کوئی سنی کسی شیعۂ پاک کے فرش پر جاتا تو وہ اسی وقت اس کو دریا پر دھونے کے لئے بھیج دیتا اور ان کے یہاں کے کھانے پینے کو حرام اور ناپاک سمجھتا پس حقیقت میں فرمانا حضرت کا کہ (حکم بطہارت ایشاں بکنید و دیگر احکام اسلام بر ایشاں جاری کنید) فقط کتاب کی زینت دینے کے لئے ہے یہ عمل کرنے کے لئے حقیقت یہ ہے کہ شیعوں کے مجتہد ٹھیک ٹھیک عیسائیوں کے پوپ اور پادریوں کے موافق ہیں جس طرح وہ اپنے آپ کو معلوم جانتے ہیں اور سارے احکام شریعت کے رد و بدل پر اختیار رکھتے ہیں وہی حضرات مجتہدین کا حال ہے کہ احکام نبوی کو اپنے اختیار میں سمجھتے ہیں جو چاہا کفر کا اطلاق کر دیا جب،

۱؎ شیعوں کے حال پر یہ اللہ کا فضل و کرم ہے۔ ۲؎ سنیوں کی طہارت کا حکم لگائیں اور ان پر دوسرے احکام اسلامی جاری کریں۔

چاہا اسلام کا حکم دیا چونکہ خدائی ان کے اختیار میں ہے اس لئے جو چاہیں سو کریں اور جو دل میں آدے وہ فرمادیں قیامت کو اس کا حال معلوم ہوگا ہم ہوں گے اور کربیان مجتہد صاحب کا۔

چوتھے ۔ مجتہد صاحب نے اپنی تقریر میں میراث کے باب میں فرمایا کہ میراث بایشاں بدہند وازایشاں بگیرند اور نکاح کی نسبت کہا کہ دختر از ایشاں بخواہند اور براہ دیانت دختر بایشاں بدہند کے کہنے سے شرم فرمائی گویا سنیوں کو لڑکی دینا جائز نہیں ہے کہ حال اس کی شناعت کا اس شخص کو ظاہر ہو سکتا ہے جو چند ورق ہماری کتاب کے لوٹ کر بحث نکاح حضرت ام کلثوم کو دیکھے۔ یہ بحث جو میں نے لکھی ہے اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مجتہد صاحب ایمان کا اطلاق خلفاء ثلثہ پر نہیں کرتے بلکہ ان پر اسلام کا اطلاق کرتے ہیں اور اسی کے ثبوت میں بہت سی سندیں لاتے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ قول بھی ان کا غلط ہے اور انہیں کے محققین اور محدثین نے اس کو باطل اور غلط قرار دیا ہے پس تعجب ہے حضرت مجتہد صاحب سے کہ نہ اس کو دیکھا اور خواہ نخواہ سے نقل کیا اور خلاف اپنے پیشواؤں کے اسلام کا اطلاق کیا افسوس ہے کہ اپنے تشیع میں بھی کامل نہیں ہیں اور اپنے اصول سے بھی اچھی طرح واقف نہیں ہیں اور تالیف کرنے پر مستعد ہیں اور ناحق اپنے اہل مذہب کو اپنی پوچ تقریروں سے اور فضیحت کرتے ہیں و نعم ما قیل شعر

در کفر ہم کامل نشد نامرد رسوا مکن

اب اس قول کو سنیئے جو علما و اعلام شیعہ نے اس باب میں لکھا ہے اور نہ وہ علما مثل عبداللہ کے ہیں جس سے حضرت مجتہد صاحب انکار کریں نہ وہ ایسے گمنام ہیں کہ جن کے نام سے واقف نہ ہوں بلکہ اس علامہ اور محقق کی سند پیش کرتا ہوں جس کے علم و اجتہاد کا انکار گویا امامت کا انکار ہے اور اس کے تقدس کا اقرار گویا چھٹا اصول دین کا ہے وہ کون ہیں جناب فضیلت مآب جامع معقول و منقول حاوی فروع و اصول فاضل محقق نحریر مدقق جناب ملا باقر مجلسی علیہ الرحمۃ کہ وہ حدیث ارتداد صحابہ کو کافی سے نقل کرکے فرماتے ہیں کہ ﴿بیان﴾ قولہ علیہ السلام من ان یرتدوا عن الاسلام ای عن ظاہرہ والتکلم ۔

لہ ملا باقر مجلسی کا بیان ہے جو شخص اسلام سے ظاہری طور پر پھر جائے۔ اور کلمہ شہادت کا اقراری ہو تو لوگوں کو چاہیئے کہ اسے عنہ علیہ الرحمۃ کے وہی معنی سمجھے جائیں جو علماء شیعہ نے ایمان عادلان کی تشریح میں بیان کئے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

بالشہادتین الی قولہ ولیاتی ان الناس ارتدوا الا ثلثہ لان المراد منہا ارتدوا وہم عن الدین واتقاد او ہذا محمول علی بقائہم علی صورۃ الاسلام وظاہرہ وان کانوفی اکثر الاحکام الواقعیۃ فی حکم الکفار وقعس ہذا بمن لم یسمع النص علی امیر المومنین علیہ السلام ولم یبغضہ ولم یعادہ فان من فعل شیئا من ذٰلک فقد انکر قول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکفر ظاہرا ایضا ولم یبق لہ شئی من احکام الاسلام ووجب قتلہ) خلاصہ مطلب اس کا یہ ہے کہ جن اصحاب نے پیغمبر خدا سے نص خلافت علی مرتضیٰ کو نہیں سنا اور نہ ان کے ساتھ دشمنی رکھی ان پر تو احکام اسلام کے جاری ہیں گو بسبب بیعت خلفا کے اکثر حقیقی احکام میں کفار کے حکم میں داخل ہیں مگر جس نے نص کو سنا ہے اور یا حضرت علی سے دشمنی رکھی ہے وہ ظاہر میں کافر ہوگیا اور کوئی حکم احکام اسلام سے اس کے حق میں باقی نہ رہا اور اس کا مسلمان کہنا جائز نہیں ہے اور اس کا قتل کر دینا واجب ہے۔

اگر کسی کو یہ شک ہو کہ ملا باقر مجلسی نے ایسا فرمایا ہوتا تو کیونکر مجتہد صاحب پھر خلاف اس کے خلفا پر اطلاق اسلام کا کرتے اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارا کام اس روایت کی تصحیح کر دینا ہے اور تمہارا کام ہے اس کا تصفیہ کرنا کہ مجتہد سچے ہیں یا ملا باقر مجلسی حق پر ہیں ہم نے جو کچھ لکھا ہے سو اس کی تصدیق ہم سے سنو کہ ذکر اگر غرض از نقل ایں عبارت معنی باثبات ایں معنی ست کہ صاحب بحار ثلثہ واتباع ایشاں را کافر میدانند پس البتہ ایں معنی بسر وچشم مقبول ست اصلا جای استنکاف وانکار نیست) اور بحار الانوار ترجمہ فارسی کی یہ عبارت ہے کہ ایں حکم یعنی بقای ظاہر اسلام مخصوص بکسی ست کہ از رسول خدا صلے

بقیہ حاشیہ صفحہ (۲۸۲) اسلام کی جانب لوٹ آئیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ واقعی اسلام سے انحراف کر رہا ہے اور اس صورت میں ایسے شخص کو بظاہر مسلمان سمجھیں گے اگرچہ اس کے حقیقی طور سے کافر ہونیکا حکم ہے اور اس پر قیاس کرو اور اس کا جو امیر المومنین علی کے احکام نہ سنے اور ان سے عداوت نہ رکھے اور جو شخص افعال مندرجہ کرے تو گویا اس نے رسول کریم کے قول کا انکار کیا۔ اور اس کا کافر ہونا ظاہر ہے اور اس کے لیے احکام اسلام باقی نہ رہیں گے بلکہ اس کا قتل واجب ہے۔

سلہ اگر اس عبارت کے نقل کرنے سے غرض ہے کہ اصحاب ثلاثہ اور ان کے متبعین کو صاحب بحار کافر جانتا ہے تو یہ معنی سر آنکھوں پر مقبول ومنظور ہیں اور ان معنوں سے ہرگز کسی قسم کا ننگ وعار اور انکار نہیں ہے سلہ یہ حکم یعنی ظاہری اسلام کا باقی رہنا اس شخص سے جس مخصوص ہے جس نے امیر کی خلافت کا حکم رسول اللہ سے نہ سنا ہو اور علی سے بغض وعداوت نہ رکھتا ہو۔ کیونکہ ان امور کا کرنے والا دراصل رسول اللہ کے قول کا منکر ہے اور ظاہری طور پر کافر بھی ہے

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

اللہ علیہ وآلہ وسلم نص بر خلافت امیر علیہ السلام نہ شنیدہ و بغض و عداوت آں حضرت نداشتہ ہیچ مرتکب ایں امور منکرہ قول پیغمبر است صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم و بحسب ظاہر ہم کافر ست و ہیچ یک از احکام اسلام برائے او ثابت نیست و قتلش واجب است انتہی بلفظہ) غرضکہ اگر حضرات شیعہ انصاف کریں اور تعصب و عناد کو دخل نہ دیں تو جناب قبلہ و کعبہ کے تقدس و دیانت پر افسوس کریں کہ حضرت نے سارے اقوال جو مفید اس مقام کے تھے نقل کئے اور ان سے یہ نتیجہ نکالا کہ (در دار دنیا احکام اسلام برایں ہا جاری می شود گو در دار آخرت مخلد بنار خواہد بود) اور اپنے امام علامہ کے قول کو نقل نہ کیا جس سے اسلام ظاہری سے اطلاق کرنا بھی خلفاء پر نادرست ہے بلکہ کفر ہے عجب حال ہے حضرات شیعہ کا کہ کسی بات پر ثابت قدم نہیں رہتے اور ایک کلمہ پر قائم نہیں رہتے کبھی کہتے ہیں کہ اصحاب و خلفاء مسلمان تھے ظاہر میں ان پر احکام اسلام کے جاری تھے کبھی فرماتے ہیں کہ وہ کافر مطلق تھے اور ان کا قتل کرنا واجب تھا خدا اس قوم کو اپنے عدل کا ذوالفقار چکھا دے کر اور جو کچھ خرابی دین محمدی کی انہوں نے کر رکھی ہے اس کا بدلہ لے ایہا المومنین ذرا ذوالفقار کو اٹھا کر دیکھو کہ اس میں اجرائے احکام ظاہری اسلام کا خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت کس زور شور سے دعویٰ کیا ہے اور پھر بحار الانوار اور استقصار کو دیکھو کہ انہوں نے اپنا کفر کس صفائی سے ظاہر کیا ہے اور اپنے اس اختلاف کی خود داد دو[1] فاعتبروا یا اولی الابصار وانظروا الی ہولاء الکبار لانہم فی کل واد یہیمون و فی کل تیہ یتیہون تلک آیات اللہ نتلوہا علیک بالحق فبای حدیث بعد اللہ وآیاتہ یومنون ۔

جو کچھ ہم نے اب تک بیان کیا اس سے یہ ثابت ہوا کہ علمائے شیعہ کفر و اسلام میں صحابہ کے مختلف ہیں یعنی ان پر اسلام کا اطلاق کرتے ہیں اور اکثر ہیں اور جو لوگ اسلام کا اطلاق کرتے ہیں وہ بھی صرف بنظر ترحم حال شیعیان علی کے اور بیان میں کفر و اسلام کو برابر سمجھتے ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۳) اور اس کے موافق کوئی حکم اسلام باقی نہ رہے گا بلکہ اس کا قتل واجب ہے ۔ ؎ ایسے شخص پر دنیا میں احکام اسلام جاری ہوں گے اگرچہ آخرت میں وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

[1] پس غور کرو اے صاحبان بینائی اور دیکھو طرف بڑوں کے تحقیق وہ لوگ بیچ ہر جنگل کے گھومنے والے ہیں اور بیچ ہر میدان کے پھرنے والے ہیں یہ آئتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھکو پھر ٹھیک پھر کونسی بات کو اللہ اور رسول کی آئتیں چھوڑ کر مانیں گے تمام مولوی انعام اللہ سلمہ ربہ ۔

اس لئے اب ہم اس سے بحث کرتے ہیں کہ ان پر کفر کا اطلاق کس وجہ سے ہے آیا اس وجہ سے کہ وہ توحید کے منکر تھے خدا کو ایک نہ جانتے تھے لات وعزیٰ کی عبادت کرتے تھے مثل ابو لہب اور ابو جہل وغیرہ کے بت پرست تھے یا نبوت کے منکر تھے پیغمبر صاحب کو سچا نبی نہ جانتے تھے بلکہ اور کافروں کی طرح تکذیب ایمان میں کرتے تھے یا صرف امامت کے منکر تھے اور توحید ونبوت میں کامل تھے پس ہم تینوں صورتوں سے علیحدہ علیحدہ بحث کرتے ہیں۔

بعض علماء شیعہ کے تینوں امروں کا دعویٰ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حقیقت میں اول ہی سے خلفاء ثلثہ ایمان نہیں لائے اور خدا کی توحید اور پیغمبر صاحب کی نبوت کے سچے دل سے معتقد نہیں ہوئے چنانچہ یہ امر شیعوں کے نزدیک مسلمات سے ہے اور اس پر سند لانے کی کچھ حاجت نہیں ہے اور خود مجتہد صاحب ذوالفقار میں جابجا لفظ اول اسرار ایمان بہرہ نداشت کا تحریر فرماتے ہیں۔

اس کے جواب میں جو کچھ ہم کو لکھنا تھا وہ اوپر بحث ایمان شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں لکھ چکے اب انہیں تقریروں کا اعادہ نہیں کرتے لیکن علاوہ ان دلیلوں کے ان کے ایمان کو اور دلائل سے ثابت کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ جو دعویٰ نفاق کا بہ نسبت صحابہ کے حضرات شیعہ نے کیا ہے وہ باطل ہے۔

اثبات نہ منافق ہونے صحابہ کے بدلائل

دلیل اول: یہ تو ظاہر ہے کہ خلفاء ثلثہ اور صحابہ کبار ظاہر میں مسلمان تھے اور اور اقرار توحید ونبوت کا کرتے تھے پس ظاہری ایمان سے ان کے تو انکار ہو ہی نہیں سکتا باقی رہا یہ کہ دل میں منکر توحید اور نبوت کے تھے اور اسی وجہ سے وہ منافق تھے تو اس کا ثبوت دینا چاہیئے ورنہ ہر خارجی اور ناصبی جناب امیر علیہ السلام کی نسبت وحاشا جنابہم من ذالک بھی کہہ سکتا ہے پس جس طرح پر تم ان خارجیوں کا جواب دو گے اور جس طرح سے ایمان کو جناب امیر کے ثابت کرو گے وہی ہماری طرف سے حق میں صحابہ کے سمجھو۔

دلیل دوم:۔ اگر صحابہ منافق ہوتے جیسا کہ جابجا مجتہد صاحب اور ان کے بزرگوں نے دعویٰ کیا ہے تو ضرور ہے کہ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء ان سے بیزاری کرتے اور ان کو اپنے مشورے اور صلاح میں شریک نہ کرتے اور خدا بھی ان سے بیزاری کا حکم دیتا اور پیغمبر صاحب

کو ان کی صحبت سے منع کر دیتا اور ان کے اوپر جہاد کا امر کرتا۔ اور ان کو بدترین وقت کی حالت پر پہنچاتا اس لئے کہ خدا نے منافقین کے حق میں ایسا ہی فرمایا ہے اور ایسا ہی کیا ہے اور افسوس ہے کہ جناب قبلہ و کعبہ نے ذوالفقار میں بعض اُن آیات کو خود ہی نقل کر کے ہماری طرف سے جواب دیا ہے چنانچہ جو آئتیں شاہ صاحب نے تحفہ میں فضائل صحابہ میں لکھی ہیں ان کے معارضے میں وہ آئتیں جو کہ منافقین کی شان میں ہیں جناب قبلہ و کعبہ نے پیش کیں اور یہ نہ خیال کیا کہ انہیں آیتوں سے ان کا دعویٰ غلط ہوتا ہے اور خدا ان کو اپنے کلام سے جھوٹا کرتا ہے چنانچہ منجملہ اُن آیتوں کے ایک آیت یہ ہے کہ من[1] اہل المدینہ مردو علی النفاق لا تعلمہم نحن نعلمہم سنعذبہم مرتین ثم یردون الی عذاب عظیم[2] کہ بعضے اہل مدینہ سے، منافق ہیں جنکو تو نہیں جانتا مگر ہم جانتے ہیں قریب ہے کہ ہم دو مرتبہ ان کو عذاب دیں اور پھر وہ بڑے عذاب کی طرف پھیرے جاویں۔

اب خدا کے لئے آیت میں لفظ من اہل المدینہ کا خیال کرو سوچو کہ مضمون اس آیت کا خلفاء ثلثہ پر جو کہ مکے کے رہنے والے تھے کیونکر صادق ہو گا علاوہ بریں خدا اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ وہ دو مرتبہ عذاب دیے جاویں گے اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد عذاب دنیاوی ہے تو سوائے منافقین کے جن کا حال کھل گیا اور جو مارے گئے اور ذلیل ہوئے اس آیت کا مضمون صحابہ کبار پر کیوں کر صادق ہو گا اور ماوراء اس کے اس آیت میں خدا فرماتا ہے کہ لا تعلمہم نحن نعلمہم کہ تو ان کو نہیں جانتا بلکہ ہم اور پر حدیث سے بروایت زاد المعاد نقل کر آئے ہیں اور جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا نے ان کے نفاق کا حال حذیفہ صحابی سے بھی کہہ دیا تھا۔ ایک دوسری آیت مجتہد صاحب معارضے میں فضائل صحابہ کے اپنی ذوالفقار میں لکھتے ہیں کہ لولا کتٰب من اللہ سبق لمسکم فی ما اخذتم عذاب عظیم[3] اس آیت کی ہم اوپر تشریح کر چکے ہیں مگر اب اور زیادہ تصریح کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یہ آیت در حقیقت فضیلت میں حضرت عمر فاروقؓ کی ہے اس لئے کہ جب بعد فتح ہونے بدر کی لڑائی کے بہتیر کافر قید ہوئے تو پیغمبر خدا نے مشورہ کیا کہ ان قیدیوں کی نسبت کیا کیا جاوے چنانچہ حضرت

---

[1] پارہ ۱۱ سورہ توبہ رکوع ۱۳ ترجمہ۔ بعضے مدینہ والے اڑ رہے ہیں نفاق پر تو ان کو نہیں جانتا ہم کو معلوم ہیں ان کو عذاب کرینگے دوبار پھر جاوینگے بڑے عذاب میں ۱۲ موضح القرآن

[3] پارہ ۱۰ سورہ انفال رکوع ۹۔ ترجمہ اگر نہ ہوتی ایک بات کہ لکھ چکا اللہ آگے سے تو تم کو پڑتا اس لینے میں بڑا عذاب ۱۲ موضح القرآن۔

عمرؓ نے اور سعد بن معاذ انصاری نے فرمایا کہ قتل کئے جاویں اور حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ فدیہ لیا جاوے چنانچہ حضرت نے فدیہ لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی مگر اس کی تصدیق خود مفسرین شیعہ کرتے ہیں۔

پہلا ثبوت۔ علامہ طوسی اپنی تفسیر مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ (قال عمر بن الخطاب یا رسول اللہ کذبوک واخرجوک فقدمہم واضرب اعناقہم ومکن علیاً من عقیل فیضرب عنقہ ومکنی من فلان اضرب عنقہ فان ھولاء ائمۃ الکفر وقال ابوبکر اھلک وقومک خذ منہم فدیۃ یکون لنا قوۃ علی الکفار قال ابن زید فقال رسول اللہ لو نزل عذاب من السماء ما نجا منکم غیر عمر بن الخطاب و سعد بن معاذ) ترجمہ یعنی حضرت عمرؓ نے پیغمبر خدا سے کہا کہ یا رسول اللہ ان کافروں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو مکے سے نکالا ان کی گردنیں مارنا چاہئیں عقیل کو علی کے سپرد کر کہ وہ اسے مارے اور فلاں شخص کو مجھے سپرد کر کہ میں اسے قتل کروں کیوں کہ یہ کفر کے پیشوا ہیں اور ابوبکر نے کہا کہ یہ سب تیری ہی قوم کے آدمی ہیں ان سے فدیہ لے کر انکو چھوڑ دینا چاہیئے چنانچہ وہ چھوڑ دیئے گئے۔ ابن زید کہتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے کوئی نجات نہ پاتا۔

دوسرا ثبوت۔ کاشانی تفسیر خلاصۃ المنہج میں لکھتا ہے کہ (روز بدر ہفتاد تن اسیر شدند حضرت در باب ایشاں با اصحاب مشورہ کرد ابوبکر کہ از مہاجرین بود گفت یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اکابر واصاغر ایں قوم اقارب وعشائر تواند اگر ہر یک بقدر طاقت و استطاعت فدائی بدہند باشد کہ روزے بدولت اسلام برسند الخ) اے مومنین تم کو دل سے اپنے مجتہد صاحب کے تبحر اور فضیلت کی داد دینی چاہیئے کہ معارضے میں فضائل صحابہ کی وہ آیت پیش کی جس سے اور بھی فضیلت خلیفہ ثانی کی ثابت ہو گئی سچ ہے الحق یعلو ولا یعلی شعر

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد ۔۔۔ خمیر مایۂ دوکان شیشہ گر سنگ ست

اس آیت کے معارضے میں پیش کرنے سے بھی دل وجان سے شکر اس کا ادا کرتے ہیں اور ان کے تقدس اور فضیلت کی داد دیتے ہیں لیکن اگر کسی ان کے مقلد کو صرف ایک

ؔ جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھ ستر مشرک وکافر قید ہوئے رسول اللہؐ نے ان کے بارے میں اصحاب سے مشورہ کیا ابوبکر جو مہاجرین میں سے تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہؐ یہ قوم کے بڑے اور چھوٹے آپ ہی کے رشتہ دار ہیں۔ اگر ان میں سے ہر ایک اپنی حیثیت کے موافق فدیہ دے کر رہا کر دیا ہو جائے تو امید ہے کہ ایک دن مسلمان ہو جائیں گے۔

تفسیر مجمع البیان کی روایت پر سیری نہ ہوئی تھی اور وہ اس کی تائید میں دوسری روایت کا طالب ہو تو لیجئے ہم دوسری سند اسی قول کی تائید میں ایک بڑے عالم فاضل شیعی کی پیش کرتے ہیں۔

تیسرا ثبوت۔ ابن جمہور صاحب عوالی اللئالی جو اکابر امامیہ میں بہ علم و فضل مشہور ہے روایت کرتا ہے کہ ان النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اخذ سبعین اسیراً یوم بدر وفیہم العباس وعقیل بن عمہ فاستشار ابابکر فیہم فقال قومک واہلک واستبقہم لعل اللہ یتوب علیہم واخذ الفدیۃ لتقوی بہا اصحابک فقال عمر یذروک واخرجوک فقدمہم واضرب اعناقہم فانہم ائمۃ الکفر ولا تاخذ ہم الفداء یکن علیا من عقیل وحمزۃ من العباس ومکنی من فلان وفلان فقال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ان اللہ لیلین قلوب رجال حتی تکون الین من اللبن ولیقسی قلوب رجال حتی تکون اشد من الحجارۃ فمثلک یا ابابکر مثل ابراہیم اذ قال فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور الرحیم ومثلک یا عمر مثل نوح اذ قال رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیاراً ثم قال ان شئتم قتلتم وان شئتم فادیتم ویستشہد منکم بعدتہم فقالوا بل ناخذ الفداء فاستشہد بعدتہم نا خذ کما قال صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اس علامہ کی تحریر کا جو لفظ نقل کی گئی اصل مطلب تو وہی ہے جو اوپر مجمع البیان سے منقول ہوا مگر اس عالم نے اتنا اور زیادہ کر دیا ہے کہ پیغمبر خدا نے ابوبکر صدیق اور عمر فاروق کی باتوں کو سن کر کہا کہ کیا خدا کی شان ہے کہ بعضوں کے دلوں کو تو مثل پنیر کے سخت کر دیتا ہے اور یہ کہہ کر حضرت نے فرمایا کہ ابوبکر تیری مثال ابراہیم کی سی ہے کہ انہوں نے خدا سے کہا کہ جو میری اطاعت کرتا ہے وہ مجھ سے ہے اور جو نافرمانی کرتا ہے سو تو بخشنے والا مہربان ہے اور اے عمر مثال تیری نوح کی سی ہے کہ انہوں نے خدا سے کہا کہ اے پروردگار زمین میں کسی کافر کو نہ چھوڑ۔

پس اے حضرات مومنین جن کو تمہارے مجتہدین منافق کہتے ہیں وہ ایسے منافق تھے کہ اپنے باپ بھائیوں کو خدا کے پیچھے قتل کرنے پر مستعد تھے اور قتل کرتے تھے اور پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا ان کی تمثیل پیغمبروں سے دیتے تھے شان ہے خدا کی کہ ایسے لوگوں کو منافق کہتے ہیں۔ منافق کچھ بھی شرم و حیا کا خیال نہ کریں اور جنہوں نے کفر و نفاق کی جڑ عرب سے کھود دی انہیں کو کافر اور منافق کہیں۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواہہم ان یقولون الا

ف پارہ ۱۵ سورۂ کہف رکوع ۱۔ ترجمہ کیا بڑی بات ہے کہ نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں ۱۲ موضح القرآن

لہٰذا اگر اس روایت پر بھی سیری نہ ہووے اور فارسی خوان شیعی کسی فارسی تفسیر سے اس روایت کی تصدیق چاہیں تو بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی حاضر ہے۔

چوتھا ثبوت ۔ کنز العرفان سے شیعوں کے علامہ رازی نے اپنی تفسیر میں اس مضمون کو ان لفظوں سے نقل کیا ہے۔ در روایت ست کہ در روز بدر ہفتاد تن اسیر گرفتہ بودند و از جملہ عباس و عقیل بودند حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم در باب ایشان با اصحاب مشورہ فرمود ابوبکر گفت کہ اکابر و اصاغر این قوم اقارب عشائر تو اند اگر ہر یک بقدر طاقت و استطاعت فدائی بدہند باشد کہ روزے بہ ہدایت برسند و حالا عدد و عدد مسلمانان زیادہ شود عمر گفت یا رسول اللہ ایشان تکذیب کردند ترا و بیرون کردند ایشان ائمۂ کفر اند بہ ذلیل بازی تا گردن زنند و مگیر از ایشان فدیہ را عقیل را بہ علی سپار و عباس را بحمزہ و فلان را بمن تا گردن زنیم آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمود کہ حق سبحانہ تعالیٰ دلہا می مردم را آگاہ ست کہ نرم میسازد بمرتبہ کہ نرم از شیر ست و دیگر دلہا می باشد کہ سخت تر از سنگ است مثل تو اے ابوبکر ہمان مثل ابراہیم ست علیہ السلام کہ گفت فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم و مثل تو اے عمر ہمچو مثل نوح ست وقتیکہ گفت رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا (۱) غرضکہ اے حضرات امامیہ ذرا غفلت کی آنکھ کھولو اور اپنے قبلہ وکعبہ کے حال پر رحم کرو کہ جو کچھ انہوں نے لکھا تھا اس سے الٹی فضیلت صحابہ کی ثابت ہوئی اور ساری محنت ان کی خاک میں مل گئی۔ اصل یہ ہے کہ ذوالفقار کی تالیف کی نسبت خود حضرت لکھ چکے ہیں کہ دس بیس روز کے عرصے میں تالیف کی تھی اور عجلت بہت فرمائی

---

(۱) روایت ہے کہ جنگ بدر میں ستر آدمی مسلمانوں کے ہاتھوں اسیر ہوئے جن میں حضرت عباس و عقیلؓ بھی تھے۔ رسول اکرمؐ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ کیا جس پر ابوبکرؓ نے کہا یہ قوم چھوٹے اور بڑے آپ کے رشتے دار ہیں، اگر ہر ایک اپنی استطاعت کے بموجب فدیہ دیکر رہائی حاصل کریں تو امید ہے کہ ایک دن یہ ہدایت یافتہ ہو جائیں گے اور مسلمانوں کی اکثریت ہو جائے گی۔ اس پر عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا اور آپ کو وطن سے نکالا یہ کافروں کے سردار ہیں ان سب کی گردن زدنی کا حکم صادر فرمایا جائے۔ اور ان سے فدیہ نہ لیا جائے عقیل کو علی کے حوالے کیجیے عباس کو حمزہ کے حوالے کیجیے اور فلاں کو میرے سپرد فرمائیے تاکہ ہم ان کی گردن اڑا دیں۔ اس پر رسول اکرمؐ نے فرمایا اللہ تعالیٰ واقف ہے جو اپنے بندوں کے دل دودھ سے زیادہ نرم کرتا ہے اور اکثر دلوں کو پتھر کی طرح پتھر سے زیادہ سخت بنا دیتا ہے۔ اور اے ابوبکر تمہاری مثال ابراہیم کی طرح ہے جنہوں نے کہا جس نے میری پیروی کی وہ میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا تو اے اللہ تو بخشنے والا کریم ہے۔ اور اے عمر تمہاری مثال نوح کی مانند ہے جنہوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ اے اللہ اس زمین پر کسی کافر کو آباد گھر نہ رکھ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

تھی اسی سے یہ خرابی ہوئی اگر سوچ سمجھ کر لکھتے اور غور و تامل کو دخل دیتے تو ایسی غلطی کبھی نہ فرماتے اور فضیلت کی آیت کو معارضے میں پیش نہ کرتے خیر اب تو جو کچھ ہوا اب بجز اس کے کہ حضرات شیعہ افسوس کریں اور دل میں شرمائیں کیا ہوتا ہے۔ اے حضرات اسی سے ہم نے اوپر کہا ہے اور پھر کہتے ہیں کہ زرارہ اور ہشام کے اقوال ہی کی سند لایا کرو للہ خدا کے واسطے قرآن مجید کی طرف توجہ نہ کرو اور اس کی آیتوں سے سند نہ لاؤ اس لئے کہ تم کو اس کے مطالب سے واقفیت نہیں ہے اور اس کے شان نزول سے آگاہ نہیں ہو اور اس کو قرآن محرف اور بیاضی عثمانی جانتے ہو اگر ہمیشہ دیکھا کرو اور اس کے نظم پر غور کرتے رہو تو ایسا دھوکا نہ کھاؤ ورنہ ایسے ہی مغالطے ہوں گے اور جس امر کے اثبات میں کوئی آیت لاؤ گے اسی سے تردید اس کی ہوگی اس قرآن دانی پر شاہ صاحب مؤلف تحفہ کے جواب لکھنے کا قصد کیا بلکہ ان کی طرف مقابل بننے پر اظہار عار و ننگ فرمایا اور استاد کا یہ شعر جس کو صوارم میں خود حضرت نے لکھا ہے بھول گئے کہ شعر۔

مشو ہم پنجہ با من گرچہ سحر سامری داری — زبانم در سخن گفتن ید بیضاست میگویم

میں اس بحث کو ابھی ختم نہیں کرتا اور ایک اور شبہے کو جو اکثر حضرات شیعہ کیا کرتے ہیں بیان کرتا ہوں کہ بعضے حضرات کہا کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا کی نسبت جو ناصبی یہ تہمت کرتے ہیں کہ وہ شیخین یا اور صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے ان کی تہمت ہے یہ امر کیوں کر ممکن ہے کہ پیغمبر خدا صاحب الوحی والالہام کسی سے مشورہ کریں اور اس البتہ فریبی کی تقریر کو سن کر جہلا گھبرا جاتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں کہ سچ تو ہے کہ رسول مقبول جس پر ہر معاملے کے لئے وحی خدا بھیجے اور جس سے سب باتیں جبرئیل کہہ جاویں اور جن کی شان وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ ہو وہ ابوبکر یا عمر وغیرہ سے صلاح لیں بیشک یہ بات عقل کے خلاف اور قیاس سے باہر ہے اور ایسی تقریروں سے قرطاس وغیرہ کے مطاعن کو خوب رونق دیتے ہیں اس لئے میں ان حضرات سے کہتا ہوں کہ وہ اس آیت پر غور کریں جس کو مجتہد صاحب نے صحابہ کی برائی ظاہر کرنے کے لئے تحریر فرمایا ہے اور پھر ان کی تفسیروں کو دیکھو اور پھر

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ پارہ ۱۳ سورہ ابراہیم رکوع ۶۔ ترجمہ سو جو کوئی میری راہ پر چلا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہنا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے۔ ۱۲ موضح القرآن۔ سورہ نوح پارہ ۲۹ رکوع ۲ ترجمہ اے رب نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر۔

پارہ ۲۷ سورہ نجم رکوع ۱ ترجمہ اور نہیں بولتا اپنے چاؤ سے یہ تو حکم ہے جو بھیجا ہے اس کو ۱۲ موضح القرآن۔

دیکھو کہ اس سے مشورہ کرنا صحابہ سے ثابت ہوتا ہے یا نہیں اور مشورہ دینے والوں میں سب سے اوّل ابوبکر صدیق کا اور عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نام ہے یا نہیں دیکھو اور پھر دیکھو اور خوب غور سے دیکھو کہ مشورہ کرنا رسول کا ان سے اور صلاح دینا ان کا حضرت کو تمہارے مفسرین کے قول سے ثابت ہوتا ہے یا کچھ اس میں فرق ہے۔ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ۔ سبحان اللہ شیعوں کو ایسے لوگوں کی نسبت منافق کا لفظ کہتے ہوئے کچھ خدا کا خوف رسول کا لحاظ بھی ہوتا ہے یا نہیں اور قیامت کے مواخذے سے بھی ڈرتے ہیں یا نہیں جناب مجتہد صاحب نے اپنے صحابۂ کبار کے منافق لکھنے میں یہ بھی خیال نہ کیا کہ آخر ایک روز انتقال کرنا ہے اور خدا کو جواب دینا ہے جو کچھ ہم کتاب میں لکھتے ہیں اس کا خدا کو کیا جواب دیں گے رسول کو کیا منہ دکھائیں گے جو ہم نے ان کے حواریین اور اصحاب کو جن سے وہ مشورہ لیتے تھے جن کو اپنا مصاحب بنائے ہوئے تھے منافق کہتے ہیں اگر یہ غور ہوتا اور اس پر یقین رکھتے ہوتے کہ قیامت کے دن جب ہاتھ میں نامۂ اعمال دیئے جائیں گے اور ذوالفقار کی کفریات پر ملائکہ عذاب۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا۔ خدا کی طرف سے کہیں گے اسوقت کیا حال ہوگا نہ ان کے منظرین بچا سکیں گے نہ انکا اجتہاد کام آئے گا توبہ توبہ جان بوجھ کر یہ لوگ کفریات بکتے ہیں اور مراتب صحابہ پر یقین رکھ کر اسی سے انکار کرتے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر وہ لغویات منہ سے نکالتے ہیں کہ جن کو سن کر کفار بھی الامان پکارتے ہیں حقیقت میں یہ نہ مبالغہ ہے نہ تعصب ہے امر حق کا اظہار ہے کہ جس طرح یہ دین محمدی کو اس فرقے نے اور خوارج نے خراب کیا ہے وہ کسی دوسرے نے نہیں کیا وہ باتیں دین میں داخل کی ہیں کہ جن کو خدا کسی مسلمان کے کان تک نہ پہنچائے ان کے کفریات اور ہزلیات اور لغویات پر شیطان بھی حیران ہوگا اور وہ بھی یہ کہے

مسلماں شنو اد و کافر مبیناد

ان کی شان میں کہتا ہوگا اگر کوئی حضرات شیعہ نہایت ہی غور کو دخل دیں اور اس آیت کو قرآن مجید کی مکرر سہ کرر عینک لگا کر پڑھیں اور دو چار مجتہد بھی ان کے مل کر یہ فرماویں

ط پارہ ۱۵۔ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۲۔ ترجمہ: پڑھ لے لکھا اپنا تو ہی بس ہے آج کے دن اپنا حساب لینے کو۔ (موضح القرآن)۔ ؎ مسلمان کو نہ سنوائے اور کافر کو نہ دکھلاوے۔ ؎ پارہ ۱۰ سورۂ ملک رکوع ۱

کہ خاص آیت ... میں تو ذکر مشورہ کرنے کا نہیں ہے اس لئے ہم اسے نہیں مانتے اور جو تفسیریں تم نے بیان کیں ان کو بھی ہم قبول نہیں کرتے اگر مشورہ لینے کا حکم خدا کا ہوتا تو اس آیت میں اس کا ذکر ہوتا جواب اس کا یہ ہے کہ قرآن کو ذرا اول سے آخر تک پڑھو اور دیکھو کہ خدا نے مشورہ کرنیکا حکم کیا ہے یا نہیں چنانچہ اب ہم اسی آیت کو بیان کرتے ہیں۔

دلیل سوم۔ اللہ جلشانہ فرماتا ہے فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ[1] ترجمہ کہ بہ نسبت رحمت خدا کے تو ان پر نرم ہوگیا ہے اگر تو سخت ہوتا تو وہ تیرے پاس سے بھاگ جاتے پس عفو کر ان سے اور استغفار کر ان کے لئے اور مشورہ کر ان سے اور جب کسی کام کرنے پر مستعد ہو جا تو خدا پر بھروسہ کر کہ خدا پر بھروسہ کرنیوالوں کو دوست رکھتا ہے خیال کرنے کی بات ہے کہ جناب احدیت کس قدر عنایت سے پیغمبر خدا کو صحابہ پر رحم کرنے کا اور ان کے زلات اور قصورات کو معاف کرنے کا اور ان سے مشورہ لینے کا حکم کرتا ہے اور اس سے کیسی کچھ خدا کی مہربانی صحابہ کی نسبت ظاہر ہوتی ہے پس اس سے زیادہ اصحاب رسول کی فضیلت کے لئے کون سی دلیل و برہان چاہیے اور آیات خدا سے بڑھ کر کس کی شہادت ہم پیش کریں اب ہم اس آیت کی تفسیر کو جو علما شیعہ نے کی ہے بیان کرتے ہیں۔ علامہ طبرسی مجمع البیان میں فرماتے ہیں کہ فاعف عنہم ما بینک وبینہم واستغفر لہم ما بینہم وبینی وقیل معناہ فاعف عنہم فرارہم باحد واستغفر لہم من ذالک الذنب وشاورہم فی الامر ای استخرج آراءہم واعلم ما عندہم واختلفوا فی فائدۃ مشاورتہ ایاہم مع استغنائہ بالوحی عن تعرف صواب الرای من العباد علی اقوال احدہا ان ذالک علی وجہ التطییب لنفوسہم والتالف لہم والرفع من اقدارہم لیبین انہم ممن یوثق باقوالہم ویرجع الی آرائہم عن قتادۃ والربیع وابن اسحاق وثانیہا ان ذالک لتقتدی بہ امتہ فی المشاورۃ ولم یروہا نقیصۃ کما مدحوا بان امرہم شوریٰ بینہم عن سفیان بن عیینۃ وثالثہا ان ذالک وامرہ لاجلال اصحابہ ولیقتدی امتہ فی ذالک عن الحسن والضحاک ورابعہا ان ذالک لیمتحنہم بالمشاورۃ لیتمیز الناصح من الغاش وخامسہا ان ذالک فی امور الدنیا ومکائد الحرب ولقاء العدو وفی مثل ذالک یجوز ان یستعین بآرائہم عن ابی علی الجبائی انتہی بلفظہ۔ یعنے خدا کے اس کہنے کا کہ معاف کر ان سے یہ مطلب ہے کہ جو کچھ تیرے اور ان کے بیچ میں ہے اور اگر اس میں وہ چوک جاویں یا کچھ تیرا قصور کریں تو تو معاف کر اور استغفار

[1] پ ۴، سورۂ آل عمران، رکوع ۱۷۔ ترجمہ سو کچھ اللہ کی مہر ہے جو تو نرم دل ملا ان کو اور اگر ہوتا سخت گو اور سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے گرد سے سو تو ان کو معاف کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ اور ان سے مشورت لے کام میں ۱۲ از موضح القرآن

کہ ان کے لیئے اس کا یہ مطلب ہے کہ جو معاملے ہمارے اور ان کے بیچ میں ہے اور اس میں وہ چوک جائیں یا گناہ کریں تو تو ان کی معافی کے لئے ہم سے استغفار کر اور مشورہ کر ان سے اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کی رائے لے اور دیکھ کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ اور پھر یہ فقیر بیان کرتا ہے کہ مشورہ لینے کے فائدہ میں اختلاف ہے کہ باوجود مستغنی ہونے پیغمبر خدا کے بوجہ وحی کے دریافت رائے صواب سے کسی بندے سے مشورہ لینے کا کیوں حکم ہوا اور اس میں لوگوں نے بہت سے قول کہے ہیں۔

اوّل قول ۔ یہ کہ یہ حکم اس لئے ہے کہ تا کہ اصحاب رسول کے دل خوش ہوں اور ان کو محبت اور الفت پیدا ہووے اور ان کا مرتبہ بلند ہو اور قدر ان کی ہو کہ یہ بھی ان لوگوں میں سے ہیں جن کے قول پر اعتماد کیا جاتا ہے اور جن سے رائے لی جاتی ہے یہ قول ہے قتادہ اور ربیع اور ابن اسحاق کا۔

دوسرا قول ۔ یہ ہے کہ تا کہ امت نبوی اس کی اقتدا کریں اور اس کو عیب نہ سمجھیں جیسا کہ صحابۂ رسول کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ وہ جو کام کرتے تھے سو صلاح و مشورے سے کرتے تھے یہ قول ہے سفیان بن عیینہ کا۔

تیسرا قول ۔ یہ ہے کہ اس سے دو فائدے منظور تھے ایک صحابہ کی عزت دوسرے امت کی اقتدا اس باب میں قول ہے حسن اور ضحاک کا۔

چوتھا قول ۔ یہ ہے کہ امتحان ہو جاوے کہ دوست کون ہے اور دشمن کون۔

پانچواں قول ۔ یہ ہے کہ یہ مشورہ لینے کا حکم امور دنیا میں اور لڑائی کی باتوں میں ہے اور ایسی باتوں میں ان سے صلاح لینا جائز ہے۔ یہ قول ہے ابی علی جبائی کا فقط اس تفسیر سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

اوّل یہ کہ خدا اپنے پیغمبر سے فرماتا ہے کہ اگر یہ لوگ بمقتضائے بشریت تیرا قصور کریں تو تو اسے معاف کر دے اور اگر میرا گناہ ان سے ہو جاوے تو ان کے لئے مجھ سے استغفار کر سبحان اللہ کیا مہربانی ہے خدا کی حال پر صحابہ کے کہ ان کی خطاؤں کو عفو کے لئے اپنے پیغمبر سے ان کی سفارش کرتا ہے اور ان کے گناہوں کے خود معاف کرنے کے لئے اپنے پیغمبر کو ان کے واسطے شفاعت کا حکم دیتا ہے افسوس ہے شیعوں کے حال پر کہ وہ ایسے ہی لوگوں کو کافر اور منافق کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ جنگ احد کے فرار کا عفو اس سے ثابت ہوتا ہے جس پر بہت کچھ زبان درازی حضرات شیعہ کرتے ہیں۔

تیسرے یہ ثابت ہوا کہ صرف ان کے اظہار قدر و منزلت کے لئے خدا نے یہ حکم پیغمبر صاحب کو دیا کہ ان سے مشورہ کیا کرو اس تفسیر کی نسبت اگر بعضے حضرات یہ فرماویں کہ قتادہ وغیرہ اہلسنت تھے جس سے صاحب مجمع البیان نے ان اقوال کو نقل کیا ہے بجواب اس کے ہم کہیں گے کہ جو کچھ اقوال مختلفہ کے نقل کرنے سے پہلے مفسر موصوف نے کہا ہے وہ تو کسی سے نقل نہیں کیا اور جن اقوال کو اس نے نقل کیا ہے وہ فوائد اور وجوہ میں مشورہ لینے کے ہیں اگر تم کسی قول کو منجملہ ان اقوال کے نہ مانو تو ذرا بیان فرماؤ کہ خود صاحب مجمع البیان کا کیا قول ہے اور پھر شاورہم فی الامر کے کیا معنی ہیں اور اس حکم دینے کے کیا فائدے ہیں۔

دلیل چہارم ۔ یہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ سب سے پہلے لڑائی بدر کی ہے اور جو لوگ اس میں پیغمبر خدا کے ساتھ تھے انکا بڑا رتبہ ہے اس لئے کہ اللہ جل شانہ نے فرشتوں کو مدد کے لئے بھیجا اور آیات قرآنی نازل کر کے اپنے احسان کو ظاہر کر دیا اسی واسطے تمام اصحاب نبوی میں وہی لوگ بڑے رتبے کے شمار ہوتے تھے جو کہ اس لڑائی میں شریک تھے۔ اب ہم کو دیکھنا چاہیئے کہ وہ اصحاب جن کو حضرات شیعہ کافر اور منافق کہتے ہیں وہ اس لڑائی میں کس طرف تھے پیغمبر صاحب کی طرف یا کفار کی طرف اگر کوئی حضرات شیعہ یہ ثابت کر دے کہ خلفائے ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسوقت پیغمبر صاحب کی طرف نہ تھے اور وہ اس لڑائی میں شریک نہ تھے تو ہم ان کے دعوے کو تسلیم کرتے ہیں اور اگر ہم ثابت کر دیں کہ عین معرکہ میں موجود تھے بلکہ خاص پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر تھے تو حضرات شیعہ کو چاہیئے کہ وہ تشیع سے فارغ خطی لکھدیں اس لئے میں لڑائی کے شروع ہونے اور عین لڑائی کے وقت کا حال حملہ حیدری سے نقل کرتا ہوں کہ ایسا متعصب کیا لکھتا ہے لڑائی شروع ہونے سے پہلے کا حال مؤلف موصوف اس طرح لکھتا ہے کہ جب پیغمبر خدا نے سنا کہ مشرکین قریش واسطے لڑائی کے آتے ہیں تب اپنے اصحاب سے مشورہ کیا تو اسوقت سب سے اول حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر نے جواب دیا اور جہاد پر آمادہ ہونے پر اپنی رغبت ظاہر کی چنانچہ اشعار اس کے یہ ہیں

اشعار

پس از این خبر سید المرسلین	یکی انجمن ساخت با اہل دین

بعزم مودا نگہ با صحاب خویش — کہ آی حق پرستان پاکیزہ کیش
بدانید کز کعبہ اہل جفا — کمر بستہ بر کین و بر پرخاش ما
رسیدند نزدیک آمد خبر — بیائید خود ہم برو زبر دگر،
شمارا کنوں چیست تدبیر کار — کہ دشمن رسید از پئے کارزار
بپاشیخ ابوبکر از جائے خاست — وزاں پس عمر نیز قد کرد راست،
بگفتند یا سید المرسلین — قدم پیش بگذار و مارا ببین،
کہ با دشمن دین چہا می کنیم — چہ سان در رہت جان فدا می کنیم
وزاں پس زجا خاست مقداد نیز — بگفت ای حبیب خدا ای عزیز
بود تا بتن جان و در کف توان — بیاریم شمشیر بر دشمنان
ازاں گشتہ خوش دل رسول خدا — بعزمود در حق ایشاں دعا
چنین خواست پس بہترین البشر — کہ از راز انصار یا بد خبر
دگر بار فرمود کائے دوستان — چہ گوئید اندر حق دشمنان
زجا خاست ایں بار سعد معاذ — چنیں گفت از روی صدق و نیاز
کہ با جان و دل با ہمیں عہد رست — بدست تو روزیکہ دادیم ہست
سر و مال و فرزند و خویش و تبار — ہماں روز کردیم بر تو نثار
پیمبر برایشاں نمود آفرین — براں صدق و ایمان انصار دین

پس اے حضرات امامیہ ذرا منافقین کے ایمان اور جان نثاری کو خیال کرو اور ان کے صدق و اخلاص کو دیکھو سمجھو تو کہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق ایسے منافق تھے کہ سب سے پہلے جان بازی پر مستعد ہوئے اول سب سے پیغمبر خدا سب کے سامنے ہوئے اور اپنے اخلاص کو اپنے اعمالوں سے سب پر ظاہر کر دیا اور خطاب افضل المہاجرین کا خدا کے حضور سے پایا اے حضرات پیغمبر خدا کو مدینے کے منافقین نے جو بعد شوکت اسلام کے ظاہر میں کلمہ گو ہو گئے تھے ایسے ہی اخلاص کے جواب دیئے ہیں اور وقت پر اسی طرح کا ساتھ دیا ہے اور رسول مقبول نے ان منافقوں کے حق میں اسی طرح دعا اور آفرین کی ہے۔
مجتہد صاحب اپنی ذوالفقار میں منجملہ اور آیات کے جو اثبات فضائل صحابہ کے

له عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ نمبر ۲۹۳ سطر ۱۴ تا ۱۹ ۔

معارضہ میں پیش کی ہیں ایک یہ آیت لکھتے ہیں :۔

فَإِذَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ مُحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ رَأَيْتَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ[1] کہ جب کوئی سورت جہاد کی نازل ہوتی ہے تو جن کے دل میں بیماری ہے وہ تجھے اے پیغمبر بری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس آیت کو گویا وہ حق میں خلفاء ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صادق سمجھتے ہیں آیۃ :- الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ[2] کی نسبت فرماتے ہیں کہ[3] "پس شک نیست درین کہ از صحابہ کسانیکہ ایمان داشتند و ہجرت و جہاد بہ نیت صحیح کردند دلالت بر فضیلت آنہا دارد لیکن چوں ایمان غاصبین حق ولایت و ہجرت ایں ہا بہ نیت درست بہ ثبوت نہ رسیدہ استدلال بدیں آیات بر فضیلت ایشاں ممکن نبود لاسیما نظر بایں کہ او سبحانہ تعالیٰ معاً ازیں ہر دو صفت صفت جہاد را نیز مذکور نمودہ و کیفیت جہاد ایشاں در جنگ احد و خیبر و حنین وغیرہا اظہر من الشمس ست پس ایشاں را ازیں آیہ بہرہ نخواہد بود بلکہ ایشان از مصداق قول او سبحانہ تعالیٰ ومن یولہم یومئذ دبرہ الخ خط وافر دارند" پس کوئی شخص حملہ حیدری کے ان اشعار کو حضرت کی قبر پر پڑھ دے کہ شاید ان کی روح کو خبر ہو جاوے کہ ان کی ساری تقریر و تحریر انہیں کے ایک شاعر کے قول سے رد و باطل ہوگئی بعد وفات بڑے قبلہ و کعبہ کے جب ان کے ولیعہد صاحبزادے یعنی دوسرے قبلہ و کعبہ مولوی

---

[1] پارہ ۲۶ - سورہ محمد رکوع ۲ ترجمہ جب اتری ایک سورت جانچی ہوئی اور ذکر ہوا اس میں لڑائی کا تو تو دیکھتا ہے جن کے دل میں روگ ہے تکتے ہیں تیری طرف جیسے تکتا ہے کوئی بے ہوش پڑا مرنے کے وقت ۱۲ موضح القرآن)

[2] پارہ ۱۰ - سورہ توبہ رکوع ۳ ترجمہ - جو یقین لائے اور گھر چھوڑ آئے اور لڑے اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے ان کو بڑا درجہ ہے اللہ کے پاس ۱۲ موضح -

[3] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع البحرین لدھیانہ ۱۲۹۸ھ صفحہ ۳۰۶ سطر ۱۹ - ۲۰ - نقلاً ۱۲ منہ -

[4] ترجمہ اس میں شک نہیں کہ صحابہ میں سے جو مسلمان تھے اور ہجرت و جہاد صحیح نیت سے کیا یہ ان کی فضیلت کی دلیل ہے۔ لیکن جب کہ غاصبین حق ولایت نے ایمان اور ہجرت کی نیت کی درستگی کا ثبوت ہم دست نہیں ہوا ہے تو آیات مذکورہ سے ان کی فضیلت کا استدلال درست نہیں ہو سکتا ۔ خاص طور پر اس امر کے پیش نظر کہ اللہ نے ان دونوں صفات کے ساتھ صفت جہاد کا بھی تذکرہ کیا ہے اور غاصبین حق ولایت کے جہاد کی کیفیت جنگ احد، خیبر، حنین وغیرہ میں روز روشن ہے اس لئے ان کو ان آیات سے بہرہ مند نہیں کیا جاسکتا بلکہ یہ لوگ اللہ کے موافق اور جن لوگوں نے آج کے دن پیٹھ پھیری، کے مصداق ہیں۔

سید محمد صاحب نے حملہ حیدری کی اصلاح کی تھی اور اس کو تصحیح کر کے نظر ثانی فرمائی تھی تب امید تھی کہ شاید وہ ان اشعار کو دیکھ کر متنبہ ہوں گے اور اپنے والد ماجد کی تحریر پر خط نسخ کھینچ دیں مگر افسوس ہے کہ انہوں نے دیانت کی آنکھ بند کر لی اور ذوالفقار کے اوپر ان اشعار کا حاشیہ نہ لکھ دیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس جہاد میں جو کہ سب سے اول ہوا کس فریق میں تھے منافقین کے یا مخلصین کے اور انہوں نے رسول مقبول کی خدمت میں سب سے اول لڑائی پر آمادگی ظاہر کی تھی یا اور کسی نے اور لڑائی کے وقت پیغمبر صاحب کی خدمت میں حاضر تھے یا نہیں۔

باقی رہا حال لڑائی احد اور خیبر وغیرہ کا کہ بار بار مجتہد صاحب کے قلم سے احد اور فدک اور قرطاس کا لفظ نکلتا ہے اور ہر ورق اور ہر صفحہ میں موقع اور بے موقع اسی کا نام آتا ہے سو حضرات امامیہ ذرا صبر کریں دوسرا حصہ مطاعن صحابہ کے جواب کا چھپنے دیں تب اس کی بھی حقیقت کھل جائیگی اور جو کچھ حضرت نے لکھا ہے اس کا حال سب کو معلوم ہو جائے گا مگر بالفعل ایک آیت کو لکھ کر اس کا جواب دیتا ہوں کہ جنگ احد میں جو صحابہ سے لغزش ہو گئی اس کو خدا قرآن مجید میں بیان فرماتا ہے کہ [1] إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَلَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ پس اس کو خدا نے خود صاف کر دیا بعد اس کے عفو کے اسکا تکذیب کرنا ہے کہ اس کو بھی مجتہد صاحب نے ظاہر کر دیا اور خدا کو جھٹلا دیا ونعوذ باللہ منہ چنانچہ اسے ذوالفقار میں فرماتے ہیں کہ [2] فرار صحابہ در روز احد متیقن و عفو ایشان بحقیقتی کہ مطلق عاوی ایشاں در جہنم نباشد مشکوک والیقین لایزول الابیقین مثلہ، اب ذرا غور سے حضرت کے الفاظ کو جو ہم نے اوپر مختصر انقل کئے دیکھنا چاہیئے کہ خدائے جل شانہ تو صاف فرماتا ہے لقد عفا اللہ عنہم کہ جو میں نے ان کو معاف کر دیا اور حضرت فرماتے ہیں کہ عفو یقینی نہیں ہے۔ اب جو شخص خدا کے قول کو بھی جھٹلا دے اور اللہ جلشانہ کے کلام میں بھی شک کرے اور اس کو یقینی نہ سمجھے گا عجب حال ہے ان حضرات کا کہ صرف اصحاب نبوی کی عداوت سے

---

[1] پارہ ۴۔ سورہ آل عمران رکوع ۱۶۔ ترجمہ جو لوگ تم میں ہٹ گئے جس دن بھڑیں دو فوجیں سو ان کو ڈگا دیا شیطان نے کچھ ان کے گناہ کی شامت سے اور انکو بخش چکا اللہ بخشنے والا ہے تحمل رکھتا ہے موضح ۔ یہ جنگ احد میں صحابہ کا فرار امر واقعی ہے اور انکی بخشش

[2] ۔ یہ کہ ان کا ٹھکانا دوزخ میں نہ ہوگا مشکوک ہے۔ اور کلیہ قاعدہ یہ ہے کہ یقین ذریعہ یقین ہی دفع کیا جاتا ہے۔

ایسے جاہل اور خدا ناشناس ہو گئے ہیں کہ ایسی صریح اور صاف آیات الٰہی میں بھی شک کرتے ہیں۔ خیر اس وقت تو اس بحث کا موقع نہیں ہے مطاعن کے باب میں ہم اس اعتراض کو تفصیل کے ساتھ بیان کر کے حضرات شیعہ کی خدمت میں پیش کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

اب میں پھر جنگ بدر کا حال لکھتا ہوں غرضکہ لڑائی شروع ہونے سے پہلے جو حال مہاجرین وانصار کا تھا وہ تو ظاہر ہوگیا اب میں عین لڑائی کے وقت کا حال اسی کتاب سے نقل کرتا ہوں اے مومنو سنو مؤلف موصوف لکھتا ہے کہ جب لڑائی کی صفیں آراستہ ہو گئیں اور لڑائی قریب تھی کہ شروع ہوئے تب پیغمبر خدا نے بحضور کبریا دعا کی اور جو کچھ حضرت نے دعا میں فرمایا اس کا حال ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے۔

اشعار حملۂ حیدری کے حال میں جنگ بدر کے

پس آور رسول یزدان پاک ۔۔۔ بنالید و مالید رورا بہ خاک

بگفت ای نمایندۂ عدل و داد ۔۔۔ فرستندۂ انبیا بر عباد

تو دانی کہ من رہنمائے قریش ۔۔۔ بہ حکم تو بودم نہ بر رای خویش

کشیدم برایشان بحکم تو تیغ ۔۔۔ مکن نصرت خویش از من دریغ

الٰہی گر این چند تن از عباد ۔۔۔ کہ کردند حکم ترا انقیاد،

بحکم تو بستند ہر کس میان ۔۔۔ نہ دیدند بیش و کم دشمنان

بماند از فتح کوتاہ دست، ۔۔۔ بیابند از دست دشمن شکست

بروی زمین تا قیامت دگر، ۔۔۔ نہ گردد پرستندہ ای داوگر

باین زاری و عجز او جبیدہ بود ۔۔۔ کہ خوابش بفرمان حق در ربود

دران دم صف خشم نزدیک شد ۔۔۔ ز بس گرد خورشید تاریک شد

ابوبکر نزد نبی داشت جائے ۔۔۔ بگفت ای بحق خلق را رہنمائے

درآمد بہ تنگی سپاہ ضلال ۔۔۔ چہ فرمائی اکنون برای قتال

کہاں ہے انصاف کی آنکھ اور ایمان کے کان جو حضرات شیعہ اس مؤلف کے الفاظ کو دیکھیں اور سنیں اور اس کے مطلب کو سوچیں کہ ساری نفاق کی باتیں اور کفر کے کلمے خاک میں مل گئے اور ایمان بھی اور اخلاص بھی اور ہجرت بھی اور نصرت و یاری بھی

سب کا مہاجرین و انصار کی نسبت ثبوت ہو گیا۔ اے مسلمانوں خدا کے لئے دیکھو کہ اب اس سے زیادہ اصحاب نبوی کی فضیلت کیا ہو گی کہ پیغمبر خدا ان کے حق میں خدا سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا ان چند آدمیوں نے صرف تیرے حکم سے جہاد پر مستعدی کی ہے اگر ان کو شکست ہوئی اور یہ مارے گئے تو پھر قیامت تک کوئی تیری عبادت نہ کرے گا۔ پس اہل سنت اور کیا کہتے ہیں انہیں باتوں پر اصحاب نبوی سے محبت رکھتے ہیں اور ایسی ہی فضیلتیں ان کی بیان کرتے ہیں جب پیغمبر خدا ان کے حق میں یہ فرماویں کہ یہی لوگ تیری عبادت پھیلانے اور تیرے نام بلند کرنے کا ذریعہ ہوں گے اگر یہ مارے گئے تو دین کا خاتمہ ہو جائے گا اور قیامت تک کوئی تیرا نام نہ لے گا اور قیامت تک کوئی تیرا نام نہ لے گا تو کیونکر ہم اہل سنت ان کو مومن اور مخلص نہ جانیں اور کس طرح صرف ایک عبداللہ ابن سبا یہودی کے بہکانے سے ایسے پاک لوگوں کو منافق کہہ کر ایمان سے دست بردار ہوں اور خدا کی قدرت کا تماشا کرنا چاہیئے کہ اس مقام پر بھی اس مؤلف کے قلم سے خدا نے نام ابوبکر صدیقؓ کا لکھوا دیا اور وہ بھی ایسے موقع پر کہ جس سے قربت نبوی ثابت ہوتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق پیغمبر صاحب کے برابر ہی کھڑے تھے جیسا کہ مؤلف موصوف فرماتا ہے کہ مصرعہ۔

ابوبکر[1] نزدیکی دانشت جائے

اے یارو کیا مؤلف حملہ حیدری کا ناصبی اور سنی ہے جس نے اپنے مذہب کی خاطر سے ابوبکر صدیق کا نام لکھ دیا اس کو ابوبکر صدیق سے محبت تھی جس وجہ سے اس نے ان کے حق میں یہ کچھ کہہ دیا آخر کیا سبب ہے خدا کے لئے کچھ سبب تو اس کا بتلاؤ بجز اس کے بھائیو دوسرا کوئی سبب نہیں ہے کہ قربت نبوی حضرت ابوبکر صدیق کو ایسی حاصل تھی کہ اس سے انکار کرنا اور ان کا نام نہ لکھنا در حقیقت آفتاب کو چھپانا تھا بادل بے بدل کو مجتہد صاحب کی سی جرأت نہ ہوئی کہ وہ ایسی کھلی ہوئی بات کو چھپاتا اور جو بات تمام مہاجرین اور انصار میں مشہور تھی اور جس کا شہرہ اس وقت سے اب تک ہے اس سے انکار کرتا۔ اے مومنین ذرا غور کرو کہ جو دعا پیغمبر خدا نے اصحاب کی نسبت کی ہے اور جو حال ان کا خدا کے سامنے انہوں نے بیان کیا ہے اس سے بھی ان کا نفاق ثابت ہوتا ہے کیا منافقوں کے حق میں پیغمبر خدا نے ایسا ہی ارشاد کیا ہے کیا منافقوں کے حق میں یہ پیغمبر خدا نے فرمایا ہے کہ اگر فتح نہ ہو گی تو خدایا تیری

---

[1] ابوبکر وہ رسول اللہ کے پاس ہی تھے۔

شہادت قیامت تک پھر کوئی نہ کرے گا کیا باوجود ایسی نص صریح ہونیکے کی جس کا ثبوت تمہارے ہی مذہب والوں کے کلام سے ہوتا ہے تم ان کو کافر اور منافق کہتے رہو گے اور کیا ایسی باتوں کو سن کر بھی نفاق سے توبہ نہ کرو گے اگر باوجود اس کے بھی تم ان کی نسبت نفاق کا اطلاق کرو تو معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری اصطلاح میں اخلاص اور ایمان اور قربت نبوی کے معنی نفاق کے ہیں لامشاحۃ فی الاصطلاح مجتہد صاحب بار بار اپنی کتاب ذوالفقار وغیرہ میں یہی فرماتے ہیں کہ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ان کے متابعین کی نیت بخیر نہ تھی اور جب تک نیت، بخیر ہونے کا حال نہ معلوم ہو اثبات فضیلت کی مصداق سے ان کو کچھ حصہ نہیں ہے اس لئے میں نہایت ادب سے عرض کرتا ہوں کہ اگر خوارج لعنہم اللہ یہی سوال بہ نسبت جناب امیر علیہ السلام کے کریں تو اے حضرات شیعہ تم کیا جواب دو گے اگر قرآن مجید سے ان کا نام نکال دو اور پھر ہم ابوبکر صدیق کا نام نہ نکال دیں تو بیشک تم سچے ہم جھوٹے جب قرآن مجید میں تو کسی کا نام ہی نہیں ہے تو جس طرح تم ابوبکر صدیق کی فضیلت سے باوجود ان کے عالی مراتب سے باوجود ان کے ان فضائل اور درجات کے انکار کرتے ہو اسی طرح پر وہ جناب امیر کے فضائل سے باوجود ان کے عالی مراتب کے انکار کرتے اب ذرا غور کرو کہ جب تم جناب امیر کے فضائل کو ان کے اعمال اور حالات سے ثابت کرو گے اور ان کی صدق نیت کو جو کہ امر باطن ہے ان کے اعمال حسنہ ظاہری سے ظاہر کرو گے ہم ابوبکر صدیق کی نسبت ثابت کرتے ہیں ذرا غور سے دیکھو کہ جس طرح پر تم آیہ إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ[1] سے امامت حضرت علی کی ثابت کرتے ہو کیا اس کے برابر بھی ہمارا ثبوت صدق نیت کا ہجرت میں نسبت ابوبکر صدیق کے نہیں ہے آیہ انما ولیکم اللہ میں تو کوئی ایسی تمیز خاص کے باب میں نہیں ہے جیسے کہ آیہ غار میں ہے کہ وہاں إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ[2] کا صاف لفظ ہے جو دلالت کرتا ہے کہ مراد اس سے وہی یار ہے جو غار میں تھا اور غار میں ہونا سوائے ابوبکر صدیق کے دوسرے کا کسی کے قول سے بھی ثابت نہیں ہوتا پس غور کرو کہ قرآن مجید سے تمہارا دعویٰ ثابت ہوتا ہے یا ہمارا۔

---

[1] پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۸ ترجمہ تمہارا رفیق وہی اللہ ہے اور اس کا رسول اور ایمان والے جو قائم ہیں نماز پر اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ نیوے ہیں۔ موضح القرآن

[2] پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۶ ترجمہ کہنے لگا اپنے رفیق کو ۱۲ موضح۔

ذرا اور دونوں کو ملا کر دیکھو اور انصاف کرو کہ کون اپنے دعوے میں غالب ہے اور کون خفیف ہے

شعر

آشنانے سے شانے کو ملا دیکھو قد میں ہمیں کچھ بلند ہوں گے

قرآن کو جانے دو اس کو بیاض عثمانی سمجھ کر اس کی سند نہ لو تو اپنے اور اپنے بھائیوں خوارج کی کتابوں پر نظر کرو دیکھیں تم خوارج مخذولوں کی کتاب سے جناب امیر کے کس قدر فضائل ثابت ہو اور پھر ان کو گن گن کر علیحدہ کرو اور پھر ہم سے شمار کر کے اس سے مین سے زیادہ صحابہ کے فضائل ثابت کر کے میں اپنی کتابوں کی سند لو آخر جب ایک فرقہ خوارج کا دشمن اہل بیت ہو گیا اس نے کیا کیا نہیں کیا ہے جو کہ تم صحابہ کی نسبت کرتے ہو وہ بھی جناب امیر کو ساری فضیلتوں کی آیتوں سے ویسا ہی خارج سمجھتے ہیں۔ ونعوذ باللہ من ہفواتہم جیسا کہ تم خلفائے راشدین کو وہ بھی ساری مطاعن کی آیتوں کو ذات پاک سید الاولیا کی نسبت صادق سمجھتے ہیں جیسا کہ تم صحابہ کبار کی نسبت وہ بھی ساری خوبیوں سے جناب امیر علی بن ابی طالب کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی اسی طرح انکار کرتے ہیں جس طرح کہ تم اصحاب نبوی کی خوبیوں سے وہ بھی ہزاروں الزامات اور مطاعن جناب امیر کی شان میں قائم کرتے ہیں جیسا کہ تم پیغمبر صاحب کے یاروں کی شان میں وہ بھی اسی برائی سے ان کے پاک نام کو لیتے ہیں جیسا کہ تم صحابہ کے ناموں کو غرضکہ ایک ترازو میں تم اپنے آپ کو اور خوارج کو تول لو دونوں کا پلہ برابر ہے نہ تم کم ہو نہ وہ زیادہ نہ تم زیادہ ہو نہ وہ کم ہیں۔

پس ذرا انصاف کرو کہ جب تم نے دشمنی صحابہ کو اپنے معتقدات اور اصول دین میں قائم کر لیا تو تم ان کی فضیلت کا کیونکر اقرار کرو گے لیکن خدا کی شان ہے کہ اپنے رسول کے یاروں کی فضیلت ظاہر کرنے کے لئے تمہارے ہی مذہب کے عالموں اور محدثوں کی، کی زبان سے بعض کھلے فضیلت کے ظاہر کر دیئے اور کیسی باتیں ان کی قدر و منزلت کی تمہارے مورخین کے قلم سے نکال دیں کہ اگر وہ سب جمع کی جاویں تو نام بنام خلفا راشدین کی شان میں ہزار حدیث و اقوال سے متجاوز ہوں گے اور جس سے ان کے ایمان اور اخلاص اور جہاد اور امامت اور خلافت سب کا ثبوت اچھی طرح پر ہو گا چنانچہ بطور نمونے کے میری اس چھوٹی سی کتاب میں سو حدیث و اقوال و اخبار سے زیادہ ہوں گے اور جس میں باقرار تمہارے محدثین کے ائمہ علیہم السلام کی زبان سے ان کی صدیقیت اور امامت اور فضیلت

کا ثبوت ہوتا ہے پس ان سب کو جب تم سنتے ہو تو کیا یہ خیال نہیں ہوتا کہ باوجود اس بغض و عناد کے جب ہمارے محدثین و علما کے اقوال سے ان کے فضائل ثابت ہوتے ہیں تو حقیقت میں وہ کیسے افضل ہوں گے اگر حقیقت میں تم سوچ کر اور سمجھ کر رہ جاتے ہو اور بمقتضائے احزب النار علی النار کے ترک مذہب کو گوارا نہیں کرتے تو خیر مجبوری ہے اور اگر نہیں سمجھتے ہو تو پھر ایسی سمجھ کا کیا علاج خدا کی کتاب سے سمجھایا مہاجرین و انصار کی شان میں آیات بینات کو کھول کر دکھایا احادیث نبوی کو جو تمہارے ہی کتابوں میں ہے نقل کر کے ان کی فضیلت کو ثابت کیا اقوال ائمہ کرام سے تمہارے ہی مذہب کے موافق ان کے ایمان اور مراتب کو ظاہر کیا ان کے اعمال حسنہ کو بھی تمہارے مؤرخین و علماء کی شہادت سے ثابت کر دیا اور پھر جب تم کہو تو یہی کہو کہ نیت اصحاب کی بخیر نہ تھی اور وہ منافق تھے تو سوائے خدا کے بس کی شان ہے کہ یہدی من یشاء و یضل من یشاء[1] ہم تم کو ہدایت نہیں کر سکتے اور ہم کسی نسخہ سے تمہاری بیماری کی دوا نہیں دے سکتے لنا اعمالنا ولکم اعمالکم[2] شعر۔

ہمارا کام کہدینا تھا یارو اب آگے چاہے تم مانو نہ مانو

غرضکہ جو آیۃ لولا کتاب من اللہ[3] کو مجتہد صاحب نے معارضے میں پیش کیا تھا اس نے کس خوبی سے صحابہ کے فضائل کو ثابت کیا خصوصاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں باقرار علماء شیعہ پیغمبر خدا نے کیا کچھ فرمایا سبحان اللہ صحابہ کے نقص و عیب ثابت کرنے کے لئے جو سارے قرآن کو ڈھونڈھ کر حضرت نے آیتیں نکالیں اُن سے بھی ان کی فضیلتیں ثابت ہوئیں پس جو آیتیں خاص ان کی فضیلت میں ہیں انکا حال اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ ان سے کیا کچھ فضیلت ثابت ہوئی ہوگی جو کہ تین آیتوں سے بحالہ ذکر مجتہد صاحب نے کیا تھا بفضلہ فراغت ہوئی اب میں ایک اور آیت کو نقل کرتا ہوں جس کو مجتہد صاحب نے اظہار معائب صحابہ کے لئے ذوالفقار میں نقل کیا ہے۔

قولہ تعالیٰ ما کان لنبی ان یکون لہ اسریٰ حتی یثخن فی الارض تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرۃ واللہ عزیز حکیم[4] ○ اس آیت کے لکھنے سے غرض حضرت کی یہ

---

[1] ترجمہ ہدایت کرے وہی اللہ جسے چاہے اور گمراہ کرے وہی اللہ جسے چاہے مولوی عبدالعزیز سلمہٗ

[2] پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ رکوع ۲ ترجمہ ہم کو ملتے ہیں ہمارے کام اور تم کو تمہارے کام ۱۲ موضح القرآن۔ [3] لولا کتاب کا ترجمہ صفحہ میں دیکھو ۱۲ منہ۔ [4] پارہ ۱۰ سورہ انفال رکوع ۹ ترجمہ کیا چاہیئے نبی کو کہ اس کے ہاں قیدی آویں جب تک خونریزی کرے ملک میں، تم چاہتے ہو جنس دنیا کی اور اللہ چاہتا ہے آخرت اور اللہ زور آور ہے حکمت والا ۱۲ موضح القرآن۔

ہے کہ بعض لوگ پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کی نسبت کچھ اور خیال کرتے تھے اور حضرت کی تقسیم کو پسند نہ کرتے تھے پس اس سے یہ مطلب حضرت کا ثابت نہیں ہوتا کہ وہ کہنے والے جن کے حق میں یہ سورت نازل ہوئی ہے وہ خلفاء راشدین یا صحابہ کبار تھے بلکہ خود مفسرین شیعہ کے اقرار سے اسی آیت سے اہل بدر کی جن کا حال ابھی ہم لکھ رہے ہیں فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ کاشانی خلاصۃ المنہج میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اگر نہ حکمی وفرمانی می بود از خدای تعالیٰ کہ پیشی گرفتہ شدہ اثبات آں در لوح محفوظ کہ بے نہی صریح عقوبت نفرماید یا اصحاب بدر را عذاب نہ کند[1] پس اس آیت سے بھی صاف فضیلت اہل بدر کی ثابت ہوئی کہ خدا ان کے حق میں وعدہ کر چکا ہے کہ ان پر عذاب نہ کرے گا تو ایسی آیت کو معرض مناظرہ میں اس وقت مجتہد صاحب کو پیش کرنا چاہیے تھا جب کہ پہلے اس کی تفسیر کو ملاحظہ کر لیا ہوتا آخر اس کی تفسیر سے بھی فضیلت اہل بدر کی ثابت ہوئی اصحاب بدر کی فضیلت اور ان کی مغفرت کا وعدہ خدائے پاک کی طرف سے بہ اقرار مفسرین شیعہ کے ایسا ثابت ہے کہ ان کو اس سے انکار کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے چنانچہ ہم اس کو تفاسیر شیعہ سے بخوبی علاوہ اس روایت کے ثابت کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ آیہ[2] یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ کی شان نزول میں مفسرین امامیہ کے لکھتے ہیں کہ ایک شخص تھا حاطب بن ابی بلتعہ صحابی اس نے کفار مکہ کو بنظر حفاظت اپنے خویش واقارب کے یہ لکھ بھیجا کہ پیغمبر خدا تمہارے اوپر حملہ کرنے کا قصد رکھتے ہیں سو تم بھی مستعد رہنا چنانچہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کو وحی سے اس کا حال معلوم ہوا تب پیغمبر خدا نے پوچھا اس نے جواب دیا کہ میں نے بوجہ ارتداد کے یہ نہیں کیا بلکہ اپنے اہل وعیال کی اعانت کی نظر سے پیغمبر خدا نے اسکا عذر قبول کیا حضرت عمر نے کہا کہ یا رسول اللہ اجازت ہو تو میں اس کو قتل کر دوں کہ یہ منافق ہے رسول مقبول نے فرمایا کہ یہ اہل بدر سے ہے اور خدائے تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جو جنگ بدر میں شریک تھے وعدہ مغفرت کا کیا ہے اور ان کے حق میں فرمایا ہے کہ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم کہ جو چاہو کرو

---

[1] اگر اللہ تعالیٰ کا حکم وفرمان ہوتا تو ان کو اپنی پیشی میں سے کہ لوح محفوظ میں ان کو سزا دینے کا صاف حکم لکھ دیا یا بغیر ... کر عذاب دیتا [2] پارہ ۲۸ سورہ ممتحنہ رکوع اتر جمہ اے ایمان والو نہ پکڑو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست ۱۲ موضح

میں نے تم کو بخش دیا پس امید ہے کہ خدا اس کے نامہ سیاہ کو مغفرت کے پانی سے دھو دیگا یہ خلاصہ ہے اس تقریر کا جو مفسرین امامیہ نے کی ہے چنانچہ میں بلفظہ خلاصۃ المنہج سے جو کہ معتبر تفاسیر شیعہ سے ہے اس کو نقل کرتا ہوں تاکہ کسی شیعہ کو یہ کہنے کی جرأت نہ ہووے کہ شاید کچھ تحریف کردی ہوگی (ہو بندہ[1] حضرت رسالت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بطریق پوشیدہ عزیمت مکہ داشت سارہ کنیز ابی عمرو (الخ)۔

اور مطابق اسی روایت کے مضمون مغفرت اہل بدر کا ہے تفسیر مجمع البیان میں کہ مفسر موصوف لکھتا ہے کہ (وما یدریک یا عمر لعل اللہ اطلع[2] علی اہل بدر فغفر لہم فقال اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم) اس روایت سے جو جواب علماء شیعہ دیتے ہیں اس کا حال سوال و جواب سے جو باہم منشی سبحان علی خان صاحب اور مولوی نور الدین کے ہوئے ہیں ظاہر ہوتا ہے منشی سبحان علی خان صاحب سوال کرتے ہیں کہ[3] (در تفسیر مذکور از ابتدا سورہ ممتحنہ در مطاوی بیان حال حاطب بن ابی بلتعہ مسطور ست کہ جناب رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بحق او فرمودند کہ او را بحالش بگذارند واز اہل بدر ست و بدریان را حق تعالیٰ وعدہ مغفرت فرمودہ امید ہست کہ نامہ عصیان او را آب مغفرت بشوید انتہٰی خلاصہ حالا عرض نست کہ اصحاب ثلٰثہ ہم از بدریان ہستند می باید کہ ایشان را ہم بحال ایشان گذاشتہ شود و امن طعن بحق ایشان کردہ نشود) اس کے جواب میں مولوی صاحب نہایت درد دینی سے لکھتے ہیں کہ[4] (قصہ حاطب برای خلفاء ثلٰثہ بر اصول امامیہ قیاس مع الفارق ست

---

[1] رسول اکرم نے خفیہ طور پر مکہ جانے کا ارادہ کیا۔ ابو عمرو کی لونڈی سارہ آگے بڑھی الخ (جلد دوم)

[2] اور کیا جانتے ہو تم اے عمر شاید اللہ آگاہ ہوا اہل بدر پر پس بخشا واسطے ان کے پس کہا کرو تم جو چاہو پس تحقیق بخش دیں نے واسطے تمہارے ۱۲ مولوی انعام اللہ سلمہ

[3] تفسیر مجمع البیان میں سورہ ممتحنہ کے آغاز میں حاطب بن ابی بلتعہ صحابی کی بابتہ تحریر ہے کہ رسول اللہ نے حاطب کے بارے میں فرمایا اسی کے حال پر چھوڑ دو یہ اصحاب بدر میں سے ہے اور بدر والوں کو معاف کرنے اور بخش دینے کا اللہ نے وعدہ کیا ہے۔ امید ہے کہ ان لوگوں کے گناہوں کو وہ خود آپ مغفرت سے دھو ڈالے گا اس بناء پر میں عرض کرتا ہوں کہ اصحاب ثلاثہ بھی اہلیان بدر میں سے ہیں اس لئے ان کو بھی ان کے حال پر رہنے دیا جائے اور ان پر ... سے ملامت نہ کی جائے۔ [4] حاطب کا قصہ خلفائے ثلاثہ کے حق میں اصول امامیہ کے پیش نظر قیاس مع الفارق کی حیثیت رکھتا ہے کیونکہ اصول جمع کرنے والوں کی روایات اس امر کا ثبوت ہے کہ یہ منقول عنہ ... حدیث

زیرا کہ روایات جامعین اصول دلالت بر آن دارد کہ اینہا ہرگز باعتقاد قلب سوی جناب ختمی مآب مائل نبودند تمامی امور ایشان از صلاح و تقوی ہم در حیات شریف وہم بعد وفات مبنی بر سمعہ و ریا و اینہا کلہم معتقد کاہنین و منجمین بودند بدلالت احادیث بخلاف حاطب کہ مثل اینہا نبود والی قولہ پس عفو از حاطب مستلزم عفو از مشائخ سنیان نیست علاوہ گناہ حاطب را ملاحظہ فرمایند کہ فقط افشائے امرسیت بل آنچہ فرمودہ باشند کہ این راز را ہرگز فاش بنا بد کرد و ہرگاہ دختران اول وثانی بعد منع سیر حضرت را فاش کردند و توبہ شان مقبول افتاد چنانچہ از مجمع وغیرہ ظاہر ست پس عفو حاطب بطریق اولی وآں ہم برای آنچہ کفار قریش سرپرستی اہل وعیالش نمایند بخلاف حال کسانیکہ جناب ختمی مآب رابزہر کشتند و چند معصوم را شہید کردند و ہزاران نسخ قرآن مجید را بآتش نہادند وانچہ باقی گذاشتند دران ہم داد تحریف دادند خلاصہ اس کا یہ ہے کہ چونکہ خلفا ثلثہ کا کوئی کام مکر و فریب اور نفاق سے خالی نہ تھا اس لئے بسبب عدم ایمان ان کے وہ اس فضیلت سے محروم ہیں جو کہ اہل بدر کو ہے اور یہ کہنا حقیقت میں مثل اس کہنے کے ہے کہ حضرات شیخین بدر میں شریک ہی نہ تھے یا بدر کی لڑائی فی نفسہ ہوئی نہ تھی یا شیخین دنیا میں پیدا ہی نہیں ہوئے یا پیغبر صاحب نے دعوی پیغمبری ہی کا نہیں کیا کہ ایسے منکرین کا کسی کے پاس سوائے خدا کے کچھ جواب نہیں ہے۔ اس عبارت اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم کی نسبت بعض حضرات شیعہ یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ یہ امر بعید از قیاس ہے کہ خدا کسی سے وعدہ کرے کہ جو چاہو کرو ہم نے تم کو بخش دیا ہے اور ان کے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۰۴) نیک نیتی کے ساتھ رسول اکرم کی جانب مائل ہوتے تھے۔

رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اور آپ کی رحلت کے بعد ان تینوں کے صلاح و تقوی کے کام صرف دکھاوے اور ریا کاری پر منحصر ہے اور یہ سب دراصل کاہنوں اور نجومیوں کے معتقد تھے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور حاطب کی کیفیت ان سے جدا تھی، حاطب کو معاف کر دینے سے سنیوں کے سرداروں کو معاف کر دینا لازم نہیں آتا حاطب کا جرم فقط یہ تھا اس نے راز فاش کیا باوجودیکہ ممانعت کر دی تھی کہ راز کو ہرگز فاش نہ کرنا اور جب کہ اس کی دونوں لڑکیوں نے رسول اللہ کا راز فاش کیا تو ان کی توبہ قبول ہو گئی جیسا کہ مجمع وغیرہ نے لکھا ہے اس لئے حاطب کو معاف کر دینا بطریق اولی درست تھا۔ اس وجہ سے بھی کہ کفار قریش اس کے اہل وعیال کی سرپرستی و خبرگیری کریں اس کے خلاف وہ لوگ جنہوں نے رسول اکرم کو زہر دیکر ہلاک کیا اور کئی معصوموں کو شہید کیا اور قرآن کریم کے ہزاروں نسخے نذر آتش کئے اور پھر جو کچھ بچے تھے ان میں تحریف و تبدیلی کی —— مکاتیب سبحان علی خاں ص۲۰

واسطے محرمات کو حلال کر دے اس کا جواب تحقیقی یہ ہے کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ، کہ خدا کو خوب خبر ہر شخص کی ہے وہ موافق اپنے علم اور تقدیر کے ہر کام کرتا ہے جب اس کو اہل بدر پر اطمینان تھا تب اس نے یہ ارشاد فرمایا اور جواب الزامی یہ ہے کہ ذرا اپنے یہاں کی ان روایتوں کو دیکھیں جو مغفرت میں شیعوں کی ہیں کہ جن میں صاف لکھا ہے کہ بس دوستی علی کی کافی ہے کسی گناہ کی بمقابلہ اس کے پرسش نہیں ہے کہ اس کو ہم اس کے مقام پر صدہا اقوال سے ثابت کریں گے پس اسی طرح پر خدا اصحاب بدر کے حال پر رحم کر کہ اگر خدا نے بایں خیال کہ انہوں نے اپنے گھروں کو چھوڑا اپنے وطن سے ہجرت کی اپنے عزیز، قریبوں سے علاقہ قطع کیا اپنے مال و دولت کو لٹایا اپنی جان اور مال کو خدا کی راہ میں نثار کیا اور پھر اپنے بھائی بندوں کے قتل پر مستعد ہوئے اور ان کے مارنے میں بمقابلہ محبت، خدا کے کچھ بھی خوف نہ کیا اور جن کے مرتبہ بڑھانے کو خدا نے ملائکہ کو ان کی مدد کے واسطے بھیجا اور سب سے پہلے لڑائی اسلام کی ان کے ہاتھوں سے فتح ہوئی اور اول معرکے میں ان کی ثابت قدمی اور جانثاری خدا نے سب پر ظاہر کر دی اور غلبہ اسلام کا ان کے ہاتھ پر کیا اور آئندہ کو، دروازہ فتوحات اور اجراء اسلام کا ان کی تلواروں سے کھول دیا اور یہ سب کچھ ان خدا کے عاشقو رسول کے یاروں نے اس پاک ذات کی حضوری میں کیا جو خدا کا محبوب تھا اور جو سارے پیغمبروں کا سردار تھا جس کی شفاعت سے بڑے بڑے کبیرہ گناہوں کو خدا بخش دے گا۔ اور جس کی سفارش سے ان لوگوں کو جنہوں نے سوائے اقرار توحید و نبوت کے کوئی بھی نیک کام نہ کیا ہوگا اور جس کی ساری عمر محرمات کے ارتکاب میں گزری بخش دیگا پس جب ایسے سردار اور دین و دنیا کے بادشاہ کے ساتھ ہو کر جو سپاہی اول لڑائی میں لڑے ہوں اور ایسے خدا کے محبوب اور ممتاز کے قدموں پر اپنی جانوں کے نثار کرنے پر سب سے اول آمادہ ہوئے ہوں اور اور نہ صرف منافقانہ مستعدی اور ظاہری آمادگی دکھلائی ہو بلکہ جو کہا ہے وہ کر دکھلایا ہو اور جن کے لڑنے پر پیغمبر خدا نہایت عجز و منت سے خدا سے دعا کرتے ہوں کہ ابھی ان بیچارے چند غریبوں محتاجوں نے صرف تیری ہی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جانوں کو قربان کرنے کا ارادہ کیا ہے ان کو فتح دینا یہی لوگ تیرا نام بلند کرنے کے ذریعے اور تیرا دین پھیلانے کے وسیلے ہیں اگر ان کو فتح نہ ہوئی تو پھر قیامت تک تیری عبادت کوئی نہ کرے گا اور پھر

سنہ پارہ ۸۔ سورہ انعام رکوع ۱۵ ترجمہ اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیام ۱۲ موضح۔

نے ان کے ہاتھ پر فتح بھی دی اور انہوں نے باوجود بہت قلیل ہونے کے ایک فوج کی فوج کو کفار کی مٹا دیا اور بڑے بڑے نامی قریشی کافروں کو مثل ابوجہل وغیرہ کے تہ تیغ کیا اور ان دشمنوں کو جنہوں نے نہایت ایذا اور مصیبت سے پیغمبر خدا کو مکے سے نکالا اور جن مردودوں نے کمال دکھ اور تکلیف سے خدا کے حبیب سے اس کا گھر چھڑایا تھا، ذلت پر اٹھایا اور ان کے گوشت پوست کو طعمہ زاغ و زغن کا کر دیا اور جن کے اس غلبے سے کافروں کے کلیجے دہل گئے اور کفار قریش کے بدن کانپنے لگے اور بڑے بڑے سلاطین میں ان کے ایمان اور شوکت کا شہرہ ہو گیا تو پھر اگر ایسی محنتوں اور کوششوں اور ایمان اور اخلاص کے صلے میں خدا نے جو نکتہ نواز اور جو اپنے رحم و کرم سے ایک عمل کے بدلے میں ستر اور سات سو حصہ زیادہ ثواب دیتا ہے اور جو صرف اپنے فضل سے براہ بندہ نوازی صرف زبان و دل سے بغیر کسی عمل کرنے کے توبہ قبول کر لیتا اور بموجب آیہ کریمہ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ کے گناہوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے ان پاک لوگوں سے وعدہ مغفرت کا کر لیا اور ان کی شان میں اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم فرما دیا تو کیا مقام تعجب ہے اور حیرت کا ہے کیا اے حضرات امامیہ تم خدا کو رحیم نہیں جانتے کیا تم اللہ جل شانہ کو نکتہ نواز نہیں سمجھتے کیا وہ اپنے بندوں پر فضل نہیں کرتا کیا وہ ان کے اعمال سے ہزار حصہ زیادہ ثواب نہیں دیتا تو جب تمام آدمیوں کے ساتھ بلکہ گنہگاروں کے ساتھ بلکہ کافروں کے ساتھ اس کے رحم و کرم کا یہ حال ہو کہ اگر کبیر سن سالہ اور مشرک ہفتاد سالہ جس نے اپنی ساری زندگی بت پرستی اور کفر میں ضائع کر دی ہو ایک دفعہ صدق دل سے کلمہ شہادت پڑھ لے اور توحید و نبوت کا مقر ہو جاوے تو خدا اس کے ایک لمحہ کے ایمان پر اس کے سو برس کے کفر اور شرک کو بخش دیتا ہے تو پیغمبر خدا کے یاروں اور رسول مقبول کے اور پر جان نثاروں کے حق میں بغیر دیکھے ان کے ایمان اور اخلاص اور ہجرت اور جہاد و نصرت کے وعدہ مغفرت کا کیا تو تم کیا بعید از قیاس سمجھتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ اکثر اعمال بوجوہ خاص زیادہ عزت اور عمدہ صلہ کے مستحق ہو جاتے ہیں مثلاً دنیا کے حال پر خیال کرو کہ اگر کوئی سپاہی کسی جمعدار کے ساتھ کسی چھوٹی لڑائی پر جاوے اور فتح کر لے تو اس کی کیا عزت ہوگی اور وہی سپاہی خاص بادشاہ کے ساتھ کسی بھاری لڑائی میں جاوے اور فتح ہو وے تو اس کی کیا عزت ہوگی اور اس کو جمعدار کے ساتھ لڑنے میں کیا انعام ملے گا اور

ل پارہ ۱۹ سورۂ فرقان رکوع ۶ ترجمہ بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں ۱۲ موضح القرآن۔

بادشاہ کے ... اتحد ہو کر لڑنے اور فتح ہونے پر کیا تمغہ ملے گا اگر تم دونوں میں کچھ فرق نہیں کرتے اور دونوں حالتوں کو برابر سمجھتے ہو تو حقیقت میں تم لائق خطاب نہیں ہو اور اگر دونوں کے رتبوں میں تمیز کرتے ہو تو پھر اس دعوے کو خدائی تمغہ جو صلہ میں ایسی بڑی بھاری لڑائی کے جو سید الانبیاء و سند الاصفیا محبوب کبریا شاہ ہر دو سرا کی معیت میں ہو کیوں نہیں سمجھتے دیکھو حدیث شریف میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اگر گنہگار ایسے دوزخ میں تڑپ رہے ہوں گے جو کہ گناہوں کی کثرت اور شدت سے انبیاء تو بھی بلکہ سید الانبیاء بھی شفاعت نہ کریں گے تو خدا ان کے حال پر خود رحم کرے گا اور ان کو دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیج دے گا اور ان کی نور کی گردنوں میں نور کی تختی پر نور سے لکھ دے گا کہ ہذا عتقاء الرحمن من النیران کہ یہ آزاد کیے ہوئے ہیں خدا کے دوزخ سے جن کا نہ کوئی شفیع تھا اور نہ جن کا کوئی سفارشی پس اگر خدا انسان لوگوں کو جو کہ خاص اس کے بندے تھے اور جنہوں نے اپنے قصور کو ظاہر بھی کر دیا اور ان کے نیک کاموں کا نتیجہ بھی ظاہر ہو گیا اپنے فضل سے دنیا میں نور کا تمغہ کہ اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم دے دیا تو سوائے کفار اور فاسقین کے کون اس پر تعجب کر سکتا ہے اور کس کو خدا کی ذات سے اس بخشش پر تعجب ہو سکتا ہے ذرا ان روایتوں کو چند صفحے لوٹ کر دیکھو کہ پیغمبر خدا نے جب آمادگی جہاد پر ظاہر کی اور مہاجرین و انصار سے پوچھا تو انہوں نے کیا جواب دیا اور پھر ان میں بھی سب سے اول کون بولا سوائے ابو بکر صدیق کے اور کون پہلے اٹھا اور کس نے پیغمبر خدا کے قدم چوم کر یہ کہا کہ یا حضرت ہم تو اول ہی جان و مال اپنا آپ پر قربان کر چکے اور اپنے گھر بار کو آپ پر لٹا چکے بھائی بندوں کو چھوڑا یار دوستوں کو چھوڑا اب ایک جان باقی ہے وہ بھی آپ پر نثار ہے اور ایک جان کیا ہزار جانیں ایسی آپ پر قربان ہیں یا رسول اللہ

قطعہ

می خواہم از خدا بدعا صد ہزار جان   تا صد ہزار بار بمیرم برائے تو
می کنیم کہ بہر تو جان را فدا کنم   ای صد ہزار جان مقدس فدائے تو

حضرت ابو بکر صدیق کہنے نہ پائے تھے کہ حضرت عمر اور سعد ابن معاذ اٹھے انہوں نے بھی اپنی جاں نثاری کا شوق ایسا ہی بیان کیا دیکھو تمہارے ہی مذہب کا مورخ ان اصحاب کبار کے ولولے اور شوق اور عشق و آمادگی کو کن لفظوں سے لکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے

کہ جب پیغمبر خدا نے سوال کیا تب۔ **اشعار**

بپا گشت ابوبکر از جا می خاست | وزاں پس عمر نیز مو کرد راست
بگفتند یا سید المرسلین | قدم پیش بگذار و ما را بہ بین
کہ یاد شمن دین چہا مے کنیم | چہ ساں در رہ پیشہ جان فدا می کنیم
بود مایہ تن جان و در کف توان | بیاریم شمشیر بہ دشمناں
ز جا خاست ایں بار سعد معاذ | چنیں گفت از روی صدق و نیاز
کہ با جان و دل با ہمیں عہد ہست | بدست تو روزیکہ دادیم دست

سر و مال و فرزند و خویش و تبار
ہماں روز کردیم بر تو نثار

پس جب ان اہل بدر کے شوق اور محبت اور ایمان اور اخلاص کا یہ حال ہو تو تم صرف ایک اعملوا ما شئتم پر تعجب کرتے ہو اور ان وعدوں کو جو خدا نے ان کے واسطے جا بجا قرآن مجید میں کئے ہیں کچھ خیال نہیں کرتے اس سے تو صرف مغفرت ثابت ہوتی ہے ذرا قرآن مجید کھول کر دیکھو کہ مہاجرین و انصار کی شان میں خدا نے کیا کیا فرمایا ہے دیکھو (رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ) ان کی شان میں فرمایا ہے یا نہیں اعد لہم[1] جنت تجری تحتہا الانہار ان کے حق میں کہا ہے یا نہیں ذلک[2] الفوز العظیم ۝ ان کی نسبت قرآن میں آیا ہے یا نہیں بس جو جو وعدے خدا نے ان سے کئے ہیں اس سے تو سارا قرآن بھرا ہوا ہے تم ایک ہی وعدے پہ تعجب کرتے ہو اور اُن کی ساری خوبیوں سے چشم پوشی کر کے ان کے معائب تلاش کرتے ہو اے یارو ذرا انصاف کرو اور خدا کے لئے اپنے یہاں کی حدیث اور سیر کی کتابوں کو دیکھو کہ شیعیان کوفی نے حضرت علی کے ساتھ کیا کیا اور اُن کی کیسی قدر کی اور کوفہ کے فضائل میں تمہارے یہاں کے محدثین کیا لکھتے ہیں وہی شیعیان کوفی تھے جنہوں نے امام حسن کا ساتھ نہ دیا جنہوں نے ان کے قدموں سے مصلے تک نکال لیا وہی کوفی تھے جنہوں نے اول حضرت مسلم کے ساتھ بیعت کی اور پھر وقت پر سب کے سب چنپت ہو گئے

---

[1] پارہ ۱۱۔ سورہ توبہ رکوع ۱۳ ترجمہ اللہ راضی ان سے اور وہ راضی اس سے ۱۲ موضح القرآن

[2] پارہ ۱۱۔ سورہ توبہ رکوع ۱۳ ترجمہ رکھے ہیں واسطے ان کے باغ نیچے بہتی نہریں ۱۲ موضح القرآن

[3] پارہ ۱۱۔ سورہ توبہ رکوع ۱۳ ترجمہ یہی ہے بڑی مراد ملنی ۱۲ موضح القرآن۔

اور آخر بیچارے مسلم تنہا مع دو معصوم بچوں کے شہید ہو گئے وہی کوفی تھے جنہوں نے امام حسینؑ کو بلایا اور بڑے شوق و ذوق کے خط لکھے چنانچہ بارہ ہزار خط شیعوں نے امام کو بھیجے اور ہر ایک کے سرنامہ پر یہی تھا کہ یہ خط علی اور تمہارے شیعوں کی طرف سے ہے اور پھر ان خطوں میں کیسا اپنا شوق بیان کیا کہ کچھ بیان نہیں ہو سکتا یس عجب اس تمنا سے بلاویں اور نہایت ہی اپنی آرزو ظاہر کریں کہ یا ابن رسول اللہ آپ جلد تشریف لائیے اور اور اس خط کو رونق دیجئے زمین کوفہ کی ہمہ تن چشم انتظار ہو رہی ہے در و دیوار سے آواز خیر مقدم کی آرہی ہے ہر شخص کی زبان پر لبیک لبیک کی صدا ہے ہر آدمی جمال باکمال کے انتظار میں محو ہو رہا ہے ذرا جلد تشریف لائیے ہم سب جان نثاری کو حاضر ہیں پھر دیکھئے ہم کیا کرتے ہیں۔ اشعار

سپاہی چو آشفتہ پیلان مست — ہمہ نیزہ دگر زو خنجر بدست

زنو رایت فتح افراختن — زما لشکر بے کران ساختن

بتیغ یابتیغ آہنگ خون آورند — زسنگ آب و آتش برون آورند

بتو تیر از کمان در کمین آورند — سر آسمان بر زمین آورند،

اور جب حضرت امام جاویں تو ایک بھی ساتھ نہ دے اور غدر و فریب کر کے یکہ و تنہا امام کو شہید اور تین دن کا بھوکا پیاسا قتل کریں جس کے حال پر آسمان و زمین کو قیامت تک رقت ہے اور باوجود اس کے کوفہ کی وہ عزت بیان کی جاوے کہ مکے و مدینے کو بھی وہ عزت نہیں ہے چنانچہ ملا باقر مجلسی تحفۃ الزائر میں لکھتے ہیں کہ ؎ "در حدیث معتبر دیگر از حضرت امام جعفر صادق منقول ست کہ حق تعالیٰ عرض کرد ولایت ما را بر اہل ہر شہر پس قبول نہ کردند مگر اہل کوفہ" انتہی بلفظہ کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ خدا نے ہماری دوستی کو سارے شہروں پر عرض کیا مگر کسی شہر کے رہنے والوں نے ہماری محبت کو قبول نہ کیا سوائے کوفہ کے رہنے والوں کے اس سے صاف ثابت ہوا ہے کہ جو رتبہ خدا نے کوفہ کو دیا ہے اور اس کے رہنے والوں کو وہ نہ مکے کو ہے نہ مدینے کو بلکہ ایک حدیث میں امام زین العابدین کی طرف سے ملا باقر مجلسی نے صاف لکھ دیا ہے کہ امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ ؎ "بقدر

؎ ایک دوسری معتبر حدیث امام جعفر صادق کی زبانی یہ ہے کہ تمام شہروں پر اللہ نے ہم سے دوستی کرنے کو کہا مگر اسے صرف کوفیوں نے ۔۔۔

؎ کیا مکہ مدینہ پر گھر رکھنے کی بہ نسبت کوفہ میں صرف ایک پاؤں رکھنے کی جگہ میرے نزدیک زیادہ اچھی ہے۔

سماءی پادر کوفہ نزد من بہتر ست از خانہ کہ، رشتہ دانستہ باشم) کہ ایک قدم رکھنے کی جگہ کوفے کی میرے نزدیک اس گھر سے بہتر ہے جو مدینے میں ہو اور یہ کوئی شبہہ نہ کرے کہ کوفے کے رہنے والے شیعہ نہ تھے اس لئے کہ یہ مقتضاءی الحدیث بعضا یفسر بعضا خود ملا باقر مجلسی مجالس المومنین میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں ذرا اس کو سنیئے عبداللہ بن ولید سے روایت ہے کہ (گفت[1] در زمان بنی مرواں بخدمت امام جعفر صادق علیہ السلام رفتم آنحضرت از من و رفیقان من پرسیدند کہ شما چہ کسانید گفتم از اہل کوفہ ایم آں حضرت فرمودند ہیچ یک از بلاد انقدر دوست نداریم کہ در کوفہ بعد ازاں فرمودند کہ انتہا العصابہ ان اللہ ہداکم لامر جہلہ الناس وتحبونا وابغضنا الناس وبایعتمونا وخالفنا الناس دواقفمونا وکذبنا الناس وصدقتمونا فاحیاکم اللہ محیانا وامایکم مماتنا) اور اس حدیث کو کہیں کہیں ملا باقر مجلسی لکھتے ہیں کہ بالجملہ تشیع اہل کوفہ حاجت بہ اقامت دلیل ندارد اس محدیث کا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ ابن ولید روایت کرتا ہے کہ میں ایک روز مروانیوں کی سلطنت کے زمانہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا امام نے پوچھا کہ تم کہاں رہتے ہو میں نے جواب دیا کہ کوفہ میں حضرت نے فرمایا کہ کسی شہر میں ہمارے اتنے دوست نہیں ہیں جتنے کہ کوفہ میں اور پھر فرمایا کہ خدا نے تم کوفیوں کو اس بات کی ہدایت کی ہے جس سے اور سارے لوگ جاہل رہے تم کوفیوں نے ہم سے محبت کی اور سب نے ہمارے ساتھ دشمنی رکھی تم کوفیوں نے ہماری بیعت کی اور سب نے مخالفت تم کوفیوں نے ہمارا ساتھ دیا اور سب نے ہم کو جھٹلایا تم کوفیوں نے ہماری تصدیق کی ہے خدا تم کو ہماری زندگی پر جیتا رکھے اور ہماری سی موت پر تمہاری بھی موت ہو۔ پس اے مومنین اب دبیر اور انیس کے مرثیے جلاؤ اور کتاب خوانی موقوف کرو اس لئے کہ جن کوفیوں کی تم شکایت کرتے ہو اور جنہوں نے امام حسین کو شہید کیا وہ خاص اس کوفے کے تھے جہاں کے رہنے والے امام کی جان و جگر

---

[1] مروانیوں کے دور میں ایک مرتبہ میں امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے میری اور میرے دوستوں کی بابت دریافت کیا کہ تم کہاں کے ہو۔ میں نے عرض کی ہم کوفی ہیں۔ فرمایا تمام شہروں کی بہ نسبت ہم کوفہ کو زیادہ دوست رکھتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے لوگو اللہ نے تم کو اس کام کی ہدایت کی جسے اور لوگوں نے بھلا دیا تم نے ہمیں دوست رکھا اور دوسروں نے ہم سے بغض رکھا تم نے ہماری بیعت کی دوسروں نے مخالفت کی تم نے ہماری موافقت کی اور دوسروں نے ہمیں جھٹلایا تم نے تصدیق کی اللہ تمہیں ہماری سی زندگی و موت دے۔

تھے اور جس کا رتبہ مکے مدینے سے بھی زیادہ امام کے نزدیک تھا اور جس کے رہنے والوں کی موت اور زندگی امام کی سی تھی پس وہ کوفہ جس کو ایسی عزت ہو اور وہ کوفی جن کی یہ قدر و منزلت ہو مذمت کے لائق نہیں ہیں ان کی شان میں قصیدے مدح کے کہو اور ان پر رحمت بھیجو اس لئے کہ کوفہ معیار تشیع ہے کوفی ہونا دلیل شیعہ ہونے کی ہے چنانچہ ملا باقر مجلسی تمہاری مجالس المومنین میں فرماتے ہیں[1] کوفی بودن شخصی دلیل تشیع است اگرچہ ابو حنیفہ کوفی باشد پس اے حضرات شیعہ جن کوفیوں کے حالات آج کل تمہارے چھوٹے چھوٹے بچے بھی جانتے ہیں اور جاہل لڑکے بھی ان کے حق میں الکوفی لا یوفی پڑھتے ہیں اور جن کے حالات مکر و غدر اور بیوفائی کے محرم میں علی رؤس الانابر تمہارے چھوٹے بڑے سب بیان کرتے ہیں اور جن کا امام کو تشنہ کام شہید کرنا ہر آدمی پر ظاہر ہے اور مضمون اس شعر کا کہ شعر

از آب ہم مضائقہ کردند کوفیاں
خوش داشتند حرمت مہمان کربلا

سب پر روشن ہے ان کی شان میں ائمہ کرام کی ایسی ایسی تعریفیں تمہارے محدثین نقل کریں اور اس کو امام کی طرف نسبت دیں اور امام کی زبان سے ان کے حق میں یہ کلمہ کہ تم کو خدا ہماری سی زندگی اور ہماری سی موت دے نقل کریں اور کوفہ کی ایک مشت خاک کو مدینہ منورہ کی زمین سے بھی زیادہ امام کے نزدیک محبوب ہونا بیان کریں اور کوفیوں کو محبوب اور دوست ائمہ کا کہیں اور بسبب دوستی ائمہ کے ان کو جنتی اور بہشتی جانیں اور پھر ان لغویات اور بدیانات کو سن کر تمہارے ایمان کی رگ کو ذرا بھی جنبش نہ ہو اور تمہارے پاک دلوں کو کچھ بھی وسوسہ پیدا نہ ہو بلکہ ان کوفیوں کی حرکتوں کی ہر سال خود نقلیں کر کے ما ہذہ[2] التماثیل التی انتم لہا عاکفون ۰ کا مضمون ادا کرو اور ان قصص و حکایات اباطیل کو بیان کر کے کبھی تشیع سے نفرت نہ کرو اور اپنے مجتہدین اور محدثین کی نسبت ان روایات کاذبہ اور اقوال مہملہ کے نقل کرنے پر کچھ غیرت ایمانی کا جوش نہ دکھلاؤ بلکہ سب کو غلط ہو یا صحیح جھوٹ ہو یا سچ آمنا و صدقنا کہہ کر تصدیق کرو اور جب رسول کے یاروں اور پیغمبر کے حواریوں کا نام آوے اور بدریوں کی نسبت وعدہ مغفرت کا کسی بیچارے سنی کی زبان سے سنو تو بس سنتے ہی سارے بدن کا خون جوش کرنے لگے اور تمام جسم تعصب کی آگ سے

---

[1] کسی کا کوفی ہونا ہی اس کے شیعہ ہونے کا ثبوت ہے اگرچہ ابو حنیفہ ہی کوفی ہوں۔

[2] پارہ ۱۷ سورہ انبیاء رکوع ۵ ترجمہ یہ کیا مورتیں ہیں جن پر تم لگے بیٹھے ہو ۱۲ منہ۔

پھکنے لگے تشیع کا وہ جوش ہو کہ رگ رگ مارے غصے کے پھول جاوے عداوت کا وہ غلیان ہو کہ سودا صفرا سب ایک ہو جاوے اس وقت سارے وسوسے شیطانی دل میں پیدا ہو جاویں لفظ لفظ پر گرفت بات بات پر شبہہ کرنے لگو سبحان اللہ اپنے کوفیوں کے برابر بھی بدریوں کا رتبہ نہیں سمجھتے اور ان کے حق میں جن باتوں اور جن قولوں کو صادق سمجھتے تھے ان کو پیغمبر کے یاروں کے حق میں غیر صادق کہتے ہو یہ کون ایمان ہے کہ نام تو لو رسول کا اور کلمہ پڑھو عبداللہ بن سبا کا ایمان تو تم کو نصیب ہو بطفیل خلفا کے جہاد کے اور شکر ادا کرو اس یہودی ملعون کا اور پھر پاک صاف بن کر سنیوں کے سامنے ہو کر مباحثہ کا قصد کرو اور خدا کی آیتوں اور رسول کی حدیثوں اور ائمہ کے قولوں کو چند مفتری مکاروں کے مقابلے میں جھٹلاؤ سچا ہو یہ کیا دین اور ایمان ہے یا تو مسلمانی کو چھوڑو پاک صاف یہودی بن جاؤ یا اگر مسلمان ہو تو مسلمانوں کے سے عقیدے رکھو اس خرافات واہیات مذہب پر تبرا کی بنا سراسر جھوٹ اور فریب پر ہے تبرا بھیجو اس کے بانیوں پر لعنت کرو ورنہ ایسے دو لفظ ہیں چھوٹا جھوٹا کاذب چھوٹے جھوٹے منہ سے ایسا بڑا دعویٰ ایمان کا اچھا نہیں معلوم دیتا مسلمان ہو اور پیغمبر رسول خدا کے؟ سنت کو یا سمجھنا عجب ایمان ہے کہ جو لفظ ہی لفظ ہے جس کے معنی نہیں اور پوست ہی پوست ہے ۔۔۔ مغز نہیں سچ کہا ہے جس نے کہا ہے۔ **شعر**

وجد و منع بادہ اے زاہد چہ کافر نعمتی است
دشمنی می بودن و ہم رنگ مستان زیستن

غرضکہ جو فضیلت خدا نے اہل بدر کو دی اور جس کا ثبوت قرآن مجید سے ہوتا ہے اور جس کا اقرار مفسرین شیعہ بھی کرتے ہیں اور جن کے اعمال بھی اس پر دلالت کرتے ہیں وہ کسی قدر ہم لکھ چکے اب بمقابل اس کے ایک قول مجتہد صاحب ثانی کا جو مقالہ ثالثہ میں اپنی کتاب کے لکھا ہے اور جس کا جواب ازالۃ الغین ہے نقل کرتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ حضرات شیعہ کے نزدیک ان کا درجہ کیسا ہے مجتہد صاحب فرماتے ہیں کہ (دعویٰ نفاق ایشاں و غدر اہل بدر و رضوان علی مدعانی ماست ماہم [۱] یخدعون اللہ والذین آمنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون ۰ سبحان اللہ کیا دین و ایمان ہے اگر کوئی تو اہل وفا ہوں اور اصحاب بدر اہل غدر ہوں خدا اس قوم سے سمجھے اور ان کے کفریات

---

[۱] پارہ ۱ سورہ بقرہ رکوع ۲ ترجمہ ۔ دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور کسی کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے کو اور نہیں بوجھتے ۱۲

کابدلہ دے سکو اور اذکرمن منعواتھم۔ مجتہد صاحب قبلہ ذوالفقار میں آیات فضیلت صحابہ کے معارضے میں ایک اور آیت لکھتے ہیں یعنی[1] اذا رایتھم تعجبک اجسامھم و ان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ یحسبون کل صیحۃ علیھم ھم العدو فاحذرھم قاتلھم اللہ انی یؤفکون ۰ مگر اس میں بھی مجتہد صاحب نے مغالطہ دیا اور تحریف کو کام فرمایا اور اخیر کی آیتوں کو چھوڑ کر بیچ میں سے ایک دو آیتیں لکھدیں اب میں ان کو لکھ کر اس کی تفسیر بیان کرتا ہوں۔ واضح ہو کہ یہ آیت جو مجتہد صاحب نے معارضہ میں فضیلت کے پیش کی ہے یہ سورۃ منافقون کی ہے جو کہ منافقین کی شان میں خدا نے نازل کی ہے اور شروع اس کا یہ ہے[2] اذا جاءک المنافقون قالوا نشھد انک لرسول اللہ ۘ واللہ یعلم انک لرسولہ ۘ واللہ یشھد ان المنافقین لکذبون ۰ اتخذوا ایمانھم جنۃ فصدوا عن سبیل اللہ ۘ انھم ساء ما کانوا یعملون ۰ ذلک بانھم امنوا ثم کفروا فطبع علی قلوبھم فھم لا یفقھون ۰ واذا رایتھم تعجبک اجسامھم وان یقولوا تسمع لقولھم کانھم خشب مسندۃ یحسبون کل صیحۃ علیھم ھم العدو فاحذرھم قاتلھم اللہ انی یؤفکون ۰ واذا قیل لھم تعالوا یستغفر لکم رسول اللہ لووا رءوسھم ورایتھم یصدون وھم

---

[1] پارہ ۲۸ سورہ منافقون رکوع ۱۔ ترجمہ جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیسے ہیں جیسے لکڑی لگادی دیوار سے جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ گردن مارے ان کو اللہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں۔ ۱۲ موضح القرآن [2] پارہ ۲۸ سورت منافقون رکوع ۱۔ ترجمہ۔ جب آویں تیرے پاس منافق کہیں ہم قائل ہیں تو رسول ہے اللہ کا اور اللہ جانتا ہے کہ تو رسول ہے اس کا اور اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں رکھی ہیں اپنی قسمیں ڈھال بنا کر پھر روکتے ہیں اللہ کی راہ سے یہ لوگ برے کام ہیں جو کر رہے ہیں یہ اس پر کہ وہ ایمان لائے پھر منکر ہو گئے پھر مہر ہو گئی ان کے دل پر اب وہ نہیں بوجھتے اور جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیسے ہیں جیسے لکڑی لگادی دیوار سے جو کوئی چیخے جانیں ہم ہی پر بلا آئی وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ گردن مارے ان کو اللہ کہاں سے پھیرے جاتے ہیں اور جب کہئے ان کو آؤ معاف کرواوے تم کو رسول اللہ کا مٹکاتے ہیں سر اور تو دیکھے رکتے ہیں اور وہ غرور کرتے ہیں اور برابر ہے ان پر تو معافی چاہے انکی یا نہ چاہے ہرگز نہ معاف کریگا ان کو اللہ اللہ راہ نہیں دیتا بے حکم لوگوں کو وہی ہیں جو کہتے ہیں مت خرچ کرو ان پر جو پاس رہتے ہیں رسول اللہ کے جب تک کہ متفرق ہو جاویں اور اللہ کے ہیں خزانے آسمانوں کے اور زمین کے لیکن منافق نہیں بوجھتے کہتے ہیں البتہ اگر ہم پھر گئے مدینہ کو تو نکال دے گا جس کا زور ہے وہاں سے بے قدر لوگوں کو اور زور اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا لیکن منافق نہیں سمجھتے ۱۲ موضح القرآن

مستکبرون ہ سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لھم لن یغفر اللہ لھم ان اللہ لایھدی القوم الفٰسقین ہ ھم الذین یقولون لاتنفقوا علیٰ من عند رسول اللہ حتیٰ ینفضوا و للہ خزائن السمٰوٰت والارض ولکن المنٰفقین لایفقھون ہ یقولون لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل و للہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین ولکن المنٰفقین لایعلمون ہ

ساری ان آیتوں کی نقل ہی کر دینے پر جواب مجتہد صاحب کا ہو گیا اور جو مغالطہ اور دھوکا حضرت نے دیا تھا وہ کھل گیا اور معلوم ہوا کہ یہ آیتیں منافقوں کی نسبت ہیں مگر حضرات شیعہ سے کب امید ہے کہ وہ صرف الفاظ قرآن مجید اور اس کے معنی پر قناعت کریں ضرور ہے کہ وہ اس پر بھی ساکت نہ ہوں گے اس لئے ہم انہیں کی تفسیر سے شان نزول اسکے بیان کرتے ہیں۔ واضح ہو کہ تفسیر علی بن ابراہیم قمی میں جو کہ استاد ابو جعفر کلینی کے تھے سورۂ منافقون کے نزول کا سبب اس طور پر لکھا ہے کہ ۵ ہجری میں جبکہ غزوۂ بنی المصطلق پر پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے گئے جب وہاں سے لوٹے تو راہ میں ایک کنویں پر حضرت عمر بن خطاب کے اجورہ دار تھے جسکا نام جھجاہ تھا انس بن سیار کو جو کہ انصار کا منہ بولا بھائی تھا مارا عبد اللہ بن ابی کو جو کہ مدینہ کا رہنے والا تھا یہ خبر ہوئی اس کو ناگوار ہوا اور اپنے لوگوں یعنی مدینہ والوں سے کہا کہ اسی لئے میں قریشیوں کا آنا نہیں چاہتا تھا یہ سب تمہارے کام ہیں کہ تم نے ان کے رہنے والوں کو اپنے گھروں میں اتارا اور اپنے مالوں کو ان پر خرچ کیا اور اپنی جانوں کو ان کے پیچھے تلف کیا اور اپنی جوروں کو بیوہ اپنے بچوں کو یتیم ان کی خاطر سے کیا تب یہ ذلت ہوئی اگر تم ان کو نکال دیتے تو وہ دوسروں کے اوپر جا پڑتے اور یہ کہہ کر یہ کہا کہ لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل اس قوم میں ایک لڑکا موجود تھا جس کا نام تھا زید بن ارقم اس نے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خبر کہہ دی حضرت کو اس بات کے سننے سے بڑا رنج ہوا اور انہوں نے کوچ کی تیاری کی کہ سعد بن عبادہ دوڑے آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ یہ تو وقت آپ کے کوچ کرنے کا نہیں ہے آنحضرت نے فرمایا کہ تم نے اپنے صاحب کی باتیں سنیں انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ ہمارا صاحب تو سوائے آپ کے دوسرا کوئی نہیں ہے تب حضرت نے فرمایا کہ عبد اللہ بن ابی گمان کرتا ہے کہ اگر مدینہ کو لوٹے

سے اس حوالہ و ترجمہ صفحہ ۲۹۵ میں دیکھو حاشیہ

تو عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے تب سعد بن عبادہ نے جواب دیا کہ یا حضرت آپ اور
کے اصحاب عزت والے ہیں اور عبداللہ بن ابی اور اس کے اصحاب اہل ذلت ہیں غرضکہ یہ
سن کر خزرج جو ایک قبیلہ مدینہ والوں کا ہے عبداللہ بن ابی پر لعنت ملامت کرنے لگے اس نے
حلف کیا کہ میں نے تو کچھ نہیں کہا تو لوگوں نے کہا کہ اچھا چل کر پیغمبر صاحب کے سامنے عذر
کر اس نے اپنی گردن جھکالی تب دوسرے دن صبح کو وہ پیغمبر صاحب کے سامنے آیا حلف
کیا کہ زید نے میرے اوپر جھوٹی تہمت کی تھی پھر لوگ زید پر ملامت کرنے لگے آخر خدا نے یہ
سورۃ منافقون نازل کی اور پیغمبر خدا نے وہ سورۃ اصحاب کو جمع کر کے سنائی فقط۔

غرضکہ یہ قول ایک بڑے مفسر سے ثابت ہوا کہ یہ سورۃ شان میں عبداللہ بن ابی بن
سلول منافق کے نازل ہوئی اور جناب قبلہ وکعبہ نے نہ معنی سمجھے نہ شان نزول پر خیال فرمایا نہ
اپنی تفسیروں کو دیکھا نادیدہ و دانستہ کچھ آیتیں اوپر کی اڑا دیں اور کچھ نیچے کی بیچ میں کی دو
آیتیں لکھ کر اصحاب کی فضیلت کے معارضے میں پیش کیں اگر ایسا ہی معارضہ کرنا تھا تو جو
آیتیں قرآن مجید میں بنی اسرائیل اور فرعون اور نمرود و شداد کی شان میں ہیں ان سب کو آیات
فضیلت صحابہ کے معارضہ میں لکھ دیتے تاکہ کتاب کا حجم بھی بڑھ جاتا اور حضرت کی قرآن
دانی کا بھی لوگ اقرار کرنے لگتے غرضکہ جناب قبلہ وکعبہ ان آیات کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ[1] (و امثال
این دیگر آیات ست پس اہل سنت کہ در جمع بین الآیات گفتہ میشود کہ مورد آیات مناقب غیر مورد
آیات ذم است پس بعضی صحابۂ آنحضرت عموماً ممدوح باشند و بعضی مذموم و ایں عین مطلوب
شیعیان است)[2] پس یہ وہم جناب قبلہ وکعبہ کو قرآن مجید کی آیات کے معنے نہ سمجھنے سے پیدا
ہوا ہے اس وہم کا علاج تفسیر اور شان نزول کا مطالعہ تھا اگر حضرت شان نزول دیکھتے،
اور اپنی ہی تفسیروں کو ملاحظہ فرماتے اور اگلی پچھلی آیتوں کو ملا کر غور کرتے تو حضرت یہ ضابطہ
اور کلیہ جمع بین الآیات کا ارشاد نہ فرماتے اس لئے کہ جو آیتیں کافروں اور منافقوں کی شان میں
ہیں ان سے مہاجرین و انصار و اصحاب نبوی کو کچھ تعلق ہی نہیں ہے۔ اور یہ آیتیں جس میں

---

[1] مندرجہ بالا آیات کی مانند اور بھی آیات ہیں اور ضروری ہے کہ جمع آیات کے بارے میں وضاحت کی جائے کہ آیات
مناقب اور آیات مذمت جن کے بارے میں نازل ہوئیں یہ لوگ الگ الگ ہیں۔ یعنی رسول اللہ ؐ کے بعض صحابہ
قابل تعریف اور بعض قابل مذمت ہیں اور شیعوں کا کہنا بھی یہی ہے [2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین
لدھیانہ ۱۲۸۳ھ صفحہ ۶۴ سطر ۱۲-۱۲ منہ۔

کفر و نفاق اور دین میں سستی وغیرہ کا ذکر ہے وہ شان میں منافقوں کی ہیں جو صحابِ نبوی میں داخل نہیں ہیں اصحاب نبوی اور منافقوں میں نسبت تناقض کی ہے نہ توافق کی اس لئے ان آیتوں کا جو کہ اصحاب کی فضیلت میں ہیں ان آیتوں سے ملانا جو کہ منافقین کی مذمت میں ہیں در حقیقت جمع بین الآیات نہیں ہے بلکہ حضور جمع بین النقیضین ہے جو کہ ہمارے نزدیک ممتنع اور آپ کے نزدیک ممکن ہے پس اپنے لئے آپ گھر بیٹھے ایسی آیتوں کو جمع کیا کیجئے اور اپنے دل میں قاعدے بنایا کیجئے اور انہیں موضوع اور غلط اصول پر کسی کو خارج کسی کو داخل کیجئے یہاں تو خدا کی ہدایت و ضلالت نے ہم کو اس جمع سے فارغ کر دیا جن کو چاہا مہاجرین و انصار میں داخل کیا جن کو چاہا منافقین میں شامل کیا۔

پانچویں دلیل صحابہ کے منافق نہ ہونے کی

جو شخص قرآن مجید پر ایمان رکھتا ہوگا وہ مہاجرین و انصار کی نسبت منافق کی لفظ کو ہرگز اطلاق نہ کرے گا اس لئے کہ قرآن مجید میں بہت سی آیتیں ہیں جس میں صاف یہ حکم ہے کہ منافقوں سے نہ تو ان سے راضی نہ ہوا اور ان کو اپنے ساتھ جہاد میں نہ رکھو ان کا کچھ عذر نہ سنو پس اگر مہاجرین و انصار خصوصاً خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم منافق ہوتے تو کیوں پیغمبر صاحب ان کو ذلیل نہ کرتے اور کیوں ان کو اپنی صحبت میں رکھتے اور کیوں ان سے صلاح و مشورہ لیتے اور کیوں ان کو اپنے ساتھ جہاد میں رکھتے چنانچہ ہم دعویٰ ہم نے کیا ہے اس کے ثبوت میں وہ تین آیتوں کو لکھتا ہوں۔

پہلی آیت۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیھم قل لا تعتذروا لن نؤمن لکم قد نبأنا اللہ من اخبارکم وسیرے اللہ عملکم ورسولہ ثم تردون الی عالم الغیب والشھادۃ فینبئکم بما کنتم تعملون ۝ سیحلفون باللہ لکم اذا انقلبتم الیھم لتعرضوا عنھم فاعرضوا عنھم انھم رجس وماوٰھم جھنم جزاءً بما کانوا یکسبون یحلفون لکم لترضوا عنھم فان ترضوا عنھم فان اللہ لا یرضیٰ عن القوم الفاسقین ؕ

ف پارہ ۱۱۔ سورہ توبہ رکوع ۲۔ ترجمہ بہانے لاویں گے تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تو کہہ بہانے مت بناؤ ہم نہ مانیں گے تمہاری بات ہم کو بتا چکا ہے اللہ تمہارے احوال اور ابھی دیکھے گا اللہ تمہارے کام اور اس کا رسول پھر جاؤ گے طرف اس جاننے والے چھپے اور کھلے کے سو وہ بتا دیگا تم کو جو کر رہے تھے اور قسمیں کھائیں گے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

ان آیتوں سے چند باتیں ثابت ہوئیں اول عذر کرنا منافقوں کا اور اس پر یقین نہ کرنا پیغمبر صاحب کا۔ دوسری آگاہ ہونا پیغمبر خدا کا ان کے حال سے۔ تیسری جلد سزا پانا ان کا اپنے اعمال کے بدلے۔ چوتھی پیغمبر صاحب کو ان سے روگردانی کرنے کا حکم ہونا اور ان سے ملنے کی ممانعت۔ پانچویں کتنا ہی وہ حلف دیں کہ راضی ہو اُن سے راضی ہونے کی امتناع چھٹی ان کا ذلت چاہنا مسلمانوں کا اور ہمیشہ اسی فکر میں رہنا اور پھر خود ہی ان کا ذلیل ہونا۔ اب ان باتوں میں سے صرف ایک ہی بات کو مہاجرین و انصار خصوصاً خلفائے ثلٰثہ سے مطابق کر دیجئے یا پیغمبر صاحب کو باوجود ایسے احکام الٰہی کے اور نفاق خلفاء ثلثہ کے ان سے روگردانی نہ کرنے پر پیغمبر صاحب کی شان میں جو چاہیے سو کہیے ہماری زبان سے تو کچھ بے ادبی کا کلمہ نہیں نکلتا اور عدول حکمی یا تقیہ کا ایسے پاک صاف کی نسبت اطلاق نہیں ہوسکتا۔

دوسری آیت[1] یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین کہ اے پیغمبر جہاد کر کافروں اور منافقوں پر تو اگر مہاجرین و انصار منافق تھے تو اتنا ارشاد کر دیجئے کہ کب اور کس کے ساتھ پیغمبر خدا نے ان پر جہاد کیا یا باوجود منافق ہونے ان کے پیغمبر صاحب نے خدا کے حکم کی تعمیل نہ کی۔

تیسری آیت[2] فان رجعک اللہ الی طائفۃ منھم فاستاذنوک للخروج فقل لن تخرجوا معی ابداً ولن تقاتلوا معی عدواً۔ اس آیت کے مطالعے کے بعد یہ فرما دیجئے کہ پیغمبر صاحب اپنے ساتھ جہاد پر ان لوگوں کو جنہیں تم منافق کہتے ہو لے گئے یا نہیں اگر تمہیں معلوم نہ ہو تو چند ورق الٹ کر حملہ حیدری کے اشعار جنگ بدر کے دیکھ لو۔

چوتھی آیت[3] یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم

(بقیہ صفحہ ۳۱۷) اللہ کی تمہارے پاس جب پھر کر جاؤ گے ان کی طرف تا ان سے درگزر کرو سو درگزر ان سے وہ لوگ ناپاک ہیں اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے بدلا ان کی کمائی کا قسمیں کھاویں گے تمہارے پاس کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ سو اگر تم راضی ہو گئے ان سے تو اللہ راضی نہیں بے حکم لوگوں سے ۱۲ موضح۔ [1] پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۱۰ ترجمہ اے نبی لڑائی کر کافروں سے اور منافقوں سے ۱۲ موضح القرآن [2] پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۱۱ ترجمہ سو اگر پھیر لے جاوے تجھ کو اللہ کسی فرقہ کی طرف ان میں سے پھر تجھ سے رخصت چاہیں نکلنے کو تو تو کہہ تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ کسی دشمن سے ۱۲ موضح القرآن [3] پارہ ۱۰ سورہ توبہ رکوع ۸ ترجمہ ڈرا کرتے ہیں منافق کہ نازل نہ ہو ان پر کوئی سورت کہ جتا دے ان کو جو ان کے دل میں ہے تو کہہ ٹھٹھے کرتے رہو اللہ کھول کر رہے گا جس چیز کا تم کو ڈر ہے ۱۲ موضح۔

قل استہزؤا ان اللہ مخرج ما تحذرون اس آیت کو پڑھ کر خدا یہ فرما دیجئے کہ پیغمبر خدا نے
ان لوگوں کے نفاق کو جنہیں تم منافق کہتے ہو کبھی ظاہر کیا اور لوگوں پر ان کا نفاق کھول دیا یا نہیں
اور سوائے حذیفہ کے جس سے دروازہ بند کر کے نہایت آہستہ زبان دبا کر نفاق ظاہر کرنے کا حال
آپ لوگ بیان کرتے ہیں کسی مجمع میں بھی ان کے نفاق کا حال حضرت نے ظاہر کیا۔

غرضکہ مثل اس کے اور بہت سی آیتیں ہیں منافقوں کے حال میں جن کا لکھنا ضرور
نہیں ہے پس مسلمان کو اتنا سوچ لینا چاہیے کہ اگر مہاجرین وانصار منافق ہوتے تو پیغمبر
صاحب ان کے نفاق کو کیوں ظاہر نہ کرتے اور کیوں وہ ذلیل نہ ہوتے اور ان کے مارے جانے
اور قتل ہونے اور ذلیل ورسوا ہونے کا جو وعدہ خدا نے کیا تھا وہ کیوں پورا نہ ہوتا بلکہ برخلاف
اس کے اور عزت ان کو ہوتی اور روم وشام اور ایران ومصر پر ان کو غلبہ ہوتا استغفر اللہ عجب
عقیدہ ہے شیعوں کا کہ نہ آیت سے مطابق نہ حدیث سے۔ اب باقی رہے چند اعتراض جو خلفاء
ثلثہ اور مہاجرین اور انصار کی نسبت حضرات شیعہ کرتے ہیں اور اس سے ان کے نفاق پر دلیل
لاتے ہیں۔ معاملہ احد اور حنین کی لڑائی کا۔ پوچھنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے نفاق
کا حال حذیفہ سے شک کرنا حضرت عمر کا صلح حدیبیہ میں ارادہ کرنا قتل پیغمبر خدا کا لیلۃ العقبہ
کو غصب کرنا فدک کا نہ دینا قرطاس کا پیغمبر صاحب کو غصب کرنا خلافت کا علی مرتضیٰ
سے عداوت رکھنا آل رسول سے اور مثل اس کے اور اعتراضات جن کے نام ہر ورق اور
ہر صفحہ میں مجتہد صاحب کے قلم سے ذوالفقار وغیرہ میں نکلے ہیں اور جن کا جواب شافی دینا
ہم کو منظور ہے نہ مثل مجتہد صاحب کے خلط مبحث کرنا اور گول گول بات کہہ کر آگے بڑھ
جانا اسلئے انشاء اللہ تعالیٰ بحث مطاعن صحابہ اور خلافت میں اس میں تفصیل کے ساتھ یہ سب بیان کئے جاویں
گے کہ جس کو دیکھ کر حضرات شیعہ بے اختیار کہنے لگیں گے جاء الحق وزہق الباطل ان الباطل کان زہوقا۔

غرضکہ اس مقام پر میں نے آیات فضیلت صحابہ کو بیان کر کے عام سب شیعوں
کی طرف سے یہ بیان کیا تھا کہ وہ کہتے ہیں کہ جو آیتیں فضیلت میں مہاجرین وانصار کے
ہیں یہ ان لوگوں سے متعلق ہیں جو کہ ایمان دار تھے اور اکثر اصحاب خصوصاً خلفاء ثلثہ
رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان نہ رکھنے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ منکر خدا اور رسول کے تھے کہ ایسے
شخص کو منافق کہتے ہیں چنانچہ جو آیتیں اس کے معارضہ میں مجتہد صاحب نے لکھی ہیں

لہ اس کو [illegible] میں دیکھو ۱۲ منہ

ہیں اس کا جواب ہو گیا اور بخوبی ثابت ہو گیا کہ وہ منافق نہ تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ اصول موضوعہ شیعہ میں سے ایک اصول امامت کے منکر تھے کہ اس وجہ سے وہ کافر تھے اس کا بھی جواب اجمالی دے چکا کہ جب آیتیں نازل ہوئیں اور جس وقت خدائے جل شانہ نے ان کی تعریف کی اس وقت امامت اصول دین سے نہ تھی اگر اس وقت امامت کا اصول دین سے ہونا ثابت کر سکو تو کرو فعلیکم البیان وعلینا وفقہ بالبرہان۔

بس باقی رہ گئیں دو باتیں اول یہ کہ بعد وفات پیغمبر خدا کے وہ منکر امامت ہو گئے اور حق علی مرتضیٰ کا چھین لیا دوسرے اہل بیت سے عداوت رکھی اور ان کے حقوق غصب کئے کہ یہ امور بھی کفر ہیں۔ چنانچہ اس کا میں بحث امامت اور مطاعن میں جواب دوں گا اور ہر بات کو اس تفصیل سے لکھوں گا کہ نہ کسی شیعہ کی کوئی دلیل رہ جاوے نہ کسی سنی عالم کا جواب باقی رہے یعنی وہ سوال و جواب جن کے سننے کے بغیر حالت منتظرہ باقی رہے نہ یہ کہ جتنے دنیا میں شیعہ سنی ہوئے ہیں ان سب کی باتیں کہ یہ محال اور نیز فضول ہیں مگر انشاء اللہ تعالیٰ اس صراحت سے لکھوں گا کہ صرف دیکھنے والے کو انصاف اور فیصلہ کرنا رہ جاوے اور اکثر روایات کے دیکھنے کی ضرورت نہ رہے لیکن اس مقام پر وہ جوابات جو عام آیات فضیلت صحابہ سے شیعہ دیتے ہیں اور جس میں سے کچھ اوپر مذکور ہوئے اور کچھ رہ گئے ہیں ان باقی ماندہ جوابوں کو بیان کر کے قرآن و حدیث ہی سے اس کا جواب دینا شروع کرتا ہوں۔ فاستمعوا لہ[1] وانصتوا لعلکم ترحمون۔

جواب دوسرا شیعوں کا آیات فضیلت صحابہ سے

جو کچھ اوپر ہم نے بیان کیا اس میں صرف یہی جواب شیعوں کا ہم نے لکھا ہے کہ مہاجرین میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی نیت بخیر نہ تھی اب سنیئے کہ علاوہ اسکے اور کیا جواب دیتے ہیں شاہ صاحب قدس سرہ تحفہ میں ملا عبداللہ کی تقریر کو نقل کرتے ہیں کہ ملا عبداللہ نے یہ جواب دیا کہ اللہ جل شانہ نے جو رضامندی اپنی آیۂ[2] والسابقون الاولون من المھاجرین والانصار میں مہاجرین وانصار کی نسبت بیان کی ہے یہ صرف سبقت ہجرت و نصرت کی نسبت ہے اور خاص

---

[1] پارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۲۴ ترجمہ تو اس طرف کان رکھو اور چپ چاپ رہو شاید تم پر رحم ہو ۱۲ موضح القرآن

[2] اس کا حوالہ و ترجمہ صفحہ میں دیکھو ۱۲۔

اور فعل سے وہ راضی ہوا مگر اس سے جنتی ہونا ان کا لازم نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کے واسطے اس رضا کا آخر تک باقی رہنا ضرور ہے اور آخر تک رضا باقی رہنے کا حال خاتمے پر ہے اور تقریر کو لکھ کر شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ تقریر قواعد اصول کی رو سے درست نہیں ہے اس لئے خدائے جل شانہ نے مہاجرین و انصار کی ذات کی تعریف کی ہے اور چونکہ وصف عنوانی میں سبقت ہجرت و نصرت کا ذکر کیا اس لئے یہ صفت علیۃ تعلق رضا کی ہو گی نہ کہ یہی وصف تعلق رضا کے اس کے جواب میں جناب مجتہد صاحب ذوالفقار میں فرماتے ہیں کہ ہنوز باثبات نرسیدہ کہ مراد از سبقت درینجا سبقت فی الہجرۃ است پس غایت مافی الباب علت رضا سبقت الی الاسلام یا سبقت الی الموت یا سبقت الی الہجرۃ لاعلی الیقین خواہد بود وایں علت مبہمہ برائے تو بہیچ وجہ مفید نمی تواند شد[1] یعنی یہ سب تقریریں تو اس وقت کی جاویں جب یہ ثابت ہو جاوے کہ مراد والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار ہجرت میں سابق ہونا ہے حالانکہ یہی بات ہمارے نزدیک ابھی صاف نہیں ہے کہ سابقون سے کیا مراد ہے آیا ہجرت کی سبقت یا اسلام کی سبقت یا موت کی سبقت پس جبکہ علت مبہم ہے تو وہ کچھ مفید مطلب نہیں۔ غرضکہ حضرت نے سارا قصہ ہی طے کر دیا کوئی جھگڑے کی بات ہی نہ رکھی یعنی یہ سب فضیلتیں تو جب ثابت ہوں کہ والسابقون کے معنی کیا ہیں آیا ہجرت میں سبقت کرنے والے مراد ہیں یا کہ اسلام میں سبقت کرنے والے مقصود ہیں یا کہ موت پر سبقت کرنے والے یعنی مردے مراد ہیں پس جب اسی میں شبہہ ہے تو ایسی مبہم بات کی سند کچھ مفید غرضکہ بسبب مبہم ہونے علت رضا کے اس آیت سے کچھ کسی کی فضیلت ہی ثابت نہیں ہوتی اور یہ معنی جو حضرت نے فرمائے ہیں یہ بڑے غور و تامل کے بعد فرمائے ہیں چنانچہ خود اس سے پیشتر فرما چکے ہیں کہ[2] ایضاً آنچہ بعد تامل و نظر دقیق ظاہر می کردد صفحہ ۵ ذوالفقار تا قولہ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال[3]۔

---

[1] سابقون کی بابتہ اب تک ثبوت نہیں ملا ہے کہ سبقت کس چیز میں ہے؟ کیا ہجرت میں سبقت کرنا مراد ہے؟ یا اسلام آوری میں! یا موت میں!! اور ہجرت میں سبقت کرنا بالکل غیر یقینی ہے اور یہ مبہم وغیرہ واضح علت و سبب تمہارے لئے مفید نہیں ہو سکتی [2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵ سطر ۲۳-۱۲ منہ

[3] نیز غور و فکر اور تامل کے بعد ظاہر کرتا ہوں صفحہ (۷،۵) از ذوالفقار اور جب شک و شبہہ پیدا ہو جائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔ [3] عبارت ذوالفقار صفحہ ۶ سطر ۱۲-۱ منہ

اب قبلہ وکعبہ اس تقریر کو اپنی مدلل کرتے ہیں اور منطقی دلائل سے اس امر کو ثابت فرماتے ہیں کہ مراد والسابقون سے موت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں یعنی مردے جو مر چکے مراد ہیں کما بقول [۱] و ثانیاً اینکہ علت رضای مہاجرین و انصار از حق تعالیٰ مجرد ہجرت و نصرت نمی تواند شد بلکہ نظر دقیق حکم می کند کہ رضای آنہا از حق تعالیٰ و تسلیم اوامر و نواہی او علت ہجرت و نصرت شدہ و ایں قرینہ دیگر ست بر اینکہ مراد از سابقین سابقین الی الموت اند [۱] یعنی خدا کی رضامندی کا مہاجرین و انصار سے سبب یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ فقط ہجرت کرنے سے ساتھ پیغمبر خدا کے یا مدد دینے سے رسول مقبول کو وہ راضی ہو جاوے بلکہ نظر دقیق حکم کرتی ہے کہ ان کا خدا سے راضی ہونا اور اس کے احکام و نواہی کا بجا لانا ان کی ہجرت و نصرت کی علت ہے پس یہ دوسرا قرینہ ہے کہ مراد والسابقون سے سابقین الی الموت ہیں یعنی جو کہ مرنے میں سبقت اور پیش قدمی کر گئے اور پہلے سب سے مر گئے فقط سبحان اللہ کیا نظر دقیق ہے جناب قبلہ وکعبہ کی کہ کیا خوب معنی نکالے ہیں حقیقت میں بیچارے شاہ صاحب ایسی دقیق نظر کہاں سے لاتے جو ان باریک نکتوں کو سمجھتے کہ مراد والسابقون سے مردے ہیں خیر ہم نہایت شکر ادا کرتے ہیں مجتہد صاحب کا کہ مردے مہاجرین و انصار تو اس میں داخل رکھے اگر وہ والسابقون کے معنی یہی کہتے ہیں کہ حضرت آدم مراد ہیں کہ انہوں نے سب سے پہلے جنت سے ہجرت کی تھی یا حضرت موسیٰ مراد ہیں جنہوں نے مدین کو ہجرت کی تھی تو ہم کیا کرتے یا فرما دیتے کہ مراد والسابقون سے جبرئیل و میکائیل ہیں جو سب سے پہلے پیدا ہوئے ہیں تو ہمارا کیا بس چلتا بہر حال حسب معنی ہی بنانا ٹھہرے اور نظم قرآنی کا کچھ لحاظ نہ رہا تو پھر بے سر و پا بات کہہ دینے والے سے کیا زور چل سکتا ہے جو کچھ وہ رعایت کرے وہی احسان ہے۔

کوئی یہ خیال نہ کرے کہ قبلہ وکعبہ نے یہ بے دلیل دعویٰ کیا ہے اس لئے کہ بے دلیل بات کہنا جاہلوں کا کام ہے اور یہ حصہ شاہ صاحب کا ہے حضرت کوئی بات

---

[۱] دوسری دلیل یہ کہ انصار و مہاجرین کا اللہ تعالیٰ کی رضامندی و امداد حاصل کرنے کا سبب ہجرت کرنا نہیں ہے۔ بلکہ نظر تعمق تباتی ہے کہ ان لوگوں کا اللہ سے راضی ہونا اور اس کے احکام و نواہی کی تعمیل کرنا ان کی مدد ہجرت کا سبب ہے۔ اور اس دوسرے قرینہ سے بھی یہ ثابت ہے کہ سابقون سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے مرنے میں پیش قدمی اور سبقت کی تھی عبارت ذوالفقار صفحہ ۵ سطر ۳۔

بے دلیل برہان کے زبان پر نہیں لانے چنانچہ اس دعوے کی دلیل میں فرماتے ہیں وا ایں قرینہ دیگر است برایں کہ مراد از سابقین سابقین الی الموت اند چہ موت اہل جنت و مشاہدہ درجات عالیہ تمام در رضای آنہا از حق تعالیٰ است کہ والسابقون کی لفظ سے وہ لوگ جو موت کی طرف سبقت کر گئے مراد لینے کا یہ دوسرا قرینہ ہے اس لئے کہ جنت میں پہنچ جانا اور اپنے مراتب اور درجات کا دیکھنا اور آرام سے بہشت میں چین کرنا ان سب باتوں کو بڑا دخل ہے کہ وہ لوگ خدا سے راضی ہوئے فقط بیشک درست ہے جو لوگ زندہ ہیں وہ بسبب اس کے کہ نہ معلوم خدا جنت دے گا یا نہیں اور اگر دینے کا یقین بھی ہو تو بہ سبب دنیا وی تکالیف کے وہ خدا سے پورے پورے راضی نہیں ہو سکتے۔ جب مر گئے اور خدا نے ان کو بہشت نصیب کر دی اور آزادی سے جنتوں کے لطف اٹھانے لگے تو وہ بخوبی خدا سے راضی ہو جاویں گے اور نصرت اور ہجرت کا سبب اوپر آپ لکھ ہی چکے ہیں کہ یہ ہے کہ وہ خدا سے راضی تھے تو اب کیا شک رہا کہ مراد والسابقون سے وہی لوگ ہیں جو اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مر چکے تھے بے شک جیسا دعویٰ تھا اس سے بہت بڑھ کر دلیل ہے مجتہدوں اور مقدس لوگوں کے ایسے ہی دعوے اور ایسی ہی دلیلیں ہوتی ہیں زہے نصیب اس فرقے کے جس کے ایسے عاقل اور ذکی اور ذہین مجتہد ہوں جو کہ جناب قبلہ و کعبہ نے اپنی کتاب کو نہایت ہی مدلل اور مبرہن لکھا ہے اس لئے نہ صرف ایک دو دلیل ہی اپنے دعوے پر نہیں بیان فرمائیں بلکہ ہر ایک دعوے کو اپنے دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ کسی سنی کو جرأت اس کے رد کرنے کی نہیں ہے چنانچہ اسی آیت کی نسبت جو تیسرا جواب دیا ہے اُسے بھی میں لکھتا ہوں حضرت فرماتے ہیں کہ سوم آنکہ ایں کہ غایت ما فی الباب آنکہ از آیہ علت بودن ہجرت و نصرت در باب رضای حق تعالیٰ اند

لے اور سابقون سے دوسرا قرینہ یہ مراد ہے کہ انہوں نے مرنے میں پیش قدمی کی جنت میں پہنچیا اور اپنے درجات دیکھنا ان امور کو اس میں بڑا دخل ہے کہ یہ لوگ انشرح خوش ہوئے سے عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لودھیانہ۔

تلے صفحہ ۹۵ سطر ۲۴۔ حاشیہ

سے سوم خلاصہ یہ کہ اس آیت سے ان کی ہجرت و امداد کی علت و دلیل اللہ سے خوش ہونا اور ان سے اللہ کی رضا مندی ہو سکتی ہے اور یہ علت و سبب عام ہے کہ تام ہو یا ناقص۔ اور سبب و علت ناقص کا استعمال کلام الٰہی و احادیث نبوی میں عمومی طور پر پایا جاتا ہے اور اگر تم بے انتہا کند ذہن ہونے کے باوجود ذرا سا تامل و غور کرو۔ اور قرآن کریم کو اول سے آخر تک بہ غور پڑھو جزا و سزا کی آیات پر غور کرو۔ تو تمہاری بات کی صداقت واضح ہو جائے

آنہا و رضامی آنہا از و تعالیٰ شانہ می توان شد و علت اعم ست از آنکہ تامہ باشد یا ناقصہ لاستعمال علت ناقصہ در کلام حق تعالیٰ و احادیث نبوی شیاع تمام وارد و اگر بسبب عبادت ذہن ، کہ داری در بیناب تامل داشتہ باشی پس قرآن مجید را از اول جزء بنظر بصیرت نگاہ و تمکن و در آیات وعدہ و عید تامل نما تا صدق این مقال واضح گردد[1]) اس سے پایا گیا کہ گویا اللہ جل شانہ ان کی ہجرت و نصرت سے تو راضی ہوا مگر یہ علت ناقص ہے اس لئے ان کے سب کاموں سے راضی ہونا ثابت نہ ہوا افسوس ہے کہ مجتہد صاحب ذرا نظم قرآنی کو ملاحظہ نہیں فرماتے اور ترجمہ لفظی کو بھی نہیں دیکھتے اور تحریف معنوی خدا کے کلام میں کرتے ہیں بار خدایا تیرا کلام چیستان ہے یا یہ آیت پہیلی ہے یا کوئی معمہ ہے جس کے لئے ایسے باریک باریک خیالات کو حضرت قبلہ وکعبہ کام فرماتے ہیں چار لفظ اس آیت کے ہیں ذرا اس کا ترجمہ کریں اور سمجھ لیں اے مومنین ذرا سنو کہ اس آیت کا ترجمہ لفظی بھی ہے جو میں بیان کرتا ہوں یا اور کچھ اول الفاظ آیت کے سنو کہ یہ ہیں[2] والسابقون الاولون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ واعد لهم جنات تجري تحتها الانهار خالدين فيها ابدا ذلك الفوز العظيم ۔ اور اب ترجمہ اس کا سنو کہ یہ ہے ۔ ترجمہ اور آگے بڑھ جانے والے پہلے ہجرت کرنے والوں سے اور وہ لوگ کہ پیروی کرتے ہیں ان کی ساتھ نیکی کے راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے اور تیار کیں واسطے ان کے بہشتیں چلتی ہیں نیچے ان کے نہریں رہنے والے بیچ اس کے ہمیشہ یہ ہے مراد پانا بڑا

اب خیال کرو کہ جو علتیں تامہ اور ناقصہ مجتہد صاحب ان صاف لفظوں میں پیدا کرتے ہیں یہ تحریف ہے یا نہیں اور اگر ایسی ہی علتوں کو خدا کے کلام میں دخل دیا جاوے تو سارا قرآن بازیچہ طفلاں ہو جاوے اور کسی آیت اور کسی حکم پر عمل کرنا جائز اور تصدیق کرنا ممکن نہ ہو۔ اللہ جل شانہ تو صاف صاف فرماتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کہ میں ان سے اور وہ مجھ سے راضی حضرت فرماتے ہیں کہ یہی علت رضامندی کی ناقص ہے وہ سب باتوں

---

[1] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ صفحہ ۵۹ سطر ۶-۲۰

[2] پارہ ۱۱ سورہ توبہ رکوع ۱۳- ترجمہ اور جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑنے والے اور مدد کرنے والے اور جو ان کے پیچھے آئے نیکی سے اللہ راضی ان سے اور وہ راضی اس سے اور رکھے ہیں واسطے ان کے باغ نیچے بہتی نہریں رہا کریں ان میں ہمیشہ یہی ہے بڑی مراد ملنی ۱۲ موضح ۔

سے راضی نہیں ہے بلکہ صرف ہجرت اور نصرت کے سبب سے راضی ہے اور گو حضرت نے صاف نہیں فرمایا مگر مطلب یہی ہے کہ غصب خلافت اور عداوت اہل بیت کے سبب سے ناراض ہے اس لئے اسے میرے بندو اس رضامندی کو تام یعنی پوری نہ سمجھنا اور اس سے مہاجرین وانصار کو اچھا نہ جاننا افسوس ہے کہ قبلہ و کعبہ نے یہ نفرمادیا کہ قرآن میں یہ بھی تھا کہ اگر کسی کو شک ہو اور میری آیتوں سے یہ مطلب کوئی نہ سمجھے تو مجتہد سے پوچھ لینا کہ وہ علت تامہ اور ناقصہ کا بیان کرکے اچھی طرح سمجھا دیں گے اور یہ جو مجتہد صاحب نے فرمایا کہ والسابقون سے مراد ضرور مردے ہیں اس لئے کہ خدا ان کے حال سے خبر دیتا ہے کہ وہ خدا سے راضی ہوئے اور یہ امر معلوم ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتے تو یہ مناسب تھا کہ خدا فرماتا یرضون یعنی بصیغہ مضارع کے کہ وہ راضی ہوں گے خدا سے چنانچہ الفاظ حضرت کے یہ ہیں کہ (زیراکہ جناب حق سبحانہ وتعالیٰ از حال ایشاں خبر می دہد کہ ایشاں از خدا ای خود راضی شدند معلوم ست کہ اگر ایں ہا زندہ می بودند مناسب ایں بود کہ حق تعالیٰ بصیغہ مضارع کہ یرضون باشد ایں مطلب را ادا نماید نہ بصیغہ ماضی[1]

پس اوّل تو یہ فرمانا حضرت کا کہ (معلوم ست کہ اگر اینہا زندہ می بودند) ہم کو معلوم نہیں یہ جناب ہی کو معلوم ہوگا اور دنیا میں بندوں کا خدا سے راضی ہونا آپ ہی کے نزدیک بعید از قیاس ہوگا ورنہ ہم کو یہ معلوم کیا بلکہ یقین ہے کہ بعضے خاص بندے اللہ جل شانہ کے ہیں وہ اس سے دنیا میں بھی راضی ہیں اور کیسے ہی کچھ درد اور دکھ پاویں وہ راضی رہتے ہیں تو زندوں کی نسبت رضوا عنہ کا مضمون آپ کو باعث تعجب ہوگا کیونکہ آپ حالت زندگی میں خدا سے راضی نہیں رہے ورنہ ہم تو اسے یقینی جانتے ہیں۔

دوسرے یہ سب علتیں تامہ اور ناقصہ اور صیغہ ماضی مضارع کے احتمالات اور استدلال صرف بیچارے مہاجرین اور انصار ہی کی نسبت ہیں یا کہ اہل بیت علیہم السلام کی نسبت بھی یہی جو تقریریں آپ صحابہ کی نسبت کرتے ہیں اور جس طرح آیات فرقان میں آپ مہاجرین وانصار کی فضیلت باطل کرنے کے لئے تحریفات اور احتمالات کرتے ہیں

[1] اس لئے کہ اللہ ان کے حالات کی اطلاع دے رہا ہے کہ وہ اپنے خدا سے راضی ہوئے اور واضح ہے کہ اگر یہ لوگ زندہ رہتے تو ضروری تھا کہ اللہ ماضی کے صیغہ کے بجائے مضارع کا صیغہ لاتا یعنی راضی ہوں گے اور اس سے مطلب واضح ہو جاتا ہے گذ عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۵ سطر ۱۲-۱۴ منہ

اگر خوارج و نواصب اہل بیت علیہم السلام کی نسبت کہیں تو آپ کیا جواب دیں گے جو آپ ان کو جواب دیں وہی ہماری طرف سے تصور فرما دیں۔

تیسرے مجتہد صاحب نے احتمالات کر کے ان آیتوں کے معنی بدلنے میں ایک بڑی خطا کی اور بوجہ اس کے کہ اس کتاب کے لکھنے میں بہت عجلت کا تھی ایک بہت بڑی بات بھول گئے کہ والسابقون الاولون میں جناب امیر علیہ السلام بھی داخل ہیں اور ان کی فضیلت پر بھی یہی آیتیں سند لائی جاتی ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ سب سے اول اور سابق ہیں اسلام میں اور ہجرت میں پس جبکہ والسابقون سے مراد مردے لئے گئے اور کوئی زندہ اس میں داخل نہ رہا تو پھر جناب امیر بھی اس سے خارج ہو گئے بار خدایا تب شاید کہیں کہ زندوں میں صرف وہی اس آیت کے مصداق ہیں اور باقی سب مردے مراد ہیں اور اگر کوئی اس تخصیص کی وجہ پوچھے تو پھر وہی شیوہ اپنا اختیار کریں اور اپنی تشیع پر آجاویں یعنی گالیاں دینا شروع کریں اور غبی اور کودن اور احمق فرما کر اس کی بات نہ سنیں جیسا کہ اس مقام پر علت تامہ و ناقصہ کے نہ سمجھنے پر شاہ صاحب کی نسبت فرماتے ہیں کہ "اگر بسبب غباوت ذہن کہ داری، دریں باب تامل داشتہ باشی پس قرآن مجید را از اول تا آخر بنظر بصیرت تلاوت کن و در آیات وعدہ و عید تامل نما تا صدق ایں مقال واضح گردد"[1][2]

چوتھے۔ جناب قبلہ و کعبہ کا ماضی مضارع کے صیغوں سے بحث کرنا در حقیقت دائرہ تشیع کو تنگ کرنا ہے اس لئے کہ پھر بہت سی آیتیں فضیلت اہل بیت کی انہیں صیغوں کی بحث سے نکل جاویں گی اور ایسے اعتراض کرنے والوں کا جواب دینا مشکل ہو گا اس سے قواعد نحو و صرف کا نام ہی زبان پر نہ لائیے ورنہ اگر کوئی پوچھ بیٹھے کہ یطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا[3] صیغے مضارع کے ہیں اور ماضی کیلئے جانتے ہیں اس لئے کہ بعد وفا کرنے نذر کے اور بند کھلا دینے کھانا کے مسکینوں اور یتیموں اور اسیروں کو یہ آیات شان میں جناب فاطمہ اور حسنین علیہم السلام کے نازل ہوئی ہیں[4] تو کیا آپ جواب دیں گے اور اگر کوئی کہے کہ فوقٰہم اللہ شر ذٰلک الیوم و لقّٰہم نضرۃ و سرورا و جزٰہم بما صبروا جنۃ و حریرا۔[5]

---

[1] اگر اپنی کند ذہنی کے باوجود قدرے غور و فکر کرتے تو مناسب تھا قرآن کریم کو اول سے آخر تک بہ غور پڑھتے آیات جہاد و سزا میں تفکر کرو تا کہ ہماری بات کی صداقت واضح ہو جائے [2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لودھیانہ ۱۲۸۱ صفحہ ۹۶ سطر ۹۔ ۱۰ منہ [3] پارہ ۲۹ سورہ دھر رکوع ۱ ترجمہ کھلاتے ہیں کھانا اس کی محبت پر محتاج کو اور بن باپ کے لڑکے کو اور قیدی کو [4] موضح القرآن [5] پارہ ۲۹ سورہ دہر رکوع ۱ ترجمہ پھر بچایا ان کو اللہ نے برائی سے اس دن کی اور ملا دی ان کو تازگی

بقیہ اگلے صفحہ پر

بصیغہ ماضی کے ہیں اور معنی مضارع کے مراد لئے جاتے ہیں تو آپ کیا فرمائیں گے۔ پس اگر فرض بھی کیا جاوے اور آپ کا قول تسلیم بھی کیا جاوے کہ [1] مناسب این بود کہ حق تعالیٰ بصیغہ مضارع کہ بر مضمون باشد این مطلب را ادا نماید نہ بصیغہ ماضی [2] تو اس کا جواب یہ ہے [3] کہ حق تعالیٰ امرے را کہ یقینی و قطعی ست بصیغہ ماضی ادا می نماید چنانچہ در فضائل اہل بیت امری را کہ بعد از قیام قیامت ظہور خواہد یافت بصیغہ ماضی ادا کردہ حیث قال تبارک و تعالیٰ فوقٰهم الله شر ذٰلک الیوم ولقّٰهم نضرۃ وسرورا [4] ہم چنین رضای سابقین اولین از مہاجرین و انصار زیرا کہ در آخرت علو مرتبہ خود را دیدہ راضی خواہند شد بصیغہ ماضی ادا کردہ برای این حکم فرمودہ کہ رضوا عنہ ۔ اور اگر آپ کو ماضی مضارع کے صیغوں میں شک ہوا اور ایک سے دوسرے معنی مراد لینا آپ کے نزدیک خلاف فصاحت و بلاغت ہوں تو ذرا میزان الصرف اٹھا کر دیکھئے اور بدان اسعدک اللہ تعالیٰ کے معنی سوچئے کہ معنی اس کے نیک بخت کند ہیں یا نیک کردہیں اور پھر غور کیجئے کہ صیغہ تو ماضی کا ہے اور معنی حال کے لئے جاتے ہیں تو اس شک کے دور کرنے کے لئے اس کا حاشیہ دیکھ لیجئے [5] تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ کیوں ماضی کے صیغے سے حال کے معنی لئے جاتے ہیں اور بعد اس کے اگر انصاف ہے تو قصور کا اقرار کیجئے ورنہ ایک روز تو اقرار کرنا ہی پڑے گا جس کا ذکر خدا نے بصیغہ ماضی کے کیا ہے حالانکہ ہنوز وہ روز نہیں آیا کما قال سبحانہ تعالیٰ وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحٰب السعیر فاعترفوا بذنبهم فسحقا لاصحٰب السعیر [6] پس حضرات شیعہ کے تعصب و عناد بلکہ جہالت و نادانی کو دیکھنا چاہیے کہ صرف اصحاب نبوی کی عداوت سے آیات قرآن مجید کے ایسے معنی بناتے ہیں کہ حضرت علی بھی اس سے خارج ہوتے جاتے ہیں اور ان پر بھی اطلاق اس فضیلت کا نہیں ہو سکتا پس جبکہ شیعوں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور خوش وقتی اور بدلہ دیا ان کو صبر کرنے پر بہشت اور پوشاک ریشمی ۱۲ موضح۔

[1] مناسب یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوا ماضی کے صیغہ کے بجائے راضی ہوں گے مضارع کا صیغہ سے مطلب واضح کرتا۔

[2] عبارت ذوالفقار صفحہ ۷۵ سطر ۱۰-۱۲ منہ۔

[3] جو بات قطعی و یقینی ہے اسے اللہ بصیغہ ماضی فرماتا ہے۔ جیسا کہ فضائل اہل بیت کو جو قیامت میں ظاہر ہونگے انہیں بصیغہ ماضی ادا کرتے ہوئے حکم دیا ہے رضوا عنہ یعنی وہ لوگ اللہ سے راضی ہوئے

[4] پارہ ۲۹ سورہ ملک رکوع ۱ اور کہیں گے اگر ہم ہوتے سنتے یا بوجھتے نہ ہوتے دوزخ والوں میں سو قائل ہوئے اپنے گناہ کے اب دفع ہو دوزخ والے ۱۲ موضح القرآن۔

نے اپنے ہی پہلے امام کو اس آیت کے مصداق سے خارج کر دیا تو اگر ہمارے تینوں خلیفوں
کو بھی نکال دیا تو جای شکایت نہیں ہے اس مقام پر یہ امر بھی لکھنا خالی فائدہ سے نہیں
ہے کہ جناب شاہ صاحب نے تحفہ اثنا عشریہ میں فرمایا ہے کہ اگر مہاجرین و انصار کی نسبت
ان آیتوں کے یہ معنی مراد لئے جاویں کہ رضامندی خدا کی ان کی ذات سے متعلق نہیں ہے
بلکہ ان کی صفت ہجرت و نصرت سے اور کامل رضامندی موقوف ہے حسن خاتمہ پر تو آیہ
موالات جس سے ثبوت خلافت حضرت علی کا کیا جاتا ہے ان میں بھی تو یہی جرح ہو سکتی ہے
کہ کہا جاوے کہ [1] (ولایت شما باین وصف متعلق ست یعنی اقامت صلوۃ وایتا زکوۃ در حالت
رکوع و بقاء این وصف مشروط ست بہ حسن خاتمہ وکذا وکذا) بجواب اس کے مجتہد صاحب
فرماتے ہیں کہ [2] (آنچہ درین مقام درباب آیہ ولایت بہ ترانہ بے ہودہ مترنم گردیدہ پس
از قبیل قیاس ست مع الفارق، چہ امثال چنیں تقیدات دور از کار در آیہ ولایت خلاف
اجماع اہل اسلام ست پس از معرض اعتبار ساقط باشد [3]) سوای ان لفظوں کے حضرت
نے اور کچھ نہیں کہا اور گالی دے کر سکوت اختیار کیا اور یہ فرمانا کہ آیہ موالات میں
ایسے احتمالات بعیدہ کرنا خلاف اجماع اہل اسلام ہے باعث صد ہزار حیرت ہے اس
لئے کہ اگر اہل اسلام سے مراد صرف حضرات شیعہ ہیں تو یہ فرمانا مسلم لیکن اگر اور سب فرقے
اسلام کے مراد ہیں تو ان کے اجماع کا دعوے محض غلط ہے ہاتوا برہانکم [4] ان کنتم صادقین۔

اے حضرات امامیہ ذرا اپنے مجتہدین کی توجیہات اور احتمالات پر خیال کرو کہ وہی
احتمال مہاجرین و انصار کے حق میں تو جائز بلکہ واجب سمجھا جاوے اور وہی احتمال جناب
امیر کے حق میں ممتنع اور محال ہو اگر کہا جاوے کہ یہ مقتضای محبت و عداوت ہے تو ہم قبول
کریں گے لیکن یہ بھی اس کے ساتھ عرض کریں گے کہ یہ مقتضای ایمان اور انصاف نہیں

---

[1] آیہ کی ولایت کی صفت یہ ہے کہ نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں حالت رکوع میں اور یہ وصف حسن خاتمہ کے ساتھ مشروط ہے وغیرہ وغیرہ۔

[2] بیان آیت ولایت کی تفصیل میں جن بے ہودگیوں کے گیت گائے ہیں یہ صرف قیاس مخالف ہے کیونکہ اس قسم کے دور از کار قیود در اصل آیت دلالت میں عائد کرنا اجماع اہل اسلام کے خلاف ہے اور اس لئے یہ ناقابل اعتبار ہے

[4] پارہ ۲۰ سورہ نمل رکوع ۵ ترجمہ لاؤ اپنی سند اگر تم سچے ہو ۱۲ موضح القرآن

[3] عبارت ذو الفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۸۱ھ صفحہ ۹۵ سطر ۱۰

اس جواب پر مجھے ایک حکایت بہرام گور کی یاد آئی حکایت کہ اس نے ایک مرتبہ گور کا شکار تیر سے کیا اتفاق سے تیر اس کے منہ پر ایسا لگا کہ منہ سی گیا ایک لونڈی سے بہرام گور نے اپنی تعریف کی اس کی زبان سے نکل گیا کہ مشق اور تعلیم کے متعلق ہے بہرام گور نے خفا ہو کر نکال دیا اس نے یہ مشق شروع کی کہ گائے کے بچے کو دمیں لے کر ہر روز دو وقت بالاخانہ پر چڑھ جاوے یہاں تک کہ جب وہ بچہ بڑا ہوا تب بھی بسبب مشق کے وہ بالاخانہ لے جایا کرتی یہ خبر بادشاہ نے سنی وہ بھی گیا دیکھ کر کیا کہتا ہے کہ مشق و تعلیم سے متعلق ہے تب لونڈی نے دست بستہ ہو کر عرض کی کہ جہاں پناہ آپ جب گور کو تیر سے شکار کریں تو وہ مشق سے تعلق نہ ہوا اور جب میں اس سے بہت زیادہ حیرت انگیز کام کروں وہ مشق کے متعلق سمجھا جاوے یہ کون انصاف ہے کما قال قائل شعر

گفت شہ راند امتی ست عظیم
گاؤ تعلیم گور بے تعلیم

وہی حال ہے بعینہٖ مجتہد صاحب کا کہ ایسی صریح اور صاف آیت میں جیسی کہ والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار سے احتمالات علت تامہ اور ناقصہ کے کریں اور ان کے علما علت رضای الٰہی کو مخصوص فعل خاص کا کہیں اور جب کوئی آیۂ موالات سے معارضہ کرے جس میں صرف یہ ہے کہ[1] یوتون الزکوٰۃ وہم راکعون کہ دیتے ہیں زکواۃ کو اور حالیکہ وہ رکوع میں ہوتے ہیں اور اس کے لفظوں سے کچھ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ وہ لوگ کون ہیں صیغہ جمع کا ہے اور معنی واحد کے لئے جاتے ہیں اور زکوٰۃ کے معنی خیرات کے کیے جاتے ہیں اس لئے کہ یہ ظاہر ہے کہ حضرت علی اتنا مال نہ رکھتے تھے کہ زکواۃ ان پر واجب ہو اور پھر رکوع و سجود میں کسی دوسرے کی بات سننا گو وہ سائل اور محتاج ہی ہو خلاف خلوص نماز کے بھی ہے پس باوجود ان سب باتوں کے جب کوئی کہے کہ وہ احتمالات[2] جو مہاجرین و انصار کی فضیلت کے آیات میں آپ کرتے ہیں وہ اس آیت میں ہو سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی بہت کچھ زیادہ تب فرمادیں کہ یہ بیہودہ تمرانہ ہے اور خلاف اجماع ہے حقیقت یہ ہے کہ جب انسان انصاف اور ایمان اور حیا کا پابند نہ رہے تب مختار ہے جو

---

[1] اس کا حوالہ اور ترجمہ صفحہ میں دیکھو ۱۲ منہ

[2] پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۸ ترجمہ دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ نوے ہیں ۱۲ موضح القرآن

حیا ہے سو کہے ولنعلم ما قیل اذا القیت جلباب الحیاء[1] فقل ما شئت فان من لا حیا لہ لا ایمان لہ

اب چوتھے معنی والسابقون کے سنیے جو مجتہد صاحب بیان فرماتے ہیں، حضرت ذوالفقار میں لکھتے ہیں کہ دا قوال بعضی از علماء دلالت می کند کہ مراد از سبقت فی الہجرۃ مہاجرت بنی ہاشم ست از مکہ[2] یعنی بعضی علماء کا قول ہے کہ مراد سبقت ہجرت سے بنی ہاشم کی ہجرت ہے جو انہوں نے مکے میں کی تھی لوگ حیران ہوں گے کہ مکے سے مکے میں کون سی ہجرت ہے اس لئے میں اس کی تصریح کرتا ہوں کہ جب کفار نے حضرت کو بہت ستایا تب شعب ابوطالب میں حضرت نے قیام فرمایا اور کئی برس تک وہاں رہے پس اس کا نام حضرت نے ہجرت رکھا ہے یعنی ایک گھر سے دوسرے گھر میں جانا شاید یہ معنی اس کو پسند ہوئے ہوں تاکہ اپنے اور اپنے شیعوں کی نسبت بھی ہجرت کا اطلاق کر سکیں اس لئے کہ حضرت یقیناً ایک دن میں سو جگہ بدلتے ہوں گے اور جب کہ جگہ بدلنے ہی کے معنی ہجرت کے ہوئے تو پس، حضرت اور حضرت کے شیعہ دن بھر میں سو سو دفعہ ہجرت کے ثواب کے مستحق ہوں گے اور بعض علماء سے جن کا قول حضرت نے بیان کیا ایک جناب قاضی نور اللہ شوستری شہید ثالث ہیں کہ وہ مصائب النواصب میں بجواب نواقض الروافض لکھتے ہیں کہ[3] فاطعہ صاحب النواقض تبعاً لجمہور من ان ابا بکر و عمر کانا من المہاجرین السابقین الاولین انما ہو تحریف وتدویل السابقون الاولون ہم الذین ہاجروا ہجرۃ الاولیٰ وہی ہجرۃ رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فی حصارہ بمکۃ حین ہاجرت قریش بن ہاشم مع رسول اللہ علیہ وآلہ وسلم فی شعب عبدالمطلب

---

[1] جس وقت گرا دیا تو نے چادر حیا کو پس کہہ جو کچھ چاہے تو پس وہ تحقیق شخص کہ نہیں ہے واسطے اس کے حیا نہیں ہے ایمان واسطے اس کے ۱۲ مولوی احتشام اللہ سلمہ

[2] بعض علماء کے اقوال سے ثابت ہے کہ سبقت سے مراد بنو ہاشم کا مکہ سے ہجرت کرنا ہے

[3] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ ۱۲۶۸ھ ص ۵۰ سطر ۲۰ ۱۲ منہ

[4] ترجمہ پس طعن کیا صاحب نواقض نے باتباع جمہور اس بات سے کہ تحقیق ابوبکر اور عمر تھے مہاجرین سابقین اولین سے جزا ایں نیست کہ وہ حرص دلانا اور مکر ہے بلکہ سابقین اولین وہ لوگ ہیں کہ ہجرت کی انہوں نے ہجرت پہلی اور وہ ہجرت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے حصار مکہ میں جبکہ ہجرت کی قریش بنی ہاشم نے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شعب عبدالمطلب میں چار برس اور امت اجماع کرنے والی ہے اس بات پر کہ ابوبکر اور عمر نہیں تھے ساتھ ان کے اس جگہ میں ۱۲ مولوی احتشام اللہ۔

اربع سنین ولانہ مجمعۃ علی ان ابا بکر وعمر لم یکونا معہم فی ہذا لک الموطن) یہ معنی ہجرت کے کہ مکے سے نکلے ہی ہیں ہجرت کرنا ایسی بے معنی اور نئی اصطلاح ہے کہ گھڑنے کے لئے اس سے زیادہ کوئی لطیفہ نہ ملے گا میرے نزدیک مجتہد صاحب نے غلطی کی کہ مہاجرین و انصار سے آدمی مراد لئے اور ناحق معنی بنانے کی تکلیف اٹھائی مناسب تھا کہ سابقین مہاجرین سے مراد حضرت جبرئیل کو لیتے کہ وہ سب سے اول سدرۃ المنتہیٰ سے ہجرت کر کے یہیں آئے اور انصار سابقین سے مراد حضرت عزرائیل لیتے جنہوں نے بڑے بڑے دشمنوں کو پیغمبر صاحب کی مدد کر کے ہلاک کیا اور ان کی روحیں قبض کیں پس حقیقت میں کامل اور صحیح ہجرت جبرئیل کی اور پکی اور پوری نصرت حضرت عزرائیل کی ہے اور تعالیٰ جلشانہ کے کلام سے تصدیق بھی اس مضمون کی بخوبی ہوتی خصوصاً رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ کا مضمون تو ان پر ایسا ٹھیک صادق آتا کہ کسی سنی جاہل کو کچھ جائے اعتراض نہ رہتی اس لئے کہ بھی رضامندی خدا کی فرشتوں سے ہے اور فرشتوں کی خدا سے جن کی شان ہے کہ ذرہ برابر خلاف مرضی تعالیٰ جل شانہ کے کچھ نہیں کرتے اور فرشتوں میں سب سے سابق اور اول حضرت جبرائیل اور میکائیل ہیں تو کیا باعتبار لفظوں کے اور کیا بلحاظ معنی کے یہ مضمون ایسا چسپاں ہوتا کہ فرشتے بھی داد دیتے۔

پانچویں معنی والسابقون کے [1] (یا ہجرت بطرف حبشہ کہ بمراتب بیشتر از ہجرت مدینہ بود پس دریں صورت ابی بکر را شرف سبقت ہجرت صوری ہم نخواہد بود) [2] مجتہد صاحب نے تو فقط اس دعوے ہی پر قناعت فرمائی اور اتنا کہہ کر سکوت کیا لیکن صاحب تقلیب المکاید نے بجواب کید نود و یکم کے اس دعوے کو اپنے نزدیک مدلل بھی کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ [3] (اصحاب ثلثہ از مہاجرین اولین نبودند چنانچہ در صحیح بخاری مذکور ست عن ابی موسیٰ قال بلغنا مخرج النبی ونحن بالیمن فخرجنا مہاجرین الیہ الخ) [4] مؤلف موصوف نے ایک بہت بڑی حدیث نقل کرنے سے یہ فائدہ تصور کیا ہوگا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ خود اہل سنت کی صحیح بخاری

---

[1] یا پھر حبشہ کی جانب ہجرت کرنا مراد ہے جو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے کئی مرتبہ کی گئی اور اس صورت میں بھی ابوبکر کو صورتاً ہجرت میں سبقت کرنے کی بزرگی حاصل نہیں [2] عبارت ذوالفقار مطبوعہ مطبع مجمع البحرین لدھیانہ سنہ ۱۲۸۱ صفحہ ۸۰ سطر ۲ ۱۲ منہ [3] اصحاب ثلاثہ پہلے ہجرت کرنے والے نہ تھے۔ جیسا کہ بخاری میں ہے۔

[4] اس حدیث کی شرح دیکھو ۱۲ منہ

سے ثابت ہوتا ہے کہ خلفائے ثلثہ مہاجرین اولین سے نہ تھے لیکن یہ محض غلطی حضرت کی ہے اس
حدیث سے جس قدر ثابت ہو سکتا ہے وہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
نے فرمایا کہ اے اصحاب سفینہ تمہارے لئے دو ہجرتیں ہیں اور یہ حضرت نے نہیں فرمایا کہ تمہیں
والسابقون الاولون میں مراد ہو اس سے کوئی سنی انکار نہیں کرتا کہ جن لوگوں نے حبشہ کو ہجرت
کی وہ مہاجر نہیں ہیں اور ان کے درجات اور مراتب میں کچھ جائے سخن ہے بلکہ وہ زمانہ تو پیغمبر صاحب
کا تھا اس وقت کافروں کے خوف سے کسی ملک کو چلا جاتا کیونکر ہجرت میں داخل نہ ہوگا جب
کہ قیامت تک ہجرت کا حکم اور ثواب باقی ہے اگر کلام ہے تو اس میں ہے کہ یہ آیت جس کا ذکر
ہے یعنی والسابقون الاولون من المہاجرین والانصار اس سے کون ہجرت کرنے والے مراد ہیں آیا
وہ جو کہ حبشہ کو ہجرت کر کے گئے یا وہ جو کہ مکے سے مدینے کو آئے پس اس بڑی لمبی چوڑی عبارت
میں اگر ایک لفظ بھی ایسا ہو کہ مراد والسابقون الاولون سے مہاجرین حبشہ ہیں تو بے شک ہم
تسلیم کریں علاوہ بریں ہم حضرات شیعہ سے کہتے ہیں کہ جس طرح پر حضرات خلفا ثلثہ رضی اللہ
تعالیٰ عنہم حبشہ کو ہجرت کر کے نہیں گئے اسی طرح پر جناب امیر بھی حبشہ کو نہیں گئے پس جس
دلیل سے اور جس وجہ سے خلفا ثلثہ مہاجرین اولین سے خارج کئے جاتے ہیں وہی وجہ حضرت امیر
کی نسبت بھی ہے پس کیا وہ بھی خارج کر دیئے جاویں گے اور ان کی نسبت بھی مہاجرین اولین
کی فضیلت کا اطلاق ذکر دگے نعوذ باللہ منہا پس جس طرح پر حضرت مجتہد صاحب نے فرمایا کہ
(مراد از ہجرت[1] بطرف حبشہ کہ بمراتب پیشتر از ہجرت مدینہ بودہ پس دریں صورت ابی بکر را شرف
سبقت ہجرت صوری ہم نخواہد بود) کوئی خارجی ایسی تقریر کو جناب امیر علیہ السلام کی نسبت
معارضے میں پیش کرے تو معلوم نہیں کہ اس وقت کے لئے کیا جواب مجتہد صاحب نے سوچا ہے۔
جو کہ ہم سارے تار و پود کو مجتہد صاحب کے درہم برہم کر چکے اس لئے اب اس آیت کے اصلی
معنی لکھتے ہیں جو کہ مفسرین شیعہ نے اپنی تفسیروں میں بیان کئے ہیں تاکہ اس سے معلوم ہو
جاوے کہ یہ تقریریں جو مجتہدان شیعہ نے کی ہیں لغو و پوچ ہیں یا کچھ اصلیت رکھتی ہیں علامہ
طوسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں کہ (لما[2] تقدم ذکر المنافقین والکفار عقبہ سبحانہ بذکر السابقین

---

[1] ہجرت سے مراد حبشہ کی جانب روانگی ہے جو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے سے کئی مرتبہ قبل وقوع پذیر ہوئی - اور اس میں بھی
ابوبکر کو ہجرت میں سبقت حاصل نہیں ہوتی۔ [2] بعد ذکر منافقین وکفار اللہ سبحانہ نے ذکر کیا سابقین فی الایمان کا،
[illegible] الاولین یعنے سبقت کرنے والے طرف اور طاعتوں کے اور نہیں مدح فرمائی ان کی اللہ نے مگر اس واسطے

بقیہ اگلے صفحہ پر

الی الایمان تعالیٰ والسابقون الاولون ای السابقون الی الایمان والی الطاعات وانما مدحہم
بالسبق الان السابق الی الشی یتبعہ غیرہ فیکون متبوعا وغیرہ تابع لہ فہو امام فیہ وداع فیہ الی
الخیر سبقہ الیہ وکذالک من سبق الی شر یکون اسوء حالاً بسببہ والعلۃ من المہاجرین الذین ہاجروا
من مکۃ الی المدینۃ والی الحبشۃ والانصار ای ومن الانصار الذین سبقوا نظرائہم من اہل المدینۃ
الی الاسلام ومن قرأ والانصار بالرفع لم یجعلوا من السابقین وجعل السبق للمہاجرین خاصۃ،
والذین اتبعوہم باحسان ای افعال الخیر الدخول فی الاسلام بعدہم وسلوک مناہجہم ویدخل فی
ذالک من یجی بعدہم الی یوم القیمۃ رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ اخبر سبحانہ انہ رضی عنہم ورضوا عن اللہ
کما اسلما اجزل لہم من الثواب علی طاعاتہم وایمانہم بہ ویقینہم واعد لہم جنات تجری تحتہا الانہار
خالدین فیہا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۲) کہ جو سبقت کرنیوالا ہے طرف کسی شے کے اس کی تابعداری کرتے ہیں اور لوگ پس وہ پیشوا ہوتا ہے اور دوسرے ا
پیروی کرنے والے اس کے پس وہ امام ہے اس کام میں اور بلانیوالا اس کام میں نیکی کی طرف اور ایسا ہی جو شخص ابتدا کرے
برے کام کی بدحال ہوتا ہے وہ شخص اس واسطے (یعنی اوروں کا خراب کرنے والا ہے) من المہاجرین مہاجرین وہ لوگ ہیں جنہوں
نے ہجرت کی مکہ سے طرف مدینہ اور حبشہ کے والانصار یعنی انصار سے وہ لوگ ہیں جنہوں نے سبقت کی اپنے برابر والوں اہل
مدینہ سے اسلام کیطرف جس شخص نے والانصار کو پیش پڑھا اس نے انصار کو سابقین سے نہیں کہا اور فضیلت سابقیہ
کو مہاجرین کے واسطے خاص کر دیا والذین اتبعوہم باحسان یعنی وہ لوگ جنہوں نے تابعداری کی مہاجرین وانصار کی نیک
کاموں میں اور اسلام لانے میں اور چلے ان کی راہوں پر اور داخل ہے اس حکم میں جو شخص ایسا قیامت تک ان کے بعد ہوگا
رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ خبر دی اللہ سبحانہ نے بے شک اللہ رب راضی ہوا ان سے اور وہ راضی ہوئے اللہ سے راضی ہونا
اللہ کا بسبب طاعتوں اور ایمان اور یقین ان کے ساتھ اللہ کے اور راضی ہونا ان کا اس سبب سے کہ تیار رکھا گیا واسطے ان
کے ثواب واعد لہم جنات تجری تحتہا الانہار خالدین فیہا یعنی مقرر کی گئی واسطے ان کے جنت کہ بہتی ہیں اور نیچے ان کے
نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے ہمیشگی اور دوام پھر فرمایا اللہ سبحانہ نے ذالک الفوز العظیم یعنی یہ اتنی بڑی [illegible]
ہے کہ [illegible] معلوم ہوتی ہیں پیغمبر میں اس کی کل نعمتیں۔

فضیلت ہر سابقین کے اور بہتری ہے پہلوں لوگوں کے اوروں سے اس سبب سے کہ لائق ہوئی ان کو بڑائی دین
کی مدد کرنے میں منجملہ ان کے مفارقت گھروں کی اور عزیزوں کی اور چھوڑنا ان باتوں کا جسے وہ دوست رکھتے تھے دین
دین سے بسبب ایذا و ستانے کفار کے اور مدد اسلام کی وقت قلت ان کی اور کثرت دشمنوں کی اور پہلے لانا ایمان کا اور جو لازم
ایمان کے ہے واسطے قیام اللہ رحمۃ اللہ علیہ۔

ابدا یبقون[1] بقاء اللہ تعالیٰ ذالک الفوز العظیم ای الفلاح العظیم الذی یصغر من جنبہ کل نعیم وفی ہذہ الآیۃ دلالۃ علیٰ فضل السابقین ومزیتہم علیٰ غیرہم لما لحقہم من انواع المشقۃ فی نصرۃ الدین فمنہا مفارقۃ العشائر والاقربین ومنہا مباینۃ المالوف من الدین ومنہا نصرۃ الاسلام وقلۃ العدد وکثرۃ العدو ومنہا السبق الی الایمان والدعاء الیہ) علاوہ اس کے دوسری تفسیر دیکھئے کہ صاحب خلاصۃ المنہج لکھتا ہے۔ (السابقون الاولون یعنی پیشی گیرندگان پیشینیاں ای آنہا کہ سبقت گرفتند بر عامہ مؤمنان در ایمان من المہاجرین از مہاجرین اے آنا کہ از مکہ ہجرت کردند و بمدینہ آمدند[2]) اس سیرین سے جو معنی مہاجرین کے معلوم ہوئے اور جو فضائل ان کے ثابت ہوئے اس کے لئے اس کا ترجمہ ہی کافی ہے زیادہ لکھنا کچھ ضرور نہیں اگر اس پر بھی سیری نہ ہوئی ہو تو میں دوسری آیت کی تفسیر سناتا ہوں جس میں ہجرت کا ذکر ہے یعنی اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے کہ والذین آمنوا و ہاجروا[3] وجاہدوا فی سبیل اللہ ہاجروا کے اخیر میں مفسر طوسی مجمع البیان میں لکھتے ہیں کہ (ہاجروا من دیارہم واوطانہم یعنی من مکۃ الی المدینۃ) پس ان سب تفسیروں کو طاق نسیان پر رکھ دینا اور ان ساری فضیلتوں کو جسے خود علماء امامیہ نے ان آیتوں کی تفسیر میں بیان کیا ہے نہ دیکھنا اور سابقون کی لفظ سے سبقت الی الموت مراد لینا اور ہجرت کے معنی شعب ابی طالب میں نقل مکان کرنا کتنا نتیجہ تقدس اور ثمرہ اجتہاد ہے وگرنہ ہیچ۔

تیسرا جواب شیعوں کا آیات فضیلت صحابہ رضی سے

بعض دانشمندوں نے یہ جواب دیا ہے کہ جو ذکر رضامندی کا اللہ جل شانہٗ نے مہاجرین وانصار کی نسبت قرآن مجید میں کیا ہے اس سے سب مہاجرین وانصار مراد نہیں ہیں بلکہ خاص خاص گو ظاہر میں کچھ تخصیص نہیں کی چنانچہ قاضی نور اللہ شوستری اپنی مصائب میں فرماتے ہیں کہ (بل ہم یقولون[4] ان شہادتہ تعالیٰ لہم بالرضاء ومن اتبعہم باحسان یکون ان

[1] قولہ یبقون الخ مراد اس فقرہ سے ہمیشگی اور دوام ہوتا ہے اور اس مقام میں واسطے تاکید کے ہے ۱۲ مولوی انعام اللہ عفی عنہ

[2] سابقون الاولون یعنی جن مہاجرین نے عام مسلمانوں کی بہ نسبت ایمان لانے میں سبقت کی اس کا مطلب یہ ہے کہ مکہ سے مدینہ آنے میں سبقت کی

[3] پارہ ۱۰ سورۂ انفال رکوع ۱۰ ترجمہ اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں ۱۲ موضح

[4] ہجرت کی ان لوگوں نے اپنے گھروں اور وطنوں سے یعنی مکہ سے مدینہ کو ۱۲ مولوی انعام اللہ عفی عنہ

[5] بلکہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ شہادت اس اللہ تعالیٰ کی واسطے ان کی رضا کے اور واسطے اس شخص کے کہ تابعداری کی

بقیہ حاشیہ آگے

یکون خصوصاً من قول اللہ تعالٰے وان کان یخرج الکلام للعموم وہذا فی کتاب اللہ موجود من خطاب الخصوص وہو عموم ومن خطاب العموم وہو خصوص لمن استقام منہم دون من لم یستقم والنظر یدلنا علی ان اللہ عزوجل انما رضی عمن استقام فی طاعتہ وان الجنۃ وعد ہا لمن سارع الی مرضیاتہ وتجنب عن معاصیہ ومن خرج عن ہذہ الحال کان محالاً ان یستحق الرضا من اللہ تعالٰی فما لہم ایضاً فی ہذا الحال حجۃ۔ قاضی صاحب مؤلف نواقض الروافض سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں کہ جو تم نے کہا کہ شیعوں کا قول ہے نزول بشارتیں صحابہ کے لیے مثل غصب ہونے خلافت کے ہیں، سو یہ تمہارا افترا ہے شیعوں کا یہ قول نہیں ہے بلکہ صحابہ کی فضیلت کی آیتوں سے شیعی یہ جواب دیتے ہیں کہ خدا کا اپنی رضا پر بہ نسبت ان کے شہادت دینا گو بظاہر کلام الٰہی میں عام واقع ہوا ہے مگر مراد اس سے خاص خاص لوگ ہیں اور قرآن مجید میں ایسا بہت جگہ واقع ہے کہ کلام عام ہے اور مراد اس سے خاص ہیں یا کلام خاص ہے اور مراد اس سے عام ہیں اور غور کرنے سے یہ بات صحیح معلوم ہوتی ہے اس لئے کہ خدا نہیں راضی ہوا مگر اس سے جو کہ اس کی طاعت میں ثابت قدم ہوا اور جنت نعیم تیار کی گئی مگر اس کے لئے جو کہ اس کی مرضی پر چلا اور اس کے گناہوں سے بچا اور جو اس حال پر ثابت قدم نہیں رہا اور اس سے نکل گیا محال ہے کہ وہ خدا کی رضا کا مستحق ہو پس سنیوں کے پاس حجت کیا ہے فقط اس تقریر کے اخیر پر قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ الحمد للہ یعنی ہم نے خوب مدلل تقریر کی اور سنیوں کے قول کو خوب رد کیا مگر حقیقت میں یہ قول بھی کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماءً[1] محض دھوکہ ہے، چنانچہ اس کی غلطی میں چند وجوہ سے ثابت کرتا ہوں۔ اولاً قاضی صاحب نے اس امر سے انکار کیا کہ شیعوں کا یہ قول نہیں ہے کہ بعد غصب خلافت کے مہاجرین و انصار اس فضیلت سے مستثنیٰ ہو گئے لیکن

(بقیہ حاشیہ) اس نے ان کی احسان میں ممکن ہے یہ کہ ہو خصوص قول اللہ تعالیٰ سے اگرچہ جاری کیا گیا ہے کلام واسطے عموم کے اور یہ کتاب اللہ میں موجود ہے خطاب خصوص سے اور وہ عام ہے اور خطاب عموم سے اور وہ خاص ہے بخلاف ہے ہم کو یہ بات کہ واسطے اس شخص کے کہ مستقیم ہوا ان سے سوا اس شخص کے کہ نہ استقامت کی اور دلیل اللہ عزوجل جزایں نیست کہ راضی ہوا اس شخص سے کہ مستقیم ہوا بیچ اطاعت اس اللہ تعالیٰ کے اور تحقیق وعدہ کیا ہے اس اللہ تعالیٰ نے جنت کا واسطے اس شخص کے کہ جلدی کی اس نے طرف خوشی اس اللہ کے اور بچا اس کے گناہوں سے اور جو شخص خارج ہوا اس حال سے محال ہے یہ کہ مستحق ہو رضا کا اللہ تعالیٰ سے پس کیا چیز ہے واسطے ان کے اس حال میں حجت ۱۲ مولوی انیس اللہ سلمہ

[1] پارہ ۱۸ سورۃ نور رکوع ۵۔ ترجمہ جیسے ریت جنگل میں پیاسا جانے اس کو پانی ۱۲ موضح القرآن

بعد اس کے وہ تقریر کی جس سے ثابت ہوا کہ حضرت بھی یہی کہتے ہیں اس لیے کہ خدائی جل شانہٗ
تو رضامندی اپنی بیان کرتا ہے۔ ہجرت اور نصرت اور بیعت رضوان سے اور یہ سب امور
واقع ہو چکے تھے اور بعد وقوع اُن کے یہ آیتیں انہیں افعال کی مقبولیت میں نازل ہوئیں
تو اب دو باتیں ثابت کرنی چاہئیں یا یہ کہ خلفائے ثلثہ اور دیگر مہاجرین و انصار نے یہ کام نہیں
کئے نہ انہوں نے ہجرت کی نہ انہوں نے نصرت اور بیعت کی تاکہ وہ لوگ اس رضا سے مستثنیٰ
ہو جاویں یا یہ ثابت کیجئے کہ بعد اس فعل کے اُن سے ایسے افعال ہوئے جن کے سبب سے وہ
مستحق اس رضامندی کے نہ رہے اور وہ فعل سوائے غصب خلافت اور عداوت اہل بیت کے
دوسرا کوئی نہیں ہے تو اس سے وہی بات ثابت ہوئی جس کا انکار کیا تھا لیکن بغیر ان دو امر دل
سے کسی ایک امر کے اقرار کرنے کے یہ بات کہ مہاجرین کی ہجرت کو بھی قبول کرنا انصار کی نصرت
کا بھی اقرار کرنا اور بیعت رضوان کی شرکت کو صحیح جاننا اور ان آیتوں کو انہیں کاموں کے
سلسلہ میں نازل سمجھنا اور پھر مہاجرین و انصار کو اس عموم سے خارج کرنا نہ عقلاً درست ہے۔
نہ نقلاً۔ عقلاً اس لئے کہ جب خدائی جل شانہٗ ہے کہ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کہ میں مہاجرین
و انصار سے راضی ہوا اور وہ مجھ سے راضی ہوئے اور اگر کوئی شک کرے کہ ہجرت و نصرت
کے لئے ایمان شرط ہے اور مہاجرین و انصار ایمان نہ رکھتے تھے ان کے گمان و وہم کے باطل
ہونے پر خدا دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ والذین[1] آمنوا و ہاجروا و جاہدوا فی سبیل اللہ والذین
آووا و نصروا اولئک ہم المومنون حقا کہ جن لوگوں نے خدا و رسول کی تصدیق کی اور جو
اپنے گھر بار چھوڑ کر مدینہ میں ہجرت کر آئے اور جنہوں نے اعلاء دین خدا کے لئے جہاد کیا اور
جنہوں نے اُن لوگوں کو اپنے یہاں پناہ دی اور پیغمبر خدا کی مدد کی وہی لوگ سچے ایمان والے
ہیں پس ایسی صریح آیتوں سے مہاجرین و انصار کو خارج کرنا نصوص قطعیہ سے انکار کرنا
ہے اسلئے کہ اس آیت میں خدائے تبارک و تعالیٰ یہ نہیں بیان کرتا ہے کہ جو لوگ ایمان
لاویں گے اور نیک کام کریں گے اُن کو میں جنت دوں گا کہ یہاں لقائی حکم اور خصوص و
عموم سے بحث کی جائے بلکہ یہاں تو ایک امر گذشتہ اور ایک گروہ خاص کے ایمان سے خبر
دیتا ہے اور اُن کے مومن ہونے کو تصدیق کرتا ہے اسی لئے کہ کوئی شبہ نہ کرے اور اس

---

[1] پارہ ۱۰ سورہ انفال رکوع ۱۰ ترجمہ۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور گھر چھوڑے اور لڑے اللہ کی راہ میں اور
جن لوگوں نے جگہ دی اور مدد کی وہی ہیں تحقیق مسلمان ۱۲ مرتب القرآن۔

طائفہ کی نسبت عموم خصوص کی قید نہ لگاوے اور اسی لئے اولئک ہم المؤمنون حقاً کو فرمایا کہ وہی لوگ جنہوں نے نصرت کی یعنی مہاجرین و انصار وہی سچے مومن ہیں پس یہ جملہ خبریہ ہے نہ انشائیہ اور از قبیل اخبار ہے نہ از قبیل امر ونہی پس کسی طرح نسخ کا بھی شبہ اس میں نہیں ہو سکتا اس لئے کہ اخبار میں نسخ واقع نہیں ہوتا اور نہ جو قصے حضرت آدمؑ اور حضرت موسیٰؑ اور حضرت یوسف وغیرہ انبیائے اکرام علیہم السلام کے خدا نے قرآن مجید میں فرمائے ہیں سب سے یقین جاتا رہے اور انجام اور خاتمے کے معلوم نہ ہونے کا احتمال کر کے یقین ان پر نہ رکھا جاوے اور عموم اور خصوص کی قید لگا کر سارے قرآن شریف میں تحریف کر دی جاوے پس باوجود ایسے نص صریح کے مہاجرین و انصار کو مومن نہ کہنا حقیقت میں ایسا ہے جس طرح پر انبیا کی نبوت اور اصحاب کہف کی فضیلت اور اخبار ماضیہ مذکورہ قرآن کی صحت سے انکار کرنا کیونکہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ ہم اصحاب کہف کے ایمان کے قائل نہیں ہیں اس لئے کہ معلوم نہیں کہ وہ قیامت میں نیکوں میں ہوں گے یا معاذ اللہ دوسرے گروہ میں اور یہ بھی ہم کو معلوم نہیں کہ اُن کی نیت بخیر تھی یا نہیں اس لئے کہ نیت امر ست باطنی اور یہ بھی ممکن ہے کہ سب اصحاب کہف باایمان نہ ہوں اس لئے کہ خدا کے کلام میں اکثر عموم و خصوص ہے کہ کلام عام ہوتا ہے اور مراد اُس سے خاص ہوتی ہے پس ایسے احمق ملحد کے جواب میں سوائے اس کے کیا کہو گے کہ خدائے جل شانہ صاف اُن کے حال کی خبر دیتا ہے کہ انہم فتیۃ آمنوا بربہم و زدنا ہم ہدی[1] اور خدا اُن کے ایمان اور ہدایت کی صاف بہ جملہ خبریہ خبر دیتا ہے تو ایسے نص قطعی میں احتمالات کرنا اور اُن میں عموم خصوص کے شکوک پیدا کرنا خدا کے کلام سے انکار کرنا ہے پس اسی طرح پر بلا وجہ مہربانی مہاجرین و انصار کے ایمان پر خیال کرو کہ خدائے پاک اُن کے حق میں بھی صاف فرماتا ہے کہ والذین آمنوا و ہاجروا و جاہدوا فی سبیل اللہ اولئک ہم المؤمنون حقاً۔ اور یہ جملہ خبریہ ان کے ایمان کو بیان کرتا ہے پس جب ایسی نص صریح سے کوئی انکار کرے اور پھر بھی مہاجرین و انصار کو مومن نہ کہے وہ ایسا ہی ہے جیسا منکر ایمان اصحاب کہف کا یا نہیں اور ایسے نصوص صریح کا منکر ملحد اور مرتد ہے یا نہیں غنوا لک

---

[1] حوالہ اس کا اور ترجمہ صفحہ میں اس کتاب کے دیکھو

[2] پارہ ۱۵ سورہ کہف رکوع ۲ ترجمہ نہ بہ قدر توں سے اللہ کی جس کو راہ دے اللہ وہی آوے راہ پر اور ... کو وہ بچلاوے پھر تو نہ پاوے اس کا کوئی رفیق راہ پر لانے والا ۱۲ مونخ۔

من آیات اللہ من یہد اللہ فہو المہتد ومن یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا

دلیل نقلی اگر اس تقریر سے بھی آپ کا اطمینان نہ ہو تو اپنے ہی مفسرین سے تصدیق اس کلام کی سنیئے کہ علامہ طوسی الذین آمنوا وہاجروا الخ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ثم عاد سبحانہ الی ذکر المہاجرین والانصار ومدحہم والثناء علیہم فقال والذین آمنوا وہاجروا وجاہدوا فی سبیل اللہ ای صدقوا اللہ ورسولہ وہاجروا من دیارہم واوطانہم یعنی من مکۃ الی المدینۃ وجاہدوا مع ذلک فی اعلاء دین اللہ والذین آووا ونصروا ای ضموہم الیہم ونصروا النبی اولئک ہم المومنون حقا ای اولئک الذین حققوا ایمانہم بالہجرۃ والنصرۃ بخلاف من قام بدار الشرک، انتہی بلفظہ یعنی پھر خدا شروع کرتا ہے مہاجرین وانصار کے ذکر کو اور ان کی مدح کرتا ہے اور ان کی ثنا وتعریف فرماتا ہے کہ آمنوا یعنی ایمان لائے ایمان سے کیا مراد ہے کہ تصدیق کی خدا کی اور اس کے رسول کی اور ہاجروا من دیارہم یعنی اپنے گھروں سے ہجرت کی یعنی مکے سے ہجرت کی اور مدینے کو آئے وجاہدوا یعنی اتنی ہی تکلیف پر قناعت نہ کی بلکہ خدا کا دین بڑھانے کے لئے جہاد بھی کیا والذین آووا ونصروا سے کیا مراد ہے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ان گھر چھوڑنے والوں کو اپنے یہاں جگہ دی اور پیغمبر خدا کی مدد کی پھر خدا فرماتا ہے کہ اولئک ہم المومنون حقا یعنی یہی لوگ جو کہ مہاجرین وانصار ہیں سچے مومن ہیں اور خدا نے فقط مومنون نہ کہا بلکہ آگے قید حقا کی اور بڑھا دی اس کا کیا فائدہ ہے اس حقا سے یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ثابت کر دیا ہے ہجرت اور نصرت کے بخلاف ان لوگوں کے جو کہ رہ گئے دار الشرک میں فقط پس اب کیا ایسی تصریح کے بعد بھی کسی کی زبان پر یہ لفظ آسکتا ہے کہ مہاجرین وانصار مومن نہ تھے اور [illegible] کوئی شخص جرأت رکھ سکتا ہے کہ یہ کہے کہ ہجرت سے مراد شعب ابوطالب کی ہجرت ہے یا والسابقون الاولون سے مراد موت کی طرف سبقت کرنے والے ہیں یا اور کسی کو یہ قدرت ہوگی کہ اس کے سننے کے بعد عموم وخصوص کا نام کسی کی منہ سے نکلے کا سو فقط یہ کہنا شیعوں کا کہ رضامندی کے لئے حسن خاتمہ کا حال معلوم ہونا ضرور ہے صرف دھوکہ ہے اس لئے کہ یہ رضامندی ہی حسن خاتمہ کی شاہد ہے اس لئے کہ اگر خدا جانتا کہ اس گروہ کا خاتمہ نیک نہ ہوگا اور یہ فرقہ پیچھے مرتد ہو جاوے گا اور بہ سبب غصب کرنے خلافت علی کے اور بوجہ چھین لینے فدک کے کافر ہو جاوے گا تو خدائے پاک کے علم غیب سے بعید ہے کہ وہ پھر اپنی رضامندی بیان کرتا اور ان کے ایمان کے یہ لفظ کہہ کر کہ اولئک ہم المومنون حقا کہ

یہی لوگ جو مہاجرین و انصار ہیں سچے مومن ہیں تصدیق کرنا جو شخص خدا کی نسبت کیا عیاں کرے وہ کافر ہے نہ مسلمان۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ خدا نے کبھی کسی منافق کی بھی تعریف کی کسی مرتد کی بھی ثنا و صفت کی کسی کافر کے کسی نیک کام کی ثنا و صفت کی آخر بہت سے کافر گزرے ہیں اگر جو سخی تھے انصاف بھی کرتے تھے مگر صرف اس وجہ سے کہ کافر تھے اور کفر کی وجہ سے مستحق جہنم تھے خدا نے ایک لفظ بھی اُن کی تعریف میں نہ کہا اور اپنی رضامندی کو اُن کے کسی فعل سے منسوب نہ کیا اس لئے کہ جب وہ جانتا تھا کہ یہ لوگ کافر ہیں اور آخر کار دوزخ میں بھیجنا ہوگا۔ تو رضامندی کا اظہار کرنا گویا تدلیس کرنا ہے اور دھوکا دینا ہے نعوذ باللہ من ہذہ پس اگر صحابہ کے صرف ہجرت یا نصرت یا بیعت سے راضی ہوتا اور باقی اُن کے سارے کاموں سے یا اکثر کاموں سے ناخوش یا اُن کے کفر و نفاق کے سبب سے اُن کو دوزخی کرنا ہو تو پھر یہ لمبی چوڑی تعریفیں اُن کی اور ایسی اعلیٰ درجے کی ثنا و صف اُن کی کرنا کس غرض سے تھا کیا خدا نے بھی تقیہ کیا تھا یا معاذ اللہ ظاہر میں دل خوش کرنے کے لئے اور اپنا کام نکالنے کے لئے اُن سے تدلیس فرماتا تھا۔ یا اُس سے غلطی ہو گئی تھی کہ بے انجام سوچے ایسے فرقے کے جو آخر کو سب کے سب مرتد ہو گئے یا جیتے جی سب کے سب منافق تھے اُن کی ثنا و صفت کی بیش از بیش نیست کہ اگر خدا کو صاف کہنا منظور نہ ہوتا تو یہ فرما دیتا کہ جن لوگوں نے ہجرت کی ہے اور جنہوں نے نصرت کی ہے یہ سب کے سب مومن اور اچھے نہیں ہیں اور سب سے میں راضی نہیں ہوں جو حقیقت میں مرتے دم تک ثابت قدم رہے گا اور جو خلافت علی اور فدک فاطمہ کو نہ چھینے گا یا جو کہ اُن واقعات دردناک کے وقوع سے پہلے سبقت الی الموت کر جاوے گا انہیں کی نسبت میری رضامندی ہے تاکہ کسی کو کچھ دھوکہ نہ رہتا نہ کہ بجائے اس کے اس سارے فرقے اور کل گروہ کی ہجرت اور نصرت ہی کی تعریف کرے اور اُن کی ہجرت اور نصرت ہی کو اُن کے ایمان کی حجت کی دلیل لاوے پس اے مومنین ذرا آیات قرآنی پر غور کرو اور مالہ و ماعلیہ اس کا سوچو اور تدلیس اور تقیہ اور بداء کو خدائے پاک کی جناب میں نسبت نہ کرو معلوم نہیں کہ تم نے اپنے ذہنوں میں کس کو امام تصور کیا ہے کس کو پیغمبر جانا ہے کس کو خدا سمجھا ہے کہ کسی کی نسبت سچائی اور صفائی کا اعتماد نہیں کرتے سب کی باتوں میں دخل فصل بیان کرتے ہو جس طرح پر تم اپنے فرضی اماموں کی نسبت تقیہ کی تہمت کرتے ہو۔

بعینہ ویسے ہی اپنے خدا کی شان میں تدلیس اور بداء کو منسوب کرتے ہو ورنہ ہمارے اماموں نے بھی ہمیشہ صاف صاف معاملہ رکھا ہے ہمارے سچے اور ایک خدا کی بات بھی ہمیشہ ایک ہی ہے جس کو اس نے مومن جانا پیغمبر خدا سے کہہ دیا کہ یہ مومن ہیں ان کو اپنے ساتھ رکھو ان کو اپنا مصاحب بنا ان سے مدد لے ان کے گھروں میں آرام کر جن کو منافق جانا ان کی نسبت صاف اپنے رسول سے کہہ دیا کہ ان کو نہ بٹھلا چنانچہ خاص پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثنا کے برتاؤ سے سب پر کھل گیا کہ کون منافق تھے اور کون مخلص تھے صحبت نبوی حقیقت میں ایمان کی کسوٹی تھی مگر ہمارے نزدیک وہ سچے ہیں اور تمہارے نزدیک جھوٹے پس دو حال سے خالی نہیں یا آنکہ پیغمبر خدا نے ان مہاجرین و انصار کے نفاق کو جانا اور یا آنحضرت پر نفاق اُن کا نہ کھلا اگر اُن کا نہ کھلا اگر ان کا نفاق کھل گیا تو ان کی صحبت میں رکھا یا نہیں اگر کہو کہ رکھا تو منافق کو اپنی صحبت میں رکھنا کیا معنی اور اگر نہیں رکھا تو ساری حدیث اور تفسیر اور سیر اور تاریخ کی کتابوں کو گنگا جمنا میں ڈال کر میلاد نبوی ہی سے انکار کرنے لگو اور سارے متواترات کے منکر ہو جاؤ اور اگر ان کا نفاق نہیں کھلا تو اول اُن منافقین پر آفرین کہ کر کیسے ہوشیار اور چالاک تھے کہ ابتدائے طلوع نیر نبوت سے غروب کے زمانے تک اپنے نفاق میں ایسے ہوشیار رہے کہ کبھی پیغمبر خدا پر اُن کا حال نہ کھلا اور آنحضرت کو اُن کے نفاق پر اطلاع نہ ہوئی نہ جبرئیل ان کی خبر لائے نہ خدا نے اُن پر وحی کی نعوذ باللہ من ذالک بعد اس کے یہ خیال کرو کہ وہ منافقین کتنے تھے دو چار تھے یا ہزار دو ہزار پس اگر ارتدت العرب کلہم الا ثلثہ پر نظر کی تو یہی ارشاد ہو گا کہ سوائے تین چار کے باقی سب کے سب منافق یا کافر تھے یا مرتد ہو گئے اور اگر یدخلون فی دین اللہ افواجا[1] پر خیال گیا تو کہو گے کہ اگرچہ منافق بھی بہت کم تھے مگر سچے اور پکے مومن بھی بارہ ہزار سے کم نہ تھے بلکہ منجملہ بارہ ہزار کے سو آدمیوں کے نام بھی بتلا دو گے مگر اُس وقت یہ سوچو کہ یہ بارہ ہزار منافقوں پر غالب تھے یا منافق اُن پر غالب تھے اگر یہ کہو کہ منافقوں پر غالب تھے تو تعجب ہے کہ باوجود غلبے کے پھر منافقوں کو پیغمبر صاحب نے جیتے جی نکال نہ دیا اور اُن کو ذلیل و خوار نہ فرمایا اور پھر بعد پیغمبر خدا کے ان منافقوں کا کسی نے مقابلہ نہ کیا اور وصی برحق امام مطلق کا دو تین کے سوا کسی نے ساتھ نہ دیا بلکہ خاص لبضعہ رسول سیدۃ النسائین چار رات برابر گھر گھر پیادہ پا دوڑیں اور سارے مہاجرین

---

[1] پارہ ۳۰ سورہ نصر رکوع ۱ ترجمہ پیٹھے اللہ کے دین میں فوج فوج موضح القرآن ۱۲

واقف اور سے مدد چاہی عمامۂ رسول بھی دکھلایا جامۂ نبوی کو بھی پیش کیا حسنین سے معصوم بچوں کے حال پر بھی ترحم کی خواہش کی اور خود بھی ایک دشمن کی لات کے صدمہ سے مجروح ہوئیں اور ایک معصوم بچہ شکم مبارک ہی میں شہید ہوا اور داماد رسول کو بھی منافق گلے میں رسی ڈالکر کھینچتے ہوئے چلے اور اُدھر وہ خدا و رسول کا واسطہ دلاتے رہے اور ادھر سیدۂ پاک دروازے سے اس حال زار کو دیکھ دیکھ کر وا ابتاہ وا محمداہ چلاتی رہیں اور واویلا کا غل ملائکہ نے سنا اس ہنگامۂ قیامت کے دیکھنے کو سدرۃ المنتہیٰ سے فرشتے دوڑے اور ان منافقوں نے کیا جو کچھ کیا اور ان معصوموں پر گذرا جو کچھ گذرا اور پھر ایسی حالت میں کہ غیروں کو رحم آجاتا ہے دشمنوں کے دل بھی نرم ہو جاتے ہیں جس سے کچھ علاقہ نہیں ہوتا وہ بھی مدد پر ہو جاتا ہے مظلوموں کو ظالم سے بچاتا ہے مگر ایسی مصیبت اور تکلیف کی حالت میں بھی باوجودیکہ بارہ ہزار سچے پکے مومن موجود تھے جس میں سے نہ کوئی جبری تھا نہ قدری نہ کوئی دشمن علی تھا اور علاوہ اُن کے تمام بنی ہاشم بھی جن کی شجاعت و مردانگی کا رعب سارے عرب پر غالب تھا مسلح ہتھیار بند موجود تھے اور پھر باتیں قوت و شوکت اور یہ باتیں شجاعت و صولت کوئی بھی اُن بارہ ہزار میں سے نہ بنی ہاشم میں سے ایک بھی حمایت کو اٹھا اور نہ کسی نے وصی رسول کی مدد کی اور نہ کسی نے بضعۂ نبوی کی اعانت کی سب کے سب بیٹھے بیٹھے تماشا دیکھا کئے اور ان منافقوں کو جن کے نہ دل میں ایمان تھا نہ بدن میں قوت تھی نہ جن کی قریش میں کچھ عزت تھی نہ جن کو کسی قسم کی فضیلت تھی ہمیشہ پیغمبر خدا سے نفاق کرتے رہے آنحضرت کے مارنے کی تدبیریں سوچتے رہے نہ کسی لڑائی میں کبھی تلوار نکالی بلکہ اپنی عمر بھر میں ایک پشّے کا خون بھی نہیں بہایا، مارنا کیسا ساری لڑائیوں میں سے وقت پر فرار ہی اختیار کیا پس ایسے لوگوں سے ان بارہ ہزار آدمیوں کا ڈرنا اور بنی ہاشم کا بھی چون و چرا نہ کرنا دو حال سے خالی نہیں یا آنکہ وہ بھی منافق تھے اور دشمن اہل بیت گو خود غاصب اور ظالم نہ ہوں لیکن غاصبوں اور ظالموں کے معین ہونے میں تو کچھ کلام ہی نہیں اور جب وہ بھی منافق ٹھہرے تو پھر ایمان والے تین کے تین ہی رہ گئے اور یا آنکہ جتنی باتیں ہم نے تمہاری طرف سے نقل کیں اس میں کوئی ثابت نہیں ہوئی نہ کسی نے کسی کا حق غصب کیا نہ کسی نے کسی پر ظلم کیا بلکہ حق بحق دار دیکھ کر کسی نے مخالفت کسی کی نہ کی اور سب کے سب مہاجرین و انصار مومن اور مخلص تھے۔

پس لے حضرات شیعہ سوائے ان صورتوں کے اور کوئی دوسری صورت ہی نہیں تھی جس

سے حفاظت ہوسکے یا تو سب مہاجرین وانصار کو کافر کہو منافق جانو اور یا سب کو مومن اور مخلص کہو وانی لہم ذلک مگر کبھی یہ کہنا کہ سب منافق تھے اور کبھی یہ فرمانا کہ بارہ ہزار با ایمان اصحابی تھے اور کبھی یہ ارشاد کرنا کہ پیغمبر خدا کے مرتے ہی سب مرتد ہو گئے تھے اور کبھی یہ کہنا کہ بعد خلیفہ سوم کے پھر لوگ تائب ہو گئے تھے اور پھر رجوع ایمان کی طرف لے آئے تھے اور مثل اسکے ہر موقع اور ہر مقام پر رنگ بدلنا اور بات بات میں دورنگی کرنا عقل کے بھی خلاف ہے اور ایمان کے بھی اور حیا کے بھی مخالف ہے اور انصاف کے بھی کیا وہ لوگ جنہوں نے ساری عمر کو پیغمبر خدا کی صحبت پائی اور تمام زندگی میں اپنی حضرت کی نصیحت سنی اور غاروں میں حضرت کے شریک رہے اور جہادوں میں مارنے مرنے پر مستعد رہے وہ سب کے سب پیغمبر خدا کے وفات فرماتے ہی مرتد ہو جاویں اور اگر کچھ لوگ رہ جاویں تو وہ خاندان نبوی پر ایسا ظلم صریح ہوتا ہوا دیکھ کر نہ زبان کو منہ سے نہ ہاتھ کو آستین سے نکالیں اور پھر باوجود ایسی ارتداد صریح اور واجب القتل ہونیکے بعد پچیس برس کے جب علی خلیفہ ہوں تب پھر توبہ کریں اور حضرت علی کے شریک ہو جاویں اور تم ان کی توبہ کو قبول کرو اور انکو با ایمان کہو اور ان کو جنتی جانو کیا خوب عقیدے ہیں آپ کے اور کیا اچھی باتیں ہیں آپ کی جو آپ ہی کو زیبا ہیں۔ شعر۔

ای دہانت زلب لب زدہان شیرین تر خندہ شیرین وسخن گفتن ازاں شیرین تر

یہ جو کچھ میں نے لکھا اسکی لفظ لفظ کی شرح باب امامت میں ہوگی اور اس اجمال کی تفصیل ایسی کی جاوے گی کہ کسی شیعی کی زبان سے بجز بجا و درست کے کچھ اور نہ نکلے مگر اس مقام پر دو چار فقرے لکھتا ہوں تاکہ اس کا حال لوگوں کو معلوم ہو جاوے۔

اعلموا ایہا الخلائق ہداکم اللہ تعالیٰ کہ شیعوں نے اول یہ دعویٰ کیا کہ خلافت حق جناب امیر کا تھا اور پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی حیات میں اپنا خلیفہ کر دیا تھا مگر خلفا ثلثہ نے انکا حق چھین لیا اور یکے بعد دیگرے خود خلیفہ بن بیٹھے اور خلافت کو اصول دین میں داخل کیا کہ اس کا منکر گویا توحید اور نبوت کا منکر ہے پس اس اصول سے یہ نتیجہ نکالا کہ خلفا ثلثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافر ہو گئے و نعوذ باللہ منہ اور چونکہ ایک لاکھ آدمی سے زیادہ مسلمان بعد پیغمبر خدا کے تھے اور جس میں سے ہزاروں مہاجرین وانصار اور بیعت الرضوان والے تھے سبھوں نے خلیفہ اول کی بیعت کی تو ان کی نسبت بھی ارتداد کا حکم قایم کیا اور سب کو معاذ اللہ مرتد ٹھہرایا اور چونکہ اس کے لئے کسی امام کا قول چاہئے اس لئے اماموں کی طرف منسوب کیا کہ ائمہ کرام نے

فرمایا ہے کہ بعد وفات پیغمبر خدا کے سب اصحاب مرتد ہو گئے مگر تین اور حضرت علی ایسے مجبور ہو گئے کہ وہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر چالیس آدمی جانباز میرے شریک ہوتے تو میں مقابلہ کرتا، جب سب اصحاب کے ارتداد کا دعویٰ کیا اس وقت آیات کلام اللہ پر نظر کی تو دیکھا کہ وہ تو تمام مہاجرین و انصار کی مدح و ثنا سے بھرا ہوا ہے اس لیئے اس میں تاویلات تقیدہ کرنا شروع کیں مہاجرین، کے یہ معنی بنائے کہ مراد اس سے شعب ابوطالب کی ہجرت کرنے والے ہیں یا حبشہ کے ہجرت کرنے والے انصار سے یہ معنی لیئے کہ وہی ساٹھ یا ستر آدمی مراد ہیں جو کہ اول اول مکہ معظمہ میں پیغمبر صاحب کے حضور میں حاضر ہوئے تھے اور سابقون کے یہ معنی بنائے کہ مراد ان سے وہ لوگ ہیں جو پیغمبر خدا کے سامنے ہی مر چکے تھے جب یہ خیال کیا کہ آخر یہ سب تعریفیں اصحاب کی جو خدا کی کتاب میں ہیں انکا مصداق کسی کو کرنا چاہیئے تو جہاں تک نہ ہو سکا ان آیتوں کو صرف شان میں علی مرتضیٰ کے قرار دیا اور جو کچھ خلافت کا وعدہ خدا نے اصحاب سے کیا تھا اس کو امام مہدی آخر الزمان کے عہد پر ٹالا اور جو شوکت و نصرت اور غلبہ اسلام کا خدا نے قرآن مجید میں بیان کیا تھا اور جس کا ظہور خلفاء ثلاثہ کے ہاتھ سے ہوا تھا اس کو امام صاحب کے ظہور پر ملتوی کیا باقی وہ آیتیں رہ گئیں ہیں جن کا مصداق سوائے اصحاب نبوی کے اور کوئی نہ ہو سکا تب یہ اقرار کیا کہ مراد اس سے وہ اصحاب ہیں جو ایمان پر ثابت قدم تھے اور جن کے اعمال بھی اچھے تھے اور بہت سی آیتوں کو جس میں، کثرت اصحاب اور غلبہ اہل اسلام کا ذکر ہے دیکھ کر کوئی چارہ سوا اس کے نہ پایا کہ تین کو چھوڑ دیئے اور دو چار ہزار اصحاب کی خوبیوں کا اقرار کیجیئے چنانچہ یہ سمجھ کر اور اہل سنت کی دارو گیر سے تنگ ہو کر اور کچھ خدا سے شرما کر آخر شیخ صدوق محمد بن بابویہ قمی نے کتاب خصائل میں یہ اقرار کیا کہ پیغمبر خدا کے بارہ ہزار اصحاب تھے جس میں سے آٹھ ہزار مدینے کے اور دو ہزار غیر مدینے کے اور دو ہزار اور آزاد و رہا کئے ہوئے جس میں نہ کوئی قدری تھا کہ جبر کا قائل ہو نہ کوئی معتزلی تھا نہ کوئی صاحب الرای تھا بلکہ سب کے سب نہایت نیک اور پاک تھے رات دن خدا کے خوف میں رویا کرتے اور خدا سے دعا کرتے کہ الٰہی قبل اس کے کہ ہم روٹی میدے کی کھاویں ہماری روح قبض کر لینا لیکن اس میں بھی کیا ہوشیاری کی کہ بوجہ خلفا ثلاثہ کے مکے والوں کا کچھ ذکر نہ کیا کہ وہاں کے بھی کچھ لوگ مسلمان تھے یا نہیں گویا باوجود اس کثرت کے بھی ان بیچاروں کو خارج ہی رکھا خیر بہر حال جب کسی سنی نے اعتراض کیا کہ عجب مذہب ہے تمہارا کہ اصحاب نبوی کو جن کی تعریف سے قرآن بھرا ہوا ہے کافر اور مرتد کہتے ہو تو جواب میں وہی روایت پیش کر دی کہ

ہم بارہ ہزار اصحاب کو بایمان جانتے ہیں اور ساری آیتوں اور احادیث اور اقوال کے مصداق کے
لشکر ان بارہ ہزار کے ایمان کا اقرار کیا اور بعضوں نے یہ خیال کر کے کہ اگر کوئی نام ان کے پوچھ
بیٹھے تو کیا جواب دیں گے ایک فہرست بھی تیار کی جس میں سو اصحاب کے نام لکھے مگر خدا کے
فضل سے وہ فہرست بھی ایسی ہے کہ جس کے دیکھنے سے ہنسی آتی ہے بعضے تو وہ لوگ ہیں جو
قبل ہجرت کے مر چکے تھے اور بعضے وہ لوگ ہیں جو ہجرت کے وقت کافر تھے اور بعضے وہ لوگ
ہیں جو جنگ بدر میں کافر ہونے کے سبب سے پکڑے آئے تھے اور ان سے فدیہ لے کر ان کو
چھوڑا تھا اور بعضے ایسے ہیں جو پیغمبر صاحب کی وفات کے وقت شاید نابالغ ہوں گے اور بعضے
وہ ہیں جن کو حضرت علی نے ذلیل و خوار فرمایا جیسا خائن اور بد دیانت کہا ہے خیر بہرحال دکھلانے
کے واسطے سو نام کی فہرست تیار کی الا باقیوں کی نسبت کہا کہ شیخ اعظم محمد بن علی بن حسن بن بابویہ
قمی نے اسماء الرجال کی کتابیں تیار کی ہیں ان میں بہت اصحاب کے نام ہیں مگر افسوس ہے کہ
ناصبیوں نے جلا دیں اور اب ان کا پتہ نہیں چلتا۔

غرض کتاب وہ دعوے جو ایک دوسرے سے مخالف تھے حضرات نے کئے کہ ایک دعویٰ
تو یہ کیا کہ سب اصحاب مرتد ہو گئے اور دوسرا دعویٰ یہ کیا کہ بارہ ہزار اصحاب نہایت نیک اور پاک
تھے اور دونوں متناقض روایتوں پر جب اہل سنت نے اعتراض کیا تو اب حدیث ارتد الصحابۃ
کلہم الا ثلثہ کے معنی بنائے کہ یہ جو امام نے فرمایا ہے کہ سب اصحاب سوائے تین کے مرتد ہو گئے
اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سب کافر ہو گئے بلکہ تین فرقے ہو گئے تھے ایک فرقہ تو صاف مرتد
ہو گئے یعنی دین سے پھر گئے اور بعض ضروریات اسلام کے منکر ہوئے ان کے ارتداد کا نام ارتداد
دینی رکھا گیا اور دوسرا فرقہ اخلاق حمیدہ اور صفات پسندیدہ کا تارک ہوا یعنی جو افعال حسنہ
اور اعمال صالحہ اور خصوص محبت سا تھا اہل بیت کے پیغمبر صاحب کے زمانے میں رکھتے تھے
اسے چھوڑ دیا اور نصرت اور اعانت ذریت حضرت سید المرسلین کی نیکی اور اس کے ترک میں ،
علما سنت کی اس ارتداد کا نام ارتداد خلقی رکھا گیا اور تیسرا فرقہ وہ قرار دیا گیا جس نے حقوق اہلبیت
کو غصب کیا اور علی مرتضیٰ کا اور فاطمہ زہرا کا حق چھین لیا اور عترت نبوی کو ستایا اس کا نام ارتداد
ایمانی رکھا یعنی ایمان کو چھوڑ دیا گو ظاہر میں اسلام کا نام ان پر باقی رہا پس اس حکیمانہ تقریر سے
دونوں مختلف حدیثوں یا روایتوں کو تطبیق دیا کہ جس حدیث میں ارتداد کل صحابہ کا ذکر ہے
اس سے ارتداد دینی اور ارتداد ایمانی مراد ہے اور جس روایت میں بارہ ہزار اصحاب کا ذکر ہے

وہ اس زمرہ میں داخل نہیں ہیں جن پر ارتداد دینی کا اطلاق ہے۔

بعد اس کے جب یہ خیال کیا کہ منجملہ ان تین فریق کے دو فریق تو حقیقت میں دین و ایمان سے محروم ہوئے ایک فریق رہ گیا جنکے ارتداد کا نام ارتداد خلقی رکھا گیا ان پر بھی یہ اعتراض ہوتا ہے کہ انہوں نے کیوں علی مرتضیٰ کی اعانت نہ کی اور اس جم غفیر نے محبت اہل بیت کی کیوں چھوڑی اور ایسے ظلم صریح کو دیکھ کر معاندین کا مقابلہ نہ کیا تب اکثر نے اس کا اقرار کیا کہ حقیقت میں کوئی سچا اور کامل ایمان والا نہ رہا تھا اور جب حضرت علی سے چند شخصوں نے اعانت کا وعدہ کیا اور جناب امیر نے ان کا امتحان لیا تو وہ بھی امتحان میں پورے نہ اترے اس لئے حقیقت میں ترک اعانت اہل بیت سے وہ بھی مرتد ہو گئے اور صرف دو تین سچے رفیق رہ گئے مقداد، سلمان، ابوذر اور بعضوں نے ان کو بھی اڑا دیا اور سچا دوست ایک مقداد ہی کو قرار دیا جب کہ یہ خیال کیا کہ آخر بعد تین خلیفوں کے اصحاب نبوی نے حضرت علی سے بیعت کی تو اگر وہ ان سے مخالف ہوتے تو کیوں چوتھی دفعہ ان کو خلیفہ کرتے کیا کوئی چوتھا آدمی باقی نہ رہا تھا تب یہ مضمون تراشا کہ یہ لوگ اوّل وہلہ میں مرتد ہو گئے تھے مگر بعد اندک مدت کے بہ بدرقہ عنایت ایزدی حق کی طرف رجوع لائے اور انہوں نے توبہ کی اور ہدایت پائی اور اپنے حق اور راہ راست پر ثابت قدم ہو گئے۔ لیکن یہ روایتیں اور حدیثیں کتب شیعہ میں ایسی ایک دوسرے سے مخالف ہیں کہ کسی کی تصدیق کرنی موافق اصول شیعہ کے محالات سے ہے اس لئے کہ بڑے بڑے فقہا اور مجتہدین ان کے اسی بات کے معتقد ہیں کہ جس نے نص نبوی کو سنا اور پھر منکر خلافت ہوا وہ اسلام سے بھی خارج اور واجب القتل ہو گیا بہر حال کوشش کر کے بہت سی باتیں بنائیں اور دس پانچ ہزار کو اصحاب نبوی میں شمار کیا مگر لعجواۓ ولا یصلح العطار ما افسدہ الدہر جو سلسلہ ایمان کا انکے بزرگوں نے توڑا تھا وہ پھر نہ جڑ سکا اور اب تک اس بات کا کسی شیعہ سے جواب نہ ہوا کہ جو لوگ غصب کرنے والے حقوق اہل بیت کے تھے وہ تو صرف تین ہی آدمی تھے باقی جو ہوں گے وہ انکے معین اور مددگار ہوں گے تو اگر ان کے معین و مددگار بہت نہ ہوتے تو وہ کیوں حق اہل بیت غصب کرنے پاتے اور اگر بہت تھے تو کچھ بھی ان کے مخالف تھے یا نہیں اگر کچھ لوگ بھی مخالف نہ تھے تو وہی ارتدت الصحابہ کلہم کا مضمون صادق آیا اور اگر دس پانچ ہزار آدمی ان سے مخالف تھے تو پھر انہوں نے تلوار کا تلوار سے زبان کا زبان سے لشکر کا لشکر سے بمقتضای السن[1] بالسن والجروح

---

[1] نہیں درست کرتا ہے عطار اس چیز کو کہ بگاڑ دیا اس چیز کو زمانہ نے ۱۲ مولوی قیام الدین صاحب سلمہ پارہ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۷ ترجمہ دانت کے بدلے دانت اور زخموں کا بدلہ برابر ہے ۱۲ موضح

قصاص، مقابلہ کیوں نہ کیا پس معلوم ہوا کہ مخالفین ان خلفائے جور کے بہت ہی کم تھے اس لئے بعض روایات میں آیا ہے کہ علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ بعد پیغمبر خدا کے سبھوں نے وصیت نبوی کو بھلا دیا اور ایمان کو چھوڑ دیا کوئی بھی مجھے ایسا نظر نہ آیا جس کے بھروسے پر میں مخالفین کا مقابلہ کرتا تو اس صورت میں وہ دعویٰ کہ بارہ ہزار اصحاب ایسے تھے جو رات دن روتے تھے باطل ہوا اس لئے کہ اگر دو چار ہزار بھی ان میں سے اس وقت تک زندہ ہوتے تو وہ کچھ مدد کرتے یا نہ کرتے شاید ان کو رونے سے فرصت نہ ملی ہوگی اور گوشہ عبادت سے نکلنا مناسب نہ تصور کیا ہوگا مگر وہ وقت جب کہ فاطمہ زہراء روتی پھرتی تھیں اور گھر گھر علی مرتضیٰ کے ساتھ مدد مانگتی پھرتی تھیں وہ وقت رونے کا اور گوشہ نشینی کا تھا یا کہ تلوار ہاتھ میں لے کر غاصبین کے مارنے کا اور ذریت نبوی کو ظلم و ستم سے بچانے کا اور اگر کہا جائے کہ انہوں نے پیچھے توبہ کرلی اور علی مرتضیٰ کا ساتھ دیا کہ آخر انہیں میں سے ہزاروں آدمی جنگ صفین میں مارے گئے اور ہزاروں آدمی معاویہ امیر شام کے مقابلہ میں علی مرتضیٰ کی طرف سے قتل ہوئے تو اُن کی توبہ پر کیا بھروسہ ہو سکتا ہے اس لئے کہ جب اصل وقت پر انہوں نے دغا دی اور بضعہ نبوی کو ظلم و ستم سے نہ بچایا اور پچیس برس تک خلفائے جور کی بیعت کرتے رہے تو اُن کے ایمان پر کیا اطمینان ہو سکتا ہے اور سوائے اس کے کہ یا اُن کو ارتداد کی حالت پر رہنے دیا جائے یا اُن کے ارتداد کا نام ہی نہ لیا جائے اُن کی نسبت اول ایمان کی نسبت کرنا پھر بیچ میں مرتد بنانا پھر توبہ کر کے ایمان کا اُن پر اطلاق کرنا اور طلاق رجعی کی طرح نکال دینا اور داخل کر لینا دین کو بازیچہ طفلان بنانا ہے۔

غرضکہ اصحاب نبوی تو اس حیص بیص میں پڑ گئے اور اب تک پڑے ہوئے ہیں، کوئی سب کو کافر بناتا ہے دو تین کو پکا ایمان والا کہتا ہے کوئی بارہ ہزار کو با ایمان کہہ کر اپنی دین داری ظاہر کرتا ہے مگر ہر چند باتیں بناتے ہیں، کوئی بات نہیں بنتی خیر اصحاب نبوی کو چھوڑو اب خاص علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کی طرف خیال کرو کہ جناب امیر کی نسبت کیا فرماتے ہیں، قبلہ اُن کا بھی وہی حال ہے کہ جب انہوں نے بیعت خلفاء ثلثہ کی کرلی تو اُن کی بیعت سے ثبوت خلافت کا ہو گیا اور جب ثبوت خلافت ہو گیا تو مذہب تشیع باطل ہوا اس لئے یہ مضمون تراشا گیا کہ حضرت علیؓ نے خوشی سے بیعت نہیں کی بلکہ جب یہ کیفیت ہوئی کہ:

ابیات

بدست عمر بود یک ریسمان — وگر در کف خالد پہلوان

فگندند بر گردن شیر نر کشیدند او را بر بوبکر

اور کشاں کشاں ابوبکرؓ کے پاس لائے اور باوجودیکہ راہ میں بہت سے معجزات دکھائے گئے اور پیغمبر خدا علیہ التحیۃ والثناء نے قبر مبارک سے ہاتھ بھی نکال دیا اور ہاتف غیبی نے مرثیہ بھی پڑھا اور کسی نے کچھ نہ سنا تب بمجبوری حضرت علی نے بیعت کی جب مجبوری کی لفظ کو شان میں علی مرتضیٰ کے نقص اور عیب خیال کیا کہ باوجودیکہ وہ خدا کے شیر تھے اور شجاعت اور مردانگی میں نظیر نہ رکھتے تھے ان کا مجبور ہونا کیسا تب دوسرا مضمون تراشا گیا کہ پیغمبر خدا ان کو وصیت کر گئے تھے کہ تم خلفاء ثلثہ سے مقابلہ اور مقاتلہ نہ کرنا اس لئے حضرت نے مقابلہ نہ کیا ورنہ اگر پیغمبر خدا کی وصیت نہ ہوتی تو پھر لوگ تماشا دیکھتے اور ذوالفقار علی کے جوہر نکلتے مجبوری تھی کہ پیغمبر خدا نے ایسی وصیت کیوں کی تھی جس کے اوپر عمل کرنے سے دین ہی غارت ہوا اور خاندان نبوی تہ وبالا ہو گیا اور کفار منصب خلافت کے غاصب ہو گئے تو اس کے لئے ایک حدیث بنائی کہ جس کا یہ مضمون ہے کہ اللہ جل شانہ نے خاص جبرئیل کی معرفت اپنا نامہ علی مرتضیٰ کے لئے بھیجا اور حضرت جبرئیل نے سب کو ہٹا کر رسول اور وصی کو وہ نامہ دیا اور قبل دینے کے بہت سے عہد لئے اور قسمیں لیں جب کہ حضرت جبرئیل کو اطمینان ہو گیا کہ ضرور اس پر عمل ہو گا تب چپکے سے وہ نامہ خدا کا دیا اس میں لکھا تھا کہ تم خلفاء ثلثہ کے مقابلہ میں تلوار نہ لینا اس لئے حضرت علی نے مقابلہ نہ کیا اور جب یہ خیال ہوا کہ حضرت علی نے امیر شام کے مقابلے میں کیوں تلوار لی اور ہزاروں آدمیوں کو قتل کیا تب اس نامہ میں یہ مضمون اور بڑھا دیا کہ امیر شام اور خوارج کے مقابلے میں تلوار لینا اور خوب گردنیں ان کی اڑانا۔ سبحان اللہ کیا نامہ تھا اور کیا مضمون تھا کہ ایک فریق سے مقابلے کا حکم دوسرے سے سکوت و خاموشی کی وصیت اختیار تھا کہ جو چاہے وہ اس نامہ میں اور بڑھا دیتے شعر۔

ایں سخن را چوں تو مبدا بودہ گر بیفزاید تو آں افزودہ

بہر حال جب کسی نے یہ سوچا کہ خدا نے ایسی وصیت جس کا مضمون مختلف ہے کیوں کی اس کا یہ جواب دیا کہ خدا کی حکمت خدا ہی جانے بندے کی کیا قدرت ہے جو اس کے اسرار اور حکمتوں سے واقف ہو ایمان والوں کا کام ہے بے چون وچرا اس کی باتیں مان لینا نہ کہ اس کی حقیقت اور سبب کا پوچھنا اور اس کے واسطے ہزاروں آیات اور لاکھوں احادیث کی سند موجود ہے۔

خیر بہرحال اس نامے کی بدولت شجاعت بھی حضرت امیر کی قائم رہی اور بیعت کا عذر بھی معقول ہو گیا اور خلافت بھی خلفاءِ ثلثہ کی حق نہ ہونے پائی اور جب کسی سُنی نے اعتراض کیا کہ علی مرتضیٰ نے بیعت کیوں اختیار کی تمہارے نزدیک تو خلفاءِ ثلثہ معاذ اللہ مرتد تھے اور بیعت تو فاسق کی بھی حرام ہے اُردو کے مرثیہ پڑھنے والے بھی جانتے ہیں کہ اسی واسطے حضرت امام حسین نے یزید کی بیعت نہ کی اور جب اس نے بیعت کرنے کے لئے لکھا تب آپ نے انکار کیا اور فرمایا: **شعر**

سب جانتے ہیں بیعت فاسق حرام ہے　　اس کا نہیں پیام اجل کا پیام ہے

تو باوجودیکہ خود امام شہید ہوئے اور سارا خاندان بھوکا پیاسا شہید ہوا مگر چونکہ یزید فاسق تھا حضرت نے اس کی بیعت نہ کی تو اگر خلفاءِ ثلاثہ بھی فاسق ہوتے چہ جائے مرتد ہونے اور کافر ہونے کے تو اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب کس طرح بیعت کرتے تو اس سے کہہ دیا کہ تم جاہل ہو نہیں جانتے حضرت علی کے لئے خاص ایک نامہ خدا کا آیا تھا، اس میں نہایت تاکید کے ساتھ صبر کی اور عدم مقابلے کی وصیت تھی اور جب کسی نے کہا کہ امام حسین نے کیوں اُس پر عمل نہ کیا تب کہہ دیا کہ ان کے لئے دوسرا صحیفہ تھا اُن کو یہی حکم تھا کہ تم بیعت نہ کرنا شہید ہو جانا۔ تم سُنی خارجی دشمن اہل بیت ہو تم ائمہ کے حال سے کیا واقف ہو یہ راز کی باتیں ہیں انبیاء اور ملائکہ تو اس کے متحمل ہی نہیں ہوئے یہ خاص حصہ شیعوں اور کوفیوں کا ہے ہر امام کے لئے خدا نے جدا صحیفہ بھیجا تھا اور سب باتیں جو اُن کو کرنی چاہئیں وہ اس میں لکھی ہوئی ہیں پس ہر امام کا اُس پر عمل تھا، ہمارے کیا امام تمہارے سے خلیفہ تھے کہ جن کو سوائے خدا کے دوسرے سے کچھ پوچھنے کی حاجت ہوتی سب علم ما کان وما یکون اُن کو حاصل تھا بلا واسطہ جبرئیل کے خدا سے وہ باتیں کیا کرتے تھے اور سارے کام اور تمام افعال اُن کے خدا کی اجازت سے اُس کی مرضی کے موافق ہوتے تھے پس جس طرح حضرت آدم سے لے کر خاتم النبیین تک سب اولوالعزم پیغمبروں کے جُدا جُدا صحیفے اور علیٰحدہ علیحدہ کتابیں خدا نے بھیجیں اسی طرح پر سب ائمہ کو جُدا جُدا صحیفے بھیجے اسی واسطے اُن کا عمل ایک دوسرے کے موافق نہ تھا اگر ائمہ کے اختلاف عمل پر تم کو شبہ ہو تو جو اختلاف پیغمبروں کی شریعتوں میں ہو اُس پر بھی شبہ کرو بہرحال اس امر میں حضرات شیعہ بڑے موحد اور صابر اور متوکل علی اللہ بن گئے بے چون و چرا سارے افعال ائمہ کو محمول اُن

کے صحائف آسمانی پر کر دیا اور اپنی دوستی پر ساختہ اہل بیت کے اسی کو شاہد کیا۔ یہ حال تو ائمہ کا ہُوا اب باقی کیفیت خلفاء اور اصحاب کی سُنیے کہ بعضوں نے تو اُن کے اعمال حسنہ سے بھی انکار کیا اور کہا کہ کوئی نیک عمل کبھی اُن سے صادر ہی نہ ہوا اور بعضوں نے جب اس امر کو متواترات کا انکار خیال کیا تو اقرار کیا کہ بیشک وُہ ظاہری اعمال کے بڑے پابند تھے اور روزہ نماز وغیرہ کے کامل مقید تھے اور چال چلن اُن کے ظاہر میں بہت ہی اچھے تھے مگر تاکہ اس سے اُن کی فضیلت ثابت نہ ہو اور مستحق ثواب نہ ٹھہریں مسئلہ طینت کا ایجاد کیا یعنی ائمہ کی طرف منسوب کر دیا کہ حدیث میں آیا ہے کہ امام باقر علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ سبحانہ نے ایک پاک زمین پر سات دن تک شیریں پانی جاری کیا پھر ہمارے خمیر کو اُس سے جُدا کیا اور اُس کی تلچھٹ سے شیعوں کی مٹی بنائی اور پھر ایک دوسری ملعون زمین میں شور پانی اُسی طرح جاری کیا اور اس سے ہمارے دشمنوں کا خمیر بنایا پس اگر وُہ سب الگ رہتے تو کبھی کسی شیعہ سے گناہ نہ ہوتا اور سب شیعی ہماری ہی طرح معصوم ہوتے اور کسی سُنی ناصبی ہمارے مخالف سے کوئی نیک کام نہ ہوتا، سب ظاہری کافر رہتے مگر خدا نے دونوں مٹیوں کو خلط ملط کر دیا اور کچھ پاک مٹی ناپاک مٹی میں مل گئی اس لئے جو شیعی گناہ کرتے ہیں وُہ اثر سنیوں اور ناصبیوں کی ناپاک مٹی کا ہے اور جو ناصبی اعمال صالحہ کرتے ہیں وُہ اثر اُس پاک مٹی کا ہے مگر جب قیامت کا دن ہوگا اور خدا اپنا عدل ظاہر کرے گا تو جس کی مٹی سے جو عمل ہُوا ہے وہ اُس کو دے گا شیعوں کے گناہ ناصبیوں کے سر پڑیں گے کیونکہ انہیں کم بختوں کی مٹی کے اثر سے ہوئے تھے اور ناصبیوں کے نیک کام سب شیعوں کو مل جاویں گے اس لئے کہ انہیں کی پاک مٹی کی تاثیر سے ہوئے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ جب میں نے امام سے یہ سُنا تو کہا میں قربان ہوں آپ کے یا حضرت سنیوں کے نیک کام سب ہم کو مل جاویں گے اور ہمارے گناہ سب اُن کے سر پڑیں گے امام نے فرمایا خدا کی قسم ہے ضرور بالضرور ایسا ہوگا، راوی کہتا ہے کہ میں نے امام سے پوچھا کہ یا حضرت قرآن مجید میں بھی کچھ اس کا ذکر ہے امام نے فرمایا واہ وُہ بھی کوئی بات ہے جو قرآن میں نہ ہو دیکھو اس آیت کو کہ اللہ جل شانہٗ فرماتا ہے اُولٰئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِہِمْ حَسَنٰتٍ[1] کہ خدا بدل دے گا ان کے گناہوں کو نیکیوں سے اُس کا یہی مطلب ہے غرضکہ اس مسئلہ طینت کی بدولت اصحاب نبوی اور تمام سنیوں

---

[1] پارہ ۱۹ رکوع ۴ سورۂ فرقان۔ ترجمہ ان کو بدل دے گا اللہ برائیوں کی جگہ بھلائیاں۔ ۱۲

کے جو قیامت تک ہوں گے سارے اعمالِ حسنہ شیعیانِ علی کے حصے میں آ گئے اور اُن کی ہجرت اور نصرت اور جہاد وغیرہ جس کی جا بجا خدا نے قرآن مجید میں تعریف کی ہے وُہ گھر بیٹھے شیعوں کو مل گئے اور وُہ بیچارے باوجود ان محنتوں اور کوششوں کے محروم اور بے نصیب رہے نعوذ باللہ من ہفواتہم۔ پس جو اہلِ سنت اصحابِ نبوی کے اعمال پر بہت ناز کرتے تھے اور اُن کی ہجرت و نصرت کو بار بار اُن کی فضیلت میں بیان کرتے تھے اُن کا تو مُنہ مسئلہ طینت سے بند کیا گیا اب باقی رہی ایک اور بات کہ خدا نے جا بجا قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ جو منافق ہیں وُہ ذلیل و خوار ہوں گے اور قتل کئے جائیں گے اور مارے جاویں گے اور اصحابِ نبوی باوجودیکہ منافق تھے ونعوذ باللہ من ذالک خلیفہ ہوئے اور اُن کی عزت و شوکت زیادہ ہوئی تو یہ وعدہ خدا کا پورا نہ ہوا پس یا خدا کو جھوٹا کہنا لازم آتا تھا یا اصحاب کے نفاق سے انکار کرنا پڑتا تھا اس لئے بمقتضائے : **مصرع**

ہم لعل بدست آید و ہم یار نہ رنجد

خدا کا کلام بھی سچا ہو اور اصحاب نبوی کا نفاق بھی قائم رہے مسئلہ رجعت کا بنایا گیا **مسئلہ** رجعت کا یہ ہے کہ جب امام مہدی ظاہر ہوں گے تب پیغمبر صاحب زندہ ہوں گے اور سارے اچھے اور پاک نیک لوگ زندہ ہوں گے اور حضرت خاتونِ جنت زندہ ہوں گی حضرت علی زندہ ہوں گے اُس وقت خلفاء ثلثہ قبروں سے نکالے جاویں گے اور اُن پر مقدمہ دائر ہوگا ایک طرف سے حضرت علی اپنا دعویٰ پیش کریں گے کہ میری خلافت غصب کی دوسری جانب سے حضرت فاطمہؓ مدعی ہوں گی کہ مجھے مجروح کیا محسن کو شہید کیا، باغ فدک کو چھینا غرضکہ بعد ثبوت کامل یہ حکم ہوگا کہ یہ لوگ درخت سے لٹکائے جاویں، اور اُن کو پھانسی دی جاوے اور کیا کہا جاوے ایسی خرافات واہیات باتیں ان مردودوں نے لکھی ہیں کہ جن کے دیکھنے سے مسلمان کے بدن پر لرزہ ہوتا ہے غرضکہ اُن کے نزدیک اُس وقت خدا کا وعدہ پورا ہوگا اور تب ان کی ذلت کامل ہو کر لوگوں پر اُن کے نفاق کا حال کھلے گا اور پھر اس مسئلہ رجعت کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ فرقہ حقہ اثنا عشریہ کے عقاید خاص سے ہے اور سب فرقے اس پاک اور نیک عقیدے سے بے نصیب ہیں۔

علاوہ ان سب باتوں کے ایک بہت بڑی مصیبت اس مذہب پر یہ تھی کہ جناب امیر سے کر گیارہویں امام تک سب کے سب ظاہر میں اسی روش پر تھے اور رہے جو کہ

صحابہ کرام کی تھی اور ہمیشہ اُن کے محامد و اوصاف بیان کیا کئے اور جب کسی نے پوچھا تب اُن کی تعریفوں میں نہایت ہی مبالغہ کیا بلکہ خود جناب امیر برابر نمازوں میں اُن کے شریک رہے اور لڑائیوں اور جہادوں میں اُن کو مشورہ دیتے رہے نہ اُسی زمانہ میں جب کہ خلفاء ثلثہ مسند خلافت پر تھے بلکہ اُن کے پیچھے بھی اُن کے ثناخواں رہے اور اپنے عہد خلافت میں ایسی بات پیدا کرنی چاہیے کہ باوجود اس موافقت ظاہری کے ائمہ کرام کی مخالفت صحابہ سے قائم رہے اور مذہب تشیع کی جڑ مضبوط کی جاوے تب ایک نہایت ہی سچا اور صاف اور عمدہ دلچسپ اصول قائم کیا یعنی ظاہر کا باطن سے مخالف ہونا اور جھوٹ بولنا، مگر چونکہ یہ لفظ نہایت ثقیل اور مکروہ تھا اور اگر اسی کو عقیدے میں داخل کرتے تو جو سنتا وہ اس لفظ کے سنتے ہی نفرت کرتا اس لئے اُس کی حقیقت کو ایک خوبصورت اور خوشنما لفظ کے پردے میں ظاہر کیا اور جھوٹ بولنے اور ظاہر سے باطن سے مخالف ہونے کا نام تقیہ رکھا اور اسی کو سارے سوالوں کا جواب اور کل شبہات و شکوک کا حلال ٹھہرایا مگر افسوس ہے کہ یہ نہ خیال کیا کہ صورت اصلی لباس سے نہیں بدل سکتی اور حقیقت کسی شے کے الفاظ کی تبدیل کرنے سے اور کی اور نہیں ہوسکتی جھوٹ کا کچھ ہی نام کیوں نہ رکھو جب اس کے معنی کہو گے اُس کی برائی ظاہر ہو جاوے گی خواہ نام اُس کا تقیہ رکھو خواہ اُسے اصول دین میں داخل کرو۔ شعر

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش — کہ من آں جلوہ قدمے شناسم

اب غرض کہ تقیے کو اصول دین میں سے قائم کرنے کے لئے سند کسی امام کی چاہیے اس لئے کہ حضرات امامیہ اہل سنت تو نہیں کہ جو قیاس و استحسان کو دین میں دخل دیں خدا کے فضل سے اُن کے سارے عقیدے اور کل اصول ائمہ کرام کے فرمائے ہوئے ہیں اور ان کی احادیث کی کتابیں ناصبیوں کی طرح بے اعتبار تو نہیں ہیں کہ جو جس زید و عمرو نے چاہا احادیث نبوی کی تصحیح کر دی اور اُن کا نام صحیح اور سنن رکھ لیا بلکہ حضرت امامیہ کے محدثین نے جو کتاب حدیث کی لکھی اس کو لفظ بلفظ ائمہ کو سنا دیا اور جب اُن کے حضور سے اُس کی صحت ہوگئی بلکہ جب ائمہ کرام سے دستخط مہر کرالی تب اُس کو جاری کیا تاکہ عمل لوگوں کا ٹھیک اماموں کا سا ہو، پس اس واسطے تقیے کی تعریف میں اماموں کی طرف سے حدیثیں بنانا شروع کیں اور نہ صرف اُس کے جواز پر قناعت کی بلکہ اس کی

وجوب اور اس کی فضیلت میں ایسی حدیثیں قائم کیں کہ روزہ نماز کے ثواب بھی تقیے کے ثواب کے مقابلہ میں نیست و نابود ہو گئے حقیقت میں تقیہ کو ایک عمدہ اصول دین کا ٹھہرایا اور (التقیۃ دینی و دین آبائی) کی حدیث ائمہ کی زبان سے نقل کر کے تقیے[1] کے منکر کو کافر بنایا یہاں تک کہ صاحب نواقض الروافض نے غلطی سے لکھا کہ شیعی کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تقیے کے سبب سے اسلام لائے تھے تو قاضی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں نہایت خفا ہو کر کہتے ہیں کہ یہ ناصبی جھوٹا ہے کوئی شیعہ یہ بات نہیں کہہ سکتا اس لئے کہ تقیہ ابرار اور پاک لوگوں کا دین ہے کیونکر ممکن ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تقیہ کرتے اور پاک اور ابراروں میں داخل ہوتے غرضکہ تقیہ ابراروں اور اماموں کا دین ٹھہرایا گیا اور تقیے کے صدقے میں سنیوں کی دارو گیر سے کامل طرح نجات پائی سارے اعتراضات ناصبیوں کے اور کل دلیلیں ان کی خاک میں مل گئیں بڑی بڑی فضیلت کی حدیثیں اماموں کی زبان سے شیعوں کی کتابوں سے سنیوں نے نکالیں اور اپنے خلفا کی بزرگی اور فضیلت پر سند لائے اور اپنے نزدیک شیعوں کو لاجواب کرنا چاہا مگر ایک ایک ادنے طالب علم بلکہ جاہل شیعہ نے جواب دیدیا کہ یہ حدیث تقیے کے سبب سے امام نے فرمائی ہے اور بڑے بڑے متکلمین اور فقہا کو سنیوں کے ایسی دلیل سے ایک ایک لڑکے نے چپ کر دیا حقیقت میں جو فائدہ مذہب تشیع کو تقیے کے سبب سے ہوا ہے اور جو حفاظت ان کی اس روش سے ہوئی ہے وہ کسی دوسرے عقیدے سے نہیں ہوئی۔

کسی جاہل نے خوب لطیفہ کہا ہے کہ تقیے کو تشیع سے وہ نسبت ہے جو تار برقی کو آہنی سڑک سے ہے کہ اگر تار برقی نہ ہو ریل کا چلنا بند ہو جاوے اور ایک گاڑی دوسری سے ٹکر کھا کر ٹوٹ جاوے درحقیقت تار برقی ہی سے گاڑیوں کی حفاظت ہے اسی طرح پر تقیے کا حال ہے کہ اگر تقیے کا اصول مذہب تشیع میں نہ ہوتا تو مذہب ہی خاک میں مل جاتا اور ایک قول کی دوسرے قول سے اور ایک فعل کی دوسرے فعل سے اور ایک حدیث کی دوسری حدیث سے بسبب تخالف اور تناقض کے مطابقت نہ ہو سکتی اور سب کا جھوٹ اور غلط ہونا کھل جاتا پس نہایت ہی ذکی اور ذہین تھا وہ شخص جس نے مذہب تشیع کو ایجاد کیا کہ جھوٹے کو جھوٹ سے بچایا تقیے کی وہ گرم بازاری ہوئی اور اس عقیدہ باطل کو ایسی رونق دی گئی کہ امام اول سے لے کر امام آخر الزمان تک سب کی زبان سے اس کی فضیلت میں احادیث

---

[1] تقیہ میرا دین ہے اور میرے آباؤ اجداد کا مذہب ہے۔

نقل کی گئیں اور تقیہ کرنے والوں کے بڑے درجے مقرر کئے گئے شیعوں کو تقیہ کی بدولت خدا نے اپنے شیعوں پر بڑا فضل کیا کہ سنیوں کے ساتھ گوشت پلاؤ کھاویں اور جب تک ان کے دسترخوان پر کاسہ لیسی کریں تب تک خوب چکنی چپڑی باتیں زبان سے کہیں اور ان کی خوب لمبی چوڑی ثنا و صفت کریں اور خلفاء ثلثہ اور اصحاب کبار کی نہایت مبالغے سے تعظیم و عزت بجالاویں اور اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا[1] کا مضمون ادا کریں اور جب گھر آویں اور خاص یاروں کا مجمع ہو اور دروازہ بند کر کے دیکھ لیں کہ کوئی منتم تو نہیں ہے اس وقت بمصداق اِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ[2] کے خوب قہقہے اڑاویں اور اپنی دھوکہ دہی اور نفاق کی خود ہی تعریف کریں اور پھر تبرا کرنا شروع کریں ایک اپنے اوپر لعنت کرے دوسرا بیش باد کہے اور بموجب احادیث اور اقوال ائمہ کے دونوں حالتوں میں اپنے آپ کو مورد ثواب جانیں سنی کے سامنے جو جھوٹ اور نفاق کی باتیں کہیں اس پر تو بہ سبب تقیے کے اور گھر آ کر جو تبرا کہا اس پر بہ سبب لعنت کے ایک ایسے ثواب کے مستحق ہوئے کہ جو ہزار نماز و روزہ میں نہ پاتے اور اگر خدانخواستہ کوئی گناہ ہو گیا تو پھر اس کا بھی کچھ غم نہیں اس لئے کہ یہ مسئلہ طینت کا موجود ہے۔ سنیوں کا روزہ نماز کیا ہوگا اس کا ثواب انہیں تو مل نہیں سکتا اور مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ[3] تو خدا نے فرمایا ہی نہیں ہے وہ بھی آخر شیعوں ہی کے واسطے ہے پس ایسے عقیدوں پر اپنے مذہب کی بنا قائم کی اور اس الحاد و زندقہ کا نام تشیع رکھا اور اپنے آپ کو مصداق فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ[4] کا بنایا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اصول و عقاید کو دیکھ کر آدمی کی عقل دنگ ہو جاتی ہے حیرت کی مہر سمجھ کے منہ پر لگ جاتی ہے دیکھنے والا حیران و ششدر رہ جاتا ہے کہ الٰہی تشیع دین ہے یا الحاد یہ معاملہ کیا ہے کہ ایسے اصول جن کی سفاہت کسی پردے میں چھپائے

---

[1] پارہ اول سورۂ بقرہ رکوع ۲ ترجمہ جب ملاقات کریں مسلمانوں سے کہیں ہم مسلمان ہوئے ۱۲ موضح القرآن

[2] ایضاً ترجمہ جب اکیلے جاویں اپنے شیطانوں کے پاس کہیں ہم ساتھ ہیں تمہارے ہم تو ہنسی کرتے ہیں ۱۲ موضح

[3] پارہ ۲۵ سورہ حٰم سجدہ رکوع ۲ ترجمہ جس نے کی بھلائی سو اپنے واسطے ۱۲ موضح القرآن

[4] پارہ اول سورہ بقرہ رکوع ۲ ترجمہ ان کے دل میں آزار ہے پھر زیادہ دیا اللہ نے ان کو آزار اور ان کو دکھ کی مار ہے ۱۲ موضح القرآن

سے چھپ نہیں سکتی اور ایسے عقیدے جن کی بیہودگی خود اسی سے ظاہر ہوتی ہے جس کے بطلان پر نہ کسی دلیل کی حاجت نہ کسی برہان کی ضرورت کیونکر ایک ایسے فرقے نے قائم کیے ہیں جس کو خدا نے آدمی بنایا ہے اور جس کو اوروں کی طرح عقل بھی دی ہے اور پھر طرہ یہ ہے کہ اُن اصولوں پر خوش ہیں اُن عقیدوں پر نازاں ہیں اور اپنے آپ کو ائمہ کرام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اپنا بوجھ ذریات نبوی کے سر پر رکھتے ہیں وُ حاشا جنابہم عن ذلک حقیقت میں ان کے اصول و عقائد دیکھ کر خدا کا یہ کلام یاد آتا ہے کہ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ[1] علاوہ تقیے کے ایک تقیے کی دُم بھی شیعوں کے اگلے بزرگواروں نے قائم کی تھی جسے اب حضرات شیعہ نے بسبب نہ ضرورت رہنے کے کاٹ ڈالا ہے اور تقیے کو دُم بریدہ کر دیا وہ دُم کیا تھی بدا اس کا حال یہ ہے کہ جب حضرات امامیہ کے پیشوا اور اس مذہب کے سرپرست ائمہ کرام کی خدمت میں جاتے اور بیٹھتے اور پھر باہر آتے تو اپنے اور یاروں سے کہتے کہ آج امام نے فرمایا ہے کہ اب بہت جلد سلطنت شیعوں کو ملتی ہے اور چند روز کے بعد اُن کی حکومت ہوتی ہے اور جب وُہ میعاد ہو جاتی کچھ ظہور کسی وعدے کا نہ ہوتا اور لوگ کچھ شبہ کرتے تو وُہ حضرت کہتے کہ امام نے فرمایا ہے کہ خدا کو بدا ہوا ہے یعنی اب اُس نے وقت بدل دیا اور اپنی پہلی تجویز کو بدل دیا اور جب کوئی امام کے سامنے ان پیشواؤں کے حالات بیان کرتا تو امام اس سے بیزاری ظاہر کرتے اور لعنت کرتے اور قاتلہ اللہ و خذلہ اللہ فرماتے اور پھر کوئی شخص اُن لوگوں سے بیان کرتا تو بہت ہنستے اور قہقہہ مارتے اور کہتے کہ امام نے خیرات تورہ کا تمہارے ساتھ عمل کیا ہے سننے والا حیران رہتا کہ بھائی خیرات تورہ کیا ہے تب کہتے کہ تقیہ۔

غرضکہ جب کسی کو شبہ ہوتا کہ ائمہ اُن کو بُرا کہتے ہیں اُن پر لعنت کرتے ہیں اُن کو شیطان بتاتے ہیں تب اُس کے شبہے کو تقیے سے دُور کرتے کہ حضرت نے تقیہ کیا ہے تم نہیں جانتے ہو تقیہ۔

ابراروں اور اماموں کا دین ہے خدا کے پاس جگہ قیامت میں صرف تقیے کی بدولت

---

[1] پارہ ۹ سورہ اعراف رکوع ۲۲ ترجمہ جن کو دل ہیں اُن سے سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں اُن سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں اُن سے سنتے نہیں وہ جیسے چوپائے بلکہ اُن سے زیادہ بہرا۔ ۱۲ موضح

ملے گی اور جب وُہی حضرات کسی سے امام کی طرف سے کچھ وعدہ کرتے اور وُہ وعدہ پورا نہ ہوتا تو کہہ دیتے کہ خدا کو بداء ہوا یعنی اپنی رائے بدل دی اور جب کوئی کچھ شک کرتا تو کہتے کہ تم نہیں جانتے ہو اس میں مصلحت تھی اور خدا کی مصلحت کو سوائے خدا یا امام کے کوئی نہیں جانتا اور کیا تعجب کرتے ہو بداء پر وُہ ایک قسم نسخ کی ہے دیکھو شریعتوں میں احکام خدا نے بدل دیئے اور ایک کو دوسرے حکم سے منسوخ کر دیا یا نہیں پس چپ رہو خدا کی باتوں میں چون وچرا نہ کرو۔

جب بعض شخصوں کو بہت ہی شبہ ہوتے لگا کہ وُہ خدا کیسا ہے جو آج کچھ کہتا ہے اور جب وقت آتا ہے تب پورا نہیں کرتا اور بداء کو نسخ سے کیا علاقہ نسخ تو یہ ہے کہ ایک حکم کسی وقت دیا اور کسی چیز کو کسی قوم یا کسی وقت کی ضرورت سے حلال کیا اور پھر اس حکم کو کسی وقت ضرورت کے سبب سے بدل دیا اور حلال کو حرام کر دیا مگر یہ خدا نے نہیں کیا کہ پیغمبر صاحب سے کوئی خبر کہی ہو یا کسی فتح کا وعدہ کیا ہو اور پھر اس کو پورا نہ کیا ہو تو اگر امام نے یہ بات خدا کی طرف سے کہی ہوتی یا خدا نے اُن سے یہ وعدہ کیا ہوتا اس لئے اس شبہ کے دور کرنے کے لئے ان بزرگواروں نے دو لوحیں قائم کیں ایک لوح محفوظ دوسری لوح محو واثبات اور یہ کہا کہ خدا نے دو لوحیں رکھی ہیں۔ اور سب کچھ اس میں لکھ دیا ہے جو کچھ ٹھیک ہونے والا ہے وہ تو لوح محفوظ میں لکھا ہُوا ہے اُس میں کچھ تغیر وتبدل نہیں ہوتا دوسری لوح محو واثبات کہ اس میں جو کچھ لکھا ہُوا ہے، خدا بدلتا رہتا ہے پس وُہ فرق جو امام کے قول میں ہوا وہ بسبب لوح محو واثبات کے ہوا کہ اُس میں خدا نے پہلے کچھ لکھ دیا پھر اس کو محو کر کے دوسری بات لکھ دی اور امام نے پہلی بات سے خبر دی ان کو کیا معلوم تھا کہ خدا اس کو بدل دے گا اور جب کسی نے یہ کہا کہ یہ بات سمجھ کے خلاف ہے اور دُوسری لوح کے مقرر کرنے سے کیا فائدہ ہے تب وُہ جواب دیا جو مجتہد صاحب نے صوارم میں دیا ہے کہ "فوائد ازانجملہ آنکہ ہرگاہ انبیا واوصیا خبر دہند از کتاب محو واثبات وبعد ازاں خبر دہند بخلاف آن بندگان را واجب باشد اذعان نمودن

لہ بداء اس کے مجلا واقعہ یہ ہے کہ جب "لوح محو واثبات" دیکھ کر انبیاء اور وصی کسی بات کی اطلاع دیتے ہیں اور پھر اس کے خلاف کوئی بات کہتے ہیں تو لوگوں کو لازم آتا ہے کہ اسکے موافق سر تسلیم خم کریں اور چونکہ اس آخری حکم پر یقین کرنا بہت دشوار ہے اسی لئے اس کا ثواب زیادہ ہے لے جلد صوارم مطبوعہ بدبہ کلکتہ سنہ صفحہ ۹ سطر ۳-۱۲ منہ

پس چون این اذعان بر نفس بسیار دشوار ست موجب مزید اجر آنہا گردد، فان افضل الاعمال احمزہا و بہا یمتاز المسلمون الذین فاضوا بدرجات الیقین عن الضعفاء الذین لیس لہم قدم راسخ فی الدین) کہ یہ بات کہ ایک دفعہ انبیا اور اوصیا کچھ بات فرماویں اور پھر اس کے برخلاف بندوں سے کہیں اس کا بھی یقین کرنا واجب ہے اور اسی یقین کرانے کے لئے خدا نے دوسری لوح محو و اثبات قائم کی ہے اور چونکہ ایسا یقین نفس پر بہت دشوار ہے اس لئے موجب زیادہ ثواب کا ہے اس لئے کہ جو عمل سب سے زیادہ ترش ہوتا ہے وہی سب سے افضل ہے اور اسی سبب سے مسلمان اوروں سے ممتاز ہوئے ہیں اور ایسی ہی باتوں پر یقین کرنے سے یقین کے درجات پر پہنچے ہیں اور ان لوگوں سے جو کہ دین میں راسخ اور مضبوط نہیں ہوتے ہیں غرضکہ بدا پر یقین کرنا باعث ہزاروں درجات اور ثواب کا ٹھیرا اور اس پر یقین نہ کرنا نقص ایمان کی دلیل ٹھہرا بلکہ بدا کو خدا نے اسی واسطے تجویز کیا ہے کہ اس پر یقین اور شبہ کرنے سے ایمان کا امتحان ہوا۔

اب خیال کیجئے کہ حضرات شیعہ کے بزرگواروں نے کس خوبی اور کس ہوشیاری سے دین کے اصول قائم کئے ہیں اور کیا کیا اچھے عقیدے تجویز کئے ہیں اس بدا کے حقیقی معنی سے گو مجتہد صاحب نے صوارم میں بظاہر انکار کیا مگر جو کچھ انہوں نے لکھا اس سے اور زیادہ ثبوت ہوا چنانچہ اس شبہے کو کہ ائمہ کرام اس بات کا جو ہونے والی نہ تھی کیوں وعدہ کیا کرتے تھے کس خوبی سے رفع کرتے ہیں حضرت قبلہ و کعبہ صوارم میں فرماتے ہیں (و از جملہ این اخبار موجب تسلیۂ مومنین کہ انتظار فرج اولیاء اللہ و غالب شدن حق می کشند می شود چنانچہ این معنے درباب قصۂ نوح و درباب فرج اہل بیت مروی گشتہ چہ اگر از اول شیعیان را خبر میدادند با اینکہ ممکن ست کہ حاصل شود فرج آل محمد عنقریب و منظور ازین اخبار آن بود کہ تا شیعیان بر دین خود ثابت بمانند و بہ انتظار کشیدن مثاب شوند و بعد ازینکہ جناب مولانا مجلسی درباب تائید این احتمال و مناسب این مقال دو سہ روایت ذکر نمودہ گفتہ فمعنی قولہ علیہ السلام ما عبد اللہ بمثل البداء این ست کہ ایمان بہ بدا از اعظم عبادات قلبیہ ست بجہت صعوبت آن و معارض بودن آن بہ وساوس شیطانی و بجہت آنکہ اقرار بہ بدا در حقیقت اقرار ست بآنکہ لہ الخلق ولہ الامر و این کمال توحید ست و یا معنی این حدیث این ست کہ اعظم اسباب و دواعی ست بطرف عبادت جناب

رب العالمین انتہیٰ) حقیقت یہ ہے کہ جیسا کلمۂ حق اور سخن راست جناب قبلہ و کعبہ
اور ملا باقر مجلسی نے یہ فرمایا ہے اپنی ساری عمر میں دوسرا کلمہ ایسا سچی زبان سے ارشاد
نہ کیا ہوگا جو کچھ ان بزرگواروں نے فرمایا اس پر دل سے اُن کا شکر کرنا چاہیے کہ صاف
صاف کہہ دیا کہ اگر امام شیعوں سے جھوٹے وعدے نہ کیا کرتے اور اُن کو وعدوں پر نہ ٹالا
کرتے تو اکثر شیعہ دین سے پھر جاتے اور مذہب پر ثابت قدم نہ رہتے پس ایسی دروغ
باتوں کے کہنے سے یہ غرض تھی کہ لوگ شیعہ بنے رہیں ورنہ اگر ایک ہی دفعہ امام کہہ دیتے
کہ ہزار دو ہزار برس تک شیعوں کو غلبہ نہ ہوگا تو بس ناامیدی سے شیعوں کی جان ہی
نکل جاتی اور مایوس ہو کر گھر بیٹھ رہتے اور خاک پاک کا کنٹھا اور عقیق کی انگوٹھی اور سجدہ
گاہ امام کے دروازے پر رکھ کر سب کے سب چنپت ہو جاتے ہاں جو خاص خاص باایمان
شیعی تھے مثل حضرت زرارہ اور ہشام اور شیطان الطاق وغیرہ کے وہ یکہ و تنہا بے یار
و یاور رہ جاتے پس اُس جماعت کو جو صرف جھوٹے وعدوں پر دنیا ملنے کے دام میں زرارہ
وغیرہ کے پھنس گئے تھے ایسے ہی جھوٹے وعدوں سے حضرت زرارہ وغیرہ نے درہم برہم نہ
ہونے دیا اور اپنی ہوشیاری سے ضرورت وقت کے مناسب فوراً ہی ایک عقیدہ نیا اور
ایک اصول جدید بنا لیا اور امام علیہ السلام کی طرف منسوب کر دیا اور نہ کوئی مسلمان ایسا
عقیدہ رکھے گا اور بداء کو خدا کی طرف منسوب کرے گا قیامت تو یہ ہے کہ فقط منسوب کرنے
ہی پر کفایت نہ کی بلکہ موافق اپنی عادت کے کہ جس بات کو شروع کیا اُس کو انجام تک پہنچا
دیا اس مسئلہ بداء کی وہ فضیلت بیان کی کہ آخر امام کی طرف منسوب کر دیا امام علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ (فاعتبد الیہ بمثل البداء) کہ جیسی بداء کے سبب سے خدا کی عبادت ہوتی ہے
ایسی کسی دوسرے سبب سے نہیں ہوتی سبب اس کا ظاہر ہے کہ جب شیعوں سے کہہ دیا

کہ جب جلد تم کو سلطنت ملتی ہے اُن بیچاروں نے دنیا کی طمع میں حضرت زرارہ وغیرہ کے
حضور میں حاضر باشی شروع کی خاک پاک کی سمرنوں اور چٹائی کی جانمازوں اور مٹی کی سجدہ
گاہوں کو لے لیا اور خوب رگڑ رگڑ کر پیشانیوں کو داغا اور مضمون فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِي وَالْأَقْدَامِ
کا ادا کیا جب وعدہ پورا نہ ہوا اور دن گذر گئے اور کچھ ظہور نہ ہوا تب مایوس ہو کر زرارہ وغیرہ
سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا اُس نے ادھر اُدھر جا کر دو چار روز کے بعد کہہ دیا کہ امام فرماتے ہیں کہ خدا
کو بداء ہوا اُس نے وقت بدل دیا مگر تم پھر عبادت کرو اور خوب تبرے کہو اور لپنے اور پہ

لعنت بھیجو دیکھو بہت جلد خدا ترقی دیتا ہے غرضکہ اسی طرح پر چند احمقوں بیوقوفوں کو اپنے دام تزویر میں رکھا کبھی تقیے سے بہکایا کبھی بدار کہہ کر دم میں رکھا کبھی طینت کا مسئلہ ملا کر اُن کو خوش کر دیا یہ کرتے کرتے آخر دین محمدی میں رخنہ ڈال ہی دیا اور ایک فرقہ کو اپنا ساتھی کر لیا پس ہوا جو کچھ کہ کرنے والا تھا اور بگڑ گیا دین جیسا کہ اُس نے سمجھا تھا فقد استحوذ علیہم الشیطان واستغواہم الطغیان۔

وکل احد منہم بعاجل حظہ مشغوفا   فصار یری المعروف منکرا والمنکر معروفا

غرضکہ اے حضرات شیعہ تم اپنے مذہب کے اصول و عقائد پر غور کرو اور اس کے حسن و قبح کو دیکھو اور اگر پھر بھی نہ سمجھو تو خیر اختیار ہے تقیہ کرو رجعت کی امید پر بیٹھے رہو بدار کا الزام ذات باری پر لگاتے رہو طینت کا مسئلہ یاد کر کے خوب شوق و ذوق سے گناہوں میں مصروف رہو سو اس لئے کہ جتنے سنی اگلے پچھلے گزرے ہیں اور جتنی عبادتیں انہوں نے کی ہیں وہ تو آخر تمہیں کو ملیں گی اور آخر تمہارے گناہوں کا بار تو ہم کو اٹھانا ہی پڑے گا پس پھر عبادت کی محنت اٹھانی اب تم کو فضول ہے۔ مصرعہ

تو مشق ناز کر خون دو عالم میری گردن پر

تقریظ دلپذیر چکیدہ خامہ ناظم رنگین خیال ناثر عدیم المثال سباح بحر زخار نکتہ دانی گلچین بوستان زار بیان و بدائع و معانی بزمرہ شعرائے ہمعصر فائق محمد مرتضیٰ بیگ عرف مرزا چھو بیگ عاشق حرسہ اللہ تعالیٰ

سبحان اللہ پاک ہے وہ بے نیاز جس نے اپنے حبیب کے خادم جان نثاروں کی شان میں رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ارشاد فرما کے اُن کا مرتبہ ظاہر کیا اور ہر مخالفین کے حق میں ختم اللہ علیٰ قلوبہم کے اشارے سے اچھے برے کو علیحدہ کر دیا سچا ہے وہ نبی جس نے افضل الناس بعد النبی کی حدیث سے ترتیب خلافت و افضلیت بیان کر دی ہٹ دھرمی کا ذکر نہیں حق شناسوں کے لئے کوئی شک شبہے کی نہ باقی رہی اسکے بڑھ کے تو یہ کام لیا کہ اپنے سچے دین کی حفاظت کا پورا پورا وعدہ خدا سے لے لیا اس وقت کسی بزرگ کا یہ قول ورد زبان ہے باقی داستان سے

الٰہی دیا احکم الحاکمین   الٰہی دیا اکرم الاکرمین

فصل علیٰ سید المرسلین — وصل علیٰ شافع المذنبین

فصل علیٰ آلہ الطاہرین — وصل علیٰ صحبہ الصالحین

بعد حمد خدا و نعت سرور انبیاء

بندۂ سراپا خطا محمد مرتضیٰ عاشق آل نبی خادم اصحاب محمدی حق شناسوں کی خدمت
میں عرض کرتا ہے کہ کیوں حضرات انصاف کیجئے دین محمدی کی بھی کیا مضبوط بنا ہے کہ ابتدا
سے تا ایندم بلکہ بقائے عالم دشمنان خلفا نے کیا کیا چاہا اور چاہتے ہیں کہ اس چمکتے ہوئے
چراغ کو پھونک پھونک کے بجھائیں، حق ناحق آتش افروزی کر کے شعلہ فساد بھڑکائیں
لیکن وہ قدرتی نور بسان برق طور اور سوا تجلی دکھاتا ہے۔ ذرا دال نہیں گلتی اُسی کو کے
سے خود انہیں کا دل جل کے سارا حوصلہ پست و خوشکست ہو جاتا ہے مجال کیا ہے، کہ
زبان ہلائیں اور منہ کی نہ کھائیں۔ ادھر ذرا گردن اٹھائی اُدھر سر کوبی ہوئی قدرتی سکندری
کھائی جہاں چار قدم دوڑ کے چلے کہ چوپٹ گرے۔ دون کی لیتے ہی چھکے چھوٹتے ہیں رنج و
الم سے ماتم کے بہانے سینہ کوٹتے ہیں یوں تو صدہا برس سے کیسی کیسی قلعی کھلی ساری
شیخی کرکری ہوئی، لیکن اس ہنگام میں کہ اخیر زمانہ دنیا کی فکر دوزخ کے دھندے
سے نجات ہی نہیں عاقبت کا خیال کیا قیامت کا قرب چودھویں صدی ابھی سے نفسی نفسی کا ترجمہ
اپنی پڑی ہے، دینیات کا علم پھر اس میں کمال بالکل خواب و خیال ہے، جو بات ممکن ہی نہیں محال
ہے لیکن فقط ہماری خام خیالی ہے مردان خدا سے اب بھی کب دنیا خالی ہے چنانچہ تفصیل اس
اجمال کی معاینہ کتاب لاجواب جزو دوم آیات بینات تصنیف عالم علم معقول و منقول حامی دین
خدا و رسول سرآمد متکلمین۔ سلطان المناظرین واقف اسرار حقیقی رجل عالی جناب والا اخطاب محسن الملک
مولوی سید محمد مہدی علی خان صاحب بہادر منیر نواز جنگ معتمد پولیٹیکل فنانس سرکار آصفی
سے ہوتی ہے۔ اللہ اللہ کس متانت کی تقریر کس زور و شور کی تحریر ایک دریا ہے کہ موجیں مارتا ہے۔
نمونۂ قدرت خدا یہ تائید غیبی نہیں تو کیا ہے ایسی کثرت کار ضیق اوقات میں جوابات بہ شرح و
بسط کے ساتھ حتی الوسع کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا مخالف ہی کے قول سے منکرین کے زعم باطل کو
توڑا ہے عبارت کی پاکیزگی پر درود پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ مناظرے میں باوجود سخت کلامی مدعی اپنی
تہذیب ہاتھ سے نہ جانے دی ادب سے کام لیا ہے سحر بیانی اس کا نام ہے کہ شیریں زبان کی میٹھی
چھری سے دشمن کا کام تمام ہے ماشاء اللہ زور قلم کی ادنیٰ سی یہ ایک بات ہے جس وادی میں قدم

رکھا میدان اپنے ہاتھ رہے۔ لطف تو یہ کہ جو دعوے ہے بادلیل۔ با این ہمہ مطالب کثیرہ و عبارت قلیل جو بات ہے لاجواب ہے، جو فقرہ ہے انتخاب۔ بلاغت ایسی کہ ذرا سا نکتہ ایک دفتر فصاحت کا بہ طاقت بیان سے باہر۔ خدا شاہد یہ طرز تحریر بہت مشکل ہے معقولیت کے یہ معنی کہ دشمن اپنے ہوں سے قائل ہے۔ حافظہ وہ کہ سارا علم مناظرہ از بر۔ نگاہ اتنی وسیع کہ دشمن کا کتب خانہ پیش نظر۔ فقط کرامت صحابہ کرام ہے۔ نہیں یہ اعجاز رقمی انسان کا کام ہے۔ جیسا دل چاہتا ہے ویسی پو تعریف اس مختصر میں کب ہو سکتی ہے۔ ساتھ ہی اس شخص کی محنت و جانفشانی کی تعریف کرنی چاہیے جس نے اس کے پوچھنے اور شائع کرنے میں کوشش کی ہے۔ خاص فائدہ عام و عقبی کا نیک سمجھ کے نہ کسی طمع و لالچ سے وہ کون یعنی جو ان صالح فخر خاندان حافظ قرآن حبیبی و شفیقی حا عبد الواحد خان خلف الصدق برگزیدہ خدا پابند شریعت مصطفےٰ درویش صفت و فرشتہ خصلت وحید الزمان جناب محمد عبد الواحد خان صاحب مالک و مہتمم مطبع مصطفائی جانشین جنت مکا محمد مصطفےٰ خان سکنہ اللہ فی فردوس الجنان۔ پہلی جلد باجازت حضرت مصنف سنہ ۱۳۰۱ھ میں دا چھپوا کے شائع کی جو حضرت شائقین علم دین کی نظر سے گذری ہوگی۔ دوسری جلد یعنی جز دوم کے لیے کیسا کیسا اہتمام کیا زمین و آسمان ایک کر دیا لیکن کسی طرح وہ نسخہ دستیاب ہوتا تھا بارے جناب مخدومی و مکرمی منشی سید محمد ممتاز علی صاحب پیش کار کلکٹری بنارس رئیس سندیلہ ملک اودھ نے بہزار کوشش و جہد جناب منشی سید برکت علی صاحب سر رشتہ دار کمشنری پنشن یافتہ سرکار سے جن کے پاس ایک مسودہ کتاب دستی حضرت مصنف کا تھا حاصل کیا اور نقل و اصل دونوں نسخے حافظ صاحب موصوف کے نام روانہ کیے۔ اب اس محنت کو دیکھنا چاہیے حافظ صاحب موصوف نے بعد نظر ثانی و اجازت مصنف بصحت کمال صفائی و پاکیزگی سے بہ طبع درحقیقت جیسی محنت حضرت مصنف نے اس کی تصنیف میں کی ہے، اس سے کس قدر کم صاحب موصوف کو بھی مشقت کرنی پڑی، شکر ہے خدا کا جس نے اس محنت کی راحت دی دوسری جلد بھی چھپ گئی۔ اب خدا سے دعا ہے کہ اس کے مصنف اور جن سے یہ نسخہ دستیاب ہوا وہ اور جس نے بہزار کوشش اسے چھاپا اور شائع کیا ہے ان سب کے لیے۔

عمر و اقبال و آبرو ہو زیاد بمحمد و آلہ الامجاد

تمت

تردید شیعہ میں وہ مشہور اور عظیم کتاب جس کا صحیح جواب آج تک علمائے شیعہ نہ دے سکے جس میں خود شیعہ مذہب کی کتب اور انکے علماء کے اقوال سے صحابہ کے فضائل اور خلافتِ راشدہ کو ثابت کیا ہے اور مسئلہ نکاح ام کلثوم اور باغِ فدک پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے

تالیف محسن الملک

سیّد محمّد مہدی علی خان

جلد اوّل

دار الاشاعت

مولوی مسافر خانہ کراچی